طرابلس کے نامور محقق عالم علامہ حسین آفندی کی جدید علم کلام پر
مشہور تصنیف "الرسالۃ الحمیدیہ" کا اردو ترجمہ

سائنس اور اسلام

مترجم: مولانا سید محمد اسحق علی صاحب مدرسہ جامع العلوم کانپور
زیر نگرانی: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
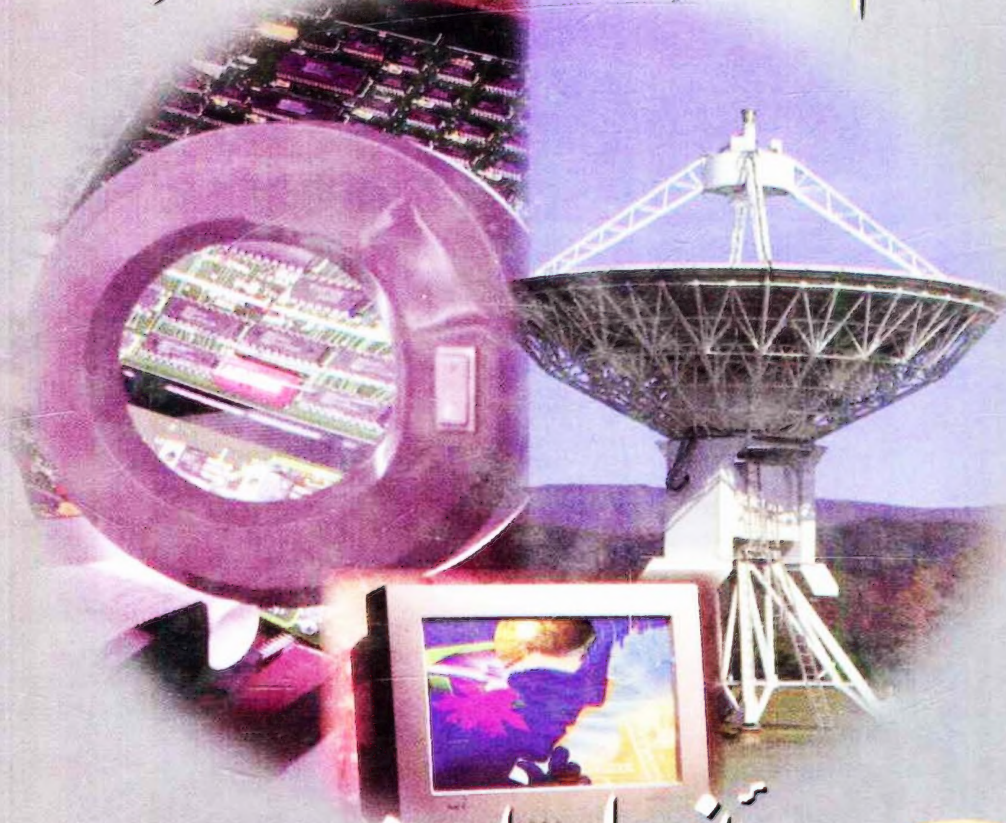
مع رسالہ

سائنس اور اسلام

از حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ادارۃ اسلامیات
لاہور۔ کراچی

طرابلس کے نامور محقق عالم علامہ حسین آفندی کی جدید علم کلام پر
مشہور تصنیف "الرسالۃ الحمیدیہ" کا اردو ترجمہ

سائنس اور اسلام

مترجم: مولانا سید محمد اسحٰق علی صاحب مدرس جامع العلوم کانپور
زیر نگرانی: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

مع رسالہ **سائنس اور اسلام**

از حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات لاہور

پہلی بار عکسی طباعت ——— محرم ۱۴۰۵ھ اکتوبر ۱۹۸۴ء

باہتمام ——— اشرف برادران سلمھم الرحمٰن

ناشر ——— ادارۂ اسلامیات، لاہور

مطبع ——— نفیس پریس۔ لاہور

قیمت مجلد ———

کتابت ——— مشتاق احمد جلالپوری

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۹۰۔ انارکلی، لاہور، پاکستان — فون [illegible]

چوک اردو بازار، کراچی

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات۔ ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

دارالاشاعت، اردو بازار۔ کراچی نمبر ۱

ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ پوسٹ بکس نمبر ۳۰۴ ملتان

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ اما بعد !

الحمد للہ کہ "سائنس اور اسلام" کے نام سے یہ گراں قدر دینی تحریر آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب جدید علم کلام کی مشہور عربی درسی کتاب "الرسالۃ الحمیدیۃ" کا ترجمہ ہے جو طرابلس کے مشہور عالم علامہ حسین آفندی نے لکھی تھی اور بہت جلد اسے عرب و بیرون عرب ممالک میں قبولِ عام حاصل ہو گیا ۔ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ہند و پاک کے ممتاز دینی مدارس میں یہ کتاب داخلِ نصاب کی گئی اور اب بھی کئی جگہ شاملِ درس ہے ۔

اس دور کے مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے کتاب کے نفعِ عام کے پیشِ نظر اس کا ترجمہ کروانا مناسب سمجھا اور اپنے شاگردِ رشید مولانا سید محمد اسحاق علی صاحب مدرس جامع العلوم کانپور کے ذمہ یہ کام سپرد کیا ، جنھوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے نہ صرف یہ کہ عمدہ ترجمہ کیا بلکہ اس میں ضروری مفید حواشی کا بھی اضافہ فرما دیا ۔ جسے حضرت تھانوی رح نے بنظرِ پسندیدگی ملاحظہ فرمایا اور خود تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب میں شامل ہے ۔

یہ کتاب ہند و پاک میں کئی بار چھپی مگر اب کافی عرصہ سے ناپید تھی ۔ بحمد اللہ و توفیقہ ادارۂ اسلامیات کو اس کی اشاعت کی سعادت حاصل ہوئی اور نئی کتابت اور جدید پیراہن میں یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ مزید افادہ کی خاطر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا معروف رسالہ جو اسی نام سے طبع ہو چکا ہے ، اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے ۔ اس طرح اب یہ کتاب انشاء اللہ تعالےٰ دو اہم تحریروں کا مجموعہ ہو کر پہلے سے زیادہ نافع ثابت ہو گی ۔ حق تعالےٰ اس کتاب کی اشاعت کو مصنفین ، مترجم و ناشرین کے لئے باعثِ نجات اور عام مسلمانوں کے لئے علم و عمل کا ذریعہ بنائے ۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

والسلام ناشر

اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

"سائنس اور اسلام"

یعنی

رسالہ "حمیدیہ" کا اُردو ترجمہ

"سائنس اور اسلام" کے موضوع پر

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحبؒ

کا علمی مقالہ

تقریظ

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی ؒ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست   آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

مدت سے یوں دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب جمع کی جاوے جس سے اُن خیالات کی اصلاح ہو جو بوجہ ناواقفیت علومِ دینیہ کے بعض نوجوانوں کو تعلیم فلسفۂ جدیدہ سے اسلامی فروع و اصول میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی اثناء میں اتفاقاً ایک کتاب "حمیدیہ" نامی نظر سے گزری جو اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی و وافی ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ عربی زبان میں تھی اس لئے اپنے ہموطن بھائیوں کے لئے اُردو میں اس کا ترجمہ ہونا مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ بفضل خداوندی عزیزی جلیبی مولوی سید اسحاق علی کانپوری سلمہ اللہ تعالیٰ بالفیض الخفی والجلی کے ہاتھوں یہ کام بخیر و خوبی اتمام کو پہنچا اور اول سے آخر تک میری نظر سے گزرا۔ اصل و ترجمہ کی خوبی کا بیان کرنا شاید مبالغۂ شاعرانہ پر محمول ہو اس لئے اہلِ انصاف و فہم کے ملاحظہ اور اصل و ترجمہ کی تطبیق پر اُس کو حوالہ کیا جاتا ہے۔ اتنا البتہ کہنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے کہ مصنف و مترجم نے اپنے ہم چشموں میں گویا خرقِ عادت کر دکھلایا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عن جمیع المسلمین خیر الجزاء وجعل عقباہما خیراً من الابتداء۔

اب خدا تعالےٰ سے یہ دُعا ہے کہ یہ ترجمہ چھپ جاوے اور ہر طالب علم عربی و انگریزی مدارس کا اس سے منتفع ہو اور ان سب کے لئے یہ سرمایۂ ہدایت و اہتداء ہو۔

آمین ! یارب العالمین !

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

کاتب الحروف، ناچیز **اشرف علی تھانوی** غفر لہ والوالدیہ

۲۸ رجب ۱۳۱۵ھ ہجری

فہرست مضامین

(سائنس اور اسلام)

التماسِ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ

واصحابہٖ اجمعین

آج کل کا زمانہ بھی عجب زمانہ ہے کہنے کو تو کون سی شئے ہے جس میں موجودہ زمانے میں ترقی نہیں ہوئی جو باتیں متقدمین کے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ گزری ہوں گی وہ آج کل آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ علم کائنات کی جو شاخ لیجئے اس کی تحقیقات کا پایہ بہت ہی بلند نظر آئے گا۔ صنعت میں وہ وہ ایجادیں ہوئیں کہ جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ صناعان چین کی صناعیاں جو کسی زمانہ میں ضرب المثل تھیں اب گرد نظر آتی ہیں۔ علم الافلاک کو دیکھئے تو بہت سے نئے سیاروں وستاروں کا ذخیرہ نظر سے گزرے گا جو قدماء کے زمانے میں موجود نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہر شئے ترقی کا دم بھرتی ہے۔ لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو جس قدر اور علوم وفنون میں ترقی ہوئی ہے اسی قدر اخلاقی اور مذہبی پہلو انحطاط کی جانب گرتا چلا گیا ہے۔ سائنٹیفک دنیا میں یورپ کے لوگ سب سے زیادہ مہذب مانے جاتے ہیں لیکن اخلاقی جرائم کا جس قدر یورپ کے لوگ حصہ لیتے ہیں شاید دوسرے ممالک میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بچوں کی تعداد کے پورا کرنے میں ایسے بہت سے بچے شامل ہوتے ہیں جن کے باپ کا پتہ نہیں اس کو بھی جانے دیجئے شراب خوری کیا کم ہے جس کو تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ کہنا کچھ مبالغہ نہیں۔ چنانچہ اسی واسطے اس کو ام الخبائث کا لقب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نئی تہذیب کا جس قدر زیادہ حصہ کسی ملک نے لیا ہے اسی قدر اس میں اخلاقی برائیاں زیادہ شائع ہیں۔

یہی حالت کیا اسلام اور کیا دیگر مذاہب جنہوں نے تہذیب اخلاق کا ذمہ لیا ہے سب پر قریب قریب صادق آتی ہے کوئی مذہب والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مذہب کی آب و تاب کا پایہ بلند ہے۔ بظاہر اگر آپ کوئی ایسا مذہب انتخاب کریں گے تو شاید عیسائیت کا نام لیں گے لیکن اگر آپ عیسائیوں کے خیالات ٹٹولیں گے تو جن کو عہد عتیق و عہد جدید کے موافق عیسائی کہا جاسکے ایسے لوگوں کی بہت ہی کم تعداد ملے گی جدید سائنس کی بدولت بہت کچھ دہریت کا حصّہ آپ ان کے خیالات میں شامل پائیں گے۔ سائنس کے مقابلہ میں موجودہ مذاہب میں سے بہتیرے تو ٹھہر ہی نہیں سکتے" اور اگر کوئی مذہب ٹھہر سکتا ہے تو وہ یا تو اسلام ہو گا یا وہ مذہب جس میں اسی کے قریب قریب باتیں مانی جاتی ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ دنیا بھر میں ایک مذہب اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو سائنس کے ہم پہلو ہو کر چل سکتا ہے۔ چنانچہ دہریت کا خراب اثر جتنا کہ دیگر مذاہب پر پڑا اس قدر اسلام پر نہیں پڑا اور جس قدر کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام میں محقق سائینٹفک اصول کے خلاف کوئی بات مانی جاتی ہے بلکہ اس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے علوم کائنات اور فلسفہ جدیدہ کو حاصل کیا ان میں اکثر ایسے اشخاص شامل ہوئے جو اپنے مذہب سے بالکل ناواقف تھے یا وہ اس قدر واقفیت نہ رکھتے تھے جو اسلام اور سائنس کو پہلو بہ پہلو لے چلنے کے لئے کافی ہوتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر تعلیم یافتہ اشخاص اس بلا میں پھنس کر عجب مخمصہ میں گرفتار ہو گئے۔ بعضوں نے تو یہ کہہ کر اپنا جی سمجھالیا کہ مذہب کو سائنس سے کوئی علاقہ نہیں اور بعضوں نے اپنے سچے مذہب کے مقابلے میں سائنس کی اس قدر حد سے زیادہ وقعت کی کہ انہوں نے اسلام کے وہ مسلم الثبوت مسائل جو بانی اسلام کے زمانے سے لے کر آج تک اسلامی دنیا میں برابر مانے گئے تھے اور عقلاً و نقلاً مدلل ہو چکے اُن کا انکار کر دیا اور اس کا باعث صرف یہ ہُوا کہ جدید فلسفہ کی مزاولت کی وجہ سے اسلامی صحیح مسئلہ کو اسلامی لباس میں نہ پہچان سکے اور اسی بنا پر انہیں سائنٹیفک اصول کے وہ خلاف معلوم ہوا ورنہ اگر کوئی جامع شخص وہ مسئلہ ان کو سائنٹیفک لباس پہنا کر دکھاتا تو بے دھڑک اس پر ایمان لے آتے۔ پس اسی دقّت کے رفع کرنے کے لئے بہت سخت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ہمارے تعلیم یافتہ

بھائیوں کو اسلامی مسائل سائنٹیفک لباس میں دکھا سکے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس کا غیب سے سامان کر دیا اور مولانا حسین آفندی الجسر طرابلسی کو ایک ایسی عربی کتاب جس کا نام حمیدیہ ہے لکھنے کی توفیق دی جو فلسفۂ جدیدہ کے موافق بالکل سائنٹیفک اصول پر تالیف کی گئی ہے اور جو جو شبہات ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کو اسلامی مسائل میں پیدا ہوتے تھے قریب قریب ان سب کا علوم جدیدہ کے موافق شافی جواب دیا ہے۔

وہ کتاب ہمارے بزرگ حضرت اقدس مقتدانا و مولانا جناب حاجی حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی کے ملاحظہ سے گزری چونکہ مولانا صاحب موصوف کو اپنے دینی بھائیوں کی اصلاح دل سے مدنظر تھی آپ نے اس عاجز کو اس کے ترجمہ کرنے کا ارشاد کیا۔ یہ ہیچمدان اگرچہ اس قابل نہ تھا لیکن بمقتضائے "الامر فوق الادب" خدا پر بھروسہ کر کے اس پر آمادہ ہو گیا اور جناب موصوف ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ بنظر تصحیح ملاحظہ فرماتے رہے اور جو مقام کتب سابقہ سے نقل بشارات کا اس کتاب میں تھا اس کو غایت اہتمام کے لئے مولوی رحم الٰہی صاحب کو بھی عاجز نے سنا دیا اور ان کی رائے سے ان کی کتاب براہین رحمیہ سے بعض حواشی مفیدہ بھی چڑھا دیئے۔ مولوی صاحب کو اس بحث خاص میں کامل دستگاہ حاصل ہے اور بشارات کتب سابقہ کے باب میں مولوی صاحب کی کتاب براہین رحمیہ بھی اپنی آپ نظیر ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ وہ ترجمہ اختتام کو پہنچ گیا۔ ترجمہ کرنے کی جن صاحبوں نے کبھی دقت اٹھائی ہو گی وہ اندازہ کر سکیں گے کہ عاجز کو کس قدر کلفتیں برداشت کرنا پڑی ہوں گی خصوصاً جب کہ اس کا بھی لحاظ کیا گیا ہو کہ عبارت حتی المقدور بامحاورہ رہے اور مصنف کا اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے۔ عاجز نے اپنے مقدور بھر کوشش کرنے میں اگرچہ کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن بمقتضائے "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" غلطیوں کا واقع ہونا خصوصاً مجھ ایسے کم استعداد طالب علم سے کچھ مستبعد نہیں مگر تاہم ناظرین سے امید ہے کہ یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ درجہ کے طالب علم نے اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے کوشش کی ہے۔ مسامحات سے قطع نظر کر کے اس ناچیز ترجمہ کو محبت کی نظر سے دیکھیں گے اور اصلی مقصود

کا لحاظ رکھیں گے اور باوجود اس کے جو بزرگوار ملت اس کی بابت کوئی نیک مشورہ دیں گے نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور انشاء اللہ آئندہ اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

میں اہلِ اسلام سے عموماً اور تعلیم یافتہ پارٹی سے خصوصاً اس بات کا ملتجی ہوں کہ اصل کتاب کو یا کم سے کم اس کے ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ علاوہ تحقیقات مسائل اسلامیہ کے اس میں بتہیری فلسفۂ جدیدہ کی دلچسپ بحثیں نظر سے گزریں گے جو فائدہ سے خالی نہیں۔ کاش اس کتاب کا ترجمہ کوئی بہی خواہِ قوم انگریزی زبان میں کرتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ مجھ میں تو اس قدر قابلیت نہیں کہ میں اس کا ترجمہ ایسی انگریزی میں کرسکوں جو آپ لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہو سکے۔ ورنہ میں اردو کی طرح اس سے بھی ہرگز باز نہ رہتا۔ لیکن امید ہے کہ ہمارے گریجویٹ بھائیوں میں سے کوئی صاحب اس بات پر کمر ہمت باندھیں گے اور موجودہ اور آئندہ اسلامی نسلوں کو اس بلائے بے درماں سے بچائیں گے اور ہمدردئ قوم کا عملی ثبوت دیں گے۔

فقط والسلام خیر ختام

سید اسحاق علی عفی عنہ
مدرس جامع العلوم کانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد

رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ جامع علوم عقلی ونقلی حسین بن محمد الجسر طرابلسی مؤلف رسالہ حمیدیہ نے اپنے دیباچہ میں وجہ تالیف[1] اور وجہ تسمیہ تحریر کی تھی لیکن چونکہ یہ دونوں امر چنداں مفید اور باعث دلچسپی نہ تھے اس لئے اس کو چھوڑ کر اصل مقصود سے ترجمہ کیا گیا ناظرین معاف فرمادیں۔ وھو ھذا۔

ایک شہر کے سارے لوگوں میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کی حالت یہ ہے کہ اپنی ابتدائے پیدائش سے تمام لوگوں میں سچائی اور امانت داری کے ساتھ معروف ومشہور ہے۔ نہ کبھی اس نے کوئی جعلسازی کی نہ کبھی ناحق حیلہ بازی اس سے دیکھی گئی۔ اسی طرح لوگوں کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ وہ ناخواندہ محض ہے کچھ لکھا پڑھا نہیں تو پھر بھلا دوسرے کے خط کی نقل کرنا تو درکنار اور نہ کبھی اس نے شاہی قوانین اور قاعدے ہی بنانے کی مشقت اٹھائی جن میں عام رعایا کی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے۔ پس کھڑے ہو کر اس شخص نے باواز بلند سارے لوگوں میں ایک آواز دی اور ان سے کہا کہ اے لوگو! سن لو کہ میں تمہارے پاس تمہارے بادشاہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں۔ بادشاہ کا مجھے حکم ہے کہ اس کا پیغام تمہیں پہنچا دوں اور اس کے ان قوانین کی جنہیں اس نے تمہارے لئے حال ہی میں جاری کیا ہے بخوبی تشریح کر دوں۔

---

[1] وجہ تالیف کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انگریز نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں تطبیق دینی چاہی تھی اور اسلامی مسائل کی تحقیق کا ارادہ کیا تھا لیکن چونکہ اس کی تحقیقات ناکافی تھیں اور اسی وجہ سے اطمینان بخش بھی نہ ہو سکتی تھیں اس لئے یہ رسالہ تالیف کیا گیا اور وجہ تسمیہ تو خود رسالہ حمیدیہ کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ سلطان معظم سلطان عبدالحمید خاں لازالت ایام دولۃ الباہرہ وسلطنۃ القاہرہ کے اسم مبارک کی طرف منسوب ہے۔ مترجم

اس کا حکم ہے کہ تم لوگ ان قوانین کے مقتضیٰ پر چلو اور اُن کے مضمون کے موافق عملدرآمد کرو۔ اور یہ کوئی نئی بات تو ہے ہی نہیں اُس نے تو زمانہ گزشتہ میں بھی میرے علاوہ تمہارے پاس متعدد سفیر بھیجے تھے اور انہوں نے اس زمانہ کے مناسب جو قوانین تھے تمہیں بادشاہ کی جانب سے پہنچائے بھی تھے۔ لیکن اب بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ان پرانے قوانین میں سے بہت سے منسوخ ہو گئے ہیں انہیں چھوڑ دو کیونکہ جو زمانہ اُن کے مناسب تھا وہ گزر گیا۔ اب تمہارے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ان نئے قوانین کی پیروی کرو جو اس نے میرے ساتھ کر دیئے ہیں۔ اسی طرح اُس کا یہ بھی حکم ہے کہ ان رسموں کو ترک کرو جو تم نے اپنے آبا و اجداد سے سیکھی ہیں یا اپنی خواہش سے اختراع کر لی ہیں کیونکہ اس نے ان کا کسی وقت میں حکم نہیں کیا اور سچ پوچھو تو وہ ہیں ہی بُری رسمیں اور قبیح عادتیں جن سے عقل انکار اور طبیعت نفرت کرتی ہے اور ان میں تمہارا سراسر ضرر ہی ضرر ہے اور ان میں سے بہتیری رسمیں تو ایسی ہیں جن سے بادشاہ کی بیشمار نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے اور اس کی ضعیف رعیت پر ظلم۔ پس بادشاہ کا حکم سمجھ کر میری تصدیق کرو اور میری راہ چلنا اپنے اوپر لازم کر لو تاکہ تمہیں بتا دوں کہ بادشاہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض ہوتا ہے۔

یہ سن کر سب لوگوں نے اُسے جواب دیا کہ اس سے کہنے لگے کہ اے مقام عظیم اور منصب عالی کے دعویدار! ذرا ٹھہر! تو نے تو اپنے اس دعوے سے ہمیں ایسی راہ چلنے کی تکلیف دی ہے جس پر چلنا ہمیں سخت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ہمارے نفوس اس سے نفرت کرتے ہیں عقلیں منقبض ہوتی ہیں اور ہماری فکریں اس کے تحمل کے خیال سے مضطرب ہوئی جاتی ہیں۔ ہاں جب ہمارے نزدیک یہ بات محقق ہو جائے کہ ہمارا بادشاہ جس کے ہم پر بکثرت احسانات ہیں اور جو ہماری جانوں کو اپنی بخشش سے غلام بنائے ہوئے ہے وہی اس کا حکم کرتا ہے اور اسی نے ہمارے لئے یہ باتیں پسند کی ہیں تو اس وقت تو سوائے اطاعت کرنے کے ہمیں کوئی گنجائش نہ رہے گی اور تیری بات ماننا تیری سفارت کی تصدیق کرنا اور تیری پیروی کرنے پر متوجہ ہو جانا ہمیں ضروری ہو جائے گا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ہمارے بادشاہ کو ہم پر احکام نافذ کرنے کا استحقاق حاصل ہے اور اس کی ہم پر زور دار

حکومت بھی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ ہمارے لئے ایسی ہی چیز پسند کرتا ہے جس میں ہماری سراسر ظاہری و باطنی مصلحت ہی مصلحت ہو۔ لیکن یہ تو بتا کہ تیرے دعوے کے صحیح ہونے کی کوئی برہان کوئی دلیل بھی ہے؟ جو ہمیں تیرے سامنے پست ہو جانے اور تیری بات کے یقین کرنے پر مجبور کر دے۔ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں! اے عقلمند وہے اور بھلا عقلمند کو کیا یہ زیبا ہے کہ بلاکسی حق تک پہنچانے والی دلیل کے کسی کے دعوے کی تصدیق کر لے؟ لو دیکھو! بادشاہ کے خط کا۔ بادشاہ کی مہر کا۔ بادشاہ کی طرزِ تحریر کا جسے تم بھی پہچانتے ہو میرے پاس ایک فرمان ہے اُس میں وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص یعنی میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں صفات سے آراستہ ہے جو معائنہ کرنے کے وقت اس میں ظاہر ہیں جو کچھ میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اور میں نے تمہارے پاس اسے سفیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ اُن قوانین کی تمہارے لئے تشریح کر دے جنہیں میں نے تمہارے نفع کے لئے مقرر کیا ہے۔ پس اس کے حکموں کی تعمیل کرو اور اس کے منہیات سے بچتے رہو۔

تو اُن لوگوں نے کہا کہ اچھا تو پھر وہ فرمان جس کا تو دعوے کرتا ہے ہمارے روبرو پیش کر کہ ہم دیکھیں کہ تیرا جھوٹ سچ کھل جائے اور ہمارا شبہ مٹ جائے۔ پس اس وقت اُس نے وہ فرمان نکالا اور ان کے سامنے ڈال دیا اور ہر ادنیٰ اور اعلیٰ اُس میں غور کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور سب کے سب نے اس میں غور کیا اس کو پڑھا اُس کے معانی سمجھے تو بادشاہ کی طرف سے اس کے کہنے کے موافق لوگوں کے لئے صاف یہی فرمان نکلا کہ یہ شخص میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں علامات سے آراستہ جو اس میں ظاہر ہیں تمہارے پاس میرا سفیر بن کر آتا ہے اور جو چھوٹی بڑی بات میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اس کے حکموں کو مانو اور اس کی منہیات سے بچو اور جو قوانین میں نے تمہارے لئے جاری کئے ہیں اس سے سیکھو۔ اسی طرح جس جس بات کا وہ دعویٰ کرتا تھا کہ بادشاہ نے فلاں فلاں کام میرے سپرد کئے ہیں اس میں اول سے آخر تک سب کے سب نکلے اور چونکہ وہ سب لوگ قوتِ ادراک اور طریقِ استدلال کی شناخت میں متفاوت تھے اس لئے کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ سارا علم شخصِ واحد کے پاس نہیں مل سکتا

البتہ پوری جماعت کے ساتھ مل سکتا ہے ۔

پہلا فرقہ ۔ لوگوں کا شاہی خط کو پہچان کر اُسکی سفارت کی تصدیق کرنا

چنانچہ ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ شاہی خط کو کماحقہ پہچانتے تھے اور اس میں دھوکہ نہ کھا سکتے تھے اور اس کا بھی انہیں یقین تھا کہ وہ شخص نقل نہیں کر سکتا ۔ پس جب انہوں نے یہ فرمان دیکھا تو کہنے لگے یہ تو ہمارے بادشاہ ہی کا خط ہے اس لئے ہو نہ ہو بلاشبہ یہ اسی کا بھیجا ہوا فرمان ہے تو ہم نے تو جو کچھ اس میں ہے پورے طور سے اس کا یقین کر لیا اور اس شخص کے دعویٰ میں اس کی تصدیق کر لی ۔

دُوسرا فرقہ ۔ شاہی مُہر کو پہچان کر تصدیق کرنا

ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ شاہی مہر پورے طور سے پہچانتے تھے اور یہ بھی انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ شخص نقل نہیں کر سکتا پس جونہی انہوں نے اس فرمان کو دیکھا تو وہ بول اُٹھے کہ بے شک یہ ہمارے بادشاہ ہی کی مہر ہے اس میں کسی طرح کا جعل نہیں ہو سکتا پس ہم نے بھی اس شخص کی بلا چون وچرا تصدیق کر لی ۔

تیسرا فرقہ ۔ لوگوں کا بادشاہ کی انشاءپردازی اور طرزِ تحریر اور سلطانی خطابات کو پہچان کر تصدیق کرنا

ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ بادشاہ کی انشاء پردازی اس کے شاہی طرزِ تحریر اور سلطانی خطابات سے بخوبی واقف تھے جس کی بلاغت سے اور لوگ عاجز محض ہیں پس وہ لوگ کہنے لگے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فرمان کا طرزِ تحریر ہمارے بادشاہ ہی کا طرزِ تحریر ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ طرزِ تحریر اسی کے ساتھ خاص ہے اور یہ خطاب بھی اسی کا سا خطاب ہے جس کو ہم نے اسے اپنی رعایا کی مخاطبات میں استعمال کرتے ہوئے بارہا دیکھا ہے اسی لئے

ہم نے بھی اس شخص کی اس کے دعوے میں تصدیق کر لی۔

چوتھا فرقہ۔ ایسے تحفے طلب کرنا جو بادشاہ کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھے!

ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ امور مذکورہ بالا میں سے تو کچھ بھی نہ جانتے تھے لیکن انہیں یہ معلوم تھا کہ ہمارے بادشاہ کے پاس قسم قسم کی نایاب چیزوں کے ذخیرے ہیں کہ اس کے سوا بڑے بڑے مالداروں اور بادشاہوں کے پاس بھی نہیں مل سکتے تو وہ لوگ اس شخص سے کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو تیرے سچے ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس کے خزانہ خاص کی فلاں فلاں نادر اشیاء بادشاہ کے پاس سے لاکر حاضر کر دے تو اُس نے انہیں جواب دیا کہ میں انشاء اللہ یہ بھی کروں گا اور پھر تھوڑی مدت کے بعد جو کچھ انہوں نے مانگا تھا اس نے لاکر حاضر کر دیا اور لوگوں نے اُسے دیکھا اور پہچان لیا اور اُنہیں یہ بھی خوب معلوم تھا کہ بادشاہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر اُن نادر اشیاء کا حاضر کر دینا بالکل ناممکن ہے کیونکہ وہ سب انتہا درجہ کی حفاظت کے ساتھ اُس کے خزانوں میں محفوظ ہیں، پس اس وقت اس فرقہ نے اس شخص کے دعوی کی کامل طور پر تصدیق کر لی۔

پانچواں فرقہ۔ گذشتہ سفیروں کے قول سے استدلال جو ایک سفیر کے آنیکی خبر دے گئے اور اس کی علامتیں بتلا گئے تھے

ان میں سے ایک فرقہ بولا کہ ہمارے بادشاہ نے گذشتہ زمانہ میں کچھ سفیر بھیجے تھے اور اس زمانہ کے مناسب قوانین ان کے ساتھ کر دیئے تھے جو اس زمانہ کی ضرورت کے لئے بالکل کافی تھے اور انہوں نے اپنے دعوی کے ثابت کرنے والے دلائل قائم کرکے یہ امر مدلل کر دیا تھا کہ انہیں بادشاہ ہی نے بھیجا ہے اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بادشاہ اس بات

کو ٹھان چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے بعد وہ ایک اور سفیر بھیجے گا اور ایسے قوانین اس کے ساتھ کر دے گا جو تمہارے حالات کی اصلاح کے پورے کفیل ہوں گے اور جس زمانہ میں اُسے بھیجے گا اس کے مناسب اور اس کی ضرورتوں کے کافی طور پر ذمہ دار ہوں گے اور اس سفیر میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہوں گی۔ چنانچہ وہ ہمیں بہت سی علامتیں بتلا بھی گئے تھے کہ جن سب کا اجتماعی طور پر دو شخصوں میں بھی پایا جانا عقل نہیں مان سکتی۔ پس اب ہم جو کچھ یہ شخص لایا ہے اور جس کی نسبت اس کا دعوےٰ ہے کہ ہمارے بادشاہ کے پاس سے اسے ملا ہے۔
اس میں غور کرتے ہیں اگر یہ سفیران گذشتہ کے قول کے موافق نکلا اور اس شخص میں ان سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں پائی گئیں تو ہم جان لیں گے کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہُوا تو بے کھٹکے اس کے دعوے کو الگ کریں گے۔ پس یہ کہہ کر جب انہوں نے ان قوانین میں تامل کیا جن کی نسبت اس کا دعوےٰ تھا کہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں تو اسے سفیرانِ گذشتہ کی خبر کے سراسر موافق پایا اور جب ان سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتوں کی تفتیش کی تو بلا کسی بناوٹ کے کھلم کھلا وہ اس میں نظر آئیں۔ پس جب انہوں نے ہر طرح سے اپنا اطمینان کر لیا تو اس وقت وہ بھی اس کے دعوے کے مصدق بن گئے اور انہوں نے بھی کامل طور پر اس کی پیروی اختیار کر لی۔

چھٹا فرقہ - اس کے بتلائے ہوئے قوانین کو تمام رعایا کے لئے مفید اور نافع عام دیکھ کر استدلال کرنا

ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ اس شخص کے اوامر و نواہی میں ہم غور کریں اور اُن قوانین کو سوچیں جن کے بادشاہ کے پاس سے ہونے کا یہ مدعی ہے اگر ایسی چیزوں کا حکم کرے جن کو ہم بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے ہیں اور ایسی ہی چیزوں سے منع کرے جس کو اُس کی مرضی کے خلاف جانتے ہیں اور اس کے لائے ہوئے قوانین کو بھی ہم انہیں قوانین کی طرح جن کو ہم شاہی قوانین سمجھتے ہیں اصلاح کا متکفل اور

لوگوں سے مشقت کی خرابیوں کا دفع کرنے والا دیکھیں خصوصاً جب کہ ہم یہ بات دیکھ لیں کہ کسی ایسی شئے کا حکم نہیں کرتا جس کا نفع اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہو بلکہ اس کے مقاصد کا مآل کار تمام فرقوں کے لئے عام طور پر نفع پہنچانا ہو تو ہم جان لیں گے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہوا تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ پس جب یہ کہہ کر انہوں نے اس کے احکام میں نظر کی تو انہیں ان احکام کے بالکل موافق پایا جنہیں وہ اپنے بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے تھے اور اسی طرح اس کے قوانین کو بھی ممالک کی اصلاح اور لوگوں کی کامیابی اور رفع فساد کا پورا متکفل دیکھا اور اس کے تمام اوامر و نواہی میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس کا نفع اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوتا بلکہ اس کی ساری باتیں ایسی ہی دیکھنے میں آئیں کہ جن سے عام نفع حاصل ہوا اور ضرر دفع ہوا اور اس میں یہ تعلیم بھی تھی کہ وہ اپنے بادشاہ کے انعامات کا شکر ادا کریں اور حقیقت میں اُس شکر کا نفع آخر کار انہی کو ملنے والا ہے۔ پس اس وقت تو ان لوگوں نے اس شخص کے صادق ہونے کا یقین کر لیا اور اس کے سامنے پورے طور سے فروتنی اختیار کر لی۔

ساتواں فرقہ۔ کافی مدت تک انتظار کرنے کے بعد بھی بادشاہ کی جانب سے اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ دیکھ کر تصدیق کرنا

ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم لوگوں میں جن جن باتوں کا یہ دعویٰ کرتا ہے اور جو جو قوانین یہ شائع کر رہا ہے اور آئندہ شاہی رعایا کے لئے جو کچھ جاری کرنے کا یہ ارادہ کرتا ہے ہمارے بادشاہ کو ضرور اس کی خبر پہنچے گی اور یہ ناممکن ہے کہ اس بات کی اسے اطلاع نہ ہو کیونکہ یہ بات تو کیا عام اور کیا خاص سب میں شائع ہو چکی ہے اور ایسی بات تو دور و دراز مقامات کے لوگوں سے بھی نہیں چھپ سکتی سو اگر اس کا دعویٰ صحیح ہو گا تو بادشاہ اس کو اس کے کاموں پر بحال رکھے گا اور کسی ایسے کو نہ بھیجے گا جو اس کی غلط بیانی ظاہر کر کے اس کی تکذیب کرے اور اس کو مع اس کے ساتھیوں

کے گرفتار کرے اور ان سب کو سخت سزا دے اور اگر یہ جھوٹا ہوگا اور بادشاہ پر اُس کے خط کا۔ اُس کی مہر کا جعل باندھا ہو گا اور اس کی رعیت کو اپنی خواہشوں کا کھیل بنا رکھا ہوگا تو اس میں کچھ شک نہیں کہ بادشاہ خبر پاتے ہی بہت جلد کسی ایسے کو بھیجے گا جو اس کی تکذیب کرے اور اُس کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کرے اور ان سب کو بڑی عبرتناک سزا دے اس لئے کہ ایسا جعل اور ایسی افترا پردازی ہمارے دانا اور عاقل بادشاہ کے نزدیک کوئی چھوٹی بات نہیں ہے بلکہ وہ بڑی ہی سخت بات ہے۔ ممکن نہیں کہ ایسی بات کو وہ معاف کرے یا تساہل وچشم پوشی سے کام لے۔ پس یہ سوچ کر یہ لوگ ایک کافی زمانہ تک توقف کئے رہے تاکہ بادشاہ کو اس کی خبر معلوم ہو جائے اور اتنا زمانہ گزر گیا کہ کسی طرح اتنے زمانہ تک بادشاہ سے اُس خبر کا مخفی رہنا عقل میں نہیں آسکتا اور باوجود اس کے بادشاہ کی جانب سے کوئی نہ آیا جو اس شخص کی تکذیب کرتا اور اس کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیتا اور ان کو سزا دیتا اور لوگوں کو اس کے شائع کردہ قوانین پر عمل کرنے سے باز رکھتا بلکہ روز بروز اس کے ساتھی بڑھتے ہی گئے اور وقتاً فوقتاً اس کی حالت میں ترقی ہوتی رہی جب ان لوگوں کا سب طرح سے اطمینان ہوگیا تو انہوں نے بھی اس شخص کی تصدیق کر لی اور اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

آٹھواں فرقہ۔ گذشتہ فرقوں کی اجتماعی طور پر تصدیق کرنے کی ایک مستقل دلیل قرار دے کر ایک فرقہ کا استدلال کرنا

ان میں سے ایک فرقہ کی سمجھ میں یہ ساری دلیلیں تو آئی نہیں لیکن انہوں نے اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی حالت میں غور کرنا شروع کیا اور ان دلیلوں کو سوچنے لگے جن کی وجہ سے یہ سارے فرقے اس شخص کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے تھے پس وہ کہنے لگے یہ سب لوگ تو بڑے دانشمند ہیں نہ معلوم انہوں نے محض اس شخص کی تصدیق کے پیچھے اپنی آبائی رسمیں اور قدیم شاہی قوانین کیوں چھوڑ دیئے بے شک یہ بڑا مشکل امر ہے

کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر پہلے بادشاہ کے قانون کا چھوڑنا اس کی مرضی کے خلاف پڑا تو اُن پر بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی ہو نہ ہو یہی بات ہے کہ اس شخص کی راستی کی دلیلیں انہیں خاطر خواہ معلوم ہوگئی ہیں جن پر یہ بھروسہ کر بیٹھے ہیں ورنہ انہیں کیا ہوا تھا جو اپنی عادتوں کو چھوڑتے اور ایسی جرأت کر کے ناحق خطرہ میں پڑتے اور ان کی عقلیں انہیں اس کی اجازت دیتیں پس بے شک اس شخص کی راستی پر ان سب کا اتفاق کر لینا اس کی سچائی کی کافی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ ساری دلیلوں کا جمع ہو جانا اور ان سب کا اتفاق کر لینا اتفاقی بات ہے۔ عقل میں کسی طرح نہیں آتا اور اس کا کوئی سمجھدار قائل نہیں ہو سکتا اس لئے ہمارے نزدیک تو اس شخص کی راست بازی پورے طور سے ثابت ہوگئی اور ہم نے اس کی تصدیق کر لی اور بلا تردد اس کی سفارت کا اقرار کر کے اس کے مطیع بن گئے۔

نواں فرقہ۔ جسکو دنیا میں مستغرق ہونیکی وجہ سے بادشاہ اور اسکے قوانین کی خبر نہ تھی تمام سابق الذکر فرقوں کے اجتماعی طور پر تصدیق کرنے سے متنبہ ہو کر اس کی سفارت کی تصدیق کرنا

ان میں سے ایک فرقہ اپنے دنیاوی کاروبار میں پھنسا ہوا تھا اور لذتوں میں ایسا مستغرق تھا کہ انہیں اس کی خبر ہی نہ تھی کہ لوگوں کا کوئی بادشاہ بھی ہے اور اس کو پورا غلبہ حاصل ہے اور انصاف کو مدنظر رکھ کر ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کر سکتا ہے اور چونکہ اس کے لوگ دل و جان سے مطیع ہوتے ہیں اس لئے اگر وہ چاہے تو بہت کچھ مال بھی جمع کر سکتا ہے اور ان کی قوتوں کو یکجائی طور پر کام میں لا سکتا ہے۔ پس اس وجہ سے اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا اور اپنی غفلت سے وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ لوگوں کے کاروباریوں نہیں چل سکتے ہیں اور سارے قانون اور قاعدے اُن کے ہاتھوں میں ہیں کسی بادشاہ یا حاکم کا کوئی انتظام نہیں ہے بلکہ ان کا یہاں تک گمان تھا کہ یہ سب معاملات بطور عادت کے زمانہ کی گردش کے موافق جاری ہیں۔ گویا کہ یہ ایک قدرتی قانون بن گیا ہے جس کے خلاف ہو ہی

نہیں سکتا۔ پس وہ اسی قابل تھے کہ انہیں شاہی سفیروں اور سلطانی قوانین و اختیارات کی اطلاع نہ ہو لیکن جب انہوں نے اس شخص کا علی الاعلان دعویٰ سنا اور لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو اُسے جھٹلاتے تھے پھر اس سے گفتگو کر کے اس کے پیرو بن گئے تب تو یہ لوگ چونکے اور ان کے کان کھڑے ہوتے اور کہنے لگے کہ اس بات کا تحقیق کرنا نہایت ضروری ہے اگر فی الواقع لوگوں کا کوئی بادشاہ ہوا جو ان پر حاکم ہے اور اسی نے اس شخص کو بھیجا ہے تاکہ ہم اس کا کہا مانیں اور پھر بھی ہم غفلت میں پڑے رہیں اور اس کی بات نہ سنیں تو بیشک ہمارا بُرا انجام ہوگا کیونکہ یہ شخص ہماری بے پرواہی کی خبر پہنچا دے گا اور پھر وہ بادشاہ ہماری ایک نہ سنے گا اور بڑی سخت سزا دے گا اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کے دعوے اور اُن لوگوں کی حالتوں میں غور کریں جو پہلے اس کے مخالف تھے اور پھر اس کے ساتھی بن گئے کیا عجب کہ ہمیں حقیقت حال کا پتہ چل جاوے پھر اگر وہ سچا ہوگا تو مان لیں گے ورنہ کھلم کھلا اس کی تکذیب کریں گے۔

یہ کہہ کر وہ سوچنے لگے اور بڑی غور و فکر کے بعد انہوں نے نتیجہ نکالا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم بادشاہ کو نہیں جانتے اور نہ ہم کو اس کے خط یا مہر یا اس کی طرز تحریر کی خبر ہے اور نہ اس کے قانون سے ہم آگاہ ہیں جن سے اس شخص کے قانون کا مقابلہ کریں اور نہ پہلے ہی سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں ہی ہمیں معلوم ہیں تو کیا ہم اس سے بھی گئے گزرے کہ ان تمام لوگوں کی شہادت پر اعتبار کر لیں جنہوں نے کہ ان سب باتوں کی تحقیق کر کے اس کی پیروی کر لی ہے۔ لہذا ہمارے لئے اس شخص کی راستی پر اتنے دانشمندوں کا اتفاق کر لینا اور بلا تردد تمام دلیلوں کا یقین کر لینا اور اپنی آبائی رسموں کا چھوڑ بیٹھنا کافی دلیل ہے کیونکہ یہ سب باتیں اتفاقی نہیں ہو سکتیں اور نہ یہ کاہلی یا اور کسی غرض سے ظہور میں آسکتی ہیں اور اچھا اگر ہم یہ سب دلیلیں اور اتنے لوگوں کی شہادت بھی جانے دیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کے لائے ہوئے شاہی تحفوں کا بھی جو بغیر اس کی اجازت کے نہیں مل سکتے تھے کچھ خیال نہ کریں کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ اس کے پاس تو ایسے تحفے نہیں پائے جا سکتے تھے۔ ہاں کوئی ایسا ہی ذی اختیار ہو جو لوگوں کے دل و جان و مال میں جیسے چاہے تصرف

کر سکے اس کے پاس ہو سکتے ہیں۔ پس اس شخص کے یہ تمام تحفے حاضر کر دینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص ضرور ہے جس میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں جس کا نام یہ "بادشاہ" بتلاتا ہے اور ہو نہو اُسی نے اس کو یہ تحفے دے کر ہمارے پاس بھیجا ہے پس ان سب باتوں پر اعتماد کر کے ہم نے تو یقین کر لیا کہ لوگوں کا ضرور کوئی بادشاہ ہے جس نے اس شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے اور وہ بھی اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

ایک فرقہ جس کو اس شخص کی سچائی کا پورا یقین تھا تاہم اس نے اپنی بڑائی اور ریاست کے زعم میں اس کی سفارت کے اقرار سے عار کیا

اب اور سُنیے! ان سب فرقوں میں چند متکبر اور اپنی آبائی رسموں پر جان دینے والے لوگ بھی تھے اور بعض اپنی قوم کے سردار تھے انہوں نے خیال کیا کہ اگر ہم نے اس شخص کے دعوے کو مان لیا تو اس سے دب کر رہنا پڑے گا اور یہ ہم پر حکومت کرے گا یہ سوچ کر بظاہر تکذیب ہی کرتے رہے اگرچہ ان کے دل اس کی تصدیق کے مضمون سے پُر تھے اور ان کی خواہشوں نے ان کی عقلوں سے بازی جیت لی اور ان کو شاہی انتقام آسان معلوم ہونے لگا اور کیوں نہ ہو ایسے بتہیرے احمق ملیں گے جو تکبّر یا تعصب کی وجہ سے یا غصہ اور غیرت کے مارے حق سے آنکھیں بند کر کے ناحق باتوں کی حمایت کرنے لگ جاتے ہیں پھر آخر کار انہیں پشیمان ہونا پڑتا ہے جس سے پھر کوئی نفع نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے عناد کے مارے اُن دلیلوں کی طرح طرح کی تاویلیں شروع کیں کبھی مہمل اور ساقط الاعتبار باتوں سے کامیابی حاصل کرنی چاہی کبھی دھوکے بازیوں سے کام نکالنا چاہا اور وہ ایسی ایسی ظاہر باتوں سے انکار کرنے لگے جن کو ہر عامی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے اسی کو لیجئے کہ اگر تمام دلیلوں کی علیحدہ علیحدہ تاویل ان کی ظاہر سے مان بھی لی جاوے تو عقل سلیم اور آزاد طبیعت اِسے کیوں ماننے لگی کہ ساری دلیلیں اتفاق سے جمع ہو گئیں اور یہ شخص تمام ہی غلط دلیلوں کو کیسے صحیح دلائل کا جامہ پہنا سکا اور اتنے لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنی راست بازی اور

حقانیت کا کیونکر یقین دلا سکا اور طرّہ تو یہ ہے کہ بتہیری دلیلیں اس کے اختیار سے باہر تھیں نہ اس نے انہیں قائم کیا نہ ان کے جمع کرنے کی کوشش کی بلکہ لوگوں کو غور و فکر کرنے سے خود ہی معلوم ہو گئیں۔ انہی علامتوں کو دیکھئے جو پہلے سفیر بیان کر گئے تھے بھلا یہ ساری علامتیں وہ اپنے میں کیونکر پیدا کر لیتا اور پھر امتحان کرتے وقت سب کی سب ٹھیک اترتیں۔ خوبی تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ چند چیزیں جب مجتمع ہو جاتی ہیں تو ان کا کچھ اور ہی اثر ہو جاتا ہے اور علیحدہ علیحدہ یہ بات نہیں ہوتی اجتماعی قوت کی کچھ بات ہی اور ہے اور یہ قاعدہ تو محسوسات اور معقولات دونوں میں مسلم ہے کہ جماعت کثیر کی شہادت سے جو بات ہوتی ہے وہ ایک شخص سے نہیں۔ اگر کسی دعوے پر بہت سی دلیلیں قائم ہو جائیں تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا اور ایک دو دلیلوں سے یہ بات پیدا نہیں ہوتی۔

پس جب یہ ہم مان بھی لیں کہ شاید اس شخص نے شاہی خط کی نقل کر لی ہوگی تو عقل میں یہ سب باتیں کیسے آنے لگیں کہ سلطانی مہر کی نقل بھی اُتارنا اسے آسان ہو گیا۔ شاہی طرزِ تحریر بھی اس نے سیکھ لیا اُس کے قوانین بھی شاہی قوانین کے موافق ہو گئے اور اسے وہ تحفے بھی مل گئے جو بے سلطانی اجازت کے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور پہلے سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی اس میں سب آپ سے آپ جمع ہو گئیں اور اس کا حال گو زمانہ بھر میں شائع ہو گیا تھا لیکن تاہم بادشاہ کو اتنی کافی مدت گزرنے پر بھی نہ معلوم ہوا اور نہ بادشاہ نے اس کو سزا دینے اور اس کی تکذیب کرنے کے لئے کسی کو بھیجا۔ اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان واہی تباہی تاویلوں کا وہی قائل ہو گا جو اپنی بڑائی مارتے پر تلا بیٹھا ہو اور ان سب باتوں کے اتفاقی طور پر جمع ہونے کا وہی اعتقاد کرے گا جسے تعصب نے اندھا بنا دیا ہو۔ ایسا آدمی گفتگو کے لائق نہیں اور نہ ایسے کو جواب دینا مناسب ہے۔

ایک متعصب فرقہ جس نے اندھا دھند اور بلا دلیل کے اس شخص کی تکذیب کی اور شاہی انتقام کا مستحق ٹھہرا

ان لوگوں میں سے ایک ایسا بے فکرا گروہ بھی تھا جس نے اس شخص کے صدق و کذب

کے بارہ میں اپنی عقل سے کام ہی نہیں لیا۔ بڑی بات انہوں نے یہ کی کہ وہ اپنی آبائی رسموں پر اندھوں کی طرح جمے رہے اور یہی کہتے رہے کہ ہم تو ان رسموں کو نہ چھوڑیں گے اور جب ان سے کوئی یہ کہتا تھا کہ اگر یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا نکلا تو اُس کی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ کہیں تم سے انتقام نہ لے ذرا اس سے تو ڈرو۔ تو ان کا یہ جاہلانہ جواب ہوتا تھا کہ ابھی وہ تو جھوٹا ہے ہم اس کی بات نہیں مانتے۔ ایسا جواب دینا سراسر اُن کی بےعقلی اور نافہمی نہیں تھی تو اور کیا تھا۔ اب یہ تو بتلاؤ کہ ایسے لوگوں سے انتقام لینے پر بھی کیا بادشاہ ظالم قرار دیا جا سکتا ہے؟ تم جو چاہو کہو ہم تو قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ جب بادشاہ انہیں سزا دینے لگے اور اس سے کوئی یہ کہے کہ یہ بےچارے تو اس سفیر کے نہ ماننے میں معذور ہیں کیا کریں ان کو اس کی راستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ملی تو وہ بےشک یہ جواب دے سکتا ہے کہ اگر یہ اپنی معاش کے بارہ میں بےشعور ہوتے اور اسے نہ سمجھ سکتے تو البتہ میں انہیں معذور سمجھتا اور ان کی خطا سے درگزر کرتا لیکن میں تو انہیں صاف دیکھتا ہوں کہ اپنے کاروبار میں نفع و نقصان کے سمجھنے میں بڑے بیدار مغز اور دانشمند ہیں۔ انہیں اپنی حاجتوں اور ارادوں میں کامیاب ہونے کے لئے بڑی کافی عقل ہے۔ پھر انہوں نے اپنی انہی قوتوں کو جن سے اپنے معاملات میں کام لیتے ہیں اُس شخص کے صدق اور کذب دریافت کرنے کے لئے کیوں نہیں استعمال کیا اور جیسے کہ وہ جھگڑے کے وقت اپنے معاملہ والوں کے سامنے اپنے اغراض ثابت کرنے کے لئے استدلال پیش کرتے تھے ویسے ہی ان قوتوں کو اس شخص کے بارہ میں برتا ہوتا۔ میرے نزدیک تو اب وہ معذور نہیں ٹھہر سکتے۔ بلکہ انہوں نے میرے سفیر کی بات سننے سے کاہلی کی اور اسی وجہ سے ان کے کانوں پر پردے پڑ گئے اور انہوں نے اس کی تکذیب کی لہٰذا بیشک وہ سزا کے مستحق ہیں اور انصاف کے موافق ہیں اُن سے ضرور انتقام لوں گا۔

پھر اس سفیر کے اتنے آدمی مطیع ہو گئے تب بھی وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہا اور سعی بلیغ کرتا رہا کہ کسی طرح ان ضدی متکبر واہی تباہی باتیں بکنے والے اور حیلہ باز منکر فرقوں کا بھی اطمینان کر دیا جائے اور خیر خواہی کے مارے طرح طرح کی دلیلیں ان کے سامنے پیش کرتا رہا اُن کی بھلائی کی باتیں انہیں سمجھا کر متنبہ کرتا رہا اور وہ تھے کہ اُن کی ضد اور نفرت دن بدن

بڑھتی گئی۔ آخر کو یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سفیران کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا اور اس کو ان کے اصلاح پذیر ہونے سے مایوسی ہوگئی اور یہ یقین ہوگیا کہ اب سمجھانے سے کام نہ چلے گا اور وہ لوگ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی عداوت پہ کمر باندھ چکے اور ان کی ایذارسانی کے لئے موقع و محل کے منتظر ہیں۔ آخر ناچار اپنے بادشاہ کی اجازت سے وہ بھی لڑائی پہ آمادہ ہوگیا اور اس نے بھی تلوار کھینچ لی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آدمی کو نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور وہ باز نہیں آتا تو اس کے روکنے کے لئے مار پیٹ سے کام لینا پڑتا ہے۔

مثال مشروعیت جہاد

پس اس شخص نے اپنے ساتھیوں سے مدد لے کر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور آپس میں بڑی گرما گرمی سے لڑائی ہونے لگی۔ پھر کچھ دنوں یوں ہی ہوتا رہا کہ کبھی میدان ان کے ہاتھ رہا اور کبھی اُن کے ہاتھ رہا جیسا کہ خدا تعالےٰ کے یہاں قاعدہ ہے۔ آخر کو اسی سفیر کی فتح ہوئی اور کیوں نہ ہو پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اُس نے سوائے قتل کے اُن کی ایذارسانی مسدود کرنے کا کوئی چارہ نہ دیکھا تو اُس نے بعضوں کو قتل کیا اور کیونکہ عقل کا یہی فتویٰ ہے کہ مفسد اور موذی قتل کئے جائیں تاکہ ملک کے اور لوگ ہلاکت سے نجات پائیں اس لیئے کہ بیمار عضو کا کاٹ ڈالنا نہایت ضروری ہے اگر اُس سے آدمی کی جان بچتی ہو اور اُس نے بعضوں کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا کہ پھر سر نہ اٹھا سکیں اور بادشاہ سے بغاوت کرنے کی اچھی طرح سزا پائیں۔

مثال اہل ذمہ و جزیہ

اور بعضوں کو اپنا مطیع بنا لیا تاکہ اسی طرح اس کی اور اس کے ساتھیوں کی ایذارسانی سے باز رہیں اور اس خیال سے کہ کہیں اس کے ساتھی دیکھا دیکھی گڑبڑ نہ مچائیں اور اُس کی شان و شوکت میں فرق نہ آنے پائے اُس نے کھلم کھلا تکذیب کرنے سے منع کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنی کمائی کا بہت تھوڑا حصہ دیتے رہیں تاکہ اس سے کچھ مدد ملتی رہے اور ملک کے

انتظام میں خلل نہ پڑنے پائے اور بادشاہ کی روبکاری تک اُس نے ان کی یہی سزا مقرر کی اور بعض اس ملک سے نکل کر قلعوں اور پہاڑوں میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ وہ ان سے اس امید پر کہ کہیں اب بھی اس کی تصدیق کرنے لگیں اور اس خیال سے کہ مبادا وہ موقع پاکر اُس پر چڑھائی نہ کر بیٹھیں لڑتا رہا اور ڈراتا رہا کہ سمجھ لو کہ اگر تم اب قلعہ بند ہونے کی وجہ سے مجھ سے محفوظ بھی رہے لیکن بادشاہ جب آموجود ہوگا اور چڑھائی کرے گا تو اس سے ہرگز نہیں بچ سکتے وہ عدل اور حکمت کے موافق بغیر سزا دیئے نہیں رہے گا۔

مثال منافقین

اور ان میں سے بعض خوف یا لالچ کے مارے محض اوپر کے دل سے تصدیق کرنے لگے اور جی میں اُسے جھوٹا سمجھتے تھے اس نے انہیں بھی اپنے ساتھیوں کے زمرہ میں داخل کر لیا اور وہی برتاؤ ان کے ساتھ بھی برتا کیونکہ اس کا تو یہ قول تھا کہ جو کوئی بظاہر اطاعت کرے بادشاہ کا حکم ہے کہ اسے بھی اپنے ساتھیوں میں داخل کر لو۔ اس لئے کہ تفتیش کرنے سے بتیرے لوگ جو سچے ہیں بھی کھٹک جائیں گے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اسے اپنے ساتھیوں پر اطمینان نہیں ان کی نسبت شک کیا کرتا ہے اور بادشاہ بہ جب حال کھلے گا کہ یہ لوگ محض خوف یا طمع کی وجہ سے بظاہر مطیع بنے ہوئے تھے اور ان کا دلی ارادہ یہ تھا کہ موقع پاکر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو خوب ایذا دیں تو وہ خود ان کو خوب سزا دے لے گا اور ان کو ان کے بغض و عداوت کا مزہ اچھی طرح چکھا دے گا کیونکہ یہ لوگ اوروں سے عداوت میں بڑھے چڑھے ہوئے اور گھر کے بھیدی تھے اور ہر وقت ان سے کھٹکا لگا رہتا تھا اور بعض لوگ گو دل میں جھوٹا سمجھتے تھے لیکن اس مال کی طمع سے جو وہ شخص ملک کی اصلاح کے لئے جمع کرتا تھا بظاہر اس کے مطیع بن گئے اور اس طرح انہیں اس کی جانچ کا موقع ملا اور جب اس کے معاملات اور قوانین کو راستی پر مبنی پایا اور دیکھا کہ وہ بھلی باتیں بتلاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے تو ان کے جی کو یہ سب باتیں لگ گئیں اور دل کھول کے ظاہر و باطن سے اُس کی تصدیق کرنے لگے اور اس طرح اس کے خیر خواہ اور مددگار بن گئے۔

پھر جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ طرفداری اور تعصب کی پابندیوں سے چھوٹی ہوئی اور آزاد عقل ایسے شخص کی سفارت میں ذرا بھی شک نہ کرے گی اور اس کے سفیر ہونے کا بلا تردد یقین کرے گی۔ کیونکہ دانا اور بیدار مغز کے نزدیک یہ سب دلیلیں اتفاقی طور پر جمع نہیں ہو سکتیں۔

مثال سابق کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت اور ان حالات پر منطبق کرنا جو آپ کو لوگوں کے ساتھ پیش آئے

تو آپ سنیئے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہم کو تواتر سے معلوم ہوئی۔ تواتر تو ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اس کے معنی سمجھ لیجئے یعنی آپ کی خبر اتنے زیادہ آدمیوں کے نقل کرنے سے ہم تک پہنچی کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عقل میں نہیں آتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تشریف نہ لائے ہوں اور سب آدمی جھوٹے ہوں یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر مکہ یا لندن موجود نہ ہوتا تو اتنے بہت سے آدمی اس کے موجود ہونے کی خبر بالاتفاق نہ دیتے چلے آتے۔ پس اسی طرح اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کے احوال کے بھی بے شمار لوگ ہر زمانہ میں یہ ان سے اور وہ ان سے حتیٰ کہ آخر میں ان لوگوں سے خبر دیتے چلے آئے جنہوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے آپ کو دیکھا تھا اور آپ کے جملہ حالات کی اُن کو خبر تھی اور جو کچھ آپ کو مختلف فرقوں کے ساتھ اپنی زندگی بھر پیش آیا تھا اُس سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ بہر حال ہم کو یقینی طور پر یہ خبر پہنچی۔

دعویٰ رسالت کے وقت آپ کی حالت

آپ ان لوگوں میں چالیس برس کے ہو گئے تھے اور برابر راستبازی اور امانت داری کے ساتھ شہرہ آفاق رہے، یہاں تک کہ امانت داری کی وجہ سے لوگ آپ کو محمد "امین" کہا کرتے تھے اور اس مدت میں آپ کو کبھی کسی سے لکھنے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی نہ کبھی لکھے پڑھے

لوگوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا کہ آپ ان سے لکھ پڑھ لیتے یا مختلف اقوام کے احوال دریافت کر لیتے یا گذشتہ امتوں کی شریعت پر مطلع ہوتے یا مختلف ملکوں کے قوانین سیکھتے باوجود ان سب باتوں کے آپ سارے عرب اور عجم کے لوگوں میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ نہ آپ کو کچھ ذاتی ثروت حاصل تھی اور نہ کچھ بہت لوگ آپ کے مددگار تھے اور نہ آپ کے خاندان سے سلطنت زائل ہو گئی تھی ورنہ شاید لوگ شبہ کرتے کہ اسی حیلہ سے آپ کو اپنی آبائی سلطنت کا پھر اپنے قبضہ میں لانا مقصود ہے۔ اس حالت سے کھڑے ہو کر آپ نے یہ دعویٰ ظاہر کیا کہ سارے عالم کے معبود "اللہ" نے مجھے تمام لوگوں کے پاس بھیجا ہے کہ میں ان کو خدا کی ایسی شریعت پہنچادوں جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کی ذمہ دار ہے اور یہ شریعت وہ قانون ہے کہ اس زمانہ سے قیامت تک کے لئے بخوبی مناسب اور موزوں ہے اور سارے واقعات کے لئے کفایت کرے گا اور پہلے رسولوں کی شریعت کے بتھیرے احکام کو منسوخ کر دے گا کیونکہ جس زمانے کی مناسبت کا لحاظ کر کے وہ قواعد اتارے گئے تھے اب وہ زمانہ نہیں رہا اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ بری رسموں اور عادتوں سے بھی منع فرماتے تھے جو لوگوں نے اپنے آبار و اجداد سے سیکھی تھیں یا شیطان نے اُن کی خوبی ان کے ذہن نشین کر دی تھی سب سے قبیح تر آپ نے یہ بات قرار دی تھی کہ بتوں کی پرستش کی جائے یا آگ اور پتھروں اور درختوں کو معبود بنایا جائے اور آپ کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کو ایک سمجھو۔ اس کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف مانو سارے عیوب اور نقائص سے پاک اور مبرا جانو اور علاوہ بریں ان کو اپنے پیدا کرنے والے کی نعمتوں کے شکر کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا تھا گو حقیقت میں اس شکر کا نفع انہی کو ملنے والا تھا اس کے سوا اور بہت سی ایسی باتیں بتائی تھیں جن میں سراسر ان کا نفع اور نقصان سے بچاؤ تھا۔

پس جب وہاں کے ادنےٰ اور اعلےٰ لوگوں نے آپ کا اتنا بڑا دعویٰ سنا تو آپ کی بات ماننے سے نفرت ظاہر کرنے لگے اور سب کے سب درپئے عداوت ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے بھائی بندوں نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا اور سارے دوست دشمن نظر آنے لگے اور آپ کی تکذیب کے لئے ہر شیخ و شاب نے زبان درازی کی اور آپ سے منازعت کرنے پر آمادہ ہو گئے

اور ہر ایک آپ سے طالب دلیل ہُوا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح آپ کو عاجز کر دے اور آپ کا یہ حال تھا کہ اُن کے لئے دلیل پر دلیل بیان کرتے تھے اور ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے اور ہر طرح سے ان کو اطمینان دلانے کے لئے سعی بلیغ فرماتے تھے اور آپ نے اپنے دعوے کے اثبات میں سب سے بڑی نہایت مستند اور قابل اعتماد جو دلیل پیش کی وہ عربی کلام کا مجموعہ تھا جس کو آپ قرآن شریف کے مبارک لقب سے یاد فرماتے تھے ۔ اُس کی نسبت آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ کلام خدا تعالےٰ نے مجھے بطور سند کے دے کر بھیجا ہے اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام لوگوں کی جانب بھیجے گئے ہیں اور سب کے رسول ہیں اور جن باتوں کی آپ خبر دیں وہ سب سچ ہیں اور قرآن میں ان قوانین کا بیان ہے جو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں ۔

قرآن شریف کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کو جسے آپ سورت کہتے تھے مقابلہ کے لئے پیش کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کلام کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ تم لوگ اگرچہ عربی زبان کے بڑے ماہر اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار ہو لیکن کوئی ایسا کلام ہرگز نہیں لا سکتے جو قرآن شریف کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے ساتھ بھی فصاحت و بلاغت میں لگّا کھا سکے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا گو عربی زبان کے ایسے کاملین موجود تھے کہ فصاحت و بلاغت جن کے قبضۂ اقتدار میں تھی اور وہ اس کے مالک کہلانے کے مستحق تھے بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی ملتے تھے جن کو اس فن میں دستگاہ کامل حاصل تھی اور تمام لوگ ان کے مقابلہ سے عاجز تھے اور انسانی قوت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ حاصل کرنا ممکن نہ تھا ۔ تاہم کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی بہت چھوٹی سی سورت کی مثل بھی بنا لیتے ۔

پھر اس حیص بیص کے بعد تمام لوگ حضرت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے لگے اور آپ کے مطیع ہو کر انہوں نے آپؐ کا دین اختیار کرنا شروع کیا اور گروہ کے گروہ آپ کے پیرو بن کر آپ کو خدا کا رسول ماننے لگے ۔ ہاں وہی لوگ اس سے محروم رہے جنہیں خدا نے نہ چاہا ۔

لوگوں کا اپنی اپنی عقل اور طریقہ استدلال کے اعتبار سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں مختلف فرقوں پر منقسم ہو جانا

جن قوموں کا معاملہ آپ کے ساتھ پڑا۔ چونکہ ہم کو ان کے حالات کی جہاں تک کہ اخبار صحیحہ سے معلوم ہو سکا یا عقل نے تجویز کیا تمثیل دینا مقصود تھی اس لئے ہم نے آپ کے ساتھ ان لوگوں کے معاملات غور کئے تو وہ لوگ اپنی عقلوں کی بلند پروازی اور کم فہمی کے اعتبار اور استعدادوں کے اختلاف سے مختلف فرقے نظر آئے۔ ان میں سے بعض عربی فصاحت و بلاغت میں طاق نکلے جس کا اُس زمانہ میں ملک عرب میں بہت کچھ رواج تھا اور جن کو وہ اپنے علوم میں سب سے زیادہ شریف سمجھتے تھے اور جن کو انہوں نے اپنا مایۂ ناز بنا رکھا تھا اور وہ لوگ فصاحت و بلاغت کے جملہ اسلوب سے بخوبی واقف تھے اور اس کے اسرار کو بخوبی جانتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے ان سارے مرتبوں پر پورے طور سے حاوی تھے جس قدر کہ انسانی طاقت میں آسکتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کے بڑے زور و شور کے قصیدے بھی ہوتے تھے۔

فصحاء و بلغاء عرب کا قرآن کے معارضہ سے عاجز رہنا اور اس کی حقانیت تسلیم کر لینا

بہرحال یہ سب کچھ تھا لیکن اس وقت اُن سے کچھ بھی نہ بن پڑا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کر کے اُن کے عجز کا بڑے شد و مد سے دعوے کیا اور عام طور سے خصوصاً ان کے جلسوں میں اس کی تشہیر شروع کی کہ تم سب مل کر چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو لیکن اس کلام کی مثل لانے سے ہمیشہ عاجز اور قاصر رہو گے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُن کی بری رسموں

کی قباحت دکھا دکھا کر انہیں بے وقوف بنایا۔ اُن کے باطل خداؤں کی خوب ہجو کی ان کی پرستش میں طرح طرح کے نقص ثابت کئے اور ہر طرح سے انہیں غیرت دلائی کہ کسی طرح قرآن کے مثل لانے کی سعی کریں لیکن ہونا کیا تھا آخر کو قرآن میں غور کرنے کے لئے جھک پڑے اور زباندانی کے اصول کے موافق اس کی خوب جانچ و پڑتال کی اور اسے خوب الٹ پھیر کے دیکھا اور بڑی غور و فکر سے پرکھا یہاں تک کہ اُس کے امتحان میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے پایا۔ بالآخر انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ قرآن شریف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسے عالی مرتبہ پر پہنچ گیا ہے کہ وہاں تک انسانی قوت کی کسی طرح رسائی نہیں اور جس کسی نے اپنی بڑائی کے زعم میں کچھ لکھا بھی تو وہ قرآن کے سامنے بالکل پھیکا کلام ثابت ہوا اور خود انہی لوگوں نے اس کی ہزلیات سے زیادہ قدر نہیں کی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز فی نفسہٖ کیسی ہی عالی کیوں نہ ہو۔ لیکن جب اُس کا کسی ایسی چیز سے مقابلہ کیا جائے گا جو اس سے بدرجہا بڑھی چڑھی ہو اور شرف و فضل میں اُس کا پایہ بلند ہو تو خواہ مخواہ وہ نظروں سے گر جائے گی اور عقل اسے دنی اور خسیس سمجھنے لگے گی۔

پس یہ معاملہ قرآن شریف کے سامنے اُن کے زیادہ سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا ہوا اور اچھی طرح سے ثابت ہوگیا کہ وہ فصاحت و بلاغت میں فرد ہے اور سارے کلام اس کے مقابل میں گرد نظر آتے ہیں اور اس کی چھوٹی سی سورت کی مثل بھی لوگ نہیں بنا سکتے اور ان لوگوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ہم کیا بلکہ سارے آدمی بھی ایسا کلام ہرگز نہیں بنا سکتے اور یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ قرآن شریف خدا تعالےٰ کے پاس سے آیا ہے۔ پھر ان سب نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور آپ کا حکم ماننے کے لئے گردن جھکا دی۔

ایک فرقہ کا قرآن کے غیبیات پر مشتمل ہونے اور مختلف آداب و اخلاق پر حاوی ہونیسے اس کی حقانیت پر استدلال

ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو بات کو خوب پرکھتا تھا اور کلام کے بُرے اور بھلے مضمون کی اُسے خوب شناخت تھی اور اس کے عجیب اور عمدہ اسلوب سے خوب واقف تھا۔ پس جب ان لوگوں نے قرآن میں انصاف کی نظر سے تامل شروع کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی خصوصیتیں موجود ہیں جو عقل کے نزدیک کسی کلام میں ہرگز نہیں پائی جاسکتیں۔ گو اس کا بنانے والا نہایت کامل اور بڑا تاریخ داں اور تمام علوم و فنون کا پورا ماہر اور حکیم اور سیاسیات پر پورے طور سے حاوی ہی کیوں نہ ہو اور اس نے اس بات کا اہتمام بھی کیا ہو کہ اس کے مضامین میں کہیں مخالفت اور مناقضت نہ ہونے پائے اور عرب کے سارے اسلوب سے اس کا طرز نرالا اور انوکھا ہو ہاں البتہ جب اس کا قائل خدا کو مانا جاوے جو ان سب باتوں کو جس کلام میں چاہے جمع کرنے پر بخوبی قادر ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور ان کے اس خیال کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ قرآن آئندہ کے واقعات کی من وعن خبر دیتا ہے جیسا کہ اس میں یہ خبر دی گئی کہ کسی نہ کسی دن محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھی مکہ میں با امن و امان جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ پہلے لوگوں کے حالات اور متقدمین کے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا کوئی اس موقع پر موجود تھا اور آنکھوں دیکھی باتیں سُنا رہا ہے اور وہ لوگوں کے دل کی بات صاف صاف بتا دیتا ہے جیسا کہ اُن واقعات سے ظاہر ہے جو محمد علیہ الصلوٰۃ و السّلام کے ساتھیوں اور آپؐ کے دشمنوں کو پیش آئے۔ (چنانچہ ان کا حال حدیث و تفسیر کی کتابوں میں مشرح طور پر موجود ہے) اور وہ اتنے بے شمار مضامین پر مشتمل ہے کہ اس کی نسبت یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ اس نے متقدمین اور متاخرین کے علوم میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ کہیں نہ کہیں یا تو صراحۃً اس کا ذکر آگیا یا کسی عجیب وغریب اسلوب سے جو بالکل بے لوث ہو اس کی طرف اشارہ کر

دیا ہے۔ اس کے مضامین کی بہت مختصر فہرست سے آپ کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مضامین قرآن کی مختصر سی فہرست

لیجئے سُنیئے! اس میں گزشتہ اور آئندہ لوگوں کی خبریں ہیں۔ طرح طرح کے احکام ہیں نصیحتیں ہیں، لوگوں کے سمجھانے کے لئے مثالیں بیان کی گئی ہیں اخلاق اور آداب کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیک کاموں کی ترغیب دلائی گئی ہے بُری باتوں سے خوف دلایا ہے نیکوں کی تعریف کی ہے نافرمانوں کی مذمت بیان کی ہے۔ بری خصلتوں اور کمینگی سے بچانا چاہا ہے۔ انتظام ملکی کی تدبیر سکھائی ہے دوستوں کی رعایات کرنے اور دشمنوں کو دفع کرنے اور اُن سے گفتگو کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور سرکشوں کی سرکوبی کی ہدایت کی ہے۔ خدا کا وجود اس کی وحدانیت اور حشر و نشر کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور سارے شکوک و شبہات کا معقول جواب دیا ہے اور جنت اور اس کے ساکنین کا حال کہہ سنایا ہے، جہنم اور اس کی ہولوں سے مطلع کر دیا ہے اس میں عالم سمٰوات اور اس کے سوا جو کچھ عالم علوی میں آثارِ قدرت اور عجائبات مثل ستاروں۔ بارش۔ بادل۔ رعد اور برق وغیرہ کے پائے جاتے ہیں اُس کا تذکرہ ہے اسی طرح زمین اور عالم سفلی کی چیزیں خواہ وہ میدان۔ پہاڑ۔ دریا۔ چشموں اور نہروں کے قبیل سے ہوں یا نباتات۔ حیوانات۔ پھل۔ پھول۔ درخت۔ چرند۔ پرند۔ تاریکی اور روشنی میں ان کا شمار ہو اس میں مذکور ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس میں سبھی کچھ ہے اور پھر اس کا طرزِ بیان ایسا انوکھا ہے کہ کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتا کہ کسی دوسرے کی پیروی کی گئی ہے۔ کیونکہ نہ اس میں عربی قصیدوں کا خاکہ اتارنے کی کوشش کی ہے نہ اُن کے بلیغ خطبوں کا طرز اختیار کیا ہے اور اس پر بھی عقلوں کے نزدیک پسندیدہ۔ دلکش۔ شیریں اور پیارا کلام ہے اور کانوں کو تو اس کے ساتھ کچھ ایسی الفت معلوم ہوتی ہے کہ جوں جوں سُنیئے قند مکرر کا مزہ آتا ہے اور اسے کوئی کیوں نہ پڑھے۔ لیکن اس کی قدر و قیمت میں کیا مجال کہ ذرا فرق آجاوے اور ہاں اگر خدا سمجھ دے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب باتیں اتفاق سے جمع ہو گئی ہوں گی کیونکہ صحیح اور آزاد عقل

میں ان سب باتوں کا اتفاقیہ جمع ہوجانا ہرگز نہیں آتا۔ پس جب ان لوگوں نے قرآن کے یہ اوصاف دیکھے تو بول اُٹھے کہ سارے آدمی مل کیوں نہ جائیں لیکن ایسا کلام بنانا اُن کی قوت سے باہر ہے اور یہ بات تو عادۃً محال ہے کہ ایسا کلام کوئی بڑا بھاری عالم نہایت ہی ماہر فلسفی بڑا تاریخ داں اور امور مملکت میں اعلےٰ درجہ کا مدبر بھی بنا سکے اور جب یہ ٹھہری تو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے بے پڑھے لکھے شخص کا اسے لے آنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ کلام آپ کا معجزہ قرار دیا ہے۔ پس ہم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور آپ جو کچھ فرمائیں بجا اور درست ہے۔ اس طرح یہ لوگ بھی آپ کے مطیع بن گئے۔

تیسرا فرقہ

جس نے فصحاء و بلغاء اور مضمون شناس فرقہ کی شہادت کا اعتبار کر کے آپ کی تصدیق کی اور نیز اس کو اس نے دلیل قرار دیا کہ بتھیرے فصحاء بلغاء باوجودیکہ مصیبت میں پڑے لیکن قرآن کا مثل نہ لا سکے ۱۲

اور ان میں سے ایک فرقہ کا حال یہ تھا کہ نہ وہ فصاحت و بلاغت سے واقف تھا اور نہ اس میں اتنی قوت تھی کہ قرآن شریف کے مضمون میں غور و فکر کر کے سمجھتا کہ اتنی صفات آدمی کے کئے نہیں ہوسکتیں اس لئے یہ خدا کے پاس سے آیا ہے لیکن اُن لوگوں نے یہ سارا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ محمد علیہ السلام نے اپنے رسول ہونے کا دعوی کیا اور قرآن مجید کو خدا تعالےٰ کے پاس سے بتلایا اور اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت پیش کر کے کھلے خزانہ یہ ظاہر کر دیا کہ اس کی مثل کوئی نہیں لاسکتا اور عام لوگوں میں اہل فصاحت و بلاغت کو ایسے کلام کے مثل لانے سے عاجز اور قاصر ثابت کر کے ان کے برسر بازار لتے لئے اور بعضوں نے دیکھا کہ کہنے کو تو فصاحت و بلاغت میں اُن کا نمبر بہت چڑھا ہوا تھا لیکن اس کے مقابلہ سے انھوں نے منصفانہ اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور اپنے آبائی مذہب اور قدیم رسموں کو چھوڑ بیٹھے اور محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دین کی پیروی کے پیچھے ایسی راہ اختیار

کر لی کہ اگر انہیں آپؐ کی رسالت کا یقین کامل نہ ہوتا تو انہیں یہ طریق نہایت ہی دشوار گزار نظر آتا اور نیز انہوں نے بعضوں کو دیکھا جنہیں کھوٹے کھرے کی اچھی پرکھ تھی اور کلام کی عمدہ صفات کو خوب پہچانتے تھے کہ انہوں نے اس بات کی کافی شہادت دی کہ اگر یہ قرآن خدا تعالےٰ کے پاس سے نہ ہوتا تو اتنی کامل اور عمدہ صفات پر اس کا حاوی ہونا ناممکن تھا اور اس بنا پر انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنا طریق چھوڑ کر آپ کے پیرو ہو گئے۔ اور بعضوں کی یہ حالت دیکھی کہ گو وہ فصحاء و بلغاء کے نزدیک فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مسلم الثبوت تھے۔ لیکن قرآن کے سامنے ان کی ہمت پست ہو گئی اور اس کے مقابلہ سے انہیں جان چراتے ہی بن پڑا۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کر کے ان کا عجز ثابت کرتے رہے اور کیا جلسہ کیا مجمع عام دونوں میں پکار پکار کر غیرت دلاتے رہے کہ کسی طرح ایسا کلام لے آؤ۔ ان سے یہ تو ہو نہ سکا ضد کے مارے لڑنے پر آخر مجبور ہو گئے اور یہ گوارہ کر لیا کہ ان کی خونریزی کی جائے ان کا مال لوٹ لیا جائے ان کے بال بچے قید کر لئے جائیں اُن کے گھربار اُجاڑے جائیں اور اپنا وطن چھوڑ کر مارے مارے پھریں۔

بھلا سمجھو تو سہی کہ اگر اُن کی وسعت میں یہ ہوتا کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی بنا سکتے تو بنا نہ لاتے اور اس سے کیوں باز رہتے اور بیٹھے بٹھائے اپنے کو مصیبت میں پھنساتے یہ تو بڑی آسان بات تھی کہ قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے برابر کوئی فصیح و بلیغ کلام بنا کر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کہہ دیتے کہ لیجئے صاحب ہم نے آپ کے قرآن کا مقابلہ کر لیا اور آپ کی دلیل باطل کر دی۔ بہت کہا کرتے تھے کہ قرآن کا ایسا کلام تم نہیں لا سکتے، دیکھو کیسے بنا لائے اور یہ بات کھل گئی کہ قرآن کی طرح آدمی بھی بنا سکتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ اُن سے ہو ہی نہ سکا۔ کیونکہ اگر اس کا ایسا تو کیا اُس کے قریب قریب بھی اگر کوئی کلام کبھی لائے ہوتے تو بھلا یہ بات ممکن تھی کہ اتنے طرفداروں کے ہونے پر بھی ہم تک خبر نہ پہنچتی لوگ اسے ضرور نقل کرتے جس طرح اور سب باتیں نقل کی ہیں۔ مثلاً انہوں نے آپ کی ہجو کی آپ پر اتہام باندھا آپ کے ساتھ

سفاہت اور درشتی سے پیش آئے۔ آپ کے متبع شاعروں اور خطیبوں سے مقابلہ کیا۔ وہ کیا کریں اس بات میں مجبور تھے ورنہ اتنی بڑی مصیبت میں کیوں گرفتار ہوتے اور اپنے کو خطرۂ عظیم میں ڈالتے۔ کچھ ناسمجھ تو تھے ہی نہیں عقلمند تھے پھر بھلا ان کی عقلیں ایسے آسان راستہ کو چھوڑ کر نہایت مشکل اور خطرناک راہ کو اختیار کرنے کی کیوں اجازت دیتیں۔ علاوہ ازیں دنیا میں کون عاقل ایسا کرے گا کہ بلا کسی ضرورت شدیدہ کے جس سے کہ اس کا بس چل ہی نہ سکے اور خواہ مخواہ مصیبت اٹھانا ہی پڑے اپنی جان و مال اور بال بچوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ اور اپنے گھر بار کی خرابی اور ترکِ وطن کو پسند کرے گا۔ ہاں جب اور کچھ بن ہی نہ پڑے تو بیشک ایسا ہی کرے گا۔ بقول شخصے ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز   دست بگیرد سر شمشیر تیز

پس یہاں بھی اگر وہ مجبور نہ تھے تو اپنے کو آفت میں ڈالنے پر کیوں آمادہ ہو گئے۔ بس یہی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے مقابلہ کرنے سے عاجز پایا اور ان کی ہٹ دھرمی نے جس سے وہ بدبخت ہو رہے تھے اس بات کی ان کو اجازت نہ دی کہ اپنے عجز کا اقرار کر لیتے۔

پس جب ان لوگوں نے ان تینوں فرقوں کے حالات میں غور کیا تو خوب سوچ سمجھ کر یہ کہنے لگے کہ ایک فرقہ جو بڑا فصیح و بلیغ تھا جس کی نسبت بے پرواہی اور کاہلی کا گمان ہو ہی نہیں سکتا قرآن کے مقابلہ سے آخر اپنے عجز کا اقرار کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر ہی چکا اور دوسرے فرقہ نے بھی جو مضمون شناسی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اس بات کو مان لیا کہ قرآن میں اتنی صفات کمالیہ موجود ہیں جو خدا تعالےٰ کے سوا اور کسی کے جمع کئے نہیں ہو سکتیں اور یہ کہہ کر سوائے اطاعت کرنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اب رہا تیسرا فرقہ جس کی فصاحت و بلاغت میں تو کچھ بھی کلام نہ تھا اس نے اپنے کو عاجز پا کر قرآن شریف کے معارضہ سے تو کنارہ کشی کی اور تعصب نے اقرار عجز کی اجازت نہ دی۔ آخر کو مجبور ہو کر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا گوارا کیا۔ پس یہ کہنے لگے کہ ہو نہ ہو محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور ان تینوں فرقوں کا تصدیق کر لینا

ہمارے لئے کافی دلیل ہے ۔

قرآن کی حقانیت پر جاحظ کا استدلال

اب میں کچھ کہتا ہوں اسے بھی سُن لیجئے۔ اہلِ عرب کے قرآن حکیم کے مقابلہ سے عاجز ہونے سے جاحظ ارج نے جس طرح استدلال اپنی کسی کتاب میں بیان کیا ہے اُسی طرز پر اس فرقہ نے بھی اپنا مطلب حاصل کیا۔ چونکہ ان کا کلام جی کو لگتا ہوا ہے اور اُس سے سارے شبہ دفع ہو جاتے ہیں تو اس موقع پر اُس کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو اس زمانہ میں بھیجا جب کہ عرب کی شاعری اور خطبہ گوئی نہایت عروج پر تھی ۔ ان کے لُغت کو بہت کچھ استحکام حاصل ہو چکا تھا سارے سازو سامان سے درست تھے۔ پس آپ نے تشریف لا کر ان کے ادنےٰ اور اعلےٰ کو خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی تصدیق کی طرف متوجہ کیا اور دلیلیں قائم کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور سارے شبہے دفع کر دیئے اور ان کے لئے ناواقفی کے عذر کرنے کا کوئی موقع نہ چھوڑا اب ان کا اعراض کرنا محض ہواؤ ہوس یا ناحق طرفداری کی وجہ سے رہ گیا اور پھر آپس میں لڑائی ٹھن گئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کے عالم اور فاضل اور کنبے والوں کو قتل کیا اور آپؐ اُن سے رات و دن یہی کہا کرتے تھے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تم اس قرآن کی سی ایک سورت یا چند آیتوں ہی کی مثل لے کیوں نہیں آتے اور آپ جب کبھی اس طرح انہیں عاجز کرتے تھے تو کوئی دلیل تو اُن سے بیان نہیں کی جاتی تھی یہ حیلہ کیا کرتے تھے کہ صاحب آپ کو تو امتوں کے حالات معلوم ہیں اور ہم جانتے نہیں پھر اگر آپ نے ایسا کلام بنا لیا اور ہم نہ بنا سکے تو کمال کیا ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا اچھا اپنے جی سے کچھ بنا کر لے آؤ۔ اس پر بھی نہ کسی خطیب نے ارادہ کیا نہ کسی شاعر نے ہمت باندھی۔ اگر کوئی ہمت کرتا تو کچھ تو دکھلائی دیتا اور پھر اس کی طرفداری کرنے والے بتھیرے کھڑے ہو جاتے اور ضرور شور مچ جاتا کہ لیجئے قرآن کا مقابلہ کر لیا اور ویسا کلام بن گیا۔ پس اس دانشمند

نے ان سب باتوں سے قوم عرب کا عجز سمجھ لیا اور یہی اُن کے عاجز ہونے کی دلیل ٹھہرائی۔ کیونکہ جب ان سے بتیرے آپ کے ساتھیوں کی ہجو کرتے تھے مسلمان شاعروں اور خطیبوں سے مقابلہ کرتے تھے اور انہیں بھی ذرا دقت نہیں معلوم ہوتی تھی تو پھر یہ کیا مشکل امر تھا کہ قرآن کے مقابلے میں کچھ لکھ ڈالتے۔ ایک چھوٹی سی سورت یا چند آیتوں میں تو قصہ پاک ہوتا تھا اتنے ہی میں تو آپ کا دعویٰ باطل ہوتا تھا اور سارا بنا بنایا کھیل بگڑتا تھا۔ آپؐ کی جمعیت منتشر کرنے کے لئے اس سے سریع الاثر تو کوئی نسخہ ہی نہ تھا اس کی کیا ضرورت تھی کہ اپنی جان و مال کو معرض ہلاکت میں ڈالیں اور گھر بار چھوڑ کر مارے مارے پھریں۔ قریش تو قریش وہ تو بڑے فصیح و بلیغ تھے ان سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں پر بھی یہ امر دشوار نہ تھا۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کون سی بڑی بات تھی آخر بڑے عجیب و غریب قصیدے نہایت طویل و عریض خطبے۔

خلاصہ یہ کہ اُن کا ہر طرح کا نظم و نثر کلام مشہور ہی تھا پھر یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایسی ظاہری بات کسی کی سمجھ میں بھی نہ آتی اور قرآن حکیم کے مقابلہ سے ان کا عجز بیان کر کے لعن و طعن کرنے پر بھی انہیں غیرت نہ معلوم ہوتی اور وہ چپ چاپ بیٹھے سُنا کرتے اور پھر ان کا حال یہ کہ اپنی آن بان میں بڑے کڑے تھے اور دنیا بھر سے زیادہ فخر کرتے تھے۔ خصوصاً کلام کی فصاحت و بلاغت پر تو اُن کو ناز تھا اور بجا تھا۔ پس جس طرح کہ بات محال ہے کہ تیئیس برس تک انہیں ایسے ظاہر اور خیر المنفعت امر کی خبر نہ ہوتی اور غلطی میں پڑے رہے۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ جان بوجھ کر اس سے پہلوتہی کرتے اور قرآن کریم کے مثل بنانے پر قادر ہونے کی صورت میں بھی کچھ نہ بنا لاتے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوشش کیا کرتے تھے۔

❖

چوتھا فرقہ جس نے مُعجزات طلب کئے اور امور خارق عادات سے آپؐ کی رسالت پر استدلال کیا

ان میں سے ایک اور گروہ تھا جس میں اکثر ایسے ہی لوگ تھے جو نہ فصاحت و بلاغت میں بصیرت رکھتے تھے اور نہ قرآن حکیم کے عمدہ صفات کو سمجھ سکتے تھے کہ یہ سوائے خداتعالیٰ کے اور کوئی نہیں جمع کر سکتا اور نہ انہوں نے اس کا خیال کیا تھا کہ یہ دونوں فرقے قرآن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اقرار کر چکے ہیں اور بعضے عجز کی وجہ سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اُن کی بڑی توجہ عالم طبعیات اور قوانین قدرت کی جانب مصروف تھی جن کے موافق عالم کا کارخانہ چل رہا ہے اور وہ جانتے تھے کہ ان قوانین کے خلاف عملدرآمد کرنے پر کوئی آدمی قادر نہیں ہے۔

پس وہ کہنے لگے کہ آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم ایسی باتیں طلب کریں جن سے قوانین قدرت ٹوٹ جائیں یعنی اس عالم میں جو خدا تعالےٰ کی عام طور پر عادت جاری ہے اس کے خلاف لازم آئے۔ پس یہ اگر ایسا کریں گے تو بے شک سچے ہوں گے کیونکہ جب ہماری طلب کے موافق کوئی امر خارق عادت اُن سے ظاہر ہو گا تو ہم سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے دعوےٰ رسالت کی تصدیق کے لئے عادت کے خلاف کر دیا اور یہ امر خدا کے اس قول کے قائم مقام ہو جائے گا کہ جو بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں اس میں انہیں سچا سمجھو۔ آپ اسے اس طرح سمجھئے کہ اگر کوئی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر حاضرین سے یہ کہنے لگے کہ یہ بادشاہ تمہیں میری اطاعت کا حکم دیتا ہے اور لوگ کہیں کہ ہم تو جب جانیں کہ بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فلاں جگہ جا بیٹھے اور فرض کیجئے کہ بادشاہ یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس جگہ جا بیٹھے پھر اسی طرح انہوں نے کسی دوسری بات کی اس شخص کی تصدیق کے لئے درخواست کی۔ مثلاً وہ یہ کہ بادشاہ اپنے سر کا تاج ذرا دیر کے لئے کسی دوسرے شخص کو پہنا دے یا چھ سات قدم چل کر پھر اپنی جگہ بیٹھ جائے اور بادشاہ نے یہ بھی

کر دیا۔ اب اس صورت میں کچھ شک نہیں رہ سکتا کہ اُن لوگوں کے کلام کو سنتے ہی بادشاہ کا ایسے افعال کا کر دکھانا ہرگز اتفاقی نہیں ہے بلکہ اُس کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ مَیں تم سب کو اس شخص کی اطاعت کا حکم کرتا ہوں اور جو کوئی اس بات کے اتفاقی ہونے کا قائل ہوگا تو لوگ ضرور اسے احمق خیال کریں گے۔

پس وہ لوگ یہ منصوبہ باندھ کر کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہماری طلب کے موافق خلافِ عادت باتیں ظاہر نہ کریں گے تو یہ ان کے کذب کی دلیل ہوگی اور ہم سمجھیں گے کہ خدا نے انہیں جھوٹا کر دیا۔ پس وہ ایسی باتیں آپؐ سے طلب کرنے لگے جو اس عالم میں عادتِ مستمرہ کے خلاف تھیں۔

مُعجزۂ شق القمر

پس بعضوں نے آپ سے چاہا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے اُن کے کہنے کے موافق اسے بھی کر دکھایا اور نہ فقط حاضرین ہی نے نہیں بلکہ ان سب لوگوں نے بھی جو کہیں دور سے آ رہے تھے اور ان کا افق وہاں کے لوگوں کے موافق تھا اپنی کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھ لیا اور آکر اس بات کی خبر دی کہ تم لوگوں کی طرح ہم نے بھی چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا ایسا ہی سمجھئے جس طرح زلزلہ کے وقت اکثر بڑے بڑے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور وہ خطّہ کا خطّہ تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ یا جس طرح بعض حال کے سائنس جاننے والے کا خیال ہے کہ زمین اور اسی طرح اور سیارے آفتاب سے جدا ہوئے ہیں اور پھر ایک نہ ایک دن آفتاب سے جا ملیں گے اور یہ سب کچھ عقل کے نزدیک خواہ اس کے لئے کوئی ظاہری سبب ٹھہرائے یا نہ ٹھہرائے ممکن اور خدا کی قدرت میں داخل ہے اگرچہ ہوتا نہیں ہے اور عادت کے خلاف ہے اور طرح طرح کے کام کرنے کے لئے جو طول زمانہ کو زیادتی قوت کے عوض بننے کے لئے لازم قرار دیا ہے وہ صرف قوت ناقصہ یعنی مخلوقات کی قوت کے لئے شرط ہے۔ خدا کی کامل قوت کے واسطے شرط نہیں اور خدا تعالےٰ نے اپنے عجیب وغریب

کاموں میں یہ زمانہ اور اسباب اس لئے مقرر کئے ہیں کہ ذرا عقلمندوں کی آزمائش کرے اور بہکنے والے بہک جائیں اور دوسروں کی امر واقعی تک رسائی ہو جاوے۔

آپؐ کی رسالت پر درخت کا شہادت دینا

بعضوں نے یہ طلب کیا کہ آپؐ کی طرف درخت دوڑنے لگے آپ سے باتیں کرے اور آپ کی رسالت کی شہادت دے آپ نے اسے بھی کر دیا۔

سوسمار کا شہادت دینا

بعضوں نے سوسمار کے بولنے کی درخواست کی اور کہا کہ یہ بھی آپ کی رسالت کی شہادت دے تو ہم جانیں۔ آپؐ نے ان کی یہ درخواست بھی پوری کر دی (ان چیزوں کا بول اُٹھنا محال نہ سمجھئے کیونکہ اگر حیات۔ ادراک اور آلات نطق وغیرہ کو بولنے کے لئے شروط عادیہ میں سے شمار کیا جائے یعنی بغیر ان کے بھی[1] بولنا ممکن ہے تب تو ظاہر ہے کہ خداتعالےٰ نے کلام پیدا کر دیا ہو اور ان سے صادر ہو گیا ہو اور اگر ان چیزوں کو بالفرض لازمی شرط بھی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض کا گمان ہے تب بھی کچھ مشکل نہیں اس لئے کہ خدا ان شرطوں کو بھی پیدا کر سکتا ہے اور اس کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔

آپؐ کی انگلیوں کی گھائیوں سے پانی کا جوش مارنا

بعضوں نے یہ دیکھا کہ جب آپؐ کے ساتھیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور انہوں نے آپؐ سے پانی کی درخواست کی تو آپؐ نے تھوڑے سے پانی میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے یعنی گھائیوں سے کثیر پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہوا یہاں تک کہ جماعت کثیر اس سے سیراب ہو گئی اور اُن سب کے لئے پانی کافی ہو گیا اور یہ بات بھی کچھ ممتنع نہیں اس طرح ہو سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے پانی کی ایک مقدار پیدا کر دی ہو جو اس تھوڑے سے

---

[1] چنانچہ آلہ فونوگراف میں سے بعینہٖ انسان کی آواز نکلتی ہے حالانکہ ادراک۔ زبان وغیرہ اس میں نہیں ہے ۱۲ مترجم

پانی سے مل گئی ہو اور لوگوں کو نظر آتا ہو کہ انگلیوں کے بیچ سے پانی نکل رہا ہے اس لئے کہ خداتعالےٰ نے وہیں اتنا پانی پیدا کر دیا ہو اور پیدا کرنے والا تو خدا ہے۔ وہی سب کچھ پیدا کرتا ہے اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور علاوہ اس کے جب ہَوا کو پانی سے منقلب کر دینا علم کیمیا (یعنی کیمسٹری) جاننے والوں کے اختیار میں ہے تو پھر خدا کا کیا پوچھنا ہے وہ تو کیا عناصر اور کیا علم کیمیا اور کیمیا دان سبھی کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی طرح بہت سی خارق عادت باتیں لوگوں کے درخواست کرنے پر آپؐ سے صادر ہوئیں جن کی ہم کو معتبر ذریعہ سے خبر پہنچی ہے۔ اگرچہ ان میں ایسی خبریں بھی ہیں کہ تنہا حدتواتر کو نہیں پہنچیں۔ لیکن اس میں تو ذرا بھی شک نہیں رہا کہ یہ سب مل ملا کر تواتر کے مرتبہ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ بلکہ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے درخواست کرنے پر خوارق عادات کا صادر ہونا اجمالاً متواتر ہی ہے اور ایسے تواتر کو تواتر معنوی کہتے ہیں جس کے معتبر ہونے پر محققین عقلاء کا اتفاق ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کو بدیہی باتوں کے انکار سے بھی شرم نہ معلوم ہوتی ہو اور لوگوں میں اپنی وقعت ثابت کرنے کی غرض سے بے دھڑک بدیہیات کا انکار کر بیٹھتا ہو۔

پس اس گروہ نے جب یہ دیکھا کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خوارق عادات اور ان قوانین کے خلاف کر دکھایا جن کے خلاف کرنے پر سوائے خدا تعالےٰ کے کوئی قادر نہیں ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ ہو نہو درخواست کرنے پر خدا ہی نے آپ کی تصدیق کے لئے ایسی باتیں آپؐ سے کرا دی ہیں اور پھر آپ کی تصدیق کر لی اور آپؐ کی رسالت کے معتقد ہو گئے۔

اس کو خوب سمجھ لیجئے کہ ایسے معجزات صرف انہی لوگوں کی عقلوں کے سمجھانے کے لئے ہیں جن کے افہام معجزات ادبیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور ان کی قابلیت نہیں رکھتے ورنہ سمجھداروں کے لئے تو معجزات ادبیہ ہی موزوں ہیں جیسا کہ قرآن کے احوال میں ان کا کچھ تو ذکر ہو بھی چکا ہے اور آئندہ بھی ان کا بیان آئے گا جہاں کہ شریعتِ محمدیہ کے حسنِ انتظام کی شان دکھائی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے پاس سے ہونے کی اس میں فلاں فلاں دلیلیں

موجود ہیں اور جہاں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر متقدمین کی کتابوں میں جو علامتیں مذکور ہیں منطبق کر دکھائی ہیں، اور رہیں ان لوگوں سے جو اپنے ادراک کو معجزات ادبیہ کی عزت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ امید ہے اس خیال سے کہ یہ ان کے ان علوم کے مخالف ہیں جن کو انہوں نے اپنے اسکولوں میں حاصل کیا ہے اور ان کی عقلیں انہیں قبول نہیں کرتیں، دھوکے میں نہ پڑیں گے اور معجزات حسیہ کو اپنے ایمان کے طریق میں سدراہ نہ بنائیں گے۔ بلکہ ان کی شان کے لحاظ سے حق اور ان کی عزم واحتیاط کے مناسب تو یہ امر ہے کہ ان خوارق کو ان ہی لوگوں کے سمجھانے کے لئے خیال کریں جنہیں معجزات ادبیہ کے ادراک کا سلیقہ نہیں اور خود ایسی اشیا اختیار کریں جنہیں ان کی عقلیں قبول کرتی ہوں اور پھر اگر کوئی ایسی چیز پیش آئے جو ان کی عقلوں میں نہیں آتی اور یقینی دلیل عقلی کے خلاف ہو تو ایسا طرز اختیار کریں جو نقل اور عقل کا جامع ہو اور تاویل کر کے دونوں کو موافق بنالیں۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا کہ شریعت محمدیہ کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی چیز ان کے یہاں منقول ہو اور بظاہر یقینی دلیل کے خلاف ہو تو اس میں تاویل کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو ان کی حالت اس شخص کی مثل ہو جائے گی جو دن دوپہر آفتاب کو دیکھ رہا ہے اور گمان کرے کہ اس وقت رات موجود ہے اس لئے کہ اس کو یہ خیال بندھ گیا ہے کہ کسی نکلے ہوئے ستارے کو وہ دیکھ رہا ہے۔

پس وہ دن کے موجود ہونے کی واضح دلیل کو یعنی آفتاب جو صاف نظر آرہا ہے چھوڑ دے اور اس خیالی ستارہ کو جس کا کہیں پتہ بھی نہیں لے بیٹھے۔ ایسا آدمی غلطی کے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے ستارہ کو دیکھنے اور اس کو موجود سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کر سکتا ہے۔

ایسی حالت میں چاہیئے یہ تھا کہ اگر ستارہ کے ہونے کا اس کو یقین بھی ہوتا ہم اپنے دیکھنے کی کوئی تاویل ضرور کرے اور اس آفتاب درخشاں کو جو دن کے وجود کی کھلی دلیل ہے مہمل نہ جانے دے۔ اصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ جسے چاہتا ہے اسی کو راہِ راست دکھاتا ہے۔

پانچواں فرقہ جس نے رسلِ سابقہ کی بتلائی ہوئی علامتوں سے استدلال کیا

ان میں سے ایک فرقہ یہ کہنے لگا کہ اللہ تعالےٰ نے گذشتہ زمانہ میں بھی رسولوں کو بھیجا تھا اور ان کی شریعت ان کے زمانہ کے مناسب اور ہماری اصلاح کی پوری پوری ذمہ دار تھی وہ خود بھی کہتے تھے اور ان کی باتوں سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ خداوند تعالےٰ کچھ زمانہ کے بعد تمام لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجے گا۔ اس کی شریعت بھی اُس کے زمانہ کے مناسب اور مضامین اصلاح پر کافی طور سے حاوی ہوگی اور اس رسول میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہوں گی جن میں سے بہت سی علامتیں اب تک بھی ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو اُن رسولوں کی جانب منسوب ہیں۔ پس آؤ ہم محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حالات میں غور کریں۔ اگر اُن کی شریعت ان رسولوں کے کہنے کے موافق ہوگی اور ان میں ان کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی موجود ہوں گی تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور اگر یہ بات نہ نکلی تو ان کے دعوےٰ کو الگ کریں گے اور اُن کی بات بھی نہ سُنیں گے۔

اس کے بعد جب ان لوگوں نے آپؐ کے سارے احوال میں غور کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ آپؐ کی شریعت جیسا کہ چاہیئے اُسی طرح لوگوں کی اصلاح کی کفیل ہے (جیسا کہ آپ کو اس کے بعد والے فرقہ کے بیان میں معلوم ہوگا) اور ان لوگوں نے آپؐ میں ان لوگوں کی بتلائی ہوئی علامتیں بالکل صاف طور پر دیکھیں جن کے پائے جانے میں اُس شخص کو تو ذرا بھی شک نہیں رہ سکتا جو اپنے تعصب کو چھوڑ دے اور واہی تباہی تاویلوں کے درپے نہ ہو۔ اور وہ چاہتا ہو کہ حق بات واضح ہوجائے اور انجام بد سے اُسے نجات ملے اور اپنے نفس کے ساتھ خیرخواہی کرے اور اس مقصد میں اپنی قوم کی ملامت اور لعن طعن کی ذرا بھی پرواہ نہ رکھتا ہو اور یہ علامتیں ان کتابوں میں آج تک برابر ملتی چلی آئی ہیں۔

اب لیجئے ان کی تفصیل سُنئے۔ اول تو یہ کہ اشعیا علیہ السلام نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ کہا تھا آپ پر منطبق ہوگیا اشعیاؑ کا قول یہ ہے :-

(۱) بیشک رب فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہُوا اور ہزاروں پاک لوگ اس کے ہمراہ

ہیں اور اس کی آنکھ میں آتشی طرز ہے اور یہ کنایہ ایسا ہی ہے جس طرح اشعیاؑ کے کلام میں سینا (طور سینین) سے رب کی آمد" موسیٰ علیہ السلام سے کنایہ ہے اور رب کا ساعیر میں روشن ہونا عیسےٰ علیہ السلام سے کنایہ ہے۔ اب آپ کے اوپر اشعیاؑ کے قول کا انطباق دیکھئے کیسا صاف ہے کیونکہ فاران کے پہاڑ سے مراد مکہ ہے جیسا کہ سفر تکوین میں حالات اسمٰعیلؑ میں منقول ہے کہ وہ فاران میں رہے تھے۔

(۲) اور ان کا (اشعیا کا) یہ قول کہ "ہزاروں پاک لوگ اُس کے ساتھ ہیں" آپ کے ساتھ والوں سے کنایہ ہے جو تمام عیبوں سے پاک تھے جیسا کہ لوگوں نے انھیں مشاہدہ کیا ہے۔

(۳) اور ان کا یہ قول کہ "اس کی آنکھ میں آتشی طرز ہے" آپ کی شریعت میں جہاد کے مشروع ہونے سے کنایہ ہے اور آپ پر جو کچھ تثنیہ میں ہے وہ بھی صادق آتا ہے۔ یعنی

(۴) رب اس کو ان کے (یعنی بنی اسرائیل) بھائیوں میں سے نبی بنا کر اٹھا کھڑا کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل[1] کے بھائی بنی اسماعیل ہی ہیں۔

---

[1] یہاں یہ شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کے مثل بنی عیص اور بنی ابنائے اُخر ابراہیمؑ بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ پس اس نبی کی بالتخصیص بنی اسمٰعیل ہی میں پیدا ہونے کی کیا دلیل ہے۔ کیونکہ یہ تخصیص دوسری آیات سے ہوگئی ہے۔ بنوعیص اس عموم سے بوجہ مبغوضیت اور منافی بغض وحب کے خارج ہوئے اور سند مبغوضیت کے پولس کا قول ہے رومیوں کا نواں خط درس ۱۳ جیسا لکھا ہے کہ میں نے یعقوب سے محبت رکھی اور عیص سے عداوت اور نیز اس وجہ سے کہ عیص نے اپنے حصۂ نبوت کو جو بوجہ بڑائی کے ان کو حاصل تھا یعقوبؑ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سند اس کی کتاب پیدائش باب۲۵ درس ۳۱۔ تب یعقوب نے کہا آج ہی اپنے پہلوٹے ہونے کا حق میرے ہاتھ بیچ درس۳۲ عیسو (عیص) نے کہا دیکھ میں تو مرنے جاتا ہوں پہلوٹا ہونا میرے کس کام آئے گا۔ درس۳۳ تب یعقوب نے کہا آج ہی مجھ پاس قسم کھا اس نے اس پاس قسم کھائی اور اس نے اپنے پہلوٹے ہونے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچا اور نیز اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام نے عیص علیہ السلام کا باقی حق بھی اسحٰقؑ سے لے لیا اور سند اس کی وہ قصہ ہے جو کتاب پیدائش باب۲۷ میں پہلے درس سے لے کر ۴۵ درس تک مذکور ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے عیص علیہ السلام سے کہا کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) اور یہ کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی شریعت اور مشروعیت احکام اور جہاد کے اعتبار سے ان کی طرح ہیں۔

(۶) اور یہ کہ خدا کا کلام ان کے منہ میں رکھا گیا ہے۔" اور وہ یہی با کمال قرآن ہے جس کو آپ لائے ہیں اس کے سوا جو یوحنا بیں سے ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے۔ یعنی

(۷) آپ فارقلیط اور معزی ہوں گے جو تمام چیزوں کو سکھلائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام حقائق اور معارف کو سکھلائیں گے۔ جیسا کہ آپ کے متبعین کے حالات سے ظاہر ہے۔

(۸) اور یہ کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کی کہی ہوئی باتیں یاد دلائیں گے۔ اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰ سے آگے) تو میرے لئے شکار کر اور مجھے لذیز کھانے کھلا تاکہ میں تجھے برکت بخشوں۔ یعقوب کی ماں ربقہ نے یہ خبر پاکر اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ ان کو عیص کا بھیس بدلوا کر اسحاق علیہ السلام کے پاس کھانے لے کر بھیجا۔ چونکہ نابینا تھے پہچان نہ سکے اور عیص سمجھ کر یعقوب علیہ السلام کو ساری برکت بخشی۔ جب عیص علیہ السلام آتے اور انہوں نے بھی برکت مانگی تو بجائے برکت دینے کے انہیں یعقوبؑ کی اطاعت کا حکم دیا اور برکت نہیں دی جس کی وجہ سے وہ یعقوب کے دشمن ہو گئے اور آمادۂ قتل ہوئے۔ ربقہ نے یہ بات معلوم کر کے یعقوب کو اپنے بھائی لابن کے پاس حاران جانے کا حکم کیا۔ پس حضرت عیصؑ تو اپنے حق کے یعقوبؑ کے ہاتھ بیچنے اور نیز یعقوبؑ کے اسحاق علیہ السلام سے حق عیص لے لینے کے باعث اس عموم سے خارج ہوئے۔ رہی ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد وہ ابراہیم علیہ السلام کے خارج کر دینے کی وجہ سے پہلی ہی سے خارج ہے سند اس کی کتاب پیدائش باب ۲۵ درس (۵) اور ابرہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا (۶) لیکن حرموں کے بیٹوں کو جو ابرہام سے ہوئے ابرہام نے کچھ انعام دے کر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق کے پاس سے پورب کے رخ پورب کی سرزمین میں بھیج دیا (۷) اور ابرہام کی حیات کے برسوں کے دن جن میں وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس تھے تب ابرہام جان بحق ہوا اور اچھی عمر درازی میں بوڑھا اور آسودہ ہو کے مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اس کے بیٹے اضحاق اور اسمٰعیل نے کفیلہ کے مغارہ میں حتی صحر کو بیٹی عفروں کے کھیت میں جو ممرے کے آگے ہے گاڑا۔ ۱۲ براہین رحمیہ مع اختصار

باتیں توحید اور ایمان اور دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم اور آخرت کی ترغیب دینا ہے۔

(۹) اور یہ کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے شہادت دیں گے۔ یعنی ان کی نبوت و رسالت اور لوگوں کے افتراء سے اُن کی برادت کے شاہد بنیں گے۔

(۱۰) اور یہ کہ آپ جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف نہ لے جائیں گے تشریف فرما نہ ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۱) اور یہ کہ گنہگاروں پر لوگوں کو سرزنش کریں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہر خطا کار اور گناہ کرنے والے کو سرزنش کرتے ہیں اور جو کچھ مزامیر میں ہے وہ بھی آپ پر منطبق ہے۔

(۱۲) اور یہ کہ آپ خوبرو ہوں گے۔ چنانچہ آپ اعلیٰ درجہ کا حسن رکھتے تھے۔

(۱۳) اور یہ کہ "حکمت آپ کے لبوں سے ٹپکتی ہوگی" اور یہ بات آپ کے قرآن مجید جس کی آپ تلاوت فرماتے تھے اور آپ کے معارف و حکم کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے۔

(۱۴) اور یہ کہ "آپ تلوار لٹکائے ہوں گے"، چنانچہ آپ اعداء دین کے ساتھ لڑائی میں برابر لگے رہے۔

(۱۵) اور یہ کہ "آپ قوی ہوں گے" پس ظاہر ہے کہ آپ قوت دلیل انتظام ملکی اور قوت جسمانی ہر اعتبار سے قوی تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی جسمی قوت سے بڑے بڑے پہلوانان عرب کو گرا دیا اور یہ کہ آپ (۱۶) حق کے پیرو (۱۷) طبیعت کو قابو میں رکھنے والے (۱۸) اور راستباز ہوں گے۔ چنانچہ یہ تینوں باتیں آپ میں واضح طور پر موجود تھیں۔

(۱۹) اور یہ کہ تیر اندازی آپ کا طریق ہوگا۔ چنانچہ دشمنوں کے لئے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا سامان تیر اندازی سے طیار رہنا مشہور بات ہے اور آپ کی شریعت میں لوگوں کو حکم ہے کہ تیر اندازی سیکھیں اور کوئی اگر سیکھ کر بھول جائے تو وہ گناہگار سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ (۲۰) زمین کا بہت بڑا حصہ آپ کے تحت تصرف میں ہوگا۔ چنانچہ آپ قریب قریب تمام ملک عرب پر قابض تھے۔

(۲۱) اور یہ کہ آپ خیر دوست (۲۲) اور گناہ سے بیزار ہونے والے ہوں گے چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی آپ میں ایسے کھلے طور پر ثابت ہیں جن کا آپکے دشمن بھی اقرار کرتے

ہیں (۲۳) اور یہ کہ شہزادیاں آپ کی خدمت کریں گی۔ پس یہ بھی ہو لیا کیونکہ سرداران عرب کی لڑکیاں جو آپ کے پاس مقید کر کے لائی جاتی تھیں شہزادیوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ علاوہ بریں صفیہؓ بنت اخطب جو ایک یہودی بادشاہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی زوجہ ہی تھیں (۲۴) اور یہ کہ بادشاہوں کے یہاں سے آپ کے پاس ہدیئے آئیں گے۔ چنانچہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور مقوقس شاہ مصر وغیرہ نے آپ کے پاس ہدیئے بھیجے۔ (۲۵) اور یہ کہ مالدار بھی آپ کی اطاعت کریں گے اور اس کے مصداق امت کے وہ مالدار ہیں جو آپ کے ارشاد کے موافق اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور علاوہ بریں (۲۶) اشعیا میں یہ جو واقع ہوا ہے کہ آپ کی نماز ایک نئی طرز کی عبادت ہوگی، شریعت محمدیہ کی نماز پر پورے طور سے صادق ہے۔ کیونکہ اس نماز کے مشابہ شرائع سابقہ میں کوئی عبادت نہ تھی اور یہ کہ (۲۷) آپ اس نماز کو علی العموم بڑی بڑی دور کے رہنے والوں پر بھی واجب کریں گے حتیٰ کہ جزائر اور بیابانوں میں بسنے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ بعد ایمان کے سب سے اول درجہ نماز ہی کا ہے کہ جس سے کوئی عاقل بالغ مستثنیٰ نہیں (۲۸) اور یہ کہ بیابان یعنی وہ مقامات جس میں قیدار سکونت پذیر تھے آپ کے ذکر سے گونج اٹھے گا اور قیدار اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور آپؐ کے یعنی محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اجداد کا انہی کے ذریعہ سے سلسلۂ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور وہ مقامات یہی عرب کے شہر ہیں جن کے ہر ہر کوچہ میں جہاں دیکھو آپ ہی کا ذکر ہے (۲۹) اور یہ کہ سلع[۱] کے بسنے والے آپ کا گیت[۲] گائیں گے۔ پس یہ لوگ آپؐ کے ساتھی ہیں جو پہاڑوں

---

[۱] سلع مدینہ میں ایک پہاڑ ہے اور اُسی پہاڑ کی جانب غزوۂ خندق میں جس کا ذکر بشارات بیبل سے بیان غزوات میں انشاء اللہ آئے گا خندق کھدی تھی اور یہ پہاڑ مدینہ میں مشہور ہے مگر تبکیت خصم کے لئے سند بھی ضرور ہے قاموس کے باب العین فصل السین میں ہے وسلع جبل فی المدینہ یعنی سلع ایک پہاڑ ہے مدینہ منورہ میں اور بخاری شریف کے باب الاستقاء میں یہ حدیث منقول ہے "عن انس بن مالک ان رجلاً دخل المسجد یوم الجمعۃ من باب کان نحو دار القضاء و رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۶۴ پر)

کی چوٹیوں اور بلند مقامات میں ہر وقت بآواز بلند نماز یا اذان میں آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ (۳۰) اور یہ کہ وہ[1] (سلع کے بسنے والے) آپ کی ثنا خوانی کریں گے اور یہ رات و دن میں پانچ وقت کی اذان ہے جس میں آپؐ کا نام مبارک لیا جاتا ہے اور آپؐ کی رسالت کی شہادت دی جاتی ہے۔ (۳۱) اور یہ کہ اب بہادر کی طرح نکلے گا اور یہ جہاد سے کنایہ ہے جو آپؐ کی شریعت میں مشروع ہے اور چونکہ جہاد میں نیت کے خالص کرنے کی بڑی سخت تاکید ہے یہاں تک کہ جہاد کی تعریف میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ جہاد محض اعزاز دین کے لئے دشمن سے لڑنے کا نام ہے تو اب اگر "رب کے بہادر کی طرح نکلنے" سے جہاد سے کنایہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ (۳۲) اور یہ کہ اندھوں کو آپ ایسی راہ میں لے چلیں گے جس سے وہ محض ناواقف ہوں گے اور یہ دین کے بارے میں زمانہ بھر سے جاہل تر عرب کی قوم تھی جس کو آپؐ دین کی ایسی راہ پر لے چلے ہیں جس کی اسے خبر بھی نہ تھی (۳۳) اور یہ کہ آپ بتوں اور تراشی ہوئی ہیکلوں کے پوجنے والوں کی بے عزتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳ سے آگے) قائماً ثم قال یا رسول اللہ ہلکت الاموال وانقطع السبل فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللّٰھم اغثنا اللّٰھم اغثنا اللّٰھم اغثنا قال انس لا واللہ ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعۃ وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار الخ مجمع البحار میں اس جملہ "ما بیننا وبین سلع" پر لکھا ہے بفتح السین وسکون اللام جبل بالمدینۃ ۱۲ براہین رحمیہ۔

[2] جناب مولوی رحم الٰہی صاحب شاگرد جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "براہین رحمیہ" میں لکھا ہے کہ "گیت" سے مراد کلام الٰہی ہے اور یہاں کا محاورہ ہے کہ کلام الٰہی کو گیت کہتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی زبور کے ترجمہ کو بیبل میں گیت لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی کلامِ الٰہی آپ پر نازل ہوگا اور وہاں آپ ہجرت کر کے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کا تفصیلی بیان براہین رحمیہ میں دیکھ لیجئے۔ ۱۲ مترجم

[1] براہین رحمیہ میں یہ بشارت اس طرح ہے کہ "سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ ۱۲ مترجم

کریں گے ۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسوں پر آپ خدا تعالےٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ تر سخت ہیں اور آپ کا سارا قرآن ان کی عقلوں کی سفاہت کے اظہار اور ان کے بتوں کی طعن و تشنیع سے بھرا ہُوا ہے اور اس قسم کے بے شمار مضامین اس میں موجود ہیں (۳۴) اور یہ کہ آپ بڑے لڑنے والے ہوں گے جو مشرکوں کے ہلاک کرنے کے لئے پیدا کئے گئے اور آپ پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو متی میں ہے (۳۵) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جسے معماروں نے رد کیا اور وہ کونے کا سرا ہو گیا یعنی آپ کا محافظ قصر نبوت ہوئے اگرچہ ان کو جن کی اولاد میں آپ ہیں بنی اسرائیل حقیر سمجھتے تھے اس لئے کہ آپؐ ہاجرہ کی نسل سے ہیں اور ان کی اولاد بنی اسمٰعیلؑ کو بنی اسرائیل حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ کنیزک زادے ہیں اور خدا تعالےٰ نے ان ہی میں سے آپ کو نبی بنا دیا اور جو کچھ مشاہدات انجیل میں ہے وہ بھی آپ پر بخوبی صادق آتا ہے (۳۶) اور یہ کہ آپ کی حکومت بڑے بڑے فرقوں پر ہو گی اور آپ لوہے کی چھڑی سے ان کی نگہبانی کریں گے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ آپ کی ایسی حکومت ہو چکی ہے کہ بڑی سے بڑی متکبر قومیں آپ کے سامنے گردن جھکاتی تھیں اور لوہے کی چھڑی یہی آپ کی تلوار ہے جس سے آپ بے حکمی کرنے والوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے (۳۷) اور جب ہم آپؐ کے لائے ہوئے قرآن میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہیں بتلاتا ہے اس لئے اس کو وہی صبح کا ستارہ سمجھنا چاہیئے جو آپ کو ملنے والا تھا (۳۸) اور مزامیر میں یہ جو ہے کہ حبشہ آپ کے

لہ اس کے تفصیلی بیان کا اگر شوق ہو تو براہین رحمیہ کو دیکھئے وہ بشارات کتب سابقہ کی باب میں نہایت عمدہ اور کافی کتاب ہے ۔ انصاف تو یہ ہے کہ شاید ایسی کتاب اس بحث خاص میں اس سے بیشتر نہیں لکھی گئی ہے ۔ مولوی صاحب موصوف نے خوب حق ادا کیا ہے اور حجت ختم کر دی ۔ ۱۲ مترجم

سہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب ساکن قصبہ منگلور ۔ ضلع سہارن پور ۔ (یہی پتہ ہے)

سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑے گا۔ وہ بھی آپ پر صادق ہے کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی آپ پر ایمان لے آیا تھا (۳۹) اور سلاطین یمن آپ کی خدمت میں قربانیاں لے کر حاضر ہوتے تھے (۴۰) اور تمام قومیں آپ کی اطاعت اختیار کرتی تھیں (۴۱) اور یہ کہ آپ مظلوم بیچاروں کو قوی لوگوں سے چھڑا دینے والے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک زبردستوں کا کمزوروں پر ظلم کرنا گناہ ہے اور آپ اس سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے اور ظالم کو ظلم کرنے سے ہر طرح سے باز رکھتے تھے۔ (۴۲) اور یہ کہ آپ ایسے کمزوروں کو جن کا کوئی یار و مددگار نہ ہو (ظلم وغیرہ سے) چھڑائیں گے۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ آپ ایسے تھے۔ (۴۳) اور یہ کہ آپ ضعیفوں اور مسکینوں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے ہوں گے۔ جیسا کہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے اور آپ کو ان سے نہایت محبت تھی یہاں تک کہ اپنے آپ کو مسکینوں ہی میں شمار کرتے تھے اور اپنے رب سے یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ! مجھے زندگی میں بھی مسکین ہی بنائے رکھ اور مرتے دم بھی مجھے مسکین ہی رکھیو اور قیامت میں بھی مجھے مسکینوں ہی کے زمرہ میں اٹھائیو (۴۴) اور یہ کہ آپ لوگوں سے سود لینا چھڑا دیں گے۔ چنانچہ آپ سود سے نہایت سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور اس کا باعث حاجت مندوں کے حال پر شفقت فرمانا تھا جن کو قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور دولت مندوں کو اس بات پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا کہ یہ اہلِ حاجت کو قرض دے دلا کر ان کے ساتھ سلوک کیا کریں اور آپ نے اپنے بعض خطبوں میں یہاں تک فرمایا کہ تمام سود میرے قدموں کے تلے پامال ہیں (۴۵) اور یہ کہ آپ شہر سبا کا سونا جو یمن کے اطراف میں کسی طرف واقع ہے لوگوں کو دیں گے اور یہ اس طرح صادق ہوا کہ آپ کے پاس اس کا اخراج آیا کرتا تھا۔

(۴۶) اور یہ کہ آپ کے لئے روزمرہ برکت کی دعا کی جائے گی۔ جیسا کہ یہ آپ کے مطیعین کی عبادت میں داخل ہے۔ چنانچہ وہ روزانہ اپنی نماز میں بیس مرتبے سے بھی کچھ زیادہ یہ پڑھا کرتے ہیں السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ یعنی اے نبی! آپ کو ہمارا سلام پہنچے اور آپ پر خدا تعالے کی نوازش اور برکتیں نازل ہوں اور ہر

روز دس بار بھی زیادہ خدا تعالےٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد یعنی اے خدا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے کنبے والوں پر برکت نازل کر (۴۷) اور یہ بات ہم صاف طور پر
مشاہدہ کر رہے ہیں کہ جس دن سے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اُس دن سے لے کر آج
تک برابر آپ کے متبعین سبزہ کی طرح روئے زمین پر بڑھتے چلے جاتے ہیں جو مضمون اشعیاؔ میں
آپ کی نسبت واقع ہے وہ بھی بخوبی آپ پر صادق آتا ہے (۴۸) یہ کہ آپ مؤید اور پسندیدہ
ہوں گے اور اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ دن بدن آپ کا عروج ہوتا چلا جاتا ہے۔ (۴۹)
اور یہ کہ جس دین کو آپ خدا کا دین کہیں گے اس کے اظہار میں نہ گھبرائیں گے نہ اکتائیں گے۔
اور اشعیا میں جو آپؐ کی نسبت جسمانی علامتیں مذکور تھیں وہ بھی آپ میں بخوبی ظاہر تھیں۔
(۵۰) یعنی کبوتر کے بیضہ کے برابر آپ کے شانہ پر شاہی مہر ہوگی اور آپ اس کو مہر نبوت
سے تعبیر فرماتے تھے (۵۱) اور یہ کہ آپ نئے نام سے پکارے جائیں گے چنانچہ آپ کا اسم مبارک
محمد تھا کہ یہ نام آپ کے اجداد میں کسی کا بھی نہ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کا نام احمد
بھی تھا۔ اس کے ساتھ بھی آپؐ سے پہلے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا (۵۲) اور یہ کہ خدا تعالیٰ سے
مشورہ کریں گے اس لئے کہ آپ دعوے سے کہتے تھے کہ میں کوئی بات اپنی خواہش نفسانی
کے موافق نہیں کہہ دیا کرتا ہوں، جو کچھ میں تم لوگوں کو تعلیم کرتا ہوں وہ خدا کے پاس سے
وحی ہی آیا کرتی ہے۔ (۵۳) اور یہ کہ تمام عالم کے آپ باپ ہوں گے اور یہ بات بھی
کچھ جھوٹ نہیں۔ کیونکہ آپ کے متبعین آپ کی اطاعت کے اعتبار سے بیٹوں ہی کی طرح ہیں
اور آپ بھی شفقت اور تربیت کے لحاظ سے گویا بالکل باپ ہی ہیں (۵۴) اور یہ کہ
آپ امن قائم کرنے والے سردار ہوں گے چنانچہ آپ نے جاہلیت کی لڑائیوں میں جو عرب
میں ہوا کرتی تھیں اور جن کا نتیجہ سوائے لوگوں کے ہلاک کرنے کے اور کچھ بھی نہ تھا بالکل
مسدود کر دیا۔ رہا آپ کا دشمنوں سے لڑنا۔ وہ محض اس غرض سے تھا کہ وہ دین جس کی نسبت
آپ دعوے سے کہتے تھے کہ یہ خدا کا دین ہے محکم ہو جاوے اور عالم میں امن قائم ہو۔
پس یہ تو اس عربی مثل کے موافق ہو گیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قتل کرنا ہی قتل کرنے کو خوب
روکتا ہے یعنی فسادیوں کو قتل کرنے سے اور لوگ محفوظ رہتے ہیں (۵۵) اور یہ کہ آپ کی

حکومت کو دن بدن عروج ہوتا رہے گا چنانچہ یہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے (۵۶) اور یہ کہ آپ کی وجہ سے بہت کچھ امن قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ جوں جوں آپ کے مطیعین بڑھتے گئے لوگوں کی حالتیں درست ہوتی گئیں اور جاہلیت کے فتنے مٹتے گئے (۵۷) اور یہ کہ آپ شتر سوار ہوں گے اس لئے کہ آپ اہلِ عرب سے ہیں جو لوگ بڑے شتر سوار مشہور ہیں جس طرح کہ عیسیٰ علیہ السلام دراز گوش پر سوار ہونے والے ہیں۔ (۵۸) اور یہ کہ آپ کے تسلط کے بعد بُت ٹوٹ جائیں گے اور زمین پر پھینک دیئے جائیں گے جیسا کہ آپ نے اس وقت کیا جب کہ مکہ فتح ہوا اور آپ کعبہ پر سے گراتے جاتے تھے اور بت شکست ہو رہے تھے اور جو کچھ یوحنا کے خواب کے بیان میں ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے (۵۹) کہ آپ امین کے لقب سے مشہور ہوں گے۔ چنانچہ آپ اس نام سے دعویٰ رسالت کے قبل ہی مشہور ہو چکے تھے اور آپ کو لوگ محمد امین کہا کرتے تھے۔ (۶۰) اور یہ کہ آپ کا حکم کرنا اور جنگ کرنا عدل پر مبنی ہوگا۔ چنانچہ آپ کو ہم نے ایسا ہی پایا حتیٰ کہ آپ نے اپنی اُمت پر یہ بات فرض کر دی کہ اپنے پر یا اپنی اولاد ہی پر کیوں نہ حکم کرتا ہو لیکن کسی طرح اُس کے ہاتھ سے عدل نہ جانے پاوے علیٰ ہذا القیاس۔ آپ کا جنگ کرنا بھی محض عدل کے موافق تھا کیونکہ عہد کرنے کے بعد بدعہدی جانتے ہی نہ تھے اور نہ جہاد میں کسی عورت اور بچے کو قتل کرتے تھے اور نہ کسی ایسے کو مارتے تھے جو لڑائی لڑنے اور تدبیر بتانے سے عاجز ہو اور نہ اُس شخص کو مارتے تھے جو اپنے زعم کے موافق گوشہ عبادت میں بیٹھا ہو۔ (۶۱) اور یہ کہ آپ کے لشکر کا لباس سفید اور پاکیزہ ہوگا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کو سفید لباس اور سب لباسوں سے زیادہ پسند تھا اور آپؐ کی امت نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور جمعہ کے روز گویا جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے آپ کی شریعت میں سفید لباس پہننا بہت مناسب خیال کیا گیا ہے (۶۲) اور یہ کہ آپ کے منہ سے ایک تیغ رواں نکلے گی تاکہ آپ لوگوں کو اس سے ماریں یہ آپؐ کے لائے ہوئے قرآن پر پورے طور سے منطبق ہے کیونکہ آپ نے عرب کے لوگوں کو اُس کے مقابلہ کرنے سے عاجز کیا گیا بلکہ سچ مچ اس سے انہیں تو مار ہی دیا۔ (۶۳) اور یہ کہ پرندے ان بادشاہوں کا گوشت کھائیں

گے جو آپ سے لڑ کر مقتول ہوں گے۔ یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ آپ نے کتنے ہی میدانوں کو بادشاہوں کی لاشوں سے بھر دیا اور انہیں پرندوں کی خوراک بنا دیا۔

(۶۴) اور یہ کہ شاہان روئے زمین مع اپنے خدم وحشم کے اتفاق کر کے آپ سے جنگ کریں گے۔ پس شاہان خیبر اور عرب کی دیگر قوموں کا متفق ہو کر آپ سے مقابلہ کرنا اس کی کافی شہادت ہے اور آپ کے مطیعین پر وہ مضمون بھی جو مزامیر میں ہے صادق آتا ہے۔

(۶۵) یہ کہ ان کے پاس دو دھاری تلوار ہو گی اور بڑے بڑے جابروں سے انتقام لیں گے۔

(۶۶) اور یہ کہ بادشاہوں کو طوق اور زنجیروں میں گھسیٹیں گے۔ پس بلاشک یہ دونوں باتیں بھی وہ لوگ کر چکے ہیں۔ (۶۷) اور یہ کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں میں خوش خوش آرام کریں گے۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سوتے وقت یاد خدا سے اپنا جی خوش کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ سو جاتے ہیں۔

(۶۸) اور یہ کہ ہر وقت خدا کی عظمت بیان کریں گے پس اس کی مصداق ان کی نماز ہے کہ اس سے پہلے بھی اذان میں تکبیر کہتے ہیں اور بغیر تکبیر کے تو اُن کی نماز شروع ہی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت بھی وہ تکبیر کہتے ہیں اور عیدالاضحےٰ کی تکبیرات تو مشہور ہی ہیں۔ بہر حال اُن کی نماز کے ہر ہر فعل سے خدا تعالےٰ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ان پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو تثنیہ میں ہے۔ (۶۹) یہ کہ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائے گا اور ایک جاہل فرقہ سے ان کو غیرت دلا کر غضبناک کرے گا اس لئے کہ قوم عرب محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رہنمائی سے پہلے نہایت ہی جاہل تھی سوائے بت پرستی کے اسے کسی دین کی خبر ہی نہ تھی اور اس وقت کے یہود کا حسد مسلمانوں کے ساتھ مشہور ہے۔ (۷۰) اور یہ کہ وہی لوگ ایسے ہوں گے جنہیں بے مانگے مراد ملے گی۔ اس لئے کہ انہوں نے کسی شریعت کی درخواست نہیں کی تھی اور محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے شہر مکہ پر وہ مضمون جو اشعیا میں ہے صادق آتا ہے (۷۱) اور یہ کہ وہ بانجھ ہو گا کیونکہ بعد اسماعیل علیہ السلام کے اس میں کوئی نبی نہیں ظاہر ہوا تھا۔ (۷۲) اور وہ وحشی (یعنی خانماں برباد) عورت کے

بیٹے بھی عرب کے لوگ ہیں کیونکہ یہ ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد میں ہیں جو بمنزلہ مطلقہ کے ہو رہی تھیں اور دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ اسمٰعیلؑ کے حق میں یہ واقع ہوا ہے کہ وہ وحشی[له] آدمی ہوں گے۔ جیسا کہ سفر تکوین میں مذکور ہے اور شوہر والی عورت کے بیٹوں سے سارا علیہا السلام کی اولاد مراد ہے۔ پس مکہ کو جو بانجھ عورت کے لقب سے پکارا گیا ہے اس خطاب کرنے کا راز ظاہر ہوگیا کہ تو خدا تعالےٰ کی پاکی اور وحدانیت بیان کرے گا اور شکر کا اظہار کرے گا۔ کیونکہ خانماں بر باد ہاجرہؑ کی اولاد سے جو بمنزلہ مطلقہ کے ہو رہی تھیں، بہتیرے سارؑا کی اولاد سے افضل نکلے جو شوہر دار کے مبارک لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ (۴۳) اور یہ کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے طفیل سے مکہ کو جو وسعت حاصل ہوئی ہے وہ عبادت گاہوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی ہو گی۔ (۴۴) اور ہر سال قربانیاں لے جانے کی وجہ سے جو مکہ کی توقیر بڑھی ہے وہ شاید ہی کسی عبادت گاہ

له ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل جو اس موقع پر انجیل میں لفظ وحشی پایا جاتا ہے وہ تحریف ہے، بجائے اس کے شاید کوئی اور لفظ ہوگا۔ چنانچہ مولوی رحم الٰہی صاحب نے ایک دوسری بشارت کے ذیل میں براہین رحمیہ میں اس کی تصریح کر دی ہے ہم اُن کی عبارت نقل کرتے ہیں اس سے ایک اور بشارت بھی معلوم ہوجائے گی۔ صحیفہ یسعیاؑ باب ۲۸۔ درس ۱۱۔ ہاں وہ وحشی کے سے ہونٹوں اور اجنبی زبان سے اس گروہ کے ساتھ باتیں کرے گا اور پیدائش کے سولھویں باب کے درس ۱۲ میں نسبت اسماعیل علیہ السلام کی مذکور ہے کہ وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ وحشی نعوذ باللہ من التحریف یعنی اسمٰعیل علیہ السلام عربی اللسان تھے اور کلام اللہ اور کلام محمد رسول اللہؐ عربی ہے نہ انجیل مسیح اور نہ زبان مسیح علیہ السلام انتہیٰ۔ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ درس ۱۲ میں وحشی تحریف ہے۔ لیکن خیر ہمارا اصل مطلب اب بھی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وحشی اسمٰعیل علیہ السلام کا وصف ٹھہرا تو درس ۱۱ میں وحشی کے سے ہونٹوں اور اجنبی زبان الخ سے مراد اسمٰعیلؑ کی زبان ہوگی اور ان کی زبان عربی تھی۔

پس اس کے بولنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اس زبان میں جو کتاب الٰہی نازل ہوئی وہ قرآن شریف ہے نہ کہ انجیل کیونکہ وہ عبری تھی۔ ۱۲ مترجم ؎

کو نصیب ہوئی ہو۔

پس یہ فرقہ رسل ماضیہ کی بتلائی ہوئی علامتوں کو محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے مطیعین کے حالات سے مقابلہ کر چکا اور بلا استثناء تمام علامتیں آپ کے حالات پر منطبق آئیں اور علامتیں بھی ایک دو نہیں ستر ؎ سے بھی کچھ زیادہ اور پھر ستر کا عدد بھی کثرت کے اظہار میں بہت کچھ بڑھا ہوا۔ یہاں تک کہ مبالغہ کے موقع میں زبان زد ہے تب تو ان میں سے ایک دوسرے سے یوں کہنے لگا کہ جب سے کہ یہ علامتیں کتب سابقہ میں بیان کی گئی ہیں اس زمانہ سے آج تک کوئی ایسا رسول محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے قبل نہیں گزرا کہ جس میں آپ کی طرح ساری علامتیں موجود ہوتیں۔ اگرچہ بعض رسولوں میں کچھ کچھ علامتیں پائی بھی گئیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا ہے کہ بعض علامتیں باقی بھی رہ گئی ہیں اور یہ نوبت نہیں آنے پائی کہ ساری علامتوں کے جامع ہونے کا اطلاق ان پر ہو سکے۔ کیونکہ اُن کے حالات اور علامات میں کچھ نہ کچھ مخالفت اور منافات ہمیشہ پائی گئی۔ مثلاً یہ بات پائی گئی کہ نیکی کو پسند اور گناہ کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن سلاطین ان کے مطیع نہیں ہوئے۔ اور نہ انہوں نے لوہے کی چھڑی سے لوگوں کو راہ راست پر چلایا اور نہ وہ دشمنوں سے بڑے لڑنے والے نکلے۔ اسی طرح اور علامتوں کا حال سمجھئے اور پھر اُن سب علامتوں کا باوجود اپنی کثرت اور گوناں گوں ہونے کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں محض اتفاقی طور پر جمع ہو جانا کسی طرح عقل میں نہیں آتا۔ اور کوئی منصف ان سب کے اتفاقی طور پر مجتمع ہونے کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا۔ ہاں! کوئی اپنی وقعت ثابت کرنے کے لئے یا عداوت کی راہ سے کہہ دے تو بات ہی دوسری ہے۔

پھر بعد اس کے کہ اتنی زیادہ علامتیں محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں مجتمع ہو جائیں اور اس بات کا کوئی عقلی یا عرفی مانع بھی نہ پایا جاوے اور نہ عادت یا شرع کی مخالفت لازم آئے کہ جن کی نسبت یہ علامتیں بتلائی گئی تھیں وہ آپ ہی ہیں تو اب بھی اگر کوئی یہ کہے کہ شاید وہ کوئی دوسرے شخص ہوں گے جو ابھی آئے نہیں آئندہ آئیں گے تو یہ بات ناعاقبت اندیشی اور عداوت پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے اور ایسا کہنا محض لغو اور سراسر

بے سود ہے اور یہ کہہ کر ایسے شخص کی اطاعت سے جس میں کہ ساری علامتیں متحقق ہو چکیں روگردانی کرنا اور کسی دوسرے کا انتظار کرنا جس کی آمد مشکوک اور محض ایک گمان ہی گمان ہو نہایت بے عقلی کی بات ہے۔

بھلا غور تو کیجئے کہ اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو ایک خط دے کر اس سے یہ کہہ دے کہ اُس شخص کو دے دینا جو تھوڑے عرصہ میں تیرے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں ہی وہی شخص ہوں جسے کہ تیرے مالک نے خط دلوایا ہے اور اُس کو اُس شخص کی چند علامتیں بھی بتلا دے جن کا دو آدمیوں میں بھی مجتمع ہو جانا عقل کے نزدیک مستبعد خیال کیا جاتا ہے اور پھر وہ شخص نوکر کے پاس آکر اس کے مالک کے بتلانے کے موافق وہ خط طلب کرے اور نوکر اس میں اپنے مالک کی بتلائی ہوئی علامتیں دیکھنے پر بھی اُسے خط نہ دے اور اس نہ دینے کی وجہ یوں بیان کرے کہ شاید میرے مالک کا بتلایا ہوا شخص تو نہیں ہے کوئی اور ہوگا۔

اب بتلایئے کہ کونسا ایسا عاقل ہوگا جسے اس بات میں ذرا بھی شبہ ہو کہ اس نوکر نے اپنے مالک کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور سزا کا مستحق ٹھہرا اور محقق بات کو چھوڑ کر ایک امر موہوم کا منتظر ہو بیٹھا جس کی وجہ سوائے اس کے وسوسہ یا ایسی ہی کوئی دوسری شے کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ پس ہم لوگ بھی محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ساری علامتیں منطبق ہونے کے بعد بھی اگر آپ کا اتباع نہ کریں اور کسی دوسرے کا انتظار[۱] کرنے لگیں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب سینکڑوں برس کا زمانہ گذر بھی گیا ہو اور کوئی دوسرا نہ آیا ہو) تو بے شک عقلِ سلیم ہم کو بھی اسی نوکر کی طرح راہ راست سے منحرف

---

[۱] مترجم کہتا ہے کہ علاوہ علامات مذکورہ کے کتب سابقہ (بیبل) سے بعثت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانہ کا پتہ بھی لگتا ہے۔ چنانچہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب نے اپنی کتاب براہین رحیمیہ کے باب فصل سوم میں صـ۶۳ سے لے کر صـ۹۳ تک اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور متعدد بشارات بیبل سے زمانہ بعثت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخوبی ثابت کر دکھایا ہے بخوف طوالت میں اس کو یہاں نقل نہیں کر سکتا شائقین اس میں دیکھ لیں۔ ۱۲ مترجم ؞

ہونے والا ٹھہرانے میں تامل نہ کرے گی۔ پس اگر بعد اس بات کے بھی محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صادق ٹھہر چکے اور اُن میں ساری علامتیں بھی ہم لوگوں نے دیکھ لیں ہم آپ کی تصدیق نہ کریں اور کسی دوسرے کے انتظار میں رہیں تو بتلائیے کہ اپنے رب کو ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کیا اللہ سبحانہٗ کے سامنے جس سے ایک ذرہ بھی مخفی نہیں یہ کہہ دیں گے کہ آپ کی بتلائی ہوئی علامتیں محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر منطبق نہیں ہوئیں اور اس طرح جھوٹ بول کر نجات پا جائیں گے ؟ یا ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے تو اُن کی تصدیق اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ہمیں انتظار تھا کہ اُن کے بعد کوئی دوسرا شخص آئے گا اور پھر اگر خدا ہم سے پوچھنے لگے کہ ایسا تم نے کیوں کیا اور کس دلیل سے تم اُن کی تصدیق چھوڑ کر کسی دوسرے کے منتظر بن بیٹھے تو بھلا سوائے اس کے ہم کیا جواب دے سکتے ہیں کہ صاحب اب تو ہم نے ایسا ہی کیا محقق امر کو چھوڑ دیا اور امر موہوم کا انتظار کرنے لگے اور کیا ایسا جواب دینا ہمیں نجات دلانے کے لئے کافی ٹھہر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں پس ہمارے حق میں ٹھیک بات یہی ہے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کریں اور آپؐ کے دعویٰ کو سچ جانیں اور اگر اس طور پر جیسے کہ حق پر استدلال کرنے کے لئے کبھی محال بھی فرض کر لیا جاتا ہے ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہ شخص نہیں ہیں جن کی خدا اور اس کے رسولوں نے علامتیں بتلائی تھیں اور آپ میں علامتیں جمع ہونے پر ہم چوک بھی جائیں تو بے شک ہم کو عذر کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور ہم اس وقت اپنے رب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رب ! تجھے تو سب کچھ معلوم ہے تو سچے اور جھوٹے رسولوں سے بھی خُوب واقف تھا اور سارے آئندہ واقعات کی بھی تجھے پوری پوری خبر تھی۔ پس جب تو یہ جانتا تھا کہ اس سچے رسول سے پہلے جس کی علامتوں سے تو نے ہمیں اپنے رسولوں کے ذریعہ سے مطلع کیا تھا کوئی جھوٹا مدعی نبوت بھی ہو گا کہ جس میں ساری بتلائی ہوئی علامتیں پائی جائیں گی تو کیا تیری حکمتِ کاملہ اور مہربانی اور رحمت کا یہ مقتضیٰ نہ تھا کہ انہی رسولوں کے ذریعہ سے اس جھوٹے شخص سے بھی آگاہ کر دیتا اور زیادہ نہ سہی ایک ہی آدھ کوئی ایسی علامت بتلا دیتا جس سے ہم سمجھ لیتے کہ یہ شخص سچا رسول نہیں ہے اور ہمیں سچے اور جھوٹے کا پتہ لگ جاتا۔ اچھا اسے بھی

جانے دیجئے۔ وہ رسول جہاں انہوں نے اور ساری علامتیں بتلائی تھیں اتنا اور کہہ دیتے کہ ایک جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوگا جس میں یہ سب علامتیں موجود ہوں گی اُس سے ذرا ہوشیار رہنا۔ پس اے ہمارے رب! جب ان باتوں سے ہم کو کچھ بھی نہیں بتلایا گیا تو تیری حکمت کا تو صاف یہی مقتضیٰ ہے کہ تو مواخذہ کرنے سے ہم کو معاف رکھے گا اور اپنے مقصود کے خلاف اس دوسرے رسول کی اطاعت کرنے سے ہم کو عذاب نہ دے گا۔ کیونکہ ہمارا تو کھلا ہُوا عذر ہے۔ لیکن یہ بات تو ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے سے پاک اور مبرا ہے۔ اس لئے کہ دھوکہ میں ڈالنا اس کی حکمت کے نقصان کا باعث ہے اور اس کی حکمت میں سارے نقصانات محال ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تعالےٰ کا بندوں کو دھوکہ میں ڈالنا بھی محال ہے اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

پس اگر ان علامات سے سوائے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے کسی اور کا بتلانا مقصود ہوتا تو ہم ایسی حالت میں ضرور دھوکے میں پڑتے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کے بندوں کو دھوکے میں ڈالنا ممکن ہی نہیں۔ پس یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا آپ ہی مراد ہیں جس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں۔ پس ہم نے ان دلیلوں پر نہایت اطمینان سے اعتماد کر کے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور آپ کے مطیع بن گئے کیونکہ ان دلیلوں کو دیکھ کر ہماری صریح عقلوں نے صاف یہی حکم دیا کہ آپ کسی طرح جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

کُتب سابقہ کی وہ علامتیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ظاہر ہوئیں

میں کہتا ہوں کہ اگر اس فرقہ کو اس کے سوا اور علامتیں بھی جو انہی کتب سابقہ میں موجود ہیں دیکھنے کا موقع ملتا جو آپ کے زمانے کے بعد آج تک ظہور پذیر ہوتی رہیں تو ان کو ان سب علامتوں کے پورے ہونے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی اور مخالفین کے مقابلہ میں ان کی دلیل اور بھی قوی ہو جاتی۔

بیان اس کا یہ ہے کہ آپ پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو مزامیر (زبور) میں ہے۔

(۷۵) اور یہ کہ بہت سی قومیں آپ کے تحت تصرف میں ہو جائیں گی۔ چنانچہ فارس، روم بربر اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی آپؐ کی امت کے مطیع بن گئے اور ان کے ممالک پر ان کا تسلط ہو گیا اور اس موقع پر یہ نہ کہئے گا کہ یہ تو آپ کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ آپ کی امت کی اطاعت ہوئی اس لئے کہ یہ مجازاً تعبیر کہا گیا ہے ایسی تعبیرات رسولوں کی کتابوں میں بہت ملیں گی۔ اسی کو نہ دیکھئے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے جبکہ انہیں مصر سے نکالا ہے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں بیت المقدس کا مالک بنا دیا گیا اور پھر صرف ان کی اولاد کو مالک بنایا تھا کیونکہ خود وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تھے وادی تیہ میں ہی ہلاک ہو چکے تھے جیسا کہ اُن کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے اس مجاز کی اور بہت سی نظیریں ملیں گی۔

(۷۶) اور یہ کہ آپ کے بیٹے اپنے آباء کے عوض میں زمین میں سردار بنیں گے۔ چنانچہ آپ کی اولاد میں سے بتھیرے یمن حجاز اور عرب وغیرہ میں سردار گزرے ہیں اور ان کے بیٹے ان کے قائم مقام بنے ہیں (۷۷) اور یہ کہ آپ کا نام ہر دور میں برابر لیا جائیگا چنانچہ باوجود اتنا زمانہ منقضی ہونے کے آپ کی امت کے درمیان اذان میں نماز میں ہر خطبہ کے افتتاح میں ہر دعا کے خاتمے میں آپ کا برابر نام لیا جاتا ہے۔ (۷۸) اور یہ کہ مختلف فرقے آپ کی ثناء کریں گے۔ چنانچہ آپ کی امت سے عرب، ترک۔ فارس ہند۔ داغستان۔ افغان۔ قزاق اور بربر سوڈان وغیرہ کے فرقے اپنی اپنی زبانوں میں آپؐ کی توصیف و ثنا کرتے ہی ہیں۔ (۷۹) اور یہ کہ آپ ہمیشہ بابرکت رہیں گے اور آپ اس زمانہ تک بابرکت کے متعدد معانی میں سے جس لحاظ سے ہم دیکھیں برابر بابرکت ہی رہے ہیں اور جو کچھ بخت نصر کی خواب کی تعبیر دانیالؑ نے بتلائی ہے وہ بھی آپ پر صادق ہے (۸۰) اور یہ کہ آپ کو اور آپ کے متبعین کو حکومت ملے گی۔ چنانچہ مسلمانوں کا شرق سے لے کر غرب تک خصوصاً بلاد فارس پر جس کے بارہ میں یہ خواب تھا تھوڑے ہی زمانہ میں تسلط ہو گیا۔ (۸۱) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے کہ جو کسی پہاڑ سے جدا ہو گیا ہو اور پھر اس نے ٹھیکری لوہے۔ تانبے۔ چاندی اور سونے کو پیس ڈالا ہو ان سے

مراد فارس کی سلطنتیں ہیں جن کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ آپ کی اُمت کے زمانہ میں بالکل پس گئیں اور نیست و نابود ہوگئیں کسی کا نشان بھی باقی نہیں رہا (۸۲) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جو پہاڑ بن گیا ہو اور اس نے بہت کچھ زمین گھیر لی ہو چنانچہ آپ کی امت کا تسلط عظیم اسی قبیل سے ہے اور آپ کی شریعت پر وہ مضمون صادق آتا ہے جو متی میں ہے (۸۳) اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کا ملکوتی حکم اُس رائی کے دانہ کے مشابہ ہو گا کہ جسے کسی آدمی نے لے کر کھیت میں بویا ہو اور پھر وہ بڑھ کر بڑا سا درخت بن گیا ہو۔ پس اسی طرح آپ کی شریعت کا حال ہُوا کہ پہلے نہایت ضعف کی حالت میں تھی اس لئے کہ آپ مختلف فرقوں اور بادشاہوں کے خلاف تن تنہا کھڑے ہو گئے تھے اور اُس کے رفیع الشان بنانے میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کے دین کی مدد ہوئی آپ کی شریعت کو شیوع نصیب ہوا اور وہ بہت کچھ بڑھ گئی اور اس کے عروج کا پایہ نہایت بلند نظر آنے لگا۔ خصوصًا اس حالت کے بعد تو کچھ پوچھنا ہی نہیں جب کہ آپ کی امت کے علماء نے اس کی تشریح کی۔ اس سے احکام مستنبط کئے اور اس کے حلال و حرام کو واضح کر دیا۔

(۸۴) اور یہ کہ شریعت غیر قوموں سے چھین کر آپ کی امت کو دے دی جائے گی جو اس کے ثمرات کے موافق عملدرآمد کرے گی۔ پس ظاہر ہے کہ آپ کی شریعت ایسی ہے کہ احکام۔ عدل اور آداب کے اعتبار سے کوئی شریعت اُس کے ہم پلّہ نہیں اور آپ کے متبعین اعتقاد اور عمل دونوں کے لحاظ سے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور جو مضمون مزامیر میں ہے وہ آپ پر صادق آتا ہے۔ (۸۵) یہ کہ آپ ایک بحر سے لے کر دوسرے بحر تک مالک ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ کی امت بحر ہند سے لے کر بحر طنجہ کے اس سرے تک مالک ہو چکی۔ (۸۶) اور یہ کہ آپ نہر سے لے کر زمین تک (یعنی خشکی) کے سرے تک مالک بن جائیں گے۔ پس آپ کی امت نہر اردن سے لے کر جو داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے نزدیک بڑی ہی مشہور نہر تھی بلاد عرب کی انتہا تک مالک رہ چکے اور یہی زمین کا سرا ہے کیونکہ خشکی یہیں ختم ہوتی ہے اِس

کے بعد بحر اوقیانوس جنوبی شروع ہوتا ہے اور جو مضمون اشعیا میں مذکور ہے وہ بھی آپ کی امت پر صادق آتا ہے۔ (۸۷) کہ ان[1] لوگوں کی (یعنی مسلمانوں کی) تلوار اور تیر و کمان سخت

---

[1] جناب مولوی رحم الٰہی صاحب کی تحقیق کے موافق چونکہ مصنف حمیدیہ سے اس مقام (بشارت ۸۷، ۸۸) پر تسامح واقع ہوا ہے اس لئے ہم انہی کی کتاب براہین رحمیہ سے نقل کرتے ہیں (صفحہ براہین ۱۵) ترجمہ بیبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۸ء صحیفہ یسعیاہ (اشعیا) باب ۲۱ ترجمہ ۱۸۱۱ء النبوۃ فی العرب و بنی قیدار پہلے باب کی دوسری فصل میں اُن درسوں کا ہی بیان ہو چکا ہے اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جن کا ذکر پاک اس بشارت کے پہلے درسوں میں ہے، ان شتر سوار کے وطن کا بیان ان درسوں میں ہے یعنی عرب میں پیدا ہوں گے اور نبوت بھی آپ کی عرب میں ہی ہوگی اور آپ قیداری ہوں گے یعنی سیدنا ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں آپ پیدا ہوں گے۔ یہ تیرھویں درس کا بیان ہوا۔ ترجمہ بیبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۸ء درس (۱۴) پانی لیکر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لیکر بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو درس (۱۵) کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں درس (۱۶) خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ٹھیک ایک برس میں قیدار کی حشمت جاتی رہے گی درس (۱۷) اور تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے۔ انتہی چودھویں درس میں ذکر ہجرت سید الرسل طیبہ یعنی مدینہ منورہ کی جانب ہے اور آپ کو اس سفر میں شدت تشنگی پیش آئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بکری کے دودھ چرواہے سے دُہا کر لسی بنا کر جان عالم حیات بخش انس و جان کو پلائی ہے اور موافق ارشاد اسی درس کے اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو اور پیاسے کا استقبال کرو آؤ۔" جن دنوں میں کہ آپ کی مدینہ منورہ میں آمد آمد کی خبر گرم تھی تیما یعنی طیبہ والے ہر روز آپ کے استقبال کے واسطے آتے اور مکہ معظمہ کے راستہ پر منتظر طلوع روشنی جمال احمدی کے پہر دن چڑھے تک بیٹھے رہتے الخ درس (۱۵) کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے الخ میں بیان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۷۸ پر)

لڑائی کے سامنے دشمن بھاگ کھڑے ہوں گے (۸۸) اور یہ کہ قیدار کی عظمت جو عرب کے مورث اعلیٰ ہیں نیست و نابود ہو جائے گی اور ان کمانوں کی تعداد گھٹ جائے گی اور یہ بات آپؐ کی امت کے غالب ہونے سے صادق ہوئی جن کی باہم اعانت کرنے کی بنا محض اتحاد دین ہے نہ علاقہ قومیت اور آپ پر یہ بھی صادق ہے کہ (۸۹) آپ کی وجہ سے اندھی آنکھیں اور بہرے کان کھل جائیں گے اور اس سے آپ کی شریعت کی بدولت ان جاہل قوموں ہدایت پانا مراد ہے (۹۰) اور یہ کہ خشک صحراؤں میں چشمے پھوٹ نکلیں گے اور میدانوں میں نہریں جاری ہو جائیں گی اور ریگستانوں کے باغ لہلہاتے ہوں گے اور جن میدانوں میں وہ لوگ پیاسوں مرا کرتے تھے وہاں پانی کے چشمے بہیں گے اور یہ اس طرح صادق ہے کہ خلفاءؓ نے راہ حجاز میں تالاب تعمیر کرائے اور نہریں جاری کیں (۹۱) اور یہ کہ وہاں ایک کوچہ یا راہ ہوگی جو مقدسہ کہلائے گی۔ یہ اس طرح کہ اس کے مذہب کے موحد جو شرک سے مقدس اور پاک ہیں اس میں گزرتے ہیں۔ (۹۲) اور یہ کہ اس میں کوئی ناپاک نہ چلے گا۔ چنانچہ مشرکین کو اس کی اجازت نہیں ہے (۹۳) اور اس میں چلنے والا اس وجہ سے کبھی راستہ نہ بھولے گا کہ اس میں بہت سے نشانات ہوں گے اور حاجیوں کے آثار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ سے آگے) سبب ہجرت کا ہے اور وہ یہی تھا جو بیان فرمایا ہے اس لئے کہ تمام قبیلے عرب کے آپ کی شہادت میں جو محال ہے شریک ہو گئے تھے اور وہ ہزاروں تلواریں گویا کہ ایک تلوار بن گئی تھی اسی سبب سے جمع کو صیغۂ واحد کے ساتھ تعبیر کیا اور نیز لفظ جمع بھاگے ہیں" مشعر معیت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ہادی کا بھی ہے درس (۱۶) خدا نے الخ میں اس ارادۂ بد کی سزا کا بیان ہے یعنی ہجرت سے برس روز کے بعد قریش (جو قیدار کی اولاد میں ہیں) اس ارادۂ بد کی سزا پائیں گے اور ہلاک ہوں گے اور مارے جائیں گے۔ چنانچہ پورے برس روز کے بعد ہجرت سے اذن قتال ہوا اور انیسویں مہینے ہجرت رسول الثقلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے غزوۂ بدر ہوا اور اس میں مکہ والے قریشی مارے گئے اور ہلاک ہوئے اور قید ہوئے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ ومن اصدق من اللہ قیلا - ۱۲

پائے جائیں گے جو ہزاروں کے ہزاروں ہی ہر سال بغرض حج اس میں چلیں گے (۹۴) اور یہ کہ اس میں اللہ تعالےٰ کے مہمان چلیں گے اور یہ لوگ کعبہ کا حج کرنے والے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے والے ہیں جن کا ہر سال مجمع ہوتا ہے

(۹۵) اور یہ کہ لوگ وہاں سے لوٹتے ہوئے صہیوں کو آئیں گے اور وہ بلاد قدسیہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو داؤد علیہ السلام کی بادشاہت میں داخل تھا اور اس سے مرد کے وہ حاجی مراد ہیں جو حجاز کے شہروں سے لوٹ کر اپنے شہروں میں آتے تھے اور انہی میں سے صہیون بھی ہے اور اس طرح کی واپسی اس وقت نہایت ہی ظاہر ہوجاتی ہے جب اُن حاجیوں کو لیا جائے جو بلاد قدسیہ کی جانب واپس ہوتے وقت مزیریب ست ہوکر آتے تھے جیسا کہ تاریخ سے پتہ لگتا ہے اور اس کے آثار میں سے بڑی بڑی حوضیں جو قدس اور جبرون کے قریب دیکھنے میں آتی ہیں ہمیشہ پائی گئی ہیں۔

(۹۶) اور وہ لوگ گاتے ہوں گے،، اور ان کا گانا بھی اپنے مولا کی اس بات پر یاد کرنا ہے کہ اُس نے ان کو حج کا فرض ادا کرنے اور اپنے نبیؐ کی قبر کی زیارت کرنے کی توفیق دی ہے۔

(۹۷) اور یہ کہ وہ لوگ ابدی خوشی میں ہوں گے اور اس بات سے ہر وہ شخص بخوبی واقف ہے جسے اسلامی فرقہ سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہو کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ حاجیوں کو انتہا درجہ کی مسرت ہوتی ہے جس کا مقابلہ کوئی خوشی نہیں کرسکتی یہاں تک کہ بہتیروں کے نزدیک تو اس کے مقابلہ میں شادی کی خوشی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور لوٹتے وقت حاجیوں کے دل اور اس کے ساتھ ہی ان کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے دل بھی سرور سے معمور نظر آتے ہیں وہ ہدیئے تقسیم کرتے ہیں دعوتیں کھلاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر شخص اپنی حسب حیثیت دل کھول کر خیرات اور صدقات کرتا ہے اور حاجیوں کے دل سے تو یہ خوشی مرتے دم تک نہیں جاتی اسی وجہ سے اس کا نام ابدی خوشی رکھا گیا اور جتنی مشقتیں سفر حج میں اٹھائی ہوتی ہیں اتنا ہی اس مبارک سفر کو یاد کرکر کے حاجی لذت حاصل کیا کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دوبارہ بھی اس نعمت عظمےٰ سے بہرہ یاب ہوں اور اگر

دوبارہ بھی وہ کامیاب ہوگئے تو تیسری بار بھی انہیں یہی تمنا ہوتی ہے۔ بہرحال ان کا جی کبھی نہیں بھرتا۔

اگر کوئی کسی حاجی سے جب وہ دوبارہ حج کرنے کا ارادہ کر رہا ہو یہ کہے کہ صاحب آپ تو ایک مرتبہ حج کرچکے بس کافی ہے آپ کا فرض تو ادا ہوچکا تو وہ اس بات کو نہایت تعجب کی نگاہ سے دیکھے گا اور بے ساختہ کہہ اٹھے گا کہ واہ جناب کیا یہ ایسی چیز ہے جس سے آدمی کا جی بھر جائے اور کیا یہ ایسا چشمہ ہے جس سے تشنہ کو سیرابی حاصل ہو جائے اور پھر جی تقاضا نہ کرے۔

اب آپ نے سُن لیا کہ اپنے نبیؐ کی قبر اور کعبہ کی زیارت کی خوشی میں اسلامی فرقہ کا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں گراں بار ہونا پڑتا ہے اور قرنطینہ کی مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور ان کے مصارف بڑھ جاتے ہیں۔ بکثرت آدمی تلف ہو جاتے ہیں یا ڈاکو گاٹیوں سے نکل کر مار ڈالتے ہیں۔ پھر بھی تمام اطراف عالم سے (جیسے کہ کاشغر۔ بخارا۔ خوارزم۔ افغانستان۔ بلخستان۔ ہند۔ جاوی۔ داغستان۔ کرج۔ قوقاز۔ فارس۔ روملی۔ انفول۔ بلاد روس۔ عراق۔ عرب۔ یمن۔ سوڈان۔ اندرونی افریقہ۔ مصر اور شام وغیرہ کے) گروہ کے گروہ چلے آتے ہیں۔

دن کو گرمی کی شدت سہتے ہیں، راتوں کو سونا حرام کرتے ہیں میدانوں میں چلنا گوارا کرتے ہیں، بحری سفر کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اپنے اہل وعیال سے جدائی اختیار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حج کے لئے اپنے کو بڑے بڑے خطرات میں ڈالنا بھی ان کو بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے اور بعض بعض پر یہاں تک نوبت گزر جاتی ہے کہ دو دو سال کے بعد اپنے گھر واپس ہونا نصیب ہوتا ہے اور اتنی مدت کے بعد دوستوں کی صورت نظر آتی ہے اور بہتیرے پیادہ پا بادیہ پیمائی اور دشت نوردی کر کرکے حج کو جاتے ہیں اور یہ ساری مصیبتیں خدا کی رضا اور مغفرت کی طلب میں جھیلنا گوارا کرتے ہیں اور ان کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ وہ پکے دیندار ہیں۔

(۹۸) اور انہیں صہیون کی جانب لوٹنے والوں کی نسبت ان کا یہ قول ہے کہ

ان کے سروں کے اوپر بہجت و سرور پایا جائے گا جو حاجیوں کی اس مسرت پر بخوبی صادق آتا ہے جو اُن کو اپنے نبی علیہ السلام کی قبر اور کعبہ مکرمہ کی زیارت سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کی اس عطا سے نہایت ہی ہشاش بشاش نظر آتے ہیں اور ان کا یہ قول بھی کہ (۹۹) ان کا غم دور ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یعنی اس مبارک زیارت کے حاصل ہونے سے پہلے جو اُن کے دل میں غم والم ہوگا دور ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور ان کا یہ قول بھی صادق آتا ہے (۱۰۰) کہ اُن کی بے سرو سامانی جاتی رہے گی۔ یعنی وہ بے سرو سامانی جو ناداری یا دیگر موانع کی وجہ سے قبل حج انہیں لاحق ہو رہی تھی۔ پس یہ پوری سنو علامتیں ہیں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اُن کی امت کے احوال پر منطبق ہوگئیں اور اہلِ نظر کے لئے ان کا انطباق سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر و باہر ہو گیا جس میں تردد کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اس زمانہ تک آپ کی شریعت اور امت کے حسنِ انتظام کے ساتھ رہنے سے آپ کے صدق پر ایک عمدہ اور نیا استدلال

مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس زمانہ تک بھی باقی رہتے تو انہیں محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صدق پر انہی کتب سابقہ سے نہایت ہی واضح طور پر استدلال کرنے کا موقع مل جاتا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ انہی کتابوں میں یہ مضمون بھی واقع ہُوا ہے جیساکہ زبور میں موجود ہے کہ "منافقوں کی راہ ماری جائے گی اور سارے جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو جائیں گے اور رب کا اسی جانب رخ ہوگا کہ بُرے عمل کرنے والوں کا ذکر زمین سے بالکل مٹا دے گا اور خطا کرنے والوں کی کلائیاں ٹوٹ جائیں گی وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور رب کے دشمن جب بڑھنے اور بزرگ ہونے لگیں گے نابود ہو جائیں گے اور دھوئیں کی طرح فنا ہو کر رہ جائیں گے۔"
اب دیکھئے کہ اگر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو باوجودیکہ تیرہ صدیاں گزر چکی

ہیں لیکن کس دن آپؐ کا ذکر مٹ گیا ۔ آپؐ کی امت میں سے آپؐ کے نام لینے والے تو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہی موجود ہیں جو اطراف عالم میں شرق سے لے کر غرب تک کیا خشکی اور کیا تری قریب قریب ہر قریہ اور ہر شہر میں نماز اور اس کے علاوہ بتھیری عبادتوں میں رات و دن برابر آپؐ کا ذکر کیا کرتے ہیں اور کوئی منبر یا اذان گاہ ایسی نہ ملے گی جس پہ آپ کا نام نہ پکارا جاتا ہو بلکہ ایسا اتفاق بہت ہی کم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نام کے ساتھ آپؐ کا نام نہ لیا جاتا ہو اور پھر وہ بھی یوں ہی نہیں اُس کے ساتھ ہی آپؐ کے اسم مبارک کی بڑی تعظیم وتکریم کی جاتی ہے ۔ آپ کے لئے بھلائی کی دعا مانگی جاتی ہے ۔ آپ کی تعریف زبان پر اور محبت دل میں جاگزین ہوتی ہے لوگ اپنی جانیں آپ کے اسم شریف پر فدا کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں ۔ بہرحال آپؐ کے منصب و مقام کی نگہداشت میں بڑی حفاظت اور رعایت سے کام لیا جاتا ہے اور پھر ہر سال حضرت کی قبر شریف پر سلاطین امراء ذی عزت دولت مند اور فقراء ۔ خلاصہ یہ کہ ہر درجہ کے لوگ ہزاروں ہی حاضر ہوتے ہیں آپؐ پر سلام بھیجتے ہیں آپ کی شفاعت کے طالب ہوتے ہیں ۔ آستانہ عالی کو بوسہ دینا اپنے لئے برکت کا باعث خیال کرتے ہیں اور وہاں کی خاک پاک کو اپنے درد کی دوا سمجھتے ہیں ۔ شاعروں کے مدحیہ قصیدے اور فصحاء کی تعریفیں آپ کے اوصاف حمیدہ اور حسن وخوبی کے ذکر سے مزّین کی جاتی ہیں اور آپؐ کے حضور میں ان کی نذریں گزاری جاتی ہیں ۔

آپؐ کی شریعت کو دیکھئے کہ ہمیشہ ذی عزت اور بلند مرتبہ رہی تب اُس کے مدد کرنے والے بکثرت پائے گئے ہیں ۔ تمام فرقے اسی کے خوشہ چیں رہے ہیں اسی کے چمکتے ہوئے آفتابوں کی روشنی کے طفیل عرب وعجم کو راستہ سوجھا ہے ۔ آپؐ کے متبعین کی طرف نظر اٹھائیے تو خدا کے فضل سے ساری زمین ان سے معمور دکھائی دیتی ہے ۔ جو کچھ آپؐ نے سنت و فرض ان کے لئے مقرر کر دیا ہے سب اس کی پیروی میں لگے ہوتے ہیں اگرچہ کہیں کہیں باہم کسی قدر اختلاف کی جھلک بھی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بات مقصود کی توضیح کرتے وقت اس طرح پیدا ہو گئی کہ آپؐ کی شریعت کے بعضے احکام کو لوگ مختلف طرح سے

سمجھے ورنہ خدا نخواستہ اصول میں ان میں اختلاف نہیں سب متفق ہیں۔ خدا کی توحید کے قائل ہیں، قرآن کی تصدیق کرتے ہیں، حشر و نشر کو مانتے ہیں، جنت و دوزخ کو تسلیم کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اتنا زمانہ گزر گیا لیکن ان کے دل آپؐ کی محبت اور تعظیم سے مملو پائے جاتے ہیں۔ پس جب یہ حال ہے تو بتلایئے کہ مسلمان کدھر سے ہلاک ہوئے کیونکر ان کی کلائیاں ٹوٹیں اور وہ دھوئیں کی طرح کس طرح فنا ہوئے۔ غایت سے غایت یہ ہُوا کہ کبھی ان کو اس عالم میں کچھ آزمائش اور مصیبت سے سامنا کرنا پڑا جو کہ خدا کی حکمت کے اعتبار سے اس عالم کا ایک خاصہ ہے اور خدا تعالیٰ کی عادت تو بدل ہی نہیں سکتی جو یہ اس سے مستثنٰے ہو جاتے۔

اب رہی یہ بات کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے صدق پر اس فرقہ کا کیونکر استدلال ہو سکتا ہے؟ اس کی تقریر یوں سمجھئے کہ اگر وہ لوگ اس زمانہ تک رہتے تو اس طرح کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین اگر ان خطاکار، جھوٹوں اور رب کے دشمنوں کے مصداق ہوتے جن کا ذکر مزامیر کے کلام میں ہے تو ضرور یہ ساری مصیبتیں ان کو پیش آتیں۔ خدا ان کے ذکر کو نیست و نابود اور ان کو ہلاک کر دیتا۔ وہ دھوئیں کی طرح فنا ہو جاتی اور ان کی کلائیاں ٹوٹ جاتیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السّلام کی زبانی رب نے جو خبر دی تھی اس کے خلاف واقع ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ان باتوں میں سے ان کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ پس اب بے شک یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ لوگ (یعنی مسلمان) ان خطاکاروں وغیرہ کے ہرگز مصداق نہیں ہو سکتے اور جب یہ لوگ اس کے مصداق نہ ہوئے تو ضرور مطیع سچے اور خدا تعالےٰ کے دوست ہوں گے۔

اب اس وقت اگر ہم ان کی تکذیب کریں گے اور جو کچھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں اُس کو توڑیں گے تو بلا شک خدا تعالےٰ سے لڑائی کرنے والے ٹھہریں گے جس طرح کہ یہود کے معلّم عمالائیل نے حواریین کے حق میں کہا ہے جیسا کہ اعمال رسل میں مذکور ہے کہ اگر وہ (یعنی حواریین کی رائے اور ان کا عمل) خدا تعالیٰ کی جانب سے ہو گا تو اس کے توڑنے پر ہرگز قادر نہ ہو گے تا کہ تم خدا سے لڑائی کرنے والے نہ ٹھہرو۔

جب اس فرقہ کا استدلال اس طرح مرتب ہو گیا تو تم ان کو ضرور خیال کرو گے کہ وہ بڑے کامل ایمان والے ہیں جنہوں نے آپ کے شبے مٹا لئے اور یہ کہنے لگے کہ خدا تعالےٰ شیطان اور خواہش نفسانی کا برا کرے ہم تعصب سے کیسے چھوٹ گئے ورنہ ہم اپنے خیالات سابقہ کی پابندی کے پیچھے لکیر کے فقیر ہی بنے رہتے۔ بھلا حق بھی کوئی شرمانے کی چیز ہے۔ عقل ایسی چیز کو کیونکر اختیار کر سکتی تھی جو اگرچہ سر دست ہی مل جائے لیکن بالکل بے قدر اور فانی ہو اور ایسی چیز کا ترک کر دینا کیسے مستحسن سمجھ سکتی ہے جو چاہے کچھ لوں بعد ہی ملے لیکن نہایت ہی نفیس اور باقی رہنے والی شے ہو یہ کس طرح زیبا تھا کہ ہم انجام کو نہ دیکھتے اور ناحق طرفداری کے پیچھے غفلت میں پڑے رہنا گوارا کرتے ؟ یہ بات ایسی ہے کہ جسے ذرا بھی عقل ہو گی اسے کبھی پسند نہ کرے گا اور ہمارا تو ملجا و ماویٰ خدا ہی کے پاس ہے۔ پھر ہم کیونکر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور یہ بھی ایک کہنے کی بات ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ خداوند کریم ہی راہ راست دکھاتا ہے۔ کسی دوسرے کی کیا مجال ہے جو کچھ دعویٰ کر سکے۔

چھٹا فرقہ ۔ جو اخلاق و آداب کا فلاسفر تھا ۱۲

اُن میں سے ایک گروہ کے لوگ اخلاق و آداب کے فلاسفر تھے اور شرائع سابقہ سے بخوبی واقف تھے ان کے اسرار و فوائد کی شناخت میں ان کی نظر نہایت ہی دقیق تھی، بڑے باریک بیں تھے۔ ان کو فطرتِ سلیمہ کا بھی بہت کچھ حصہ ملا تھا جس کی بدولت بُرے بھلے کاموں میں اچھی طرح تمیز کر سکتے تھے، انتظام ملکی اور دیگر مختلف اوصاف و امور کے حسن و قبح کو خوب پہچانتے تھے۔

رسالت کی دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں عقلی اور حسیؔ

وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ خدا تعالےٰ کے ہر رسول کے صدق ثابت کرنے کے لئے دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں ایک تو وہ دلائل جن کے سمجھنے میں بہت کچھ

عقل درکار ہوتی ہے اسی وجہ سے اگر اُن کو عقلی کہا جائے تو نہایت ہی سزاوار ہے کیونکہ ان کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو نہایت دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور یہ باتیں نہایت ہی پاکیزہ اصول پسندیدہ طریقے عمدہ حالات فتح پانے والے علوم اور مضبوط دلیلیں ہیں جو رسولوں کے لئے ثابت ہوا کرتی ہیں۔ دوسری قسم معجزہ یا خارق عادت امور ہیں جن کا حواس سے ادراک ہوتا ہے اُس کے طلب کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہُوا کرتے ہیں یا تو وہ جو پاکیزہ عقلی اصول وغیرہ کے سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور اس سے قاصر ہوتے ہیں اس وجہ سے ایسی چیز کے طالب ہوتے ہیں جس کو وہ اپنے حواس سے دریافت کرلیں یا وہ لوگ ہوتے ہیں جو باوجود اس نقص کے عناد پر بھی کمر باندھ لیتے ہیں اور ان کا مقصود محض یہ ہوتا ہے کہ ناحق جھگڑا کریں۔

پس وہ اس رسول سے لایعنی باتوں کی فرمائش کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر یوں تو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہاں یا تو آپ زمین سے پانی کا چشمہ جاری کر دیجئے یا آپ ایسے باغ کے مالک بن جائیں جس میں کھجوروں اور انگور کے درخت لگے ہوں، جا بجا نہریں بہ رہی ہوں، ورنہ آپ ہمارے اوپر آسمان ہی گرا دیجئے یا خدا اور فرشتوں کو بلا لائیے۔ یا تو ہم دیکھیں کہ آپ کا مکان سونے کا بن جائے یا اور کچھ نہیں تو آسمان ہی پر چڑھ جائیے اور آپ کے چڑھنے کو بھی ہم جب مانیں گے کہ آپ وہاں سے کوئی کتاب لیتے آئیے تاکہ ہم اسے پڑھ بھی لیں۔ اُن معاندوں کا جواب رسول کے پاس یہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ! مَیں تو ایک آدمی ہوں۔ خدا نے مجھے رسول بنا دیا ہے مجھ سے یہ مہمل سوال کیسے؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے مَیں عاجز ہوں۔ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، خدا ہی جب چاہتا ہے اس قبیل کی چیزوں کو ایجاد کرکے میری تائید کر دیتا ہے اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو کچھ بھی نہیں کرتا۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے مجھے منصب رسالت عطا کیا ہے میرا کام اتنا ہے کہ جو کچھ اس نے مجھے حکم دیا ہے تمہیں پہنچا دوں سو وہ مَیں کر چکا اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

پھر وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ[1] تو خدا کے فضل و کرم سے رسولوں کی ان علامات کے سمجھنے سے کسی طرح قاصر نہیں ہیں جو عقلی دلائل کے قبیل سے شمار کی جاتی ہیں بلکہ ہم تو دانشمندوں اور سمجھداروں کے زمرہ میں داخل ہیں کچھ تو عمدہ اوصاف جو اُن رسولوں میں ہوا کرتے ہیں جنہیں خدا تعالےٰ خلق کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ بھی چکے ہیں۔ مثلاً آپ کا شریف النسب ہونا۔ خوب صورت اور خوش اخلاق ہونا نہایت تیز اور زود فہم ہونا۔ آپ کی دلیل کا قوی ہونا اور آپ کے طریق کا مستقیم ہونا۔ اب ہمیں مناسب یہ ہے کہ آپ کے دعوے کو سوچیں اور آپ کی شریعت میں غور کریں۔ پس اگر آپ کی شریعت میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی کہ وہ ہم کو ایسے صحیح عقیدوں کے یقین کرنے کا حکم دیتی ہو گی جو صحیح دلیل عقلی کے موافق ہوں اور ان سے یقینی باتوں کے خلاف نہ ماننا پڑتا ہو۔

اس فرقہ کے استدلال کا اجمالی بیان

اور اس کی یہ تعلیم ہو گی کہ ہم اخلاق حسنہ اور آداب مرضیہ کے ساتھ اپنے کو مزین کریں عمدہ صفات اپنے میں پیدا کریں۔ ایسے عمدہ عمل اور تدبیریں اختیار کریں جن سے ہمارے باہم معاشرت کرنے کے انتظام میں خلل نہ آنے پائے اور ہماری عبادتیں ایسی ہوں جن سے خالق اکبر کی نعمتوں کا شکر نہایت خوبی سے ادا ہوتا ہو (اور بات یہ ہے کہ ان سب باتوں کے واجب کرنے میں مختلف حکمتیں ملحوظ ہوتی ہیں جن کا نفع آخر کو ہم لوگوں کو ملتا ہے۔ جیسا کہ رسولوں کی سکھلائی ہوئی عبادتوں میں اس راز کی ضرور رعایت کی جاتی ہے کیونکہ خود خدا تعالیٰ کو ان کی کیا حاجت ہے وہ تو ان سب چیزوں سے بالکل بے پرواہ ہے) اور آپ کی شریعت محض خرافات اور غلط عقیدوں سے روکتی بھی ہو گی جس سے آدمی کو خواہ مخواہ ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں جو مشاہدہ اور

---

[1] یہ فلاسفہ اخلاق کا مقولہ ہے ٭

یقینی دلائل کے بالکل خلاف ہیں اور بُری عادتوں سے منع کرتی ہوگی اور اس بات کو جائز نہ رکھتی ہوگی کہ آدمی بجائے اداب کے ساتھ موصوف ہونے کے ایسے رزیل اوصاف میں آلودہ ہوجائے جو نہایت معیوب اور مذموم خیال کئے جاتے ہیں اور ایسی بات اختیار کرے جس سے ہماری باہم معاشرت میں رخنہ پڑے اور انتظام درہم برہم ہو جائے اور ہم کو ایسی عبادتوں کی تکلیف نہ دیتی ہوگی جس سے ہم اپنے رب کی ناشکری کریں اور بے ادب ٹھہریں۔ اگر یہ سب کچھ ہوگا تو بے شک آپ یقینی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ کیونکہ رسولوں کی یہی شان ہوتی ہے اور ان کی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ آپ کی شریعت میں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جس میں آپ کا کوئی ذاتی نفع ہو اور عام مصلحت کے خلاف ہو۔ پس اس وقت ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کرلیں گے اور اگر کہیں اس کے خلاف ثابت ہوا تو آپ کے دعویٰ کو الگ کریں گے اور پھر نہایت سختی سے مقابلہ پر آمادہ ہوجائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ آپ کی شریعت کی باتوں میں غور کرنے لگے۔

شریعت کے عقائد حقہ پر مشتمل ہونے سے اُن کا استدلال

اور انتہا درجہ کی تفتیش اور آزمائش کے بعد انہوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت واقعی انہی اعتقادات کو بتلاتی ہے جو خرافات اور بے اصل باتوں سے بالکل الگ ہیں اور ان کے ماننے سے کسی یقینی بات کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور اس کا یہ بھی حکم ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے میں پسندیدہ اخلاق پیدا کرے آداب اور صفات حسنہ کے ساتھ موصوف ہو۔ اعلیٰ درجہ کی تدبیروں کو اختیار کرے جس سے انتظام عالم میں خلل نہ پڑنے پائے اور وہ رخنہ اندازی سے محفوظ رہے اہلِ عالم کو فائدہ پہنچے اور اُس کے نقصانات سے اُن کی حفاظت ہو۔ جن عبادتوں کا اس نے حکم دیا ہے وہ بھی ایسی ہیں جن سے خدا تعالےٰ کی نعمتوں کا نہایت خوشی سے شکر ادا ہوتا ہے اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں نظر آئیں جن سے لوگوں کو قرار واقعی نفع حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ

بے اصل اور غلط عقیدوں سے جو یقینی امور کے خلاف ہیں منع کرتی ہے۔ آداب سے بے بہرہ ہو کر بُرے اوصاف اور معیوب خصلتوں کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ایسے بے تدبیری کے کاموں کو جائز رکھتی ہے جن سے عالم کا انتظام مختل ہو اور ایسی باطل عبادتوں سے روکتی ہے جن سے خدا تعالےٰ کے ساتھ بے ادبی لازم آئے اور ناشکری ان کا ثمرہ ٹھہرے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ خدا تعالےٰ کو ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے منفرد اور یکتا سمجھو اور اس بات کا یقین اور اعتقاد کرو کہ وہ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور سارے نقائص سے پاک ہے۔

چنانچہ ہر عاقل بالغ کے ذمہ یہ یقین کرنا ضروری بتلاتی ہے کہ خدا تعالےٰ موجود ہے۔ زندہ ہے اُس کا علم نہایت ہی کامل ہے۔ اُس کا ارادہ نہایت ہی تام ہے۔ اُس کی قدرت نہایت ہی عظیم ہے۔ اُس کے سوا تمام چیزیں اُسی کی محتاج ہیں، اس کو ان ساری چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں۔ نہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ وہ ازلی اور ہمیشہ سے ہے ابدی اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کی ازلیت کی کوئی ابتدا ہے نہ اس کی ابدیت کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔ وہ حکیم ہے سارے کام محض اپنے قصد و اختیار سے حکمت کے موافق کرتا ہے اگرچہ اس کی پابندی اس کے ذمہ ضروری نہیں۔ بندوں کو کسی ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جو اُن کی وسعت سے باہر ہو۔ اس کے سوا نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ تدبیر کرنے والا اُس نے خلق کو عدم سے پیدا کر دیا اور پہلے ہی سے اُن کے سارے حالات کو تجویز کر دیا۔ ظلم سے بالکل پاک ہے اور نہ اس کی نسبت ظلم کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ ظلم صرف دوسرے کی ملک میں بغیر اس کی مرضی کے بے جا تصرّف کرنے کا نام ہے اور اللہ سبحانہٗ تمام کائنات کا علی الاطلاق حقیقی مالک ہے اس دُنیا کے علاوہ اس نے دو اور ایسے مقام پیدا کئے ہیں جن میں سے ایک میں تو مطیعین کو آرام و آسائش میں رکھے گا اور دوسرے میں نافرمانوں کو سزا دے گا۔

پس اُس نے جس طرح کہ تمام خلق کو عدم سے پیدا کیا ہے اسی طرح بعد فنا ہو

جانے کے اُن سب کو پھر زندہ کرے گا تاکہ مطیع کو جزا دے اور نافرمان کو سزا دے ورنہ لازم آئے گا کہ مرنے کے بعد وہ شخص جو دولت مند خوش حال۔ دوسروں پر ظلم و جبر کرنے والا خدا کے ساتھ کفر کرنے والا ہو اُس شخص کے برابر ہو جائے جو محتاج۔ضعیف۔بے چارہ۔ مظلوم ایماندار ہو اور اُن دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے حالانکہ یہ خداوندی حکمت کے خلاف ہے۔ خدا تعالےٰ کو اختیار ہے کہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔لیکن خدا تعالےٰ اس سے پاک ہے کہ اُس کے کام حکمت کے خلاف واقع ہوں بلکہ اس کا جو کام ہوگا عین حکمت ہی ہوگا اور جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس اعتبار سے کہ خدا سے صادر ہُوا ہے ضرور مستحسن ہوگا۔ اُس نے لوگوں کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ خدا کی نسبت صحیح اور واقعی عقیدوں کی تعلیم کریں۔کیونکہ ان کی عقلیں اگرچہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا موجود ہے اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے جیسا کہ اُس کی اُلوہیت کا مقتضا ہے۔

رسولوں کے بھیجنے میں کیا حکمت ہے؟

لیکن خدا تعالےٰ کی بہت سی ایسی عظیم صفتیں ہیں کہ جب تک وہ رسولوں کے ذریعہ سے اُس کی اطلاع نہ دے محض انسانی عقل اس کو سمجھ نہیں سکتی۔ اسی طرح رسولوں کے بھیجنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگوں کو اُن کی مصلحت کی باتیں سکھائیں اور اُن کے تمام حالات کی تکمیل کریں۔کیونکہ بمقتضائے حکمت خداوند تعالےٰ نے آدمیوں کے دو قسم کے اخلاق (یعنی قوتیں یا خواہشیں) پیدا کئے ہیں۔ ایک تو اخلاق حسنہ جن سے اُن کے حالات درست ہوتے ہیں اور دوسرے اخلاق اُن کے خلاف ہیں جو محض اس غرض سے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگ اُن کے ذریعہ سے اس عالم کے آباد کرنے میں ترقی کریں[1]۔ جہاں کہ انہیں ایک خاص زمانہ تک رہنا ہے۔لیکن اگر ہر خواہش کو ترقی اور زیادتی کے لحاظ سے کسی حد کے ساتھ محدود کر دیا جاتا تو ہر خواہش کرنے والے کو اُسی حد تک

---

[1] جیسا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ؞

پہنچ کر رک جانا پڑتا اور آگے قدم بڑھانے سے مایوسی ہو جاتی جس سے ترقی کی رفتار میں فرق آتا۔ اسی لحاظ سے اخلاق (یعنی قوتوں یا خواہشوں) کی اصل فطرت میں اعتدال نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو اس قابل بنایا کہ اپنے قصد و اختیار کے موافق ان قوتوں سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جا سکے اس لئے ان اخلاق سیئہ کی نسبت یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ اعتدال سے بڑھ کر بجائے نفع کے نقصان کا باعث نہ ہو جائیں اور زیادہ ضرر رساں نہ ثابت ہوں۔ پس اب مصلحت اسی کی مقتضی ہوتی کہ ان قوتوں کی جولانی کی ایک حد مقرر کر دی جائے اور ان سے باقاعدہ کام کیا جائے تاکہ ضرر کا اندیشہ جاتا رہے اور نفع حاصل کرنا آسان ہو جائے۔ اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ اُن سے باقاعدہ کام لینا اور اُن کے بے موقع جوش و جولانی کو روکنا سکھائیں یہاں تک کہ وہ ایسی حد پر آ لگیں جن سے اُن کا ضرر دفع ہو جائے اور نفع ہی حاصل ہوتا رہے۔ اور اس طرح سے اخلاق سیئہ بھی اخلاق حسنہ بن جائیں۔ اس کام کے لئے رسول دو مؤثر ذریعوں سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں کو رغبت دلانا اور اُن کو ڈرانا اور اُس کے ساتھ ہی وہ عمدہ چیزوں کی خوبی اور قبیح اشیاء کی برائی ثابت کرنے کے لئے دلائل بھی قائم کرتے ہیں جس سے ان دونوں طریقوں کی اور بھی تقویت ہو جاتی ہے۔

اس کو ایک مثال میں آپ اس طرح سمجھئے کہ لالچ ایک بُرا وصف ہے لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ کسب معاش کرنے باغ لگانے اور مکانات وغیرہ بنانے کی تکلیف ہرگز نہ اُٹھاتے اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جب لالچ بے اعتدالی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو طرح طرح کے جھگڑے اور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس رسول کی شریعت کا کام یہ ہے کہ اس قوت سے باقاعدہ کام لینا لوگوں کو تعلیم کرے اور یہ سکھائے کہ بجائے زیادہ مال جمع کرنے اور دوسرے کے نقصان پر اپنے نفع کو مقدم رکھنے کے اس قوت کو زندگی کی ضروریات کے حاصل کرنے اور مناسب امور کی کوشش میں استعمال کریں اس طرح سے اس کی ترقی کی رفتار میں فرق بھی نہ آنے پائیگا اور بلا کسی ضرر کے دنیا کی آبادی کا باعث ہو گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے کہ "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں" اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رسولوں کی کیا شان ہوتی ہے

پھر خدا تعالےٰ نے رسولوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نہایت کامل صفات کے ساتھ موصوف ہوں ۔ سچائی امانت داری اُن کا شعار ہو ۔ ہر حال میں حق کے حامی لوگوں کے خیر خواہ اور اُن کے ساتھ نیکی اور سلوک سے پیش آنے والے ہوں اور جو امور منصب رسالت کے خلاف ہوں اُن سے مبّرا اور پاک رہیں ۔ اسی بنا پر واہی تباہی باتیں اُن میں نہیں پائی جاتیں گناہ نہیں کرتے اور اُن میں کوئی ایسا امر ہوتا ہے جس سے لوگوں کو اُن سے نفرت ہو اور ان کی طرف توجہ نہ کریں اور جہاں کہیں ان سے کوئی بات معصیت کے مشابہ سرزد ہو گئی ہے اور خدا تعالےٰ نے اُس پر معصیت کا اطلاق کیا ہے وہ حقیقت میں معمولی امور ہیں جن سے نہ اُن کا مرتبہ ہی گھٹتا ہے اور نہ اُن کی شان میں کچھ کمی آتی ہے اور خدا کا ایسے امور پر معصیت کا اطلاق کرنا اور اُس کے جانب اُن سے باز پُرس ہونا محض اُن کے منصب عالی اور مقام رفیع کے لحاظ سے ہے ۔ رہی یہ بات کہ اُن سے ایسے امور صادر ہونے میں حکمت کیا ہے وہ یہ ہے تاکہ لوگ اس بات سے متنبہ ہو جائیں کہ خدا یکتا ہے اور وہی اکیلا علی الاطلاق کمالات کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے کوئی مخلوق کیسی ہی عالی کیوں نہ ہو لیکن خدا کے ہم پلّہ نہیں ہو سکتی ۔

خلاصہ یہ کہ وہ سارے معاصی سے مبّرا ہیں کیونکہ گناہ سے تو ادنیٰ ادنیٰ متقی پرہیز کیا کرتے ہیں رسولوں کا تو مرتبہ ہی بڑا ہے اور وہ تمام لوگوں میں کامل اور برگزیدہ ہُوا کرتے ہیں ۔ پھر کیسے ہُوا کرتا ہے کہ وہ معاصی سے محفوظ نہ رہیں ۔ پس بدکاری کرنا اپنے لوگوں کی آبرو ریزی کرنا ۔ بے حیا عورتوں سے اختلاط کرنا ۔ جھوٹ بولنا و دغابازی کرنا کفر کرنا ، بُت پرستی کرنا یا اور ایسے ہی گناہ ان سب سے رسول بالکل پاک وصاف ہیں ۔

شریعت محمدیہ اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم تمام رسولوں کی تعریف کریں اُن کے نام تعظیم وتکریم سے لیں اُن کے ساتھ توقیر سے پیش آئیں اُن کا ادب کریں اور جو کچھ وہ لائے ہیں اس پر عمل کریں ۔ ہاں وہ احکام اس سے مستثنیٰ ہیں جو انہیں رسل سابقہ کے زمانہ کے

مناسب تھے اور اس شریعت میں زمانہ کی مناسبت کے لحاظ سے خدائے خبیر و حکیم کے حکم سے بدل دیئے گئے ہیں جس نے پہلے ہی ہر زمانہ کے مناسب احکام تجویز کر لئے تھے۔

شریعت کن اخلاق حسنہ کا حکم کرتی ہے اور کن اخلاق سئیہ سے منع کرتی ہے زبان کی کیا آفتیں ہیں اور کونسے اعمال قبیح ہیں ان سب کا بیان

شریعت محمدیہ ہر شخص کو کم سے کم قدر ضروری علم سیکھنے کا بھی حکم کرتی ہے جو عقیدوں کی تصحیح عبادات، اخلاق اور آداب میں منافع ہو اُس کا سب سے پہلا اور نہایت ہی مہتم بالشان حکم ایمان و اسلام قبول کرنا ہے یعنی جتنی چیزوں کی نسبت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا لانا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق جازم کرنا اور جو کچھ احکام آپ لائے ہیں اُن کی بجا آوری بلا چون وچرا کرنا۔ اسی طرح اُس کا حکم ہے کہ اخلاق و عادات حسنہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ حکم دیتی ہے کہ آدمی تقویٰ کرے یعنی تمام اُن چیزوں سے احتراز کرے جو اُس کے دین میں مضر ثابت ہوں اور خدا تعالےٰ کیواسطے خالص نیت سے عمل کرے۔ نیکی کرے عمل میں احسان کی رعایت کرے اور احسان یہ ہے کہ آدمی اس طرح اپنے رب کی عبادت کرے گویا کہ وہ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ خلق اللہ کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آئے، صبر کیا کرے یعنی دہشت اور الم کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جو چیز خدا تعالےٰ کی پسندیدہ ہو اُس پر راضی رہے۔ حیا کیا کرے اور حیا، ارتکاب افعال شنیعہ کے خوف سے جی رُک جانے کا نام ہے۔ حلم سے پیش آئے یعنی جوش غضب میں نرمی سے کام لے۔ عفو کیا کرے اور عفو کے معنی خطا کار سے باوجود قدرت کے بدلہ نہ لینا ہے مگر حدود[1] بوجہ مضر عام ہونے کے اس سے مستثنےٰ ہیں اچھے کاموں میں لوگوں کی حرص کرے۔ سخاوت و کرم میں کوتاہی نہ کرے شجاعت کرنے میں پیشقدمی کے ساتھ موصوف ہو۔ غیرت کیا کرے یعنی دین و آبرو کو تہمت

---

[1] یعنی تعزیرات شرعی ٭

سے محفوظ رکھے۔ ثابت قدم رہے یعنی خوف کے وقت نہ گھبرائے۔ دوسروں کو اپنے فائدہ پر ترجیح دے، مروت سے پیش آئے اور وہ بقدر امکان لوگوں کو نفع پہچانے کی سچی رغبت کا نام ہے۔ ضبط نفس کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی خواہش نفسانی کے ہیجان کے وقت اپنا جی قابو میں رکھے۔ قناعت کرے۔ صاحب وقار بنے یعنی مطالب کی طرف متوجہ ہونے کے وقت سنبھلا رہے سکون سے پیش آئے یعنی لڑائی جھگڑوں میں جلد بازی سے کام نہ لے رفق کا برتاؤ کرے اور وہ امر جمیل تک پہنچانے والی چیز کی عمدہ طور سے پیروی کرنے کا نام ہے۔ حسن سیرت کو اختیار کرے یعنی جو چیز نفس کے کمال کا باعث ہو اس سے محبت کرے۔ حکمت کے ساتھ موصوف ہو شکر کرتا رہے۔ خدا سے ڈرتا رہے اُس کی ذات سے اُمید رکھے اپنے سارے کام خدا کے سپرد اور اُس کے حوالے کر دے اُلفت کا برتاؤ رکھے اور وہ اصطلاح میں تدبیر معاش میں متفق الرائے ہو کر سعی کرنے کا نام ہے وفادار بنے۔ صلۂ رحم یعنی اپنے اہل قرابت سے سلوک کرتا رہے۔ خلق اللہ پر شفقت کیا کرے اُس کے بندوں کی اصلاح میں مصروف رہے۔ امانت دار بنے وعدہ اور عہد کو پورا کرتا رہے۔ دوستی اور دشمنی جو کچھ کرے خدا تعالےٰ کے واسطے کرے لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ سلامت روی اختیار کرے۔ کوشش پر آمادہ رہے بھاری بھرکم بنا رہے۔ نیک کاموں میں جلد باز ہو۔ دین کے معاملہ میں مضبوط ہو۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ انس حاصل کرے دل میں اس کی محبت اور شوق پیدا کرے۔ پارسائی اپنا شعار رکھے۔ ورع کو ضروری سمجھے یعنی اعمال جمیلہ کو اپنے ذمہ لازم کرے۔ استقامت اور راستی اختیار کرے۔ عالی حوصلہ رہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرے جس سے نیک نام ہو دل کا نرم رہے یعنی دوسرے کی تکلیف پر علی العموم اِس کا جی دُکھے۔ پاک کمائی حاصل کرے یعنی بغیر کسی قسم کی ذلت اُٹھائے اور بدوں کسی ظالمانہ کارروائی کے مال حاصل کرے۔ مال اچھے موقعوں پر خرچ کیا کرے۔ غصہ کو ضبط کرے۔ خدا کے ساتھ پستی اور بندگی سے پیش آئے آزادی اختیار کرے اور وہ شہوتوں اور خواہشوں کی پابندیوں سے اپنے نفس کو آزاد رکھنے کا نام ہے۔ اپنے نفس کا حساب لیتا رہے اور اس کی جانچ کیا کرے اور

نازیبا امور سے ملامت کرتا رہے۔

خلاصہ یہ کہ جتنے خصائل حمیدہ ہیں شریعت نے سبھی کا حکم دیا ہے (پس آدمی کو چاہیئے کہ ان عمدہ خصائل کو اختیار کر کے اپنے نفس کا ہمیشہ علاج کرتا رہے اور یہاں تک کوشش کرے کہ کمال کی حد تک پہنچ جائے) اسی طرح یہ شریعت بُرائیوں سے بھی روکتی ہے چنانچہ وہ کفر کی اجازت نہیں دیتی۔ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا ناجائز قرار دیتی ہے بدکاری سے منع کرتی ہے اُس کا حکم ہے کہ خداوند کریم کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کی جائے۔ خواہشِ نفسانی کی پیروی سے آدمی باز رہے۔ ریا کو چھوڑ دے یعنی لوگوں کے دکھلانے کی غرض سے عمل نہ کرے بلکہ محض خدا کے لئے۔ اپنے کو بڑا نہ سمجھے کینہ نہ رکھے خود بینی سے کنارہ کش رہے اور خود بینی یہ ہے کہ آدمی عمل کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اُس کی نظر خدا تعالےٰ کے فضل پر ہو جس نے اُسے عمل کرنے کی توفیق عنایت کی۔ حسد نہ کرے اور وہ دوسرے سے نعمت زائل ہو جانے کی آرزو کا نام ہے۔ لوگوں کی مصیبتوں پر خوش نہ ہُوا کرے کسی کی عداوت پر اقدام نہ کرے۔ ہاں جو محض خدا تعالےٰ کے لئے ہو اس کا مضائقہ نہیں۔

تہور سے باز رہے اور وہ ایسی شئے پر جو اُس کے قابو کی نہ ہو بے جا دلیری کر بیٹھنے کا نام ہے۔ خدا کے ساتھ بدگمانی نہ کرے۔ بدشگونی اور بد فالی جس کی شریعت میں کوئی سند نہیں نہ کیا کرے، بخل کو چھوڑ دے نہ لالچ کے مارے خرچ میں انتہا درجہ کی تنگی کرے اور نہ فضول خرچی کہ روپیہ اُڑانے پر آمادہ ہو جائے۔ نازیبا امور کے لئے مال سے محبت نہ کرے۔ کاہلی اور بے کار پڑے رہنے سے احتراز کرے جلد بازی سے بچے، سنگدلی اور درشتی اختیار نہ کرے سبے شرمی اور بے حیائی کے پاس نہ پھٹکے بے استقلالی نہ کرے۔ کسی کی نعمتوں کے ساتھ انکار اور ناشکری سے پیش نہ آئے۔ غضب و غصہ کی عادت نہ ڈالے علماء سے عداوت نہ رکھے خدا کے مقابلے میں دلیری نہ کرے اس کے غصہ اور عذاب سے بے خوف نہ ہو۔ امور دنیا میں سے اگر کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس پر افسوس نہ کرے۔ دین کے معاملوں میں ڈھیلا نہ ہو سبکی اور اوچھے پن سے اپنے آپ

کو بچاتا رہے۔ ناحق کسی کی الزام دہی کے درپے نہ ہو۔ حق بات سے جان بوجھ کر انکار نہ کرے اور نہ اپنی بڑائی کے زعم میں اُس کے مقابلہ پر آمادہ ہو۔ سرکشی اور انکار کرنے سے باز رہے لالچ اور حرص نہ کرے پژمردہ دلی سے علیحدہ رہے گناہوں پر اصرار نہ کرے اور بے موقع غصہ نہ کرے خدا تعالےٰ کے دین کی حمایت کے سوا جوش میں نہ آجائے۔ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو ظالموں اور مجرموں سے محبت نہ رکھے نیکوں سے عداوت نہ کرے۔ ایسا دل سخت نہ کرے کہ کسی مضطر کی مدد نہ کر سکے۔ زبان کی بتہیری آفتیں ہیں جن سے آدمی کو چاہیئے کہ ہمیشہ بچتا رہے مثلاً چغلخوری نہ کرے یعنی کسی کی ایسی بات ظاہر نہ کر دے جس کا ظاہر ہونا اسے ناگوار ہو کسی کا راز فاش نہ کرے مسخرہ پن اور دل لگی بازی نہ کرے لوگوں کی سبکی اور تذلیل کے درپے نہ ہو۔ لعن طعن اور گالی گلوچ کرنے سے اپنے کو محفوظ رکھے۔ بے ہودہ چیزوں کو کھلے کھلے الفاظ میں نہ کہہ بیٹھا کرے۔ لوگوں کے حسب ونسب میں عیب نہ نکالا کرے۔ ناحق نہ جھگڑے یعنی دوسرے کی بات میں بلاقصد کے حق ظاہر ہو جائے خواہ مخواہ اعتراض نہ کرے۔ محض دوسرے کے تنگ کرنے کے لئے گفتگو نہ کرے بے جا باتوں میں دخل نہ دیا کرے۔ ندیدہ پن نہ کرے ہاں جو بھوکوں مرنے لگے وہ معذور ہے۔ منہ دیکھی باتیں نہ کرے لوگوں سے دو فصلی باتیں نہ کہے۔ بے موقع سفارش نہ کرے۔ نیکی سے منع اور بُرائی کا حکم نہ کرے۔ سخت کلامی اور درشتی سے باز رہے۔ مانگنے سے بچے۔ لوگوں کے عیبوں کی تفتیش نہ کرے۔ ظالم کی زندگی کی دعا نہ مانگے۔ مسجدوں میں دنیاوی باتیں نہ کرے لوگوں کے نام بگاڑ بگاڑ کر نہ لیا کرے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم نہ کھائے۔ زیادہ قسم کھانے سے اگرچہ سچی بات پر کیوں نہ ہو خدا تعالےٰ کے نام کی عظمت قائم رکھنے کے لئے احتراز کرے۔ اپنے بھائی کی معذرت قبول کر لے رد نہ کرے۔ قرآن شریف کی من گھڑت تفسیر نہ کرے بغیر کسی مصلحت شرعی کے دوسرے کی بات نہ کاٹے ہر شخص جس کے ماتحت ہو اُس کے کلام کے قبول کرنے سے جب تک کہ شرع کے خلاف نہ ہو انکار نہ کرے اور اُس کی مخالفت سے بچے کسی تیسرے کے سامنے دو شخص سرگوشی نہ کریں جس سے اُسے رنج ہو۔ پرائی جوان عورت سے باتیں نہ کرے جو

گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہو اُس کو گناہ کا راستہ نہ بتائے ایسی خوش طبعی نہ کرے جس کی شرع نے اجازت نہ دی ہو یا جس سے شر اُٹھ کھڑا ہو لایعنی باتوں کے تکلّم سے علیحدہ رہے غلام کو اُس کے مالک سے اور عورت کو اُس کے شوہر سے بہکا کر برگشتہ خاطر نہ کرے۔ جھوٹی شہادت نہ دے۔ سچی گواہی دینے سے جان نہ چرائے۔ بھولی پارسا عورتوں کو تہمت نہ لگائے۔ مردوں کو گالیاں نہ دے بادشاہوں کو دشنام سے یاد نہ کرے اور ان کی صلاحیت کی دُعا سے باز نہ رہے۔ علم نہ چھپائے۔ جان بوجھ کر خدا اور رسول پر جھوٹ نہ باندھے مفسدہ پردازی کی باتوں سے اجتناب کرے تاکہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں۔ بے حیائی کی باتوں میں بہت نہ رہا کرے جس سے کہ لوگ اندیش ناک ہوجائیں۔ مانگنے میں ایسا بھی الحاح نہ کرے جس سے دینے والے کو ایذا پہنچے۔ خیرات کرکے احسان نہ جتائے۔ مخلوق کے احسان کی ناشکری نہ کرے جس سے کہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں کا ناشکر ٹھہرے۔ مریض پر جو کچھ قرض ہو اُسے نہ چھپائے بلکہ صاف اقرار کر دے۔ کسی کے نسب کا نہ جھوٹا اقرار ہی کرے اور نہ اُس سے انکار کرے۔ لوگوں کی آبرو ریزی میں زبان درازی نہ کرے۔ اپنا باپ چھوڑ کر دوسرے کو باپ نہ بنائے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک نہ کرے۔ غیبت سے بچے اور وہ کسی کی نسبت اس کی غیبوبت میں ایسی بات کہتا ہے جو اُسے بری معلوم ہو اور یہ زبان کی ایسی آفت ہے کہ لوگ اس میں اکثر مبتلا ہوجاتے ہیں اور اس سے ضرر بھی نہایت ہی عظیم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہتیرے قبیح اعمال وافعال سے بھی شریعت منع کرتی ہے۔ مثلاً وہ عہد کو توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے سے ممانعت کرتی ہے۔ دغابازی اور مکّاری اور دھوکے بازی کی اجازت نہیں دیتی۔ فتنہ پردازی کی سخت مخالف ہے اور وہ لوگوں میں گڑبڑ مچادینے کا نام ہے۔ خلل اندازی اور بغیر کسی دینی مصلحت کے اختلاف کرنے کو جائز نہیں رکھتے خونریزی خودکشی حرام کاری اور لواطت کو اگرچہ اپنی ہی عورت کے ساتھ کیوں نہ ہو ناجائز بتلاتی ہے۔ کیونکہ ان امور میں خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اور انسانی نسل گھٹتی ہے۔ خصوصاً زنا سے تو لوگوں کے نسب محفوظ نہیں رہتے

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہم ہمدردی نہیں رہتی۔ نسب کے بارے میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں مال و متاع کے ایسے لوگ مالک بنائے جاتے ہیں جن کا ذرا بھی استحقاق نہیں بچہ اس وجہ سے کہ اُس کا پورے طور سے کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہوتا جدا ضائع ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں طرح طرح کی قباحتیں پائی جاتی ہیں کہاں تک کوئی بیان کرے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ پرائی عورت کو کوئی چھوئے یا تنہائی میں اُس کے پاس ٹھہرے کیونکہ اس سے ناجائز تعلق کا اندیشہ ہے علی ہذا القیاس۔ بے ریش لڑکے کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اس کا حکم یہ بھی ہے کہ عورتوں کے معمولی ایام میں اُن سے مقاربت نہ کی جائے اس لئے کہ اس میں سراسر گندگی ہے اور نہ کسی عورت کو ایسی جگہ سفر کرنیکی اجازت ہے جہاں اُسے اپنی آبرو کے جانے کا اندیشہ ہو۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے سے روکتی ہے اور اس بات کا امر کرتی ہے کہ صحبت کے وقت ذرا بھی بے پردگی نہ ہونے پائے اور اس کے حکم کے موافق جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو اور اُس کو کوئی وجہ عذر کی نہ ہو تو وہ بے نکاح نہیں رہ سکتا کیونکہ اس میں نسل کی افزائش کے اعتبار سے خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اگر کسی کے اختیار میں کوئی عورت ہو یعنی وہ اس کا ولی ہو تو نکاح کرنے سے اُسے ہرگز نہ روکے مرد اپنی عورت کا اور عورت اپنے مرد کا راز فاش نہ کرے بن سنور کر کوئی عورت نہ نکلے کوئی مرد اپنی عورت کے معاملہ میں بے عزتی نہ اختیار کرے۔ اسی طرح کوئی پرائے مرد اور عورتوں میں متوسط نہ بنے کوئی نشہ نہ پئے کیونکہ اس میں عقل ایسی افضل نعمت جو خدائے ذوالجلال نے انسان کو عنایت کی ہے جاتی رہتی ہے اور نشہ باز جو کچھ نہ کر گذرے تھوڑا ہے کسی گناہ یا فعل شنیع سے بند نہیں۔ پھر اس کے نقصانات کے مقابل میں جو کچھ اس سے نفع خیال کیا گیا ہے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کوئی قمار بازی نہ کرے کیونکہ اس سے مال ناحق خطرہ میں پڑ جاتا ہے اپنے اسباب کی نکاسی کے لئے کوئی جھوٹی قسمیں نہ کھایا کرے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرے۔

صاحب وسعت باوجود مطالبہ کے کسی کا حق نہ ٹالا کرے۔ بے جا موقعوں پر مال نہ اٹھائے اپنے پڑوسی کو اگرچہ غیر مذہب والا کیوں نہ ہو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ چوری ڈاکہ زنی نہ کرے، سُود نہ لے کیونکہ سود لینے سے وائن جو قرض دے کر لوگوں کے ساتھ احسان کرتا تھا اور حاجت مند کا اس طرح پر آسانی سے کام نکل جاتا تھا اُس کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ تجارتی مال لانے والوں سے بالا بالا مل کر دام نہ توڑ لیا کرے اگر کوئی کچھ سودا چکا رہا ہو تو اُس پر بھاؤ نہ کرنے لگ جایا کرے۔ آپس میں شرکاء ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں مالک کی بلا اجازت عاریت میں کوئی بے جا تصرف نہ کرے۔ مزدور سے کام کرا کر اُس کی مزدوری نہ مارے بلکہ اُس کے ادا کرنے میں ذرا دیر بھی نہ لگائے جن چیزوں کی عام طور پر یا کسی خصوصیت کے ساتھ اجازت ہو اُس سے لوگوں کو نہ روکے کسی خاص راستہ میں مالک کی بلا اجازت کوئی تصرف نہ کرے۔ اسی طرح عام راستوں میں کوئی ایسا امر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ امانت میں خیانت نہ کرے۔ جانداروں کی نہ تصویر کھینچے اور نہ ان کی تصویروں کو اپنے مکان میں رکھے تاکہ حیوانات اور ان کی تصویر کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچا رہے۔ کھانا اتنا زیادہ بھی نہ کھائے کہ جس سے صحت میں فرق آ جائے اور ضرر پہنچے۔ ظلم اور تعدی کی راہ سے اپنی کئی عورتوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے۔ ناراض ہو کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ بول چال نہ چھوڑے۔ آپس میں لگاڑ کرنے اور عداوت کرنے سے باز رہے۔

اپنے بال بچوں کو ضائع نہ ہونے دے بلا اجازت شرعی نہ کسی کو مارے اور نہ کسی کو ہتھیار سے دھمکائے۔ جادو کے سیکھنے سکھانے اور اُس کے عمل پر کچھ لینے سے باز رہے۔ فال گوئی اور نجوم سے پرہیز کرے اور اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع نہ ہو۔ اپنے حاکم سے بغاوت نہ کرے اور نہ کسی دنیاوی غرض کے فوت ہونے کی وجہ سے اُس سے عہد شکنی کرے۔ ایسی حالت میں ہرگز نہ حکومت قبول کرے جب یہ جانتا ہو کہ مجھ سے ضرور خیانت ہوگی۔ اسی طرح کوئی انتظام کسی ظالم یا فاسق کے ہرگز سپرد نہ کرے

کسی لائق شخص کو معزول کر کے اُس سے کم درجہ والے کو مقرر نہ کرے۔ ذی اختیار لوگ ظلم نہ کریں۔ کوئی حاکم ایسے موقع پر اجلاس نہ کرے جہاں مستغیثوں کو رسائی مشکل ہو۔ نہ اپنے مذہب والے پر اور نہ کسی غیر مذہب والے پر ظلم کریں۔ مثلاً حزب وشتم سے نہ پیش آئیں۔ کوئی حاکم ہونے پر کسی ایسے کا نذرانہ قبول نہ کرے جس سے اس قسم کے پہلے سے مراسم نہ ہوں۔ اسی طرح اُس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں اس کی خصوصیت مدنظر رکھی گئی ہو۔ کسی سے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر رشوت نہ لے۔ ایسے ہی وہ شخص جو دغابازی کے درپئے ہو رشوت نہ دے۔ ہاں جو شخص حق پر ہو اور اپنی پریشانی دفع کرنے کے لئے مجبوراً کچھ دے دلا کر کام نکال لے تو کچھ گناہ نہیں۔ رشوت کے لینے دینے میں دلالی نہ کرے۔ اگر مظلوم کی مدد کرنے کی قوت ہو تو اس سے علیحدگی اختیار نہ کرے۔ فضیحت کرنے کے لئے کسی کے عیوب کی جستجو اور پردہ دری کے درپئے نہ ہو۔ بغیر اذن کے کسی کے گھر کی دیکھ بھال نہ کرے یہاں تک کہ دروازے سے بھی نہ جھانکے ایسے لوگوں کی باتیں نہ سُنے جو اُس کو سنانا پسند نہیں کرتے۔ جب دشمن اگر سر ہی پہ آپڑے تو اُس وقت کم ہمتی نہ کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑے۔ جو لوگ عہد و پیمان کر کے مسلمانوں کی امان میں آگئے ہوں عہد شکنی کر کے نہ اُنہیں قتل کرے اور نہ کسی قسم کا اُن پر ظلم روا رکھے۔ فنونِ حرب سیکھ کر نہ بھلاوے ایسے شخص کو اختیارات سپرد نہ کرے جسے جانتا ہو کہ اپنی جہالت یا ظلم کی وجہ سے کارِ منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہے گا۔ ناحق نہ جھگڑے اپنے مقابل پر قابو حاصل کرنے یا ستانے کے لئے جھوٹ نہ بھولے براہ عناد اپنے مقابل کو ہرا دینے کی غرض سے جھگڑا نہ کرے۔ بانٹنے میں تقسیم کرنے والا بے انصافی نہ کرے۔ اسی طرح اشیاءِ مشترکہ کی قسمت لگانے میں بے انصافی سے بچے۔ بدوضع اور آوارہ لوگوں کے پاس نہ بیٹھے۔ کسی باردار درخت کے نیچے یا دریا یا نہر کے کنارہ قضائے حاجت نہ کرے۔ گناہوں سے توبہ کرتا رہے۔

خلاصہ یہ کہ جتنی چیزیں نظامِ عالم جان ومال، عقل یا آبرو کو ضرر پہنچانے والی ہیں

سب کی سب ممنوع ہیں۔ کہاں تک کوئی بیان کرے۔ کیونکہ اگر اُن سب کو مع اُن دلائل کے جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوئے ہیں بیان کئے جائیں تو کتنی ہی ضخیم جلدیں بھر جائیں اور پھر بھی ختم نہ ہوں ۔

شریعتِ محمدیہؐ کی عبادتوں کی جو شان ہے اور جو اُن کی حکمتیں اُس پر ظاہر ہوئیں اُن کا اجمالی بیان

اِس کے بعد اُن لوگوں نے اُن عبادتوں میں غور کرنا شروع کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مطیعین پر واجب کی ہیں۔ پس اُنھوں نے دیکھا کہ اُس میں ایسے اعمال پائے جاتے ہیں جن سے خالق کی سراسر عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کی بیشمار نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ادا ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اُن میں اسرار، حکمتیں اور طرح طرح کے فائدے بھی موجود ہیں جن کی بدولت عبادت کرنے والے کو کامیابی اور سعادت کے بڑے سے بڑے مرتبے تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو مہذّب بناتا ہے اخلاقِ ذمیمہ کو ترک کر کے عمدہ خصلتیں اختیار کرتا ہے جو اس کی زینت کا باعث ہوتی ہیں۔ اپنے خالق کی یاد میں لگا رہتا ہے تاکہ شواغل دُنیوی جو اُس کے دل کو گھیرے رہتے ہیں کہیں اس کو غضب میں نہ ڈال دیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ سے بچتا ہے اور شیطانی امیدوں کو الگ کرتا ہے۔ وہ اس بات کا دھیان کیا کرتا ہے کہ اُس کا کوئی نہایت ہی شفیق نگہبان ہے جو گویا ہر وقت اُس کے قریب ہی رہتا ہے۔ ان عبادتوں میں یہ بھی فائدہ مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ اوقاتِ عبادات میں تمام لوگ یکجا جمع ہو جایا کریں جس سے آپس میں محبت بڑھے۔ ایسے لوگوں کے حالات معلوم ہوں جن کو مدد کی ضرورت ہے حاجت مندوں کی مدد کرنے میں سہولت ہو اُن کے دردناک حالات معلوم ہوسکیں تاکہ ازراہِ شفقت و احسان ان کے کام نکال دیئے جایا کریں۔ رسلِ سابقہ اور اُن کے کنبہ والوں کے حالات یاد آیا کریں جنھوں نے اپنے

رب کی عبادت کی ہے اُس کے حکموں کو مانا ہے اُس کے منہیات سے احتراز کیا ہے تاکہ اسی طرح سے لوگوں کو اُن کی اقتدار کرنے کی رغبت پیدا ہو اور یہ بھی ان ہی کی سی روش اختیار کریں۔ پھر اُن کی اور اُن کے مطیعین کی تعریف کرتے رہیں۔ مسلمانوں کی جماعت بڑھانے میں کوشش کر سکیں۔ مخالفین کو راہِ راست دکھائیں۔ خداوندی دین کی اشاعت کریں۔

اسی طرح پر اُن عبادات میں جا بجا طرح طرح کے ثمرات مفیدہ اور تدابیر نافعہ موجود ہیں جنہیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا ان کا سمجھنا کچھ اہلِ علم ہی کا حصہ ہے۔ جو شخص ان عبادتوں پر ظاہری نظر ڈالے اور ان کے حکم۔ اسرار اور فوائد سے غافل رہے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جس طرح کہ کوئی نفیس موتیوں سے بھری ہوئی سیپ کو پتھر کا ٹکڑا خیال کر کے بے توجہی سے پھینک دے اور اس کی کچھ قدر نہ کرے اُس کی نظروں کو اُس کے ساتھ کچھ بھی دلچسپی نہ ہو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا نادان شخص بڑی قیمتی شئے کو جس کے حاصل کرنے میں سینکڑوں روپے صرف ہوتے ہیں بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ضائع کرتا ہے۔ بتھیرے نادان ایسے بھی ملیں گے جنہیں تمیز تو خاک نہیں لیکن ان عبادتوں میں نقص نکالنے کے لئے آمادہ ہیں اُنہیں خوبیاں بھی عیب نظر آتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی ٹھیک مثال اس مریض کی سی ہے جس کو پانی بھی بدمزہ معلوم ہوتا ہو اور شیرینی کو تلخ بتلاتا ہو۔

کاش! یہ لوگ بھی جب انہیں عبادتوں کی خوبیاں نہ نظر آئیں تو اسی مریض کی طرح کریں جو کڑوی دوا کو مفید سمجھ کر زبردستی گلے سے اُتار ہی جاتا ہے اگرچہ اس میں کچھ کلفت ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ خدا اس جہالت کا بُرا کرے سارے گل اسی کے کھلائے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو تو اُس نے اپنا کھلونا بنا رکھا ہے۔ اسی کی وجہ سے اُن کو طرح طرح کے نقصان اُٹھانا پڑتے ہیں۔

٭

نماز اس کے توابع اذان اقامت میں کیا حکمتیں ہیں اذان و اقامت میں جو الفاظ ہیں اُن سے کیا اشارہ مقصود ہے پھر معترضین اُنکا کیا جواب دیتے ہیں

اب آئیے آپ کو اس فرقہ کے لوگوں کو جو شریعت محمدیہ کی عبادتوں کے اسرار نظر آئے ہیں اُس کی تھوڑی سی تفصیل کہہ سنائیں۔ پہلے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ ہر عاقل بالغ کو منجملہ اور عبادات کے ایک عبادت ادا کرتے کا جسے نماز کہتے ہیں حکم دیتی ہے نماز چند مخصوص اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام ہے جو خدا تعالےٰ کی عظمت کے اظہار یعنی تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ نماز پڑھنے والا اُس کو اس طرح پر ادا کرتا ہے گویا کہ وہ خدا تعالےٰ کے سامنے حاضر ہے اُس نے مقرر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو ایک منادی یعنی مؤذن سارے نمازیوں کو نہایت فصیح الفاظ میں بلایا کرے چنانچہ اس کے حکم کے موافق وہ چار مرتبہ خدا کی عظمت کا اعلان کرتا ہے گویا وہ کہتا ہے کہ اے لوگو! تم جو دنیوی اور اُخروی مرغوبات میں پھنسے ہوتے ہو یہ بھی خبر ہے کہ خدا تعالےٰ نہایت ہی بڑا اور اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ سارے مرغوبات کو چھوڑ کر اُس کی جناب کی طرف راغب ہو جاؤ۔ پھر دو مرتبہ گواہی دیتا ہے کہ خداوند تعالےٰ معبود یکتا ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں گویا وہ یہ تبلاتا ہے کہ تمہاری دنیوی اور اُخروی حاجتوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جو معبود حقیقی ہو اور اپنے ماسوا سے بے نیاز ہونے میں یکتائی اس کے اخص اوصاف میں شمار ہو اور ساری خلق اُسی کی محتاج ہو اور ایسا معبود "اللہ" ہی ہے جس کی ذات واقعی معبودیت کے شایاں اور اس امر میں یکتائی کے ساتھ موصوف ہے۔

پس تمہیں چاہیئے کہ اپنی ساری حاجتیں خواہ دُنیوی ہوں یا اُخروی سب اسی کی جناب میں لے جاؤ اور اُسی کی درگاہ کی طرف رجوع کرو۔ پھر دوبارہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہی رسول تمہارے اور تمہارے

ذی عظمت معبود کے درمیان میں واسطہ ہیں انہی کے ذریعہ سے تمہیں اپنی دُنیوی اور اخروی مصلحتوں کی اطلاع ہوئی ہے۔ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو ورنہ کم سے کم دلیل سے تو ضرور تمہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ یہ تمہارے بڑے بھی خواہ اور تمہیں بھلائی کے طریق سکھانے والے ہیں۔ پس اب تمہیں چاہیئے کہ تم اُس عبادت کے ادا کرنے میں بدل و جان کوشش کرو جو انہوں نے تمہارے لئے مقرر کی ہے۔ اور جس میں تمہارا سراسر نفع متصور ہے۔ اس کے بعد دو دفعہ نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے اُس کو اس مضمون کی تفریع سمجھنا چاہیئے جس کی طرف وہ تکبیر و تشہد میں اس سے پہلے اشارہ کر چکا ہے کہ اس ذی عظمت خدا کی درگاہ میں تمہیں ضرور التجی کرنا چاہیئے۔ یا یوں سمجھئے کہ پہلے کلام کا یہ نتیجہ ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ جب یہ خدا سارے بڑوں سے بڑا اور معبودیت اور تمام خلق کی حاجت برآری کے اعتبار سے یکتا ٹھہرا اور اس خیر خواہ رسول نے تمہیں اُس کی عبادت کی تعلیم کی اور یہ وعدہ کیا کہ تم اس کی بدولت اپنی امیدیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گے تو تم کو چاہیئے کہ نماز کی طرف ضرور متوجہ ہو جاؤ اور خدائے جلیل کی درگاہ میں حاضر ہو اور نماز ادا کرکے اس کے وسیلہ سے خدا کی درگاہ میں اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں کی درخواست پیش کرو۔ پھر وہ نماز کے فوائد و ثمرات کی طرف اجمالی طور پر "حیّ علی الفلاح" یعنی کامیابی اور رستگاری کی طرف دوڑو کہہ کر اشارہ کرتا ہے۔

گویا وہ یہ کہتا ہے" آدمی کے لئے فلاح ساری مرغوبات سے بڑھ کر ہے اور فلاح خواہ دُنیوی ہو یا اُخروی اسی عبادت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں اخلاق کی عظمت کا نقشہ پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ قیامت میں اُس کی جزا کے ملنے کی امید ہو جاتی ہے۔ پس اس فلاح و کامیابی کو غنیمت سمجھو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد وہ مرغوبات میں سے جو نہایت ہی کامل شئے ہے اس کی طرف نمازیوں کے خیالات کو متوجہ کرتا ہے اور اس بات پر اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جب اس عبادت کی طرف متوجہ ہوں تو کہیں خدا تعالےٰ کے سوا کوئی دوسری چیز کو مقصود

اصلی نہ ٹھہرالیں بلکہ اُن کی مشتاق نظریں اُسی کی جناب کی طرف رہیں اُسی کا تقرب مدّنظر ہو اور ان کا مقصد اصلی اور مدعائے دلی کیا دنیا اور کیا آخرت دونوں میں خدا تعالےٰ ہی خدا ہو اسی وجہ سے وہ اس موقعہ پر دو مرتبہ تکبیر کہتا ہے اور خدا تعالیٰ کی معبودیت کے لحاظ سے یکتائی ظاہر کرتا ہے۔ یہ تو مؤذن کی کیفیت تھی۔

اب لیجئے ! سُننے والے کیا کرتے ہیں ؟ وہ لوگ بھی مؤذن کے اقوال کو دُہراتے جاتے ہیں گویا کہ وہ اس کی ہر بات میں تصدیق کرتے ہیں اور اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ متفق ہیں لیکن جب وہ ان کو نماز اور فلاح کی طرف بُلاتا ہے تو اُس کے الفاظ کو نہیں دُہراتے کیونکہ بُلانے والے کے الفاظ جواب میں بھی کہنا تو مسخرہ پن کی بات ہے اس لئے وہ "لا حول ولا قوۃ الاّ باللہ" پڑھا کرتے ہیں۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہو کر اس خیر عظیم کا حاصل کرنا اور فلاح کا پالینا سوائے خداوندی مدد اور قوت کے کسی اور طور پر ممکن نہیں ہم تو اُسی کی مدد کے طلب گار ہیں اور ان کا یہ قول بطور استکراہ و تنفر کے نہیں ہُوا کرتا جیسا کہ بعض ناواقف یہ سمجھ کر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پھر جب اُس موقع پر جو کہ اسی عبادت کے ادا کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ندا کرنے والا مزید تاکید کے لئے انہی الفاظ کا اعادہ کرتا ہے تاکہ یہ سب باتیں لوگوں کے خوب ذہن نشین ہو جائیں اور وہ شخص بھی سُن لے جس نے اذان نہیں سُنی تھی اور بلا اذان سُنے ہی آگیا تھا۔ یہاں تک کہ اس بارگاہِ عالی کی حضوری کے وقت یہ سارے مضامین پورے طور سے پیشِ نظر ہوں۔ اسی واسطے وہ اب کے مرتبہ الفاظ سابقہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ "قد قامت الصلوٰۃ" اور بڑھا دیتا ہے یعنی اب نماز قائم ہو گئی ہے۔

نماز کے لئے طہارت کے مشروط ہونے کی حکمت

شریعت نے اس عبادت کے ادا کرنے کے لئے جو شرطیں لگائی ہیں اور جو آداب مقرر کئے ہیں وہ بھی سُن لیجئے۔ چنانچہ اُس نے یہ مقرر کیا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا

بدن پاک ہو اس کا لباس طاہر ہو، اس مکان میں جہاں وہ نماز ادا کریگا کسی قسم کی نجاست نہ پڑی ہو
اس کا بدن حکمی ناپاکی سے بھی پاک ہو اور اس سے ایسے حالات مراد ہیں جو حدث کے نام سے موسوم ہوتے
ہیں اور اُن کا اس وقت اعتبار کیا جاتا ہے جب بدن سے کسی قسم کی نجاست نکلے اور اس طہارت سے
نمازی کو اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اُس کا نماز میں داخل ہونا گویا اپنے مولیٰ کے
سامنے اور اسکی بارگاہ عالی میں اس کے احسان کا امیدوار بن کر شکر کے لئے حاضر ہوتا ہے۔

پس جس طرح کہ شاہان دنیا میں سے کسی کے دربار میں جب جانا مقصود ہوتا ہے
تو اس بات کا بڑا اہتمام کیا کرتے ہیں کہ کہیں بادشاہ کی نظر کسی چیز پر نہ جا پڑے جو اُسے
ناگوار خاطر ہو اسی طرح یہاں بھی یہ نہایت ضروری امر ہے کہ خداوندی دربار میں حاضری
کے وقت سارے اعضاء تمام ایسے ناپسندیدہ اعمال سے بالکل پاک وصاف ہوں جن کا
منشاء خواہ اس کی خواہش نفسانی اور میلانِ طبع ہو یا دوسروں کی وسوسہ اندازی سے
اُن کا مرتکب ہُوا ہو اور جملہ اخلاق ذمیمہ سے اس کا دل بھی پاک ہو یہاں تک کہ سارے
میل کچیل کو توبہ اور پشیمانی کے پانی سے دھو دھلا کر صاف وستھرا بن گیا ہو۔ علاوہ بریں بدن
کو پانی سے دھونے کی وجہ سے جس خوشی کا اثر روح تک پہنچتا ہے وہ بھی مخفی نہیں کیونکہ روح
اور بدن میں جو علاقہ پایا جاتا ہے اُس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جب ان دونوں
میں سے ایک میں بھی کوئی چیز اثر کرتی ہے تو دوسرے میں اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے
چنانچہ روح بدن دھونے کے وقت کیسی شاداں وفرحاں نظر آتی ہے اور اس کی ساری کسلمندی
دور ہو جاتی ہے۔ گویا کسی نے اس کے سارے بندھن کھول دیئے جس میں وہ جکڑی ہوئی تھی
خصوصاً اُس حالت میں جب کہ عورتوں سے صحبت کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور طبی فوائد
اس کے علاوہ ہیں جو کسی پر چنداں مخفی نہیں۔

غُسل وضو اور اعضاءِ وضو کو خاص ترتیب سے دھونے اور مسح کرنے کی حکمتیں اور تیمّم کا بیان ۱۲

شریعت نے اُن اعتباری حالات سے طہارت حاصل کرنے کو جو حدث کے نام سے

موسوم ہیں دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک کا نام طہارت کبریٰ ہے جس سے سارے بدن کا دھونا یعنی غسل مُراد ہے دوسرے کو طہارت صغریٰ یا وضو کہتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بعض اعضاء کو دھویا جائے اور بعض کا مسح کیا جائے ۔

اب اُس نے سارے بدن کا مسح اس وقت واجب کیا ہے جب منی نکلے چاہے حکماً ہی کیوں نہ ہو (اور حکماً منی نکلنے کی صورت یہ ہے کہ جماع کرنے سے منی نکلنے کا پتہ نہ لگے) یا جب عورت کے رحم سے حیض یا نفاس کا خون جاری ہو ۔ چونکہ ان نجاستوں کا کچھ نہ کچھ حصّہ سارے بدن سے آتا ہے اس لئے شریعت نے بھی اُس اعتباری حالت یا نجاست کے ساتھ جو اُن کے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے سارے بدن کو ملوّث قرار دیا اور اسی وجہ سے اُن کا نام حدثِ اکبر رکھا گیا ۔ پس گویا سارے بدن کے دھونے اور پاک کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سارے گناہوں سے توبہ کر کے پاک ہونا چاہیئے جن کو تمام بدن سے علاقہ ہے نہ کسی خاص عضو سے خصوصاً اخلاق سیئہ سے پاک ہونا تو اور بھی ضروری ہے ۔

دوسری حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ یہی چیزیں ہیں جن سے بچہ بنتا ہے ۔ چنانچہ منی حمل ٹھہرنے اور بچہ کی صورت بننے کا مادہ ہے اور خون رحم سے بچہ کو غذا پہنچتی ہے اور اُس کو نمو حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے جو بچہ اس سے پیدا ہُوا کرتا ہے وہ کبھی نیک بخت ہوتا ہے اور کبھی بدبخت ۔ بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے بچہ کا پیدا ہونا شرعاً قابلِ تعریف اعمال میں سے شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ امید ہوسکتی ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کو جن کی مباشرت سے نیک بچّہ ہُوا ہے بہت عمدہ جزا ملے خصوصاً اس وقت جب کہ اُن دونوں کی نیّت بھی نیک ہو اور یہ مقصود ہو کہ اس طرح نسل میں خدا تعالےٰ کے مطیع موحدوں کی ترقی ہو اور بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے ان چیزوں کے خارج ہونے کے وقت مکلف کے لئے گویا یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ شئے جو تیرے بدن سے خارج ہوئی ہے اور جس میں تیرا سارا بدن شریک ہے بچہ کے پیدا ہونے کا مادہ ہے اور ممکن ہے کہ اس سے ایسا بچہ پیدا

ہو جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے ساتھ کفر کرے۔ پس سارے بدن کے دھونے سے اس بات پر آگاہی حاصل کرنا چاہیئے کہ ایسے امر سے بھی توبہ کرنا مناسب ہے جس میں گناہ کی سببیت کا احتمال بھی ہو اور گویا وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کے خارج ہونے سے جن میں میرا سارا بدن شریک ہے مجھے اس بات کی تشخیص ہو گئی کہ اگر ایسا بچہ پیدا ہوا جو تیری نافرمانی کرے تو میں ضرور اس کا سبب ٹھہروں گا اس لئے میں اپنا سارا بدن دھوئے ڈالتا ہوں اور میں اس کو اپنی اس توبہ کا عنوان قرار دیتا ہوں جو مجھے اس سببیت سے تیرے سامنے کرنا چاہیئے اور یہ بات گناہ سے انتہا درجہ کی علیحدگی اور توبہ میں نہایت ہی مبالغہ اور اہتمام کرنے پر مبنی ہے اگرچہ حقیقتاً یہ کوئی گناہ نہیں ہے محض گناہ کا امکان اور اندیشہ ہے اب رہیں ایسی نجاستیں جو تمام بدن سے نہیں آتیں خواہ وہ حقیقتاً خارج ہوں جیسے کہ بدن سے خون بہے یا قضائے حاجت کے دونوں مقاموں میں سے کسی سے سوائے منی۔ خون حیض یا نفاس کے کوئی اور شئے خارج ہو اور خواہ حکماً ان کا اخراج پایا جائے جیسے کہ اس طرح سونے کے وقت جب اعضاء ڈھیلے ہو جائیں اعتبار کیا جاتا ہے۔ پس ان کے پائے جانے کے وقت شریعت نے اُس اعتباری نجاست سے جو حدث اصغر کے نام سے موسوم ہیں خاص خاص اعضاء کو ملوث قرار دیا گیا ہے۔ گویا اس طہارت صغریٰ کے حکم سے جسے وضو کہتے ہیں (اور وہ بعض اعضاء کے دھونے اور بعض کے مسح کرنے کا نام ہے) اُس کا یہ اشارہ ہے کہ انہیں خاص خاص اعضاء کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیئے اور اُن اعضاء کی تخصیص اور اس ترتیب سے جو اُن کی طہارت میں اعتبار کی گئی ہے عجیب نکتہ کی رعایت مدنظر ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ سارے بدن میں یہی ایسے اعضاء ہیں جو مخالفت کرنے کے لئے نہایت سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اس لئے ان کے دھونے سے اُن کی طہارت باطنی کے اہتمام پر تنبیہ ہو جائے گی اور مقصد اس سے یہ ہے کہ اُن کے کثیر الوقوع گناہوں سے توبہ کی جائے۔

اعضاء کے دھونے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے اس میں یہ لحاظ ہے کہ جو عضو

مخالفت میں نہایت سرعت سے حرکت کرتا ہو اُسی کو سب سے مقدم کیا جائے۔ پھر اُس کے بعد اُس سے کم اسی طرح آخر تک سمجھنا چاہیئے۔ پس سب سے پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے جس میں منہ ناک اور آنکھیں پائی جاتی ہیں اور چہرہ میں سے پہلے منہ سے دھونا[1] شروع کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اعضاء میں سے زبان مخالفت کرنے میں زیادہ چلتی ہے کیونکہ اسی سے کلمہ کفر کا کہا جاتا ہے۔ اُسی سے غیبت چغلخوری کی جاتی ہے۔ فحش بکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی زبان کی بہت سی آفتیں ہیں جن میں سے کچھ پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔

پس منہ کے دھونے سے جب یاد آجاتا ہے کہ طہارت ظاہری سے باطن کی تطہیر کی طرف اشارہ ہے تو خدا تعالےٰ کی طرف وہ توبہ کرنے لگ جاتا ہے اور زبان سے جو کچھ اُس نے بے جا کہا تھا اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح ناک میں پانی ڈالنے کے وقت یاد کرکے اُن چیزوں سے جن کو اُس نے بلا اجازت شرعی سونگھا ہے توبہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُن چیزوں سے بھی توبہ کرتا ہے جن کا دیکھنا حرام تھا اور اُس نے انہیں دیکھا ہے۔ چہرے کے بعد کہنی تک دونوں ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جہاں زبان سے کوئی بات نکلی اور کسی پر نظریں پڑیں تو فوراً دست درازی کرنے کے لئے ہاتھ بڑھتا ہے اور کسی نہ کسی موقع پر جا ہی لگتا ہے۔ پس جب اُن دونوں کی نوبت آئے گی تو خواہ مخواہ ان کی طہارتِ باطنی کا بھی خیال پیدا ہو گا اور اپنی دست درازیوں سے توبہ کرے گا۔ اس کے بعد سر کے مسح کرنے کا حکم ہے اور غسل کا حکم نہیں دیا گیا اور محض مسح ہی گویا اس لئے کافی سمجھا گیا کہ نفس سر سے تو کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوئی تھی اگر ہوئی تھی تو زبان اور آنکھ سے ہوئی تھی جو سر سے ملی ہوئی ہیں اسی وجہ سے سر کیلئے متوسط درجہ کا حکم یعنی مسح تجویز کیا گیا

---

[1] یعنی کلی کی جاتی ہے اور کلی سے پہلے جو ہاتھ گٹے تک دھوئے جاتے ہیں وہ اصل میں کلی ہی کرنے کے لئے صاف کر لئے جاتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

اور غسل کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح چونکہ کان میں بسا اوقات بلاقصد کوئی بات آپڑتی ہے اُس کے لئے بھی مسح ہی پہ اکتفا ہُوا اور غسل کی طرح اب مسح کرتے وقت بھی توبہ کی یاد آجائے گی۔ کانوں نے جو کچھ بے جا سنا ہوگا اور سر سے بباعث مجاورت ان اعضاء کے جو کچھ سرزد ہُوا ہوگا اُس سے بھی اپنے کو پاک کرلے گا۔ گردن کے مسح کی نسبت بھی اسی طرح کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد پیروں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جب آنکھیں دیکھ چکتی ہیں زبان سے کچھ باتیں ہو جاتی ہیں ہاتھ بڑھ چکتے ہیں کانوں میں آواز آلیتی ہے اُس وقت پیروں کی باری آتی ہے اور آدمی ان سے چلتا ہے پس مخالفت میں سب سے پیچھے پیر ہی ٹھہرے اس لئے سب سے پیچھے اُن کے دھونے کا حکم ہُوا اور اُن کے دھونے سے بھی پیروں کے لحاظ سے باطنی طہارت کی فکر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اس سے بے جا قدم اٹھا ہوتا ہے اس سے توبہ کرتا ہے۔

پھر اعضاء کے تین تین مرتبہ دھونے میں ایک عجیب دقیق نکتہ پایا جاتا ہے گویا کہ توبہ کے تینوں ارکان کا پُورا پورا مقابلہ ہے اور توبہ کے تینوں رکن یہ ہیں:۔ (۱) جو گناہ ہو چکا ہو اس پر نادم ہو (۲) اُس گناہ سے باز آئے اور (۳) اس بات کا پختہ قصد کرلے کہ آئندہ اس کا مرتکب نہ ہوگا۔ پس ہر مرتبہ دھونے سے توبہ کے ایک ایک رکن پر تنبیہ ہوتی ہے۔ وضو کرنے والا جب وضو سے فارغ ہو چکتا ہے اور توبہ کرکے طہارت باطنی حاصل کرلیتا ہے تو اسے مناسب ہے کہ یہ دُعا پڑھے :۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین ۔

"یعنی اے خدا مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف بننے والوں کے زمرے میں کردے"

اس میں اس کے لئے گویا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ سے وہ یہ استدعا کرے کہ اُس نے جہاں توبہ اور تطہیر باطن کی توفیق دے کر اس پر احسان کیا ہے اُسے قبول بھی کرلے۔ اور جب نمازی کو پانی کا میسر آنا مشکل ہو یا بوجہ مرض کے اُس

کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو اُس وقت شریعت نے بجائے غسل یا وضو کے تیمم مقرر کیا ہے اور وہ کسی پاک چیز سے جو کہ مٹی کے قبیل ہو نیت تطہیر کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے کہنیوں تک مسح کرنے کا نام ہے اور یہی ایسے اعضاء ہیں کہ انسان کو جن کے پاک کرنے کی اور اعضاء سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور اس میں گویا بندہ کے لئے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب اُس پر توبہ کے سارے ارکان ادا کرنا دشوار ہوں اور اُن کے حاصل کرنے کے لئے اُسے توفیق نہ ہو تو اس سے تو گیا گزرا نہ ہو کہ اپنے گناہ دیکھ کر عجز اور انکسار کرنے لگے کیا عجب کہ اسی بہانہ خدا تعالیٰ اُس کے گناہ بخش دے۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ جو گناہ عجز و انکسار پیدا کرے وہ ایسی اطاعت سے تو اچھا ہی ہے کہ جس سے آدمی عجب و تکبر کرنے لگے ۔ علاوہ بریں جب اس مسح کے اس اشارہ کی طرف لحاظ کیا جاتا ہے تو یہ بھی کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اُس پر اب توبہ کے تمام ارکان کا حاصل کرنا بھی آسان ہو جائے اور وہ حقیقتاً توبہ ہی کر لے۔ پھر چونکہ اعضائے وضو میں سے پیروں کے دھونے میں زیادہ پانی صرف ہوتا تھا اور کچھ مشقت کا بھی اندیشہ تھا اس وجہ سے اگر چرمی موزے پہن لئے جائیں تو بغرض آسانی خاص شرطوں کے ساتھ اُن پر پانی سے مسح کرنا بھی جائز رکھا گیا اور اس طرح پر اُن کے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ بھی فوت نہیں ہونے پایا۔

ستر کا چھپانا بھی نماز میں شرط ہونا اور عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ بدن چھپانے کا حکم ہونا

شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نماز ننگے ہو کر نہ پڑھی جائے بلکہ نمازی بدن ڈھانک لیا کرے اور اس سے جو کچھ ادب کی رعایت پائی جاتی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے علاوہ اس کے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو گناہوں اور اخلاق ذمیمہ سے اگر پورے طور پر توبہ کر کے پاک وصاف بننا نصیب نہ ہو تو جب نماز پڑھنے لگے یا یوں کہئے کہ اپنے مولیٰ کی

بارگاہ میں حاضر ہونے لگے تو کم سے کم باقتضائے ادب اتنا تو کرے کہ ان ساری مخالفتوں کو دبائے رکھے تاکہ اُن کا زورشور گھٹا رہے اور ان کی یہ حالت ہو جائے گویا انہیں پردہ میں چھپادیا ہے اگرچہ خدا سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

بدن چھپانے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جب اس کی نظر اعضا ء پر نہ پڑے گی تو ادھر اُدھر جی نہ بہکنے پائے گا اور چونکہ عورتوں کے سارے بدن میں یہ قباحت پائی جاتی تھی کہ اُس پر نظر پڑنے سے طبیعت بگڑتی تھی اس لئے اسے حکم ہے کہ سارا بدن چھپائے۔ ہاں آزاد عورت کے لئے اتنے بدن کے کھولنے کی اجازت ہے جس کے کھولنے کی اکثر احتیاج پڑتی ہے جیسے چہرہ۔کلائی تک دونوں ہاتھ اور قدم ان کا چھپانا ضروری نہیں اور وہ عورت لونڈی ہو تو چونکہ کام کاج کرنے میں ان اعضاء کے علاوہ اور اعضاء بھی اکثر کھل جاتے ہیں اور ان کے چھپانے کے واجب کرنے میں حرج منصور تھا اس لئے اس کو ان کے علاوہ بھی کسی قدر اور بدن کھلا رکھنے کی اجازت دی گئی۔

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنیکی حکمت اور نیز اس کا بیان کہ اس منہ کرنے سے مقصود خدا ہی کی عبادت ہوتی ہے نہ کہ کعبہ کی

شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نمازی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس لئے کہ انسان کے لئے کئی جہت پائی جاتی ہیں جن کا کہ وہ اپنے کاروبار میں عادی ہے اور اُن جہتوں کے نام یہ ہیں:۔ آگے پیچھے ۔ دائیں بائیں ۔ اوپر نیچے ۔ پس اگر اُسے اختیار دے دیا جاتا کہ جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے حالانکہ نماز میں مقصود یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف یکسو ہو جائے اور اپنے خیالات کو مجتمع کر کے خدا ہی کے کام میں لگا دے تو اس کا جی پریشان ہو جاتا اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتا اور اسی حیرت میں رہ جاتا کہ کدھر منہ کروں کدھر نہ کروں ۔معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے لائق تر کون سی جہت ہے کہ جس سے میری دُعا قبول ہو جائے۔ پس خدا تعالےٰ نے بنظر تلطف انسانی

عقل وفطرت کا لحاظ کرکے کعبۂ مکرمہ کو مقرر کر دیا کہ اُس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے کیونکہ خداوندکریم نے اِس قطعۂ زمین کو مشرف ومکرّم بنا دیا ہے اور خدا کو اختیار ہے کہ اپنے ملک میں سے جس شئے کو چاہے فضیلت دے کر معظّم ومکرّم بنا دے اس لئے کہ وہ فاعل مختار اور تمام چیزوں کا علی الاطلاق مالک ہے۔ خداوند تعالےٰ نے کعبہ کا "بیت اللہ" یعنی خدا کا گھر نام رکھا ہے اگرچہ خدا کو مکان کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ لیکن اس تعیین سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کا دل خدا سے عرض ومعروض کرتے وقت یکجا رہے اور اس کے جی کو اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کے اعتبار سے اُس نے تمام جہتوں میں سب سے افضل اور نہایت ہی مناسب جہت اختیار کی ہے جس سے اُمید ہے کہ اُس کی دعا ضرور مقبول ہوجائے گی۔

پس یہاں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ نماز اور جو کچھ کہ نماز میں مثل رکوع وسجدہ وغیرہ کے پایا جاتا ہے اگرچہ اُس وقت منہ کعبہ کی طرف رہتا ہے لیکن اُس سے مقصود جناب باری تعالےٰ ہی ہے کعبہ ہرگز مقصود نہیں اس لئے کہ جو شخص (خدا پناہ میں رکھے) اپنے سجدہ سے غیر خدا کو قصد کرے اس کی نسبت شریعت کفر کا حکم دیتی ہے۔ پس اس عبادت سے کعبہ کی مقصودیت کا گمان کرنا انتہا درجہ کی ناواقفی پر مبنی ہے۔

نماز کے تکبیر سے شروع ہونے اور شروع کرتے وقت ہاتھ اُٹھانے کی حکمت

پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کی تعظیم وتکبیر سے شروع ہوتی ہے اور اس کا مقصود بندہ کا "اللہ اکبر" کہنا ہے اور اس وقت نمازی اگر مرد ہوتا ہے تو اپنے کانوں تک ہاتھ اٹھاتا ہے اور عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتی ہے۔ اللہ اکبر کہنے میں اوّل تو تعظیم پائی جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح بارگاہِ شاہی میں گویا تحیت وسلام عرض

کیا جاتا ہے اور حاضری کی اجازت مانگی جاتی ہے اور باوجود ان باتوں کے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو یہ مضمون پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اُس کا مولیٰ جس کے سامنے وہ حاضر ہونے کو ہے تمام چیزوں سے بڑا ہے۔ کوئی شے اُس کی کبریائی وعظمت کو نہیں پہنچ سکتی۔ پس مناسب ہے کہ اپنے مولیٰ کے سوا خواہ دنیوی تعلقات ہو یا اُخروی مرغوبات سب سے اپنے دل کو پاک کر کے اُس کے حضور میں حاضر ہو اور دونوں ہاتھوں کے اُٹھانے سے بھی اسی بات کی تاکید ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص اعراض کر کے اُس چیز سے جو اُس کے سامنے ہو ہاتھ کھینچتا ہے گویا کہ نمازی نے یہ فرض کیا ہے کہ خدا کے سوا تمام اشیاء اس کی آنکھوں کے روبرو حاضر ہیں اور یہ کہہ کر کہ خدا جملہ اشیاء سے بڑا ہے وہ اُن سب سے ہاتھ اُٹھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی چیز کو نہیں لیتا اسی کو اختیار کرتا ہوں اور لو میں اپنی ساری مرغوبات کو چھوڑے دیتا ہوں میں تو اسی کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا پختہ قصد کر چکا ہوں۔

مرد کے خلاف بجائے کانوں تک کے عورتوں کے شانوں ہی تک ہاتھ اُٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے جی کو قابو میں رکھنے پر قادر ہونے کے لحاظ سے مردوں سے عورتوں کا مرتبہ ذرا گھٹا ہُوا ہے۔ گویا کہ مرد و عورت دونوں اپنے اپنے مرتبہ کو زبانِ حال سے بیان کرتے ہیں۔ علاوہ بریں عورتوں کے لئے محض شانوں ہی تک ہاتھ اٹھانا کافی سمجھے جانے میں اُن کے پردہ کی بھی رعایت ہو جاتی ہے۔ پھر بندہ تکبیر کہہ کر غلاموں کی طرح اپنے مالک کے سامنے نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اُس کی نظر ہے کہ زمین کی طرف لگی ہوئی ہے دونوں قدم برابر رکھے ہیں نہ کوئی عضو ہلنے پاتا ہے نہ ادھر اُدھر جُھکتا ہے۔

سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور اَعُوذُ بِاللہِ الخ کے شروع نماز میں پڑھنے کی حکمت

اس کے بعد وہ نماز شروع کرنے کی دُعا پڑھتا ہے جس میں پہلے تو اپنے رب کریم کی پاکی اور تمام عیوب سے براءت بیان کرتا ہے۔ پھر اس کی تعریف کرتا ہے اس کا نام نہایت

تعظیم و تکریم سے لے کر اُس کی سلطانی عظمت و جبروت کو ظاہر کرتا ہے اس کی وحدانیت کا مقر ہوتا ہے اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے بادشاہوں سے کچھ عرض کرنے کے پہلے چند القاب ذکر کیا کرتے ہیں جن سے اُن کی عظمت ظاہر ہو اسی طرح خدا سے بھی عرض کرنے کے وقت اس کی رعایت کی گئی۔ پس تکبیر گویا درگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کے وقت آداب بجالانا ہے اور یہ دعا گذارش کرنے سے پہلے بمنزلہ القاب ذکر کرنے کے ہے پھر چونکہ انسان پر شیطان مسلّط کیا گیا ہے اور اُسے یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اُس کے دل میں وسوسہ ڈال کر خدا تعالےٰ سے عرض و معروض کرنے میں جی نہ لگنے دے اور اسے پریشان کر دے اس لئے شیطان کی عداوت سے بچنے کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھتا ہے یعنی میں اس مردود شیطان کے شر سے بچنے کے لئے خدا تعالےٰ کی پناہ میں آیا جاتا ہوں۔ اس طرح اپنے دشمن شیطان سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگ کر ذرا اُس کے دل کو سہارا ہو جاتا ہے۔ اب خدا سے عرض و معروض کرنے کا وقت آ پہنچتا ہے۔

بسم اللہ اور آیات سورۂ فاتحہ کے اشارات کی تفصیل اور آمین کے معنے

چنانچہ وہ بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے جن امور کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اُس کا بیان یہ ہے کہ پہلے[1] تو وہ خدا تعالےٰ سے توسل حاصل کرنے کے لئے نہایت ہی شریف وسیلہ کو ذکر کر کے برکت حاصل کرتا ہے اور وہ وسیلہ اُس کا نہایت ہی باعظمت اسم مبارک ہے کہ اُس کے سوا کوئی اُس کے ساتھ موسوم نہیں اور چونکہ وہ اپنے کو ایسے مقام میں پاتا ہے کہ جس کے اعتبار سے اُس کو اس بات کی نہایت احتیاج ہوتی ہے کہ خدا اپنی رحمت اور احسان کے صدقہ میں اُس کو طرح طرح کی نعمتیں عنایت کرے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں کہ خدا تعالیٰ کی بخششوں

---

[1] یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی حکمت ہے ؎

کی امید کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے رب کی تعریف میں یہ ذکر کرتا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم یعنی بے نہایت و بے پایاں رحمت والا ہے۔ گویا کہ یہ اشارہ ہے کہ اس کی دُعا مقبول ہونے کے لئے سوائے خدا کی کامل اور عام رحمت کے کوئی ذریعہ نہیں۔

پھر[1] حق سبحانہٗ تعالےٰ کی عظمت اور اس کی نعمتوں کی وسعت خصوصًا اس کے پرورش کرنے کے احسان کو کہ جو ابتدائے پیدائش سے برابر اُس پر ہوتا رہا خیال کر کے اس کی ذات عالی کی جو کہ تمام اعلیٰ سے اعلیٰ محامد کی شایان ہے تعریف کرتا ہے اور اس کے کامل احسانات کی توصیف میں مشغول ہوتا ہے جن میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ خدا اس کو فنا ہونے سے بچاتا ہے اور ظاہری و باطنی رزق برابر جاری رکھ کر اس کی پرورش کرتا ہے۔ پھر[2] یہ دیکھ کر کہ بتہیرے لوگ اُس کی نعمت کی بے قدری کرتے ہیں اور اُس کا کماحقہ شکر ادا نہیں کرتے اور اس خوف سے کہ کہیں اس کا بھی انہی لوگوں میں شمار نہ ہونے لگے۔ خداوندی رحمت کی طرف متوجہ ہو کر التجا کرنے لگتا ہے اور اپنے رب کو رحمت کے ساتھ موصوف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تیری وسیع رحمت کے سوا اُن لوگوں کا کوئی کارساز نہیں ہو سکتا اور یہ[3] خیال کر کے کہ بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ جب اُن پر احسان ہوتا ہے تو اور زیادہ اترانے لگتے ہیں اور جب تک کہ اُن کے ساتھ عدل نہ برتا جائے اور اُن کی تادیب نہ کی جائے اُن کی اصلاح نہیں ہو سکتی اس لئے اس کی صفت جلال کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ انصاف و جزا کے دن کا بادشاہ اور مالک ہے۔ پس جس طرح کہ بندہ کو خدا تعالےٰ سے انتہائی درجہ کی امید کرنا چاہیئے۔ اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ اس سے ڈرتا بھی زیادہ رہے۔ اب وہ[4] اپنے رب کے حضور میں اپنی عبادت کو جو کہ اس کی نعمتوں کا تھوڑا بہت شکریہ ہُوا کرتا ہے پیش کرتے وقت وہ ضروری امروں کا لحاظ کرتا ہے۔ اوّل تو یہ کہ وہ اپنے کو حق

---

[1] یہ الحمد للہ رب العالمین کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم [2] یہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی حکمت ہے [3] ایاک نعبد و ایاک نستعین ۱۲ مترجم [4] یہ اہدنا الصراط المستقیم کہنے کی حکمت ہے ::

عبادت ادا کرنے میں قاصر خیال کرتا ہے اس لئے اپنے اُن موحد بھائیوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر اپنی عبادت کو پیش کرتا ہے جن میں سے اکثروں نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنی پوری انسانی طاقت صرف کر کے عبادت میں کوشش کی ہے تاکہ اُنہی کے طفیل سے کیا عجب کہ اس کی عبادت بھی خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے۔

دوسرے وہ یہ دیکھتا ہے کہ مشرکوں نے اس خدا تعالیٰ کی عبادت میں جس کے سوا کوئی عبادت کے شایان نہیں بتیرے شریک بھی ٹھہرائے ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت پیش کرتے وقت اس طور پر بیان کرتا ہے کہ جس سے محض خدا تعالیٰ ہی کے لئے عبادت کا انحصار معلوم ہو۔ پھر جب اس موقع پر اس کی نظر اپنے حال کی طرف جاتی ہے تو اپنے کو عبادت اور اس شکر کے ادا کرنے سے نہایت ہی عاجز پاتا ہے۔ ہاں اُس وقت وہ کچھ کر سکتا ہے جب کہ خداوند کریم اُس کی مدد کرے اور اُس کے کاموں کو درست کر دے۔ اس کے دل میں اس کی رغبت پیدا کر دے اور سارے موانع دُور کر دے اور چونکہ یہ بات خدا تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے اس لئے وہ اُس سے اس طور پر مدد کا طلب گار ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خدا کے سوا کسی اور کی اعانت اُسے مطلوب نہیں۔

پھر[۱] اس بات کا خیال کر کے کہ خدا تعالیٰ کو وہی کام پسند آتے ہیں جو کہ راستی کے ساتھ کئے جائیں اور اُس میں کج روی کو دخل نہ دیا جائے وہ خدا تعالیٰ سے راہ راست کی راہنمائی کی درخواست کرتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے اُس کی عبادت کو مقبولیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے اور وہ کامیاب ہو۔ اب چونکہ لوگ تین قسم کے پائے جاتے ہیں۔ بعض[۲] تو وہ جنھوں نے اعتقاد اور عمل دونوں کی حیثیت سے راہِ راست کو پا لیا اور اس طرح سے وہ فائز المرام ہو گئے اور بعض[۳] عمل میں کج روی کو دخل دے کر خداوند تعالیٰ کے مورد غضب بن گئے اور بعض نے اپنے عقیدے درست نہ رکھے اور اس طرح سے

---

[۱] یہ اھدنا الصراط المستقیم کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم [۲] یہ صراط الذین انعمت علیہم سے مراد ہیں ۱۲
[۳] یہ غیر المغضوب علیہم سے مراد ہیں [۴] یہ ولا الضالین سے مراد ہیں ۱۲ مترجم

حق سے بھٹک گئے۔

پس نمازی کو راہِ راست کی درخواست کے بعد یہ رغبت بھی پیدا ہوئی کہ یہ بھی اُنہی لوگوں میں سے ہو جائے جو اپنے عقیدے اور عمل درست کر کے خداوندی نعمتوں سے مالامال ہو گئے تاکہ اس ذریعہ سے یہ بھی اُن کے انوار و ثمرات سے خوشہ چینی کر کے بہرہ یاب ہو اس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ آدمی کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور رہنما ہونا چاہیئے کہ جو اس کو راہِ راست سے آگاہ کرے اور نافرمانوں اور گمراہوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دے۔

پس گویا نمازی یوں کہتا ہے کہ اے رب! مَیں اپنے موحد بھائیوں سمیت تجھ سے اُسی فرقہ کی راہِ راست کا طالب ہوں جس نے تُو نے عقیدے اور عمل دونوں کے درست ہونے کی وجہ سے اپنی نعمتیں نازل کیں تاکہ ہم لوگ بھی انہی کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی نیک صحبت کی برکت سے کامیاب ہو جائیں اور اُن لوگوں کے طریقہ سے بچے رہیں جن پر اس وجہ سے کہ اُنہوں نے بُرے عمل کئے تو غضب ناک ہُوا یا جو غلط عقیدوں کی وجہ سے راہِ راست سے بھٹک گئے۔ اے ہمارے رب! ان لوگوں سے ہمیں بچائے ہی رکھنا کہیں ہم بھی اسی آفت میں نہ مُبتلا ہو جائیں اور پھر اُن ہی کی طرح ہم کو بھی نقصان اُٹھانا پڑے۔ اب وہ مقبولیت کی درخواست پر اپنی اس دُعا کو ختم کرتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے وہ اس موقع پر لفظ آمین کہتا ہے یعنی اے رب! اب ہماری دُعا کو قبول کر لے۔ کیونکہ تو نے تو اپنے رسول کی زبانی ہم سے وعدہ کر کے ہمیں امیدوار بنا رکھا ہے اور تیری تو عادت ہی ہے کہ دُعا کرنے والے کی بہت جلد دعا سُن لیا کرتا ہے۔ پھر چونکہ قاعدہ ہے کہ جب طبیب سے کوئی شخص علاج کراتا ہے تو اُس کے لئے وہ جو دوا تجویز کر دیتا ہے اُس کو استعمال کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل اپنے ذمّہ ضروری سمجھا کرتا ہے۔ اسی طرح پر یہاں بھی سمجھئے کہ بندہ کا خدا سے راہِ راست کی راہنمائی کا طالب ہونا گویا کہ اپنے بے جا اعمال اور بُرے عقیدوں کے امراض کے لئے دُعائے شافی مانگنا ہے۔

فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کی حکمت [۱۲]

پس گویا خدائے ذوالجلال کی جانب سے اُس کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارا علاج یہی ہے کہ تم میرے کلام کی تلاوت کرو اور اس میں سے جو کچھ پڑھ کو پڑھو اس سے تم کو شفاء حاصل ہو گی کیونکہ یہی کلام ایسی شافی دوا ہے کہ جس سے فسق، شرک، ریا، تکبر، حسد اور کینہ وغیرہ سارے مرضوں کو صحت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اُس میں کافی طور پر دلائل بیان ہوئے ہیں اور پوری پوری نصیحتیں کی گئی ہیں۔ پس اگر تم اسے پڑھو گے تو تمہیں تمہاری بیماری سے شفاء حاصل ہو گی اور تمہارا مرض زائل ہو جائے گا۔

اس وجہ سے نمازی بعد سورۃ فاتحہ کے کہ جو بمنزلہ مرض بیان کرنے کے تھی اپنے طبیب کی بتلائی ہوئی دوا کے طور پر قرآن پاک میں سے تھوڑا بہت اس کے سوا کچھ اور بھی پڑھ لیا کرتا ہے۔ اب اس دوا کو استعمال کر کے یعنی کلام اللہ سے کچھ پڑھ کر وہ اپنی کمزوری اور عاجزی پر نظر ڈالتا ہے اور اس دوا کی واقفیت وشفاء حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کا محتاج پاتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ بات سوائے خداتعالیٰ کے اور کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں پس اس وقت اپنی ہیئت سے بھی اپنا عجز ظاہر کرنے کے لئے اپنے مولیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہُوا اُس کے سامنے جُھک جاتا ہے اور اسی کو رکوع کہتے ہیں۔

رکوع وقومہ اور جو کلمات اس وقت مشروع ہیں ان کی حکمت [۱۲]

پھر وہ اسی حالت میں اپنے باعظمت مولیٰ کی کہ جو سب سے بے نیاز ہے اور جس کے کہ سب محتاج ہیں پاکی بیان کرتا ہے اور بعد اس کے کہ اُس نے اپنی ہیئت سے بھی اپنی عاجزی ظاہر کر دی اس کی طرف اپنے محتاج ہونے کا اقرار بھی کر لیا۔ اس کی عظمت و جلال کی تعظیم بھی کر چکا۔ اپنے مالک کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے

جس نے کہ دو اشرانی عنایت کر کے اُس پر بڑا احسان کیا ہے اور اپنے جی کو اس طرح سمجھاتا ہے کہ اگرچہ وہ نہایت ہی کمزور اور بڑا ہی ذلیل ہے اور اس کا مالک بہت ہی بڑی عظمت وجلال والا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی سنتا بھی ہے اور اُن کی دعائیں قبول کرتا ہے اور جو اس کے تعریف کرتا ہے وہ اسے بھی سن لیتا ہے پس اسی وجہ سے اپنے جی کو اطمینان دلانے کے لئے وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا کرتا ہے یعنی جو خدا کی تعریف کرتا ہے خدا تعالےٰ اُس کی سُن لیتا ہے اور پھر وہ اپنی تعریف وحمد "اللھم ربنا لک الحمد" کہہ کر پیش کر دیتا ہے ۔ اس کے بعد جب یہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں تو بے پایاں اور غیر محصور ہیں اور وہ اگر ابد تک بھی اطاعت اور عاجزی کرتا رہے جب بھی سو حصوں میں سے ایک حصّہ بھی شکر کا ادا نہیں ہو سکتا ۔

پس اس موقع پر گویا زبانِ حال سے وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ اے میرے رب! میں تو تیری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے بہت قاصر ہوں اور تُو تمام چیزوں سے بے نیاز ہے پھر میں کون سا کام کروں کہ تیرے بڑے بڑے احسانوں کا بدلہ ہو سکے۔ تیری شان جو نہایت ہی عالی ہے میں ہزار کوشش کروں لیکن بھلا مجھ بے چارے سے کیا ہو سکتا ہے۔

سجدہ اور اُس کے متعلقات کی حکمت

سب سے بڑھ کر تیرے مقابلے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے اعضاء میں سے جو نہایت ہی شریف اور باعزت ہے اور وہ میرا چہرہ ہے۔ تیری عظمت وجلال کی تعظیم کرنے کے لئے زمین پر تیرے سامنے رکھ دوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تیری کبریائی وعظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہ ہو جائی گی کیونکہ تو سب بڑوں سے بڑا ہے ۔

پس وہ اپنے مولیٰ کی تعظیم کرنے کے لئے "اللہ اکبر" کہتا ہُوا سجدہ میں گر پڑتا ہے اور اپنی پیشانی اُس کے سامنے زمین پر رکھ دیتا ہے اور سجدہ میں اپنے کو نہایت ہی پستی کی حالت میں پاتا ہے اور چُونکہ اس نے یہ حالت اپنے ایسے مولیٰ کی تعظیم کی غرض سے اختیار کی ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے اس لئے وہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنے لگتا

ہے یعنی میرا رب جو جملہ چیزوں سے عالی ہے تمام عیبوں سے پاک ہے اور پھر یہ خیال کرکے
کہ اگر وہ تمام عمر بھی خدا تعالےٰ کے سامنے عاجزی کرتا رہے جب بھی اس کی تعظیم کا پورا پورا
حق ادا کرکے سبکدوش نہیں ہو سکتا " اللہ اکبر " کہتا ہُوا اپنا سر سجدہ سے اُٹھا لیتا ہے گویا
وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُس کی عظمت و کبریائی کے سامنے تمام لوگوں کی
تعظیم و تکریم ہیچ ہے اس کا کما حقہٗ کوئی حق ادا ہی نہیں کر سکتا۔ پھر سجدہ سے سر اٹھانے
کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ سجدہ کی حالت تو میری نہایت ہی شرف و بزرگی کی حالت تھی
اور ابھی تو اس مقصد عالی سے میرا مدعا حاصل ہی نہیں ہُوا ہے اور یہ بھی یاد کرتا ہے کہ
شیطان نے تو اپنی بدبختی کی وجہ سے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا خدا کا شکر ہے کہ مجھے سجدہ
کرنا تو نصیب ہُوا۔ یہ سمجھ کر شیطان کے خلاف پھر اس بارگاہ عالی میں اپنے مولیٰ کی عظمت
ظاہر کرنے کے لئے سر کو سجدہ میں رکھ دیتا ہے اب بعد اس کے سجدہ سے سر اُٹھا کر نماز
کے بقیہ اعمال و افعال کے پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور اسی طرز سابق سے
جس میں کہ طرح طرح کی حکمتیں اور راز پائے جاتے ہیں اپنی نماز کی تکمیل کے درپے
ہوتا ہے۔ اگر اُن سب کا بیان کیا جائے تو کلام نہایت ہی طویل ہو جائے۔

قعدہ اخیرہ اور جن چیزوں پر وہ مشتمل ہے سب کی حکمت[۱۲]

پھر وہ اپنے ضروری کاروبار کے انتظام اور دوسری عبادتوں کی بجا آوری کے لئے
اس بارگاہِ عالی سے باہر آنے پر آمادہ ہو کر غلاموں کی طرح باادب دو زانو بیٹھ جاتا ہے
اور اپنے مولیٰ کے حضور میں جو کہ زمین و آسمان کا مالک ہے " التحیات للہ والصلوٰت
والطیبات " کہہ کر تحیت و سلام عرض کرنے لگتا ہے ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ
شاہی دربار سے باہر آتے وقت آداب بجا لایا کرتے ہیں اب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم کے مرتبہ کو یاد کرتا ہے جن کے ذریعہ سے اس کو اس بارگاہِ عالی میں باریاب
ہونا نصیب ہُوا ہے۔ پس وہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور آپ کے لئے برکت و رحمت
کی دُعا کرتا ہے اسی لئے اس موقع پر " السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ " کہتا ہے

پھر اُسے یہ رغبت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں خدا تعالےٰ نے اُسے اس عبادت کے فوائد سے بہرہ یاب کیا ہے وہ اُس کو اور اس کے موحد بھائیوں کو امن و امان میں بھی رکھے۔ پس وہ "السّلام علینا" کہہ کر اس رغبت کو خدا تعالےٰ کے حضور میں ظاہر کرتا ہے پھر اُسے اپنے اُن بھائیوں کی یاد آتی ہے جن کی عبادت کے ساتھ ملا کر اُس نے اپنی عبادت خدا تعالیٰ کی درگاہ میں بامید قبول پیش کی تھی اور اس وجہ سے اُن کا حق اُس کے اوپر کسی قدر خصوصیت کے ساتھ ثابت ہو گیا تھا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے جو کچھ نعمتیں انہیں دی تھیں اُن کے لئے بھی حفاظت کی دُعا کرتا ہے اور "وعلیٰ عباد اللّٰہ الصّالحین" کو اور بڑھا دیتا ہے پھر گویا کہ یہ بات اس کے پیش نظر ہو جاتی ہے کہ منعم حقیقی خداوند تعالےٰ ہے اور اس بھلائی تک جن کے ذریعے سے رسائی ہوئی ہے وہ محمد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔

پس صدق دل سے اللّٰہ تعالےٰ کی معبودیت کے اعتبار سے یکتا ہونے کی شہادت دیتا ہے اور اپنی کلمہ کی انگلی اُٹھا کر اسی یکتائی کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ اعتقاد۔ قول اور فعل جملہ اعتبار سے موحد بن جائے اور اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ معبودیت کے لحاظ سے وہی یکتا خیال کیا جا سکتا ہے جو احسان و انعام کرنے کے اعتبار سے بھی فرد ہو۔ اس کے بعد محمد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے لئے خدا تعالےٰ کی عبودیت کی جو کہ نہایت ہی کامل مرتبہ ہے اور رسالت کی جو بہت ہی شریف منصب ہے شہادت ادا کرتا ہے اور "اشہدان لا الٰہ الا اللّٰہ واشہدان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ" کہتا ہے۔ اب اس کا اس بات کی دعا کی جانب میلان ہو جاتا ہے کہ خداوند کریم محمد صلّی اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپؐ کے کنبہ والوں پر خلق کی راہنمائی کے بدلے میں رحمت و برکت نازل فرمائے جس طرح کہ خدا تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کے گھر والوں پر پہلے لوگوں کی رہنمائی کے عوض میں رحمت و برکت نازل کی تھی اور یہ خیال کرکے کہ اُس کو خواہ دُنیوی خواہ اُخروی ساری ضرورتوں میں خدا تعالیٰ ہی کی طرف احتیاج ہے اس لئے اپنی حاجتوں کے لئے بھی درخواست کرتا ہے۔ اب چونکہ اس بات کا وقت

آپہنچتا ہے کہ اُس بارگاہِ عالی سے باہر اگر دوسری عبادتوں کے ادا کرنے میں مشغول ہو اور اپنی معاش وغیرہ کی تحصیل کی فکر کرے جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اُس کے ذمہ ضروری کر دیا ہے کیونکہ اس نے اس عالم کا یہی قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ تمام چیزوں کے کچھ نہ کچھ سبب ہُوا کرتے ہیں اور وہ اشیاء بذریعہ اپنے سبب ہی کے حاصل ہُوا کرتی ہیں اس لئے اس درگاہ سے وہ اس طرح علیحدہ ہوتا ہے کہ اپنے دل کو اسی طرف رہنے دیتا ہے اور فقط چہرہ اِدھر اُدھر پھیر لیتا ہے گویا کہ اپنی زبانِ حال سے اس مضمون کو ادا کرتا ہے کہ اگر مجھ کو ضرورت نہ درپیش ہو تو اس بارگاہِ عالی سے کبھی جُدا نہ ہوتا اور اُس کی جدائی کا صدمہ نہ اُٹھاتا جہاں کہ طرح طرح کی عبادتوں سے بہرہ یاب ہُوا ہوں اور وہ عبادتیں خدا کی یاد کرنا۔ اُس سے دُعا مانگنا۔ اُس کی تعظیم کرنا۔ اُس کے سامنے رکوع وسجدہ کرنا۔ عاجزی اور فروتنی سے پیش آنا ہیں۔ اب وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور فرشتوں کی طرف جن کی جانب اتنی دیر تک ملتفت نہ رہا تھا" السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کہہ کر متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے۔

نماز پنجگانہ کو اُن کے خاص خاص اوقات میں ادا کئے جانے کی حکمت

پھر چونکہ انسان جب سو کر جاگتا ہے تو گویا وہ مر کر زندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سونا بھی اِس اعتبار سے کہ آدمی کے حواس احساس کرنے سے معطل رہتے ہیں مرنے ہی کی مثل ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُس کو اس حالت سے جو موت کے مشابہ ہے اُٹھا کھڑا کیا اور اپنے کاروبار میں ہاتھ پیر ہلانے اور دماغی قوت سے کام لینے کی وجہ سے جو کچھ اس کی قوتوں میں ضعف ہو چلا تھا اس نیند سے اس کی تلافی کر دی کہاں تو وہ بالکل تھکا ماندہ سویا تھا اور اُٹھنے کے وقت اُس کا سارا کسل دُور ہو گیا۔ طبیعت خوش اور بشاش ہو گئی۔ علاوہ اس کے خدا نے اس کو سونے کی حالت میں تمام موذی چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور اس کا کھانا بخوبی ہضم کر کے اُس کو ایسی عجیب وغریب صورت سے جس کے سمجھنے میں عقل چکر میں آجاتی ہے جزو بدن بنا دیا اور اُس کو اس کا پتہ بھی نہ لگا

کہ فعل انہضام نے کیونکر انجام پایا اور اُس سے اُس کو کیا کیا فائدہ پہنچے اور کون کون سی مضر چیزیں دفع ہوئیں اس کی غایت درجہ کی کوشش یہ تھی کہ اُس نے کھانا نگل کر معدہ میں پہنچا لیا تھا اور اس طرح سے اُس نے کھانے کی لذت حاصل کر لی تھی اس کے بعد ہضم وغیرہ کا خیال بھی اُس کے دل میں نہ گزرا تھا صرف ان فوائد پر کیا موقوف ہے نیند سے اور بھی بتھیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور خدا کی کتنی ہی بے شمار نعمتیں پائی جاتی ہیں کہ جو سب تحریر و تقریر میں آ ہی نہیں سکتیں اس لئے اُس کے ذمہ یہ بات ضروری ہوگئی کہ بیدار ہونے کے ساتھ ہی خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے نماز پڑھے۔ چنانچہ وہ اسی وجہ سے صبح کی نماز ادا کرتا ہے۔ پھر جب آدھا دن گزر جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کے اُس پر بڑے بڑے احسانات ہو لیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا زمین کو تاکہ اُسے اپنی معاش کی راہیں صاف نظر آنے لگیں روشن کر دیتا ہے اُس کے حواس کو تقویت پہنچا دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ نافع اور مضر چیزوں میں تمیز کر لیتا ہے اُس پر کسب معاش کے ذریعے آسان ہو جاتے ہیں اُس کو غذا مل چکتی ہے کوئی کہاں تک بیان کرے اس کے علاوہ بھی بے انتہا احسانات خدا تعالےٰ کی جانب سے اُس پر ہو لیتے ہیں اُس وقت بھی اُس کے ذمہ خدا تعالیٰ کا شکر کرنا لازمی امر ہو جاتا ہے۔

پس وہ ظہر کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب دیکھتا ہے کہ دن چلنے لگا اور ختم ہونے کے قریب آگیا اور اس عرصے میں خدا کے بڑے بڑے احسانات اُس پر ہو چکے اور اُس نے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے مکان کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اُس وقت بھی اُس پر اس خدمت کی بجا آوری واجب ہو جاتی ہے اور پھر وہ عصر کی نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد جب دیکھتا ہے کہ دن ختم ہوگیا اور رات آ پہنچی جس میں کہ اُسے راحت نصیب ہوگی اور یہ بات نہ ہوئی کہ ہمیشہ دن ہی رہتا جس میں اُسے راحت و آرام کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا بلکہ وہ بخیر و خوبی ختم ہوگیا تو اُس پر اُس وقت بھی یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کی

طرف پھر متوجہ ہو جائے جو کہ اس کے لئے عین سعادت کا باعث ہے۔

پس وہ نماز مغرب ادا کرتا ہے پھر جب چاروں طرف تاریکی چھا جاتی ہے اور سونے کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جو نعمتیں صبح سے لے کر اب تک اس پر ہوتی رہیں اُن کا شکر ادا نہ کر سکا اور جو کچھ عبادت اس نے کی بھی اس سے سو حصّوں میں سے ایک حصّہ بھی شکر کا ادا نہیں ہوا اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا اس وقت کو پیدا کرنا بھی کہ جس میں بہت اچھی طرح سے آرام کیا جا سکتا ہے اُس کی بے شمار نعمتوں سے ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے اور پھر وہ بھی اُس حالت میں جب کہ اُسے کسی کا خوف نہ ہو اور اپنے مکان میں نہایت ہی نرم بچھونے پر اُسے آرام کرنا نصیب ہو۔

پس وہ عشاء کی نماز ادا کرنے لگتا ہے تا کہ خداوند کریم کا جو کچھ شکر ادا ہو سکے اُتنا ہی ادا کر دے پُورے طور سے شکر ادا کر کے سبکدوش ہو جانا تو ساری عمر صرف کرنے پر بھی ممکن نہیں ہے چاہے وہ ہزار عبادت کرے رات و دن بلکہ ہر لحظہ عبادت ہی میں مصروف رہے لیکن اُس کی عظمت و بے شمار نعمتوں کے مقابلے میں ہمیشہ عاجز اور قاصر ہی سمجھا جائے گا۔

سُنن اور تراویح کی حکمت[۱۲]

پھر دیکھئے کہ خدا تعالےٰ نے ادائے شکر کے لئے جو نمازیں ضروری ٹھہرائی ہیں تو اُس شخص کے لئے جو مسافر نہ ہو بیسؔ رکعتیں ہیں دسؔ دن کو اور دسؔ رات کو اور مسافر کے لئے تخفیف کر کے چودہ رکعتیں کر دی گئی ہیں چھ دن کو کیونکہ یہی سفر میں زیادہ چلنے کا وقت ہے اور آٹھ رات کو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں مسافر ٹھہرا کرتا ہے ان پنج وقتی نمازوں کے ساتھ کچھ اور نمازیں بھی مقرر کی ہیں کہ جو واجب تو نہیں ہیں لیکن شارع علیہ السلام نے اُن کے ادا کرنے کا اس غرض سے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کہیں فرض نمازوں کے ادا کرنے میں کچھ نقصان رہ گیا ہو تو اُن کے ذریعہ سے

وہ پورا کر دیا جائے اور ایسی نمازوں کو سنت کہتے ہیں اور ماہ رمضان کی طرف خاص توجہ کرکے اُس میں بیس رکعتیں سنت علاوہ ان کے اور مقرر کی ہیں تاکہ اُس کی نمازوں کی اور زیادہ تکمیل کر دی جائے۔ یہ تو ہو چکا اگر ابھی ان نمازوں میں اور غور کیا جائے تو بے انتہا فائدے اور حکمتیں نظر آئیں گی۔ مثلاً اُن سے لوگوں کے نفوس مہذب ہوتے ہیں خصوصاً جابروں اور متکبروں کے نفوس جو کہ زمین سے اپنے دامنوں کے چھُو جانے سے بھی ناک چڑھاتے تھے اور اس سے بھی اُنہیں عار آتا تھا چہ جائیکہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھیں۔ خدا تعالےٰ کے سامنے عاجزی کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ غافلوں اور اُن لوگوں کو جو کہ دنیاوی تفکرات میں اپنے کو کھپائے ڈالتے ہیں اسی بہانہ سے اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے نگہبان کی یاد آجاتی ہے کیونکہ اگر وہ اس خدمت گزاری کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے نہ کھڑے ہوتے اور اس امر کی اطاعت اُن کے ذمہ ضروری نہ کر دی جاتی تو دن تو دن سالہا سال تک بھی بعضوں کے خیال میں یہ بات نہ گزرتی کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے جسے انہیں حساب دینا ہوگا اور وہ ان کی حرکات و سکنات سے بخوبی واقف ہے اور اس امر کی شہادت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ یہ لوگ اب بھی اس غفلت میں پڑکر طرح طرح کی مخالفت کا سبب بن جاتے ہیں اور تمام فسادات کے باعث ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں نماز کے وقت از سر نو توبہ کرنی بھی نصیب ہوتی ہے۔ اسی موقع سے اس راز کا بھی پتہ لگتا ہے کہ نماز بندہ کو اُس کے پروردگار سے ملانے کا کیونکہ ذریعہ ہے اور بے شرمی کی باتوں سے کیسے باز رکھتی ہے۔ جیساکہ قرآن شریف[1] میں نماز کی نسبت واقع ہوا ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے اور جمعہ عیدین اور حج وغیرہ عبادتوں میں مجتمع ہونے کی حکمت

اب لیجئے جماعت سے نماز پڑھنے اور تمام اعمال نماز میں مقتدیوں کی اپنے

---

[1] ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ⁂

امام کی اطاعت کرنے کا نکتہ سُنئے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے سردار کی تابعداری اور پیروی کے عادی ہو جائیں جیسا کہ ہم سرداران لشکر کو دیکھتے ہیں کہ وہ فوجی لوگوں سے ایسے کاموں کی خوب مشق کرایا کرتے ہیں جن کی نسبت اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں وہ ان کی بخوبی رعایت نہ کر سکیں گے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ فوجی سپاہی اپنے سپہ سالار لشکر کے حکموں کی تعمیل کرنے کے عادی بنے رہیں اور اس نکتہ کو فارسیوں کے سپہ سالار رستم نے خوب ہی سمجھا تھا جب کہ اُس نے صحابہ کو دیکھا کہ اپنے پیشوا کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور ساری حرکات و سکنات میں اُسی کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نسبت جو کچھ اُس نے کہا تھا وہ تاریخ میں بخوبی مذکور ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اوقات نماز میں مسلمانوں میں باہم ملاقات ہو جاتی ہے اور اس طرح سے آپس میں محبت و ہمدردی کے سلسلہ کو نہایت استحکام ہوتا ہے اسی لئے اس امر کی اور عبادتوں میں بھی رعایت مدِ نظر رکھی گئی ہے اور یہ کام اس طور پر انجام پاتا ہے کہ ہر محلہ کے لوگوں کے لئے یہ امر مناسب قرار دیا گیا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھنے جایا کریں۔ اسی طرح اہل شہر کو بھی چاہئیے کہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہو جایا کریں۔ رہی عید الفطر و عید الاضحٰے کی نماز، اُس کے لئے تو، شہر تو شہر بلکہ اُس کے قرب و جوار تک کے لوگ بھی سال میں دو بار جمع ہُوا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں سارے عالم کے مسلمانوں پر یہ بات لازم کر دی گئی ہے کہ اُن میں سے خداوند تعالےٰ نے جن جن کو مقدرت دے وہ تمام عمر میں کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی حج کے لئے جمع ہو جایا کریں۔ چنانچہ حج کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے ؛۔

خُطبہ کی حکمت

اس شریعتِ محمدیہ نے اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے ان دینی مجمعوں سے بعض بعض

میں یہ بھی مقرر کیا ہے کہ اُن کا پیشوا لوگوں کو مخاطب کر کے خطبہ پڑھے یعنی اُن کے سامنے کچھ تقریر بیان کرے جس میں اُن کو نصیحت کے مضامین سُنائے نازیبا امور سے زجر و توبیخ کرے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم خدا کے پاس سے اُن کے لئے لائے ہیں اُس کی انہیں یاد دلائے اور اُن لوگوں پر یہ ضروری ہے کہ خاموش ہو کر بگوش دل اُس کو سُنتے رہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ لوگ اس وقت کیسے چُپ چاپ گھٹنوں کے بل سر جھکائے بیٹھے سُنا کرتے ہیں نہ کسی کو حرکت ہوتی ہے اور نہ اُن میں سے کسی بات کی تحسین کے لئے کوئی تالیاں بجاتا ہے اور نہ کسی امر کے قبح ثابت کرنے کے لئے شور کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خطیب شریعت کے خلاف کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ کہتا ہے اُن کی شریعت کے موافق کہتا ہے ہاں بالفرض اگر وہ شرعی حدود سے قدم باہر نکالنے لگے (اگرچہ ایسا کبھی واقع ہوا نہیں کرتا) تو سب کو چاہیئے کہ اُس کی بات تسلیم نہ کریں اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ اس کے قول کی تردید کر دے۔

نماز کے فوائد اور جو لوگ اس سے جی چراتے ہیں اور اس کے فوائد سے محروم رہتے ہیں اُن کی تہدید اور اُن کے واہی تباہی عُذروں کا معقول جواب

چونکہ نماز میں کثرت سے فائدے پائے جاتے ہیں اسی لئے نماز کا ترک کرنا شریعت میں بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے اس کے ترک کرنے والے کی بہت سختی سے مخالفت کی گئی ہے اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نہایت سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے یہاں تک کہ نماز کا ترک کرنا بھی کفر کی علامتوں میں سے شمار کیا گیا ہے جیسے کہ برابر نماز پڑھنا ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے اس موقع سے اُن لوگوں کی نادانی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو نماز کے بارے میں بے پروائی کرتے ہیں چونکہ کاہلی نے انہیں گھیر رکھا ہے یا شیطان کا اُن کے دلوں پر پورا تسلط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اُنہیں نماز کی

واقعی خوبی نظر نہیں آتی۔ اصل مغز کو چھوڑ کر پوست کو لے بیٹھتے ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے اُس کے ترک کرنے کے واہی تباہی وجہیں نکالا کرتے ہیں اور نامعقول عذر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ صاحب ہمارا رب ہماری کاہلی کی کیا پرواہ کرتا ہے اُسے ہماری نماز کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ ان کم فہموں سے کوئی یہ تو کہے کہ ہاں! بے شک تمہارا رب تمام چیزوں سے بے نیاز ہے تو کیا اے نادانو! تم بھی تمام چیزوں سے بے نیاز ہو گئے یا تمہیں اُن فائدوں کی جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں کیا ذرا بھی حاجت باقی نہیں رہی تمہیں خبر بھی ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فائدے کے لئے نماز ہرگز مقرّر نہیں کی اُس کا تو مقصود یہ ہے کہ تم نماز کے بے شمار فائدوں سے بہرہ یاب ہو۔ اچھا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں تہذیب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی یا اپنے رب کی یاد سے بالکل مستغنی ہو گئے یا یہ وجہ ہو کہ تم کو اُس کے سامنے اظہار تو بہ کرنے اور اُس کی اطاعت کی عادت ڈالنے کی حاجت باقی نہ رہی ہو۔ اچھا اور کچھ نہ سہی تو کیا تمہیں اُن فوائد کی بھی پرواہ نہیں رہی جو بحیلہ نماز باہم اپنے بھائیوں سے مخالطت کرنے کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتے ہیں باہم محبت بڑھتی ہے آپس میں ہمدردی قائم ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی بتھیرے فائدے ہیں۔ میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ تم ان سب باتوں سے بے نیاز ہونے کے قائل ہو جاؤ گے۔ ہاں اگر تم ہٹ دھرمی ہی پر کمر باندھ لو یا اپنی نادانی سے اس کے بھی قائل ہو جاؤ تو بات ہی دوسری ہے اُس وقت میں تم کو اس قابل ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ تمہاری کسی بات کا جواب دیا جائے یا تمہارا انسانیت کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔

ایسے وقت تو تمہاری حالت بالکل اُن بیماروں کی سی ہے جن کو کہ خیر خواہ طبیب کوئی نافع دوا بتا کر اُس کے استعمال کا حکم کرتا ہو اور وہ طبیب سے یہ کہہ کر اُس کے استعمال سے پرہیز کرتے ہوں کہ صاحب ہمارے دوا کے استعمال کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا آپ کو تو اِس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہے۔ گو یہ بات سچ ہے کہ طبیب کو اُس کی کوئی حاجت نہیں لیکن کیا کوئی عاقل تجویز کر سکتا ہے کہ ان بیماروں کو بھی ضرورت نہیں ہے یہ بھی

اس سے بے نیاز ہو گئے ہیں ہرگز نہیں۔ بس صاف یہی سمجھا جائے گا کہ بیماری کی وجہ سے اُن کی عقل جاتی رہی ہے اور ہذیان بک رہے ہیں۔

نماز ترک کر کے اُس کے فائدوں سے محروم رہنے والوں سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اگر اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے ہو کہ تمہارے نزدیک وہ انکار کے قابل ہے اور تمہاری فاسد عقلوں میں وہ قبیح معلوم ہوتی ہے تو سمجھ رکھو کہ ایسے شخص کی نسبت شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ وہ کافر ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تب تو نماز کے بارے میں تم سے گفتگو ہی مناسب نہیں کیونکہ کفر سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہو گا بلکہ اس وقت تو تمہارے ساتھ یہی خیر خواہی ہے کہ تمہیں ازسرِنو مسلمان بنایا جائے اور تم سے اس کفر سے توبہ کرائی جائے اور اگر کاہلی کی وجہ سے تم نے نماز کو چھوڑ رکھا ہے تو بڑی ہی شرم کی بات ہے۔ ایسی بھی کاہلی کس کام کی کہ اگر تمہیں عقل کا کچھ بھی حصہ ملا ہو تو بھلا سوچو تو سہی کہ دن رات میں چوبیس[۲۴] گھنٹے ہوتے ہیں اس میں اپنی ساری خواہشیں پوری کرتے ہو، طرح طرح کی لذتیں حاصل کیا کرتے ہو تمام دنیاوی کاروبار میں لگے رہتے ہو تو کیا صرف نماز ہی ایسی مشکل ہے کہ وہ تم سے ادا نہیں کی جاتی حالانکہ اُس میں کچھ بہت زمانہ بھی نہیں لگتا۔ ساری نمازوں کے ادا کرنے میں ایک گھنٹہ نہیں تو دو گھنٹے صرف ہو جائیں گے اور بس تو کیا یہی عقلمندی اور یہی انصاف کی بات ہے کہ بائیس گھنٹے تک دنیاوی مقاصد اور لذتوں کے حاصل کرلینے پر بھی صرف ایک یا دو گھنٹے صرف کر کے دائمی فوائد کے حاصل کرنے سے محروم رہو اور اپنی کاہلی کے مارے اُتنی دیر بھی عبادت نہ کر سکو جو دن رات کے دسویں حصہ سے بھی کچھ کم ہے۔

بھلا بتلاؤ تم اپنے ساتھ یہی خیر خواہی کرتے ہو؟ یہی تمہاری اُن عقلوں کا نتیجہ ہے جن کی نسبت تم دعوے سے کہا کرتے ہو کہ وہ بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں اور ان ہی کی مدد سے راہِ راست کے دریافت کر لینے کا تمہیں بڑا زعم ہے جب کہ تم اپنے ہی ساتھ خیانت اور دشمنی کرنے میں بند نہیں ہو تو تم سے بھلائی کی کون امید کر سکتا ہے اور اگر کہیں تم حاکم بن جاؤ تو تمہارے انصاف کی بھی کس کو توقع ہو سکتی ہے؟ اور اگر تم ہمارے درمیان

تاجرانہ کاروبار کرو تو تمہاری امانت داری کا اس حماقت پر کیسے اطمینان ہو سکتا ہے اور جس وقت کہ تم نے اسلامی دین کے بڑے عظیم رکن کو گرا دیا تو مسلمان اپنے بھائیوں میں تمہارا کیونکر شمار کر سکتے ہیں۔ نماز کے ترک کرنے کا خدا تعالےٰ کے سامنے تم کیا عذر کر سکتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور قرآن مجید میں بار بار اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں اپنے پیغمبر سے بھی شرم نہیں آتی جن کا یہ قول تھا کہ نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی ہے۔

خُدا کی قسم! اُن لوگوں سے بڑا ہی تعجب معلوم ہوتا ہے جو اسلام کا تو بڑے زور وشور سے دعویٰ کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں اُن کی جان نکلتی ہے اور طرّہ یہ کہ کچھ ایسے ناسمجھ بھی نہیں، دنیاوی کاروبار میں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے برابر کوئی عقلمند ہی نہیں۔ بڑے صائب الرائے نظر آتے ہیں لیکن جہاں نماز کا ذکر آیا اور بچّوں کی سی باتیں کرنے لگے اُس وقت اُن کی ساری عقلمندی جاتی رہتی ہے نماز کے فائدے اُن کو نظر ہی نہیں آتے۔ آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں میری سمجھ میں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں آتی کہ اُن کو خاص کر نماز ہی کے بارے میں خاص قسم کا جنون ہو گیا ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے جنون کی بہتیری قسمیں ہیں ایک قسم یہ بھی سہی۔

اُن لوگوں کی حالت سے مجھے نہایت ہی شرم آتی ہے جو کہنے کو تو بڑے عقیل و فطین سمجھے جاتے ہیں اور جب اُن کے ساتھ کے بیٹھنے والے نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ لوگ نماز سے ایسے گھبراتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہو اس عقلمندی پر ایسی فرومائیگی کی باتیں؟ شرم! شرم!

ایسے نادان کی سمجھ میں کیا اتنا بھی نہیں آتا کہ اگر کوئی مسلمان اس کو اس حالت میں دیکھے گا تو کیا کہے گا؟ اگر اُس نے کافر نہ سمجھا تو فاسق تو ضرور ہی خیال کرے گا۔ اس کی نظروں میں اس کی کیا وقعت رہے گی؟ یہی خیال کرے گا کہ یہ شخص بڑا ضعیف الاعتقاد ہے اس کا دین نہایت ہی کمزور ہے ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا اس کو عادل سمجھا جائے بالکل ادنیٰ درجہ کا مسلمان ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تمہاری اس قابل شرم حالت کی اُسے اطلاع نہیں اُسے سب کچھ معلوم ہے۔ بات یہ ہے کہ کم بختی نے گھیر رکھا ہے۔ شیطان نے اپنا کھلونا بنا لیا ہے۔ جیسی چاہتا ہے پٹی پڑھاتا ہے اس بے نمازی شخص کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس کے مسلمان بھائی اگر کسی وجہ سے اُس کی اس ناشائستہ حالت کا زبان سے اظہار نہیں کرتے تو کیا ہوا دل میں اِس کو وہ نہایت ہی بُرا خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کو موقع ملے تو نہایت ہی بُرے الفاظ سے اُس کا ذکر کریں اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور کہیں کہ بے نماز کمزور دین والا۔ یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے ایسے شخص کی حالت پر تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہیئے۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی حکمت اور یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے حیلہ بازیاں کرنا خدا کے پاس مقبول نہیں [۱۲]

پھر اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے اسلام کی پیروی کرنے والوں میں سے اُس شخص پر جو مالدار ہو زکوٰۃ دینا فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ محتاجوں کو دے دیا کریں تاکہ انسانی خصوصیتیں ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنے کا حق ادا ہوتا رہے۔ بخل کے عیب سے لوگوں کے نفوس پاکیزہ رہیں۔ پھر خوبی یہ کہ شریعت نے اتنے سے قلیل مال کے دینے پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کر کے امیدوار بھی بنا دیا ہے اور زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے اُس میں یہ بات مدِنظر رکھی گئی ہے کہ کسی پر اُس کا ادا کرنا گراں نہ گزرے اس سے مال میں کچھ ایسی کمی بھی نہ آنے پائے اور اگر اُتنی ہی مقدار کے ادا کرنے کی پوری پوری پابندی کی جائے تو لوگوں کی حاجت برآری بخوبی ہو جایا کرے اور حاجت مند ڈھونڈے نہ ملیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں جہاں یہ دو فائدے پائے جاتے ہیں کہ حاجت مند کی کار برآری

ہوتی ہے اور دولت مند کا نفس پاک ہوتا ہے اور اُسے داد و دہش کے ساتھ جس کا
کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق میں شمار ہوتا ہے الفت پیدا ہوتی ہے۔ وہاں اس بات کا
بھی امتحان ہو جاتا ہے کہ دیکھیں زکوٰۃ دینے والے کو خدا تعالیٰ سے کہاں تک محبت ہے؟
کہ محض اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے مال ایسی محبوب شے کو وہ اپنے پاس سے
جُدا کئے دیتا ہے۔ اب اس موقع سے ایماندار کو ضرور پتہ لگ گیا ہوگا کہ زکوٰۃ ساقط کرنے
کے لئے حیلہ بازی کرنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک کبھی مقبول نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت
میں زکوٰۃ دینے سے جو دونوں فائدے مقصود تھے وہ فوت ہوئے جاتے ہیں۔ بھلا تبلایئے
کہ جب صاحب مقدرت کے ہاتھ سے کچھ نکلے ہی گا نہیں تو کیونکہ کسی بے چارے کی کار برآری
ہو سکتی ہے یا خود وہ دولتمند مرض بخل سے کیونکر پاک ہو سکتا ہے حالانکہ اپنی محبوب چیز کو
خدا کی راہ میں اس نے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔

روزے کے فرض ہونے کی حکمت اور اُس کے فوائد اور یہ کہ خدا نے مُسلمانوں کو اُس کے متحمّل ہونے کی کیسی کچھ قوّت دی ہے ۱۲

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے مسلمانوں پر سال بھر میں ایک ماہ کے
روزے بھی فرض کئے ہیں اور روزہ کے معنی یہ ہیں کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت
کے ساتھ صحبت کرنے سے بالکل احتراز کیا جائے اور اُس میں بے شمار فائدے
پائے جاتے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ روزہ دار کا نفس اپنے خالق کی اطاعت میں
نفسانی خواہشوں سے روکے جانے کی وجہ سے نہایت ہی مہذب بن جائے گا اور
اُس پر عقل کو پورا تسلط ہو جائے گا۔ اگرچہ پہلے عقل کو نفس کی اطاعت کرنا پڑتی تھی
اور جب اُسے معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے سامنے میری کچھ نہ چلے گی اور اب مجھے اسی
کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا تو اُسے ان چیزوں کے ارتکاب کرنے میں جو نقصان رساں
ہونے کی وجہ سے شریعت میں حرام کر دی گئی ہیں عقل کی اطاعت کرنے سے مایوسی

ہو جائے گی اور گویا کہ نفس یہ کہنے لگے گا کہ جب روزے کی حالت میں اشیاءِ خورد و نوش کے کھانے و پینے کے بارے میں جو کہ روزہ دار ہی کی ملک تھیں اور اپنی عورت سے صحبت کرنے کے معاملے میں جس سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ بھی نہ تھا عقل پر میرا کچھ زور نہ چل سکا تو اس وقت میرا قابو کیونکر چلے گا کہ جب میں بلا اس کی مرضی کے کسی دوسرے کی چیز کے خورد و نوش کرنے کا ارادہ کروں حالانکہ یہ نہایت ہی قبیح امر ہے اسی طرح مجھے نشہ کے استعمال کرانے پر کیونکر قدرت حاصل ہو سکتی ہے جس سے کہ عقل جاتی رہتی ہے اور آدمی کی شرافت میں خلل پڑتا ہے یا دوسرے کی عورت کے ساتھ صحبت کرانے کے لئے مجھے بہکانا کیونکر ممکن ہوگا جب کہ اس میں طرح طرح کے ضرر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً باہم عداوت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لوگوں کے نسب بے پتہ ہو جاتے ہیں بچہ جُدا ضائع ہوتا ہے اور جن کو کسی قسم کا استحقاق نہیں وہ مستحق ٹھہرائے جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم مسلمانوں کی اس وقت کی حالت کو غور کریں جب کہ ماہِ رمضان میں وہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مل جُل کر بیٹھتے ہیں اور اُن کے سامنے خورد و نوش کی چیزیں چُنی ہوتی ہیں اُن کا دل اُن کی طرف کھچا جاتا ہے اُن کی مُشتاق نظریں اُن نفیس چیزوں پر پڑتی ہیں اور پھر اُن میں سے کسی کا ہزار جی للچائے کہ کھانے کا ایک دانہ کھا لے یا پانی کا ایک قطرہ پی لے لیکن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے کسی کی خصوصاً پرہیزگاروں کی ہرگز جرأت نہ ہوگی اور غروب آفتاب کا سب کے سب انتظار کرتے رہیں گے تو اس وقت ہم کو ضرور اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ مسلمانوں کو اپنے مولیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے روکنے پر پورا قابو حاصل ہے۔

روزہ کے نہ رکھنے والوں کی تہدید اور روزہ کے فوائد

اس موقع سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جو شخص اپنی بدبختی یا خواہشِ نفسانی کے پھندے میں پھنس کر روزہ نہیں رکھتا وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اپنے کو صاحبِ ہمت یا عقلمند کہہ سکے بلکہ اُسے اپنا نام کم ہمت شکم پرور۔ کم فہم اور اپنی خواہشِ نفسانی کا

بندہ رکھنا چاہیئے اُس سے تو روزہ دار عورت کی عقل و ہمت کہیں بڑھ چڑھ کر معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس قدر زکاوت اِس عورت کو حاصل ہے ایسے آدمی کے پاس اُس کا کہیں پتہ بھی نہیں لگتا۔ روزہ کے فوائد میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو جب بھوک کی تکلیف اُٹھانا پڑے گی اُس وقت بے چارے محتاج کی دردناک حالت کو خوب سمجھ سکے گا اور اس کا دل اس پر کڑھے گا اور خیر خیرات کرنے پر مائل ہو جائے گا۔ کیونکہ دولت مند خوش حال شخص کو اگر روزہ کی تکلیف نہ برداشت کرنی پڑتی تو ساری عمر گزرنے پر بھی اُسے بھوک کی تکلیف کا حال نہ معلوم ہوتا۔ پھر جب کوئی بھوکا فقیر اُس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا اور گرسنگی کی تکلیف کی شکایت کر کے کچھ طلب کرتا تو چونکہ اُسے گرسنگی کی قدر معلوم ہی نہیں ہے بھلا اُس پر اُسے کیا رحم آتا۔ اب روزہ رکھنے کی وجہ سے جب گرسنہ رہنے کی قدر و عافیت اُسے معلوم ہو جائے گی تو یتیموں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کرے گا۔

حج کے فرض ہونے کی حکمت اور اس کے فائدے

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے اپنی پیروی کرنے والوں میں سے جنہیں مقدرت ہے اُن پر عبادتِ حج کو بھی فرض کیا ہے اور وہ کعبہ شریف اور اُن مقامات کی جو اُس کے قرب و جوار میں واقع ہیں خاص اقوال و افعال کی رعایت کے ساتھ زیارت کرنے کا نام ہے اور اس میں جو راز اور حکمتیں پائی جاتی ہیں عرب و عجم کے سارے عقلاء بھی اس پر حاوی ہونے سے بالکل عاجز ہیں۔ مثلاً یہی دیکھیئے کہ ہر سال اُن مقامات میں ہزاروں ہی مسلمانوں کا حج کے حیلہ سے مجمع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُن میں باہم تعارف ہو جاتا ہے۔ اُلفت بڑھتی ہے۔ تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ پھر ایک دو ملک کے لوگ نہیں بلکہ عرب، ترکستان، فارس، ہند، داغستان، افغانستان، ملک مغرب، بربر، سوڈان اور جاوہ وغیرہ تمام ممالک کے باشندے نظر آتے ہیں اور ان سب کا ایک دین اور ایک ہی مقصد یعنی اپنے بڑے

رحیم و کریم مولیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہوتا ہے ۔

جو افعال ان کو وہاں کرنا پڑتے ہیں ان کی بتہیری حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان متبرک مقاموں میں جو کچھ کہ اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں اور باعظمت رسولوں پر زمانۂ سابق میں گزرا ہے ان افعال کی وجہ سے یاد آجائے جیسے کہ ابوالبشر آدم اور اُن کی زوجہ حوا علیہما السّلام کا واقعہ کہ اُن کو جنت سے زمین پر اُتار دینے کے بعد اُن کے دل میں خدا تعالےٰ نے یہ بات ڈال دی کہ اس سے التجا کریں۔ یہاں تک کہ خدا تعہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی اور اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ اور اُن کے بیٹے اسماعیل علیہما السّلام کا قصہ یا سیدہ حاجرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا واقعہ ان سب کے یاد آنے سے اس بات کا دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ٹھکانہ ہے وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں کیسے سرگرم تھے اور جب اُن کی آزمائش کی گئی تو کیسے ثابت قدم نکلے۔ اللہ تعالےٰ کی خوشنودی سے سرِ مو تجاوز نہیں ہونے پایا اور سب کو جانے دیجئے سیدنا ابراہیم ؑ ہی کے ماجرے کو خیال کیجئے کیسی جانچ کا وقت تھا جب کہ خدا تعالےٰ نے ان کو لختِ جگر یعنی پیارے بیٹے اسمٰعیل علیہ السّلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس شفیق باپ نے خداوند کریم کی اطاعت کے سامنے کچھ پرواہ نہ کی اور اس پر آمادہ ہو گیا اور اسی طرح اُس ہونہار لڑکے نے بھی خداوندی حکم کی تعمیل سے ذرا عذر نہ کیا اور اپنی جان دینے اور قبر میں سو رہنے کے لئے مستعد ہو گیا اور جب شیطان نے وادیٔ منیٰ میں وسوسہ ڈالنا چاہا تو اُسے دفع کر دیا اور اپنا سا مُنہ لے کر ناکام رہ گیا۔ پھر خدا نے فدیہ بھیج کر باپ بیٹے دونوں پر احسان کیا اور اُن کے غم کو دُور کر کے ان کو خوشخبری سنا دی ۔ اسی طرح ان کاملین کے اور بتہیرے پسندیدہ افعال اور خداوند کریم کے احسانات جو اُن پر ہوئے ہیں یاد آتے ہیں اور جب اُن مقامات میں ان نیک بندوں کے کام یاد کر کے ان کی پیروی کی جاتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ دیکھیں ان کے بقیہ افعال اور عبادتیں، عمدہ خصلتیں کیسی تھیں اور وہ اپنے مولیٰ کی کیونکر اطاعت کرتے تھے اس سے اُن کی اقتداء کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اُن کے پسندیدہ خصائل اختیار کرنے

کی طرف جی مائل ہو جاتا ہے۔ اور دل چاہتا ہے کہ ان کی اس بات پر تعریف کی جائے اُن کے لئے دُعا مانگی جائے کہ وہ کیسے کیسے عمدہ افعال جاری کر گئے ہیں۔ کیسی کیسی نیک باتیں سکھا گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا کے سامنے توبہ کرنا چاہیئے۔ اُس کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ انسان کو مناسب ہے کہ اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ موصوف ہو۔ صبر اختیار کرے تسلیم و رضا سے کام لے۔ خدا کے سامنے ادب کی رعایت رکھے وغیرہ وغیرہ۔

اس بات کا بیان کہ اعمالِ حج کے مقرر کرنے میں انسانی خیالات و عادات کی (جن کو وہ اپنے دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ برتا کرتے ہیں) بہت رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور احرام، طواف، سعی وغیرہ کی حکمتیں

علاوہ ان فوائد مذکورہ کے اعمالِ حج کے مقرر کرنے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے وہ بھی نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ اس میں خداوندی عظمت و تقدس سے تنزل کر کے انسانی عقول و خیالات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اُن امور کی رعایت کی گئی ہے جن کے ساتھ لوگ مانوس پائے جاتے ہیں اور جن کو کہ اُس وقت برتا کرتے ہیں جب کہ وہ اپنے حاکموں یا بادشاہوں کے حضور میں کسی ظالم یا ایذا پہنچانے والے کے فریادی بن کر حاضر ہوتے ہیں یا جب اُن کی درگاہ میں اُن کے احسان و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے درخواست کیا کرتے ہیں۔ چونکہ اعمالِ حج جن پر کہ خداوند تعالےٰ نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے، انسانی خیالات و عادات کے موافق ہیں اس لئے حاجیوں کے جی کو اُن کے ادا کرنے کے وقت اس بات کا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ نافرمانیوں اور گناہوں کے ظالم لشکر کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ اُن کی ضرور مدد کرے گا اُن کی فریاد سُنی جائے گی اور وہ ان کی مراد پوری کر کے ان سے احسان کے ساتھ پیش آئے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ لوگ اس بات کے عادی ہو رہے ہیں کہ جب کبھی کوئی دشمن اُن پر چڑھ آتا ہے اور وہ اس کے مقابلے سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں یا گردش زمانہ کے بیچ میں آ کر قحط یا خشک سالی میں مُبتلا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُنہیں طلب

معاش کی فکر میں گرفتار ہونا پڑتا ہے تو اُس وقت بادشاہ کے حضور میں اُن کے محلوں پر حاضر ہونے کا قصد کرتے ہیں اور اپنی اپنی مصیبت کے موافق سب کے سب پراگندہ بال اپنے خاک آلودہ چہرے لئے ہوئے ننگے بدن برہنہ پا استغاثہ کی غرض سے فریاد کرتے ہُوئے اُس کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہیں اور راستہ میں جو جو چیزیں ملتی جاتی ہیں کہ جن کے ساتھ بادشاہوں کو کچھ بھی علاقہ ہو خدم وحشم کے علاوہ حیوانات و نباتات تک کی بھی تعظیم وتکریم کرتے جاتے ہیں اور قصور شاہی کے قریب پہنچ کر اُن کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں اور اُن کے دروازوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کو اس بات کی اجازت مل جاتی ہے کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں اور اس کے سامنے مؤدب کھڑے ہو کر استغاثہ دائر کریں اس کی تعریف کریں اپنی حاجت روائی کے لئے قوی سے قوی ذریعہ اختیار کریں اور اُن کے اور اُن کے بزرگوں کے اعلیٰ و ادنیٰ پر جو جو بادشاہ کے احسانات، رعائتیں اور مہربانیاں سابق زمانہ میں ہوتی رہی ہیں ان کی یاد دلائیں۔

اس کے بعد جب بادشاہ انہیں اپنے ہاتھ پر بوسہ دے دینے کی اجازت دے دیتا ہے تو اپنی عین کامیابی وسعادت تصوّر کر کے نہایت رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اُس کے ہاتھ پر نہایت ادب وتعظیم سے بوسہ دیتے ہیں، پھر بادشاہ اُن کی درخواست قبول کرنے اور اُن کی مصیبت دُور کرنے کا اُن سے وعدہ کرتا ہے اور اس غرض سے کہ وہ خیر خواہ سلطنت کے بنے رہیں اور اُن کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ اُس کے ہمیشہ کے نمک خوار ہیں اور اس بات سے کہ اپنی رعایا کے ساتھ احسان کر کے مدد کرنا بادشاہ کی عادت میں داخل ہے اُن کے دلوں کو پورا پورا اطمینان ہو جائے وہ بھی اُن قدیمی احسانات و رعایتوں کو انہیں یاد دلاتا ہے جو کہ اُن کے آباؤ اجداد پر وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں جب کبھی کہ وہ اُس کی جناب میں بغرض استغاثہ حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں تو برابر اُن کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا گیا۔

چنانچہ اس وقت ان لوگوں کو بھی اپنی خدمتوں کے بجالانے کا وہ حکم کرتا ہے جن کی بجا آوری اُن کے آباؤ اجداد کرتے رہے تھے تاکہ سلطنت کے لئے اُن کی خیر خواہی

اور بڑھ جائے اور یہ پورے پورے مطیع بنے رہیں۔ کیونکہ لوگوں میں اپنے بزرگوں کے اخلاق حاصل کرنے اور انہی کے طریقہ کے اختیار کرنے کا فطری میلان پایا جاتا ہے پھر جب وہ تمام خدمات کی بجا آوری سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ مزید عنایت کرکے انہیں اپنا مہمان بناتا ہے بہت کچھ انعام دیتا ہے اُن کی پراگندگی دُور کر دیتا ہے ان کو خلعت بخشتا ہے اور وہ اُس کے باب عالی پر اس امید سے ایستادہ ہو جاتے ہیں کہ اُس نے اُن کی فریادرسی کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اُسے پُورا کرے۔

چنانچہ پھر شاہی حکم صادر ہونے لگتے ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں بادشاہ اُن کو مدد دیتا ہے اُن کی تکلیف دفع کرتا ہے۔ جب اُن کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کامیاب ہو لیتے ہیں تو انہیں اُن کے وطن واپس جانے کی اجازت مل جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دوست واحباب سے جا ملیں۔ اب رخصت ہونے کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ قصر شاہی پر حاضر ہو کر اپنے منصب کے موافق اس کی ثنا و توصیف میں مصروف ہوتے ہیں، نہایت ہی تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں۔ اُس کے مکرم ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں، غم فراق کی وجہ سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں آخر کار با دلِ دردناک مفارقت اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کا نام بَیتُ اللہ اور حجرِ اسود کا نام یمینُ اللہ رکھے جانے کی حکمت اور نیز محظوراتِ احرام اور تقبیل حجر کی حکمت ۱۲

پس اللہ تعالےٰ نے بھی انسانی عقلوں کی رعایت کرکے ایک قطعۂ زمین کو خاص کر دیا اور حسب امر کے کہ وہ دنیاوی بادشاہوں سے فریاد کرنے کے وقت عادی ہو رہے تھے اُس کا لحاظ کرکے اُسی قطعہ کو فضیلت عنایت کر دی اور اس کا نام بَیتُ اللہ یعنی اپنا گھر رکھ دیا جو کہ کعبہ شریف کے لقب سے مشہور ہے اگرچہ خدا مکان سے بالکل پاک ہے اُسے گھر وغیرہ کی مطلق حاجت نہیں۔ اسی طرح حجر اسود کا جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہُوا ہے

اپنا دستِ راست نام رکھ دیا۔ اگرچہ اُس کے دونوں ہاتھ ہمارے ایسے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتے۔ خدا ہی جانے وہ کیسے ہوں گے اور نہ ان میں راست وچپ کا امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر اُن کی نسبت دست کا اطلاق کیا جائے تو تعظیماً دستِ راست ہی کا ہونا چاہیئے۔ پھر چونکہ پیروانِ اسلام کی نسبت بھی یہ بات ضرور ہُوا کرتی ہے کہ گناہوں کا لشکر اُن پر چڑھائی کرتا ہے خطا اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کا انہیں مقابلہ کرنا ہوتا ہے اُنہیں خدا تعالیٰ کے احسانات کی ضرورت پڑتی ہے۔

اس لئے جو لوگ اُن میں سے صاحبِ مقدور ہیں اُن پر یہ امر ضروری کر دیا گیا ہے کہ اُسی مکان پر فریادیوں کی سی صورت بنائے ہُوئے حاضر ہوں اُن کے بال پراگندہ نظر آتے ہوں سر کُھلا ہو جسم خاک آلود ہو۔ نہ بدن پر کوئی سِلا ہُوا کپڑا ہو نہ خوشبو مہکتی ہو سارے عیش و آرام کے سامان برطرف کر دیئے ہوں اور اپنی نافرمانیوں اور خطاؤں کے فریادی بنے ہُوئے اپنی مرادوں کے بر آنے کی اُمید میں اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے جا کھڑے ہوں اس خانۂ خدا کی سرحد میں پہنچ کر کسی چیز کی بے حرمتی نہ کریں۔ تمام اشیاء کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ نہ وہاں کی گھاس کاٹیں نہ کوئی درخت قطع کریں اور نہ کسی چرند و پرند کے شکار کی جرأت کریں۔ آخر کو جب اس معظم و مکرم مکان پر پہنچ جائیں تو جس طرح کہ فریادی بادشاہی محلوں کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس کے گرد پھریں اور اس کے پردے پکڑ کر پناہ طلب کریں۔ پھر اس بابرکت پتھر کو جس کا کہ نام بہ مصلحت خدا کا "دستِ راست" رکھ دیا گیا ہے بوسہ دیں اور یہی سمجھیں کہ وہ ایک پتھر ہے نہ اس میں کسی قسم کے نفع رسانی کی قدرت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ نفع و ضرر جو کچھ ہے خدائے ذوالجلال ہی کے ہاتھ میں ہے وہی نفع و ضرر کا مالک ہے (چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُس کو بوسہ دیتے وقت صاف صاف کہہ ہی دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مُجھے خوب معلوم ہے کہ تُو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کچھ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اور مقصود آپ کا یہ تھا کہ لوگ اپنے خیالات خراب

کرنے سے محفوظ رہیں اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ شریعت محمدیہ کی اُس کی نسبت واقعی تعلیم کیا ہے اور لوگوں کو اس کی نسبت کیسا اعتقاد رکھنا چاہیئے ۔) اس کے بعد وہ مختلف اعمال کی بجا آوری کے لئے متوجہ ہوتے ہیں جن کے اس موقع پر ادا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر بزرگوں کے کاموں کو یاد کریں جیسے کہ آدمؑ اور ان کی زوجہ حوّا یا سیدنا ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہم السلام کے ماجرے ۔

چنانچہ وہ اعمال یہ ہیں کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا ، عرفات میں ٹھہرنا ، اُس کے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا ، پھر منیٰ میں اُترنا ، شیطان کی ناکامی یاد کرنے کی غرض سے اُس مقام کی طرف کنکریاں پھینکنا جہاں کہ ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو اُس نے دھوکہ دینا چاہا تھا اور پھر ناکام رہا ۔ اسی طرح اور اعمال کو سمجھ لیجئے ۔

پس جو شخص کہ ان اعمال کے اس راز سے کہ اُن سے مقصود اُن نیک بندوں کی یاددہانی اور اُن کی پیروی ہے ۔ ناواقف رہا تو اُسے ضرور خلجان ہوگا کہ ان سب کی حکمت کیا ہے اور اُن کے فائدوں کے تجسس میں وہ سرگرداں رہے گا اور جس کی سمجھ میں یہ بات آگئی وہ بے کھٹکے دل کھول کر ان سب کو بجا لائے گا اور اُن کے ثمرات کا نہایت شائق رہے گا ۔ اُس کی بڑی رغبت یہ ہوگی کہ سارے فوائد حاصل کرکے کسی طرح سے کامیاب ہو جاؤں ۔

پس خداوند کریم نے جو حاجیوں پر کعبہ شریف پہنچ کر ان اعمال کا ادا کرنا ضروری ٹھہرایا ہے ۔ اُس کو یوں سمجھئے کہ پہلی مرتبہ کعبہ کا طواف کرنا تو بمنزلہ اس بات کے ہے جیسے بادشاہ اپنی فریادی رعایا کو ان کے آباؤ اجداد کی سی خدمات کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے اور اُس کے سامنے وہ بجالاتے ہیں تاکہ اُن کی اطاعت وخیرخواہی ثابت ہو اور یہ معلوم ہو کہ اُن کی خصلتیں بھی اپنے آباؤ اجداد ہی کے مثل ہیں یہ بھی انہی کی طرح فرمانبردار رہیں گے ۔

بس حاجی لوگ جب مکّہ کے خاص خاص مقامات میں اُن اعمال کو ادا کرتے ہیں تو اپنے پاک طینت نیک نفس بزرگوں کی پیروی کی وجہ سے سارے عالم کی پرورش کرنے والے کی بندگی کا مضمون اُن کے دلوں میں خوب جم جاتا ہے ۔

اعمالِ حج کے تعبدی ہونے کے معنی اور نیز یہ کہ عبودیت خدا ہی کے لئے ہے اور رسول اللہ کی اشرف اوصاف میں عبودیت شمار ہوتی ہے اس کا مطلب[۱۲]

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ اعمال تعبدی یعنی بلا چون وچرا مان لینے کے قابل ہیں تو اس کا مطلب نہیں کہ ان میں حکمتیں اور فائدے نہیں پائے جاتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ بظاہر یہ ایسے ہی افعال ہیں کہ جو ان کو ادا کیا کرتا ہے تو گویا وہ انہیں اپنے مالک کا محض حکم سمجھ کر بجا لاتا ہے اور اُن کی بجا آوری کو اطاعت و فرمانبرداری خیال کرتا ہے اُسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں ؟ وہ اس کی تفتیش کے درپے نہیں ہوتا۔ اگرچہ غور کرنے کے بعد ان کے فوائد مخفی نہیں رہتے۔

علاوہ بریں اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان میں کوئی حکمت نہیں تو اس وقت ان کی بجا آوری سے بندوں کی جانب سے اور بھی خدا تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر ہو گی گویا کہ بندہ اپنی زبان حال سے ان کے بجالاتے وقت یہ کہے گا کہ اے میرے رب! مجھے تو جو کچھ حکم دیتا ہے میں اس کی فرمانبرداری کرتا ہوں۔ گو تیرے حکم کے ثمرات میری سمجھ میں نہ آویں لیکن تب بھی تیری شان عالی اور سلطنت عظیم کی تعظیم کی غرض سے میں بجا لاتا ہوں اور بندہ کی شان ہونا بھی یہی چاہیئے کہ جو کچھ اُس کا مالک حکم دے بلا چون وچرا اُسے مان لے اُسے کیا منصب ہے کہ حکمت اور راز پُوچھنے بیٹھے اور شریعت محمدیہ کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ اُس کی پیروی کرنے والوں کی خدا کے سامنے یہی حالت ہونا چاہیئے اور یہ نہایت عظیم مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس دین کے پیشوا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے اس کو اپنے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں بندہ ہوں اور بندہ ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ آپؐ نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور آپؐ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے حد سے نہ بڑھایا کرو بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ خُدا کا

بندہ اور اُس کا پیغامبر ہے ۔خداوند تعالےٰ نے بھی آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی تعریف کے موقع میں اسی وصف عبودیت ہی کے ساتھ آپؐ کو موصوف کیا ہے ۔چنانچہ خدا تعالےٰ آپؐ ہی کی شان میں ارشاد فرماتا ہے :۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ "یعنی جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا وہ پاک ہے پس عبودیت آپ کے لئے نہایت ہی خوشی اور بڑی خوبی کی بات ٹھہری ۔

وادیٔ منیٰ میں اُترنے احرام کھولنے ایامِ عید کے وہاں گزارنے کی حکمت اور اس بات کا بیان کہ یہ سب کچھ بمنزلہ خداوندی ضیافت کے ہے[۱۲]

پھر حاجی ان خدمات کی بجاآوری کے بعد اپنے مولیٰ کے مہمان بن کر مقامِ منیٰ میں جا اُترتے ہیں ۔اپنی پراگندہ حالی کو دُور کرتے ہیں ۔کپڑے بدلتے ہیں ،خوشبُو لگاتے ہیں ‘ حجامت بنواتے ہیں اور اپنے عیش و آرام کی جو چیزیں چھوڑ رکھی تھیں اور جن سے کہ پرہیز کرتے تھے پھر اُن سب کو مباح سمجھنے لگتے ہیں ۔اپنی مبارک عید کے دنوں کو خورد و نوش میں گزارتے ہیں خوب قربانیاں کرتے ہیں ، یہاں تک کہ گوشت بہا بہا پھرتا ہے لوگوں کے کھائے نہیں چکتا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا وحوش و طیور بھی خوب سیر ہو جاتے ہیں اور یہی خداوندی ضیافت ہے کیونکہ اصل پُوچھئے تو تمام چیزیں خدا تعالےٰ ہی کی مِلک ہیں وہی رزق دینے والا ہے اور لوگوں کے پاس جو کچھ آپ دیکھتے ہیں خدا ہی نے بطور عاریت کے اُنہیں دے رکھا ہے ۔اسی وجہ سے عید کے دن روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اُس دن روزہ رکھنے سے خداوند تعالےٰ کی ضیافت سے ایک قسم کا اعراض پایا جاتا ہے ۔ اب ان تمام اعمال کو پورا کرکے اور خداوندی مہمانی سے فارغ ہو کر وہ اسی باعظمت مکان کا طواف کرتے ہیں گویا کہ اُس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ اُن کے گناہوں اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرے ۔اُن کو مغفرت عنایت کرے اور اپنی نعمتوں سے اُنہیں مالا مال کر دے ۔علاوہ اس کے اپنے وطنوں کے واپس جانے کی

اجازت مانگنے کے قائم مقام بھی یہی طواف ہوتا ہے۔ گو یا اس کے بعد انہیں واپسی کی اجازت مل جاتی ہے اور اس اجازت کو اس بات کی علامت سمجھنا چاہیئے کہ خداوند کریم نے توبہ قبول کر لی وہ نہایت مہربان ہو گیا اور اب وہ ضرور اُن کے ساتھ انعام و اکرام سے پیش آئے گا۔ نافرمانیوں کے شکر کے مقابلہ میں اُنہیں ضرور مدد دے گا۔ چنانچہ ان کے رسول علیہ السلام نے اُن کی خوش خبری اُنہیں سُنا بھی دی ہے پھر وہ اپنے اپنے شہروں کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور اُن کے دلوں میں یہ خیال جاگزین ہوتا ہے کہ ہمیں ہماری مراد مل گئی ہماری ساری کلفتیں دُور ہو گئیں۔ اب وہ اس بیت معظم سے رخصت ہونے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طواف رخصت ادا کرتے ہیں اُن نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں جو اُن متبرک مقامات میں اُن کو نصیب ہوئیں اور جب اُس سے جُدا ہوتے ہیں تو اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ دل ہے کہ صدمۂ فراق سے بے چین ہُوا جاتا ہے وہ ہیں کہ اپنے مولیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لا رہے ہیں۔ اُس کی ہدایت کی طلب میں سرگرم ہیں اُس سے کامیابی کی دُعا مانگ رہے ہیں اور ادب کے مارے پچھلے پیروں لوٹتے چلے آتے ہیں اور اس جدائی کا انہیں یہاں تک غم ہوتا ہے کہ بعضوں کو کتنے ہی دنوں تک نیند نہیں پڑتی۔ پھر جب وہ اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں تو مارے خوشی کے پھُولے نہیں سماتے اُن کے دل ابدی مسرت و شادمانی سے پُر ہوتے ہیں (چنانچہ اس امر کا مزامیر و زبور میں ذکر آیا ہے) اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے ہمیں بخش دیا ہم اُس کی نعمتوں سے مالامال ہو گئے۔ ہمیں گناہوں کے حملہ آوروں سے نجات ملی۔

اگر حج کے جملہ اعمال کی ایک ایک کر کے ہم حکمت بیان کرنا شروع کریں تو بڑی ضخیم جلدیں لکھی جاسکتی ہیں کہ پڑھنے والے بھی اُکتا جائیں اور اُن کے مطالعہ کے لئے وقت بھی مشکل سے مل سکے۔ پس جو کچھ بیان ہُوا ہے اُسے یوں سمجھیے کہ بطور مشتے نمونہ از خروارے سارے دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ خدائے ذوالجلال ہی میں طاقت ہے کہ وہ راہِ راست دکھلا سکتا ہے

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے پیروانِ اسلام پر یہ بات ضروری کر دی

ہے کہ جب اُنہیں موقع ملے تو وہ اُن لوگوں سے مقابلہ کریں جو دین میں اُن سے مخالفت کرتے ہیں اور اُن کی ایذارسانی سے سمجھانے سے بھی باز نہیں آتے تاکہ وہ لوگ یا تو دین اسلام قبول کرلیں یا اُن کے مقابلہ میں سر اُٹھانا چھوڑ دیں اور اس مقابلہ کے نام اُس نے جہاد رکھا ہے اور اس میں سراسر انصاف کا لحاظ رکھا ہے۔ جیسا کہ کُتب سابقہ میں حضرت محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے انصاف کے ساتھ لڑیں گے۔ چنانچہ شریعت نے سخت ممانعت کر دی کہ کوئی لڑکے۔ عورت۔ پیر فرتوت کو قتل نہ کرے اور نہ اس شخص کو مارے کہ جو بقصد عبادت تعلقاتِ دنیا کو قطع کئے ہوئے ہے۔ ہاں جب کوئی ان میں سے لڑائی میں شریک ہو کر مقاتلہ کرے یا کسی کی جانب سے تدبیریں بتلانے کا اندیشہ ہو وہ بے شک واجب القتل ہے اور مقصود جہاد سے یہ ہے کہ خداوند کریم کے دین کی اشاعت ہو اور جو لوگ کہ اُس کے مخالف ہوں اُن کی رہنمائی کر دی جائے۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ لوگ بھی اور مسلمانوں کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کے حقوق و حالات کی مثل تمام مسلمانوں کے رعایت کی جاتی ہے۔ اس بارے میں عربی و عجمی ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ سب کے سب باہم بھائی شمار ہوتے ہیں ایک دوسرے کے معاون سمجھے جاتے ہیں ہر ہر مسلمان اپنے اور محمدی بھائیوں کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جیسے کہ ایک جسم کے اعضاء میں باہم علاقہ ہوتا ہے جہاں ایک عضو کو ایذا پہنچی اور تمام بدن بے چین ہو گیا۔ سب ایک ہی اصول کے پابند ہوتے ہیں سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ خدا کی وحدانیت اور صرف اُسی یکتا خدا کا سزا اور عبادت ماننا ہے۔ تمام مسلمان اُسی کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ جب کسی طرح نہ اپنی خوشی سے اور نہ کچھ خوف کر کے مخالفینِ اسلام ہدایت قبول ہی نہیں کرتے تو اُس وقت اُن سے مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سر اُٹھانا چھوڑ دیں مسلمانوں سے درپے عداوت نہ ہوں ان کی ایذارسانی سے باز رہیں مسلمان اُن کی ضرر رسانی سے محفوظ رہ کر نفع حاصل کر سکیں۔ یہاں تک کہ آخر کار مسلمان اُن کو

ذمی بنا لیتے ہیں یعنی اُن سے صُلح کر کے اُن کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں کہ ہم بیشک تمہاری جان و مال اور آبرو کی پوری پوری محافظت کریں گے جو قانون کہ مسلمانوں کے لئے تمام معاملات میں جاری ہے تمہارے لئے بھی وہی قانون رہے گا۔ ہم تمہارے دین سے تعرض نہیں کرتے تم اپنے دین کے پابند رہنے کے مختار ہو اور یہ کہ کراُن کا معاملہ آخرت پر خدا کے حوالے کرتے ہیں اور انہیں مجبور نہیں کرتے۔

پس اگر اسلامی جہاد کا پہلی شریعتوں کے جہاد سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اس میں طرح طرح کی آسانیاں پائی جاتی ہیں کہ جو پہلے نہ تھیں چنانچہ شریعت محمدیہ یہ ہرگز حکم نہیں دیتی کہ تمام دشمنوں کا پورے طور سے قلع و قمع کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ ننھے ننھے بچے بھی مار ڈالے جائیں جیسا کہ پہلی شریعتوں میں حکم تھا جو شخص کہ اس دین کے ساتھ پہلے شریعتوں کے جہاد کے احکام سے بھی واقف ہو گا اُسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ اُن میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اُسے اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ شریعتِ محمدیہ کے جہاد میں انتہا درجے کا عدل و انصاف مدنظر رکھا گیا ہے۔

حق داروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو قوانین شریعت میں ہیں اُن پر اِس فرقے کا مطلع ہو کر اُن کو اعلیٰ درجے کا پانا

اسی طرح اس فرقہ نے شریعتِ محمدیہ کی ساری عبادتوں میں غور کیا تو انہیں یہ معلوم ہُوا کہ اسی کے اعمال میں جیسے کہ چاہیئے پورے طور پر اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ ان میں خالق کی اچھی طرح سے تعظیم پائی جائے اور مخلوق پر سراسر مہربانی ہو اور نیز اس فرقہ نے یہ دیکھا کہ ان سب اعمال کا نفع اس عبادت کرنے والے ہی کو ملتا ہے خداوند کریم کو مخلوق کی اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اس لئے کہ اسے ضرورت ہی کیا ہے خدا تو تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔

پھر اس گروہ نے شریعت کے ان قوانین میں غور کیا جو اُس نے اس غرض سے مقرر کیے ہیں کہ حق داروں کا حق نہ مارا جائے اُس کی پوری حفاظت ہو۔ رعایا میں سے خواہ مسلمان ہوں یا غیر قوم کے لوگ کسی پر کوئی بدمعاش ظلم نہ کرنے پائے کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ چنانچہ ان قوانین کو بھی انہوں نے اعلیٰ درجہ کا پایا۔

قوانین ازدواج اور اس کا ایک دوسرے سے بُرا ہونا اور بہت سے معانی فساد وغیرہ کرنے سے طلاق کا جائز ہونا وغیرہ

اسی طرح اس فرقہ نے دیکھا کہ اس شریعت نے ازدواج کے احکام بھی نہایت ہی باقاعدہ مقرر کر دیئے ہیں چنانچہ اُس نے زوجہ وشوہر دونوں کے لئے کچھ اتفاق کی حالت میں حقوق قرار دیئے ہیں اور کچھ اس وقت جب کہ وہ علیحدگی اختیار کرنا چاہیں اور اُس نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ایک دوسرے سے تعلق قطع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں تاکہ ہر ایک نقصان سے محفوظ رہے کیونکہ اگر ان کو اس کی اجازت نہ دی جاتی اور پھر اُن میں کسی وجہ سے آپس میں نفرت پیدا ہو جاتی جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زن وشوہر میں مختلف اسباب سے ناراضگی ہو جایا کرتی ہے تو اُس وقت یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ طرح طرح کے فساد پھیلتے جب خواہشِ نفسانی کا کسی پر غلبہ ہوتا تو باہم نفرت کی وجہ سے ضرور کسی دوسرے کے ذریعہ سے ناجائز طریق پر وہ خواہش پوری کی جاتی۔ بے عزت بننا پڑتا علاوہ اس کے جب عورت بانجھ ہوتی اور مرد میں بچہ پیدا کرانے کی قابلیت پائی جاتی یا بالعکس قصہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک شخص کو ناحق اولاد سے محروم رکھنا لازم آتا اس لئے ان کو قطع تعلق کی اجازت دینا ہی عقل کے موافق ٹھہرا۔

پھر اُس نے طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا ہے کیونکہ بخلاف عورتوں کے مَردوں میں علی العموم استقلال اور عالی حوصلگی پائی جاتی ہے وہ زیادہ طرح دے سکتے ہیں اور

عورتیں نہایت ہاہی نزود رنج ہُوا کرتی ہیں اور اس کا پتہ اس وقت لگ سکتا ہے جبکہ دونوں کی خصلتوں میں باہم مقابلہ کیا جائے ماسوا اس کے چونکہ عورت کا خرچ وغیرہ مرد ہی کے ذمہ ہے تو وہ جب تک مجبور نہ ہو جائے گا اُس وقت تک اُس کو چھوڑ کر کبھی اپنا نقصان گوارا نہ کرے گا اور اگر کوئی نادان اتفاق سے اس کے خلاف نکل بھی آئے تو اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ سارا خرچ بخلاف عورت کے مرد ہی کے ذمہ شریعت نے اس لئے مقرر کیا ہے کہ مرد فطرتی طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی ساخت میں قوی ہونے کی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اس میں درپیش ہوں گی وہ بخوبی برداشت کر سکتا ہے۔ ہاں عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی دیکھ بھال کرے۔ بچوں کی غور و پرداخت میں مشغول ہو۔ جیسا کہ مرد بیرونی مصلحتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس طرح پر عورت جو کہ مرغوب طبع اور مردوں کی منظور نظر ہے گھر سے باہر نکلنے پر بھی مجبور نہ ہو گی اور فتنوں سے محفوظ رہے گی۔

عورتوں کے پردہ میں رہنے کی حکمت اور یہ کہ پردہ اُن کے حق میں ظلم نہیں بلکہ بدمعاشوں سے اُن کی حفاظت کا ذریعہ ہے

اسی لئے فتنہ اور اسباب حرام کاری کے انسداد کی غرض سے جو کہ شرعاً اور عقلاً دونوں اعتبار سے قبیح ہے شریعت نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عورتوں کے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں سے ہے اور اُن کے لئے بڑے افتخار کا باعث ہے جس قدر کہ اس وصف میں وہ کامل ہوں اتنا ہی زیادہ فخر کر سکتی ہیں۔ پس جس طرح کہ کسی نفیس شئے کو لوگوں کی نظروں سے بچایا کرتے ہیں اور کسی کو نہیں دکھلاتے اور سات پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں اسی طرح پردہ سے بھی مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت کی جائے اُنہیں ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ جیسا بعض نادان خیال کیا کرتے ہیں کہ عورت کے ساتھ بدگمانی کرنے کی وجہ سے پردہ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو عورتوں کو

یہ حکم دیا جاتا کہ وہ مردوں کے دیکھنے سے اپنی نظروں کو ہر وقت بچایا کریں اور مردوں کو حکم ہوتا کہ وہ عورتوں سے پردہ کیا کریں اور یہ خیال کرنا بھی بے جا ہے جیسا کہ بعض کم فہم خیال کرتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا انہیں قید کرنے کی مثل ہے۔ ان پر بڑی تنگی کی جاتی ہے جس سے کہ اُن کی آزادی میں خلل پڑتا ہے اور وہ بالکل نیست و نابود ہوئی جاتی ہیں کیونکہ مسلمان عورت تو بچپن ہی سے پردہ میں رہا کرتی ہیں۔ پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنے پیدائش ہی کے زمانہ سے وہ پردے کے ساتھ مالوف ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو یہاں تک پردے کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اُس سے اُنس اور محبت کرنے لگتی ہے۔ اُس کو بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور طبعی عادات کو حتیٰ کہ جو عورتیں اس میں ذرا کوتاہی کرتی ہیں انہیں شرم دلانے پر آمادہ ہو جاتی ہے اُن کو بے شرم بیباک قرار دیتی ہے اس کو ان کا ہلکا پن خیال کرتی ہے۔ علاوہ بریں یہ سمجھ کر کہ پردہ خدا تعالےٰ کا حکم ہے اُسے خوشی سے قبول کر کے خداوند کریم کے عطا اور ثواب کی امیدوار بن جاتی ہے۔ پس جب یہ حالت ہو تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ نے عورت کو مظلوم و قیدی بنا رکھا ہے ظلم تو جب ہوتا کہ اُسے وہ اپنی خوشی سے نہ اختیار کرتی۔ شریعت کے موافق پردہ کرنے میں ظلم کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔

عورتوں کی بے پردگی اور اُن کے اجنبی مردوں سے میل جول کرنے کی خرابیاں

حق تو یہ ہے کہ اس شریعت میں عورت کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ بدکاروں اور بدمعاشوں کی نظروں سے خوب بچایا جاتا ہے اور یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ نادانوں کو عورت کی نسبت جس کے بارہ میں بڑی غیرت سے کام لیا جاتا ہے زبان درازی کا موقع نہ ملے۔ علاوہ بریں عورتوں میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں پوری پوری پارسائی نہیں پائی جاتی اُن کی عادتیں اچھی نہیں ہوا کرتیں، تو ایسی حالت میں پردہ کرنے سے عورت کی نسبت کسی قسم کی خیانت کا مشکل سے خیال ہو سکتا ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے

خاوند کو بچہ کے نسب کے بارے میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ پس جو اولاد اُس کے بطن سے پیدا ہو گی وہ نہایت اطمینان کے ساتھ یقین کر لے گا کہ میرے ہی نطفہ سے ہے۔ اس وقت شیطان کو اُس کے دل میں عورت کی نسبت وسوسہ ڈالنے کی گنجائش نہ رہے گی بخلاف اُس صورت کے جب کہ عورت بے پردہ ہو کر باہر نکلتی ہو اور غیر مردوں سے میل جول رکھتی ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے اگر عورت کو کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً یہ کہ اسے دینی احکام سیکھنا ہیں اور اُس کا خاوند یا اور عزیز و قریب اُس کو نہیں بتلا سکتا یا اپنے بھائی بندوں سے اُسے ملنا ہے تو ایسی حالت میں شریعت نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہے لیکن وہی پردہ کے ساتھ تاکہ بدکاروں کی نظر سے محفوظ رہے اور شہوت پرستوں کے ہیجان کا باعث نہ ہو جس میں کہ اُس کی پارسائی اور آبرو پر حرف نہ آنے پائے۔ اگر تعصب کو چھوڑ کر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو وہ یہی حکم دے گی کہ بے شک عورت کے لئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام میں سے ہے۔ زن و شوہر دونوں کا اس میں فائدہ ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس کا نفع تمام لوگوں کو پہنچتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے شہروں سے فساد دور رہتا ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جن شہروں میں عورتیں پردے میں رہتی ہیں وہاں کے اہالیان پولیس کو حرام کاری کے لئے خاص خاص مقامات نہیں مقرر کرنا پڑتے جہاں کہ بدکار لوگ ناجائز طور پر اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے جمع ہُوا کریں۔ کیونکہ وہاں کے بیباک لوگوں کی خواہش نفسانی میں بھی عورتوں کے نہ دیکھنے سے چنداں جوش نہیں پیدا ہوتا جس کی وجہ سے باآبرو لوگ اپنی عورتوں کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہتے ہیں بخلاف ان شہروں کے جہاں کہ عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں ہے اور وہ بے حجاب پھرتی ہیں۔ ظاہر ہے وہاں کی میونسپلٹی کو حرام کاری کے لئے خاص خاص مقامات متعین کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ بدکاروں کو اُن سے نہیں روک سکتی۔ خدا کی پناہ! اس فعل شنیع کی یہاں تک کثرت پائی جاتی ہے کہ وہاں کے بچوں کی تعداد پورا کرنے میں قریب قریب نصف کے حرام سے پیدا ہونے والے بچے شامل ہوتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم شریف

عورتوں کی حفاظت کی غرض سے اس نامعقول امر کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ پس اگر اُن بدکاروں سے جن کی شہوتیں کہ عورتوں کو ننگا کھلا دیکھتے دیکھتے ترقی کر چکی ہیں، انہیں خوف نہ ہوتا اور آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی عزت کو نہ ڈرتے ہوتے اور یہ اندیشہ اُن کو نہ لگا ہوتا کہ یہ لوگ عورتوں کے معاملے میں ہماری کچھ چلنے نہ دیں گے تو وہ کبھی ایسے قابلِ نفرت امر کا ارتکاب نہ کرتے۔ نفرین اور شرم ہے ایسوں پر جو کہ ملکی انتظام کے مدعی ہوں اور حیوانی حرکات اختیار کر کے اپنی عورتوں کی حفاظت کریں۔ کاش اگر وہ عورتوں کے پردہ کا انتظام کرتے تو پھر انہیں ایسے قابلِ ملامت فعل کے اختیار کرنے کی ہرگز ضرورت نہ پڑتی۔

اب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہو کر نکلنا نہایت ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اُس سے بڑھ کر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں کم ضرر ہو اُسی کا اختیار کرنا عقلاً و نقلاً بہتر ہُوا کرتا ہے چہ جائیکہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی فائدے ہوں کہ جس کو ہر عاقل مان لے گا۔

قوانین معاملات مثلاً بیع اجارہ وغیرہ کا شریعت محمدیہ میں نہایت عدل کے موافق ہونا جس سے تنازعات کا بہت کچھ انسداد ہو سکتا ہے

پھر اس فرقہ نے جبکہ شریعت محمدیہ کے قوانین معاملات کی طرف توجہ کی اور خرید و فروخت کرایہ، شرکت، قرض وغیرہ کے احکام میں غور کیا اور دیکھا کہ جائداد کی تقسیم اس میں بالکل حکمت کے موافق ہے اُسی شخص کو اس میں ترجیح دی گئی ہے جس کو کہ حاجت زیادہ ہُوا کرتی ہے جس کے ساتھ کہ بہت ہی نزدیک کی قرابت پائی جاتی ہے اور امداد کے موقع پر جس سے کہ مدد پہنچنے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے۔ پس انہیں یہ معلوم ہُوا کہ سارے احکام نہایت ہی کامل انتظام اور بندوبست کی رعایت کر کے مقرر

کئے گئے ہیں جس میں کہ تمام معاملات انصاف کے موافق ہوں اور منازعت نہ ہونے پائے۔

حدود قصاص وغیرہ کی حکمت

پھر اس فرقہ نے حدود اور قصاص اور اُن تعزیرات میں غور کیا جو کہ اس شریعت نے لوگوں کے جان و مال آبرو اور عقل کی حفاظت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ پس اُن سب کو انہوں نے بالکل حکمت کے موافق اور امن و امان کا ذمہ دار پایا۔ بیان اُس کا یہ ہے کہ جو شخص یہ جان لے گا کہ اگر وہ کسی دوسرے کو قتل کرے گا تو وہ بھی قتل کیا جائے گا تو پھر وہ قتل سے ضرور باز رہے گا اس طرح سے کم سے کم دو آدمیوں کی جان بچے گی۔ اسی نکتہ کی وجہ سے قرآن شریف میں وارد ہُوا ہے کہ قصاص[1] لینے میں زندگی حاصل ہوتی ہے۔

حد سرقہ اور اس کی حکمت

علیٰ ہذا القیاس جسے یہ معلوم ہو جائے کہ چوری کرنے سے اُس کا خیانت کرنے والا ہاتھ قطع کر دیا جائے گا تو پھر اُسے چوری کرنے کی جرأت نہ ہو گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دولت مندوں کو اپنے مال کے چوری ہونے کا کھٹکا نہ رہے گا۔ ایک شخص نے کسی کج فہم کے اعتراض کا کیا اچھا جواب دیا ہے جب کہ اُس نے یہ اعتراض کیا کہ عجب تماشے کی بات ہے کہ ہاتھ کی دیت تو پانچ سو اشرفیاں دینا پڑیں اور جب کوئی چوتھائی دینار بھی چُرا لے تو اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور وہ جواب یہ ہے کہ امانت داری ہاتھ سے کہیں بیش قیمت ہے اور خیانت کی ذلت بالکل ارزاں ہے اور اس کی بے قدری کی کچھ پرواہ نہیں ہو سکتی۔ پس اب خداوندی حکمت کو سمجھ جاؤ۔

رجم محصن کی حکمت

چونکہ حرامکاری باوجود بہتیری خرابیوں کے اُس بچہ کے قتل کا سبب ہُوا کرتی ہے

---

[1] ولکم فی القصاص حیٰوۃ الآیۃ

جوکہ حرام سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اُس کا نسب بے پتہ ہوتا ہے اُسے کوئی اپنے کنبہ میں شمار نہیں کرتا تاکہ اس کی مدد کرے اور نہ کوئی اس کا پرورش کرنے والا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکثر مرجایا کرتا ہے اس لئے شریعت نے حرام کاری کرنے والے کی جب کہ وہ اپنی منکوحہ سے متمتع ہوچکا ہے یہ سزا قرار دی ہے کہ پتھروں سے اسے مار ڈالیں تاکہ جیسے کہ شہوت رانی سے سارے بدن کو لذت ملی تھی اُسی طرح اُس کا ہر ہر عضو اُس کی سزا کا مزہ بھی چکھ لے۔

جلد غیر محصن اور اُس کے معذور رہنے کی حکمت

اگر وہ حرام کار ایسا نہ ہو تو اس وقت کسی قدر اُس کو معذور رکھ کر صرف سو کوڑوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے جو کہ اُس کے سارے اعضاء پر لگائے جائیں گے جنہوں نے کہ بے جا شہوت رانی کی لذت اٹھائی تھی ہاں وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جن پر ضرب لگنے سے موت کا اندیشہ ہو یا اُن سے حلیہ بگڑ جاتا ہو اور ان سو کوڑوں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بچہ کہ اس سے پیدا ہو سکتا ہے اور اس نے حرام کاری سے اُسے ضائع کر دیا ممکن تھا کہ سو برس تک زندہ رہتا اور یہ وہ عمر ہے جس کی انسان میں جسمانی ساخت اور آہستہ آہستہ نشو و نما پانے کے لحاظ سے فطرتاً قابلیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اطباء کا یہ قول بھی ہے لیکن چونکہ زندگی بسر کرنے میں مختلف حوادث پیش آتے ہیں اُن کی وجہ سے بسا اوقات موت کے بہت سے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں۔ پس اس مدت سے پہلے ہی کبھی انسان کی اجل آپہنچتی ہے جو اس کے لئے مقرر تھی اور وہ مرجاتا ہے اور کبھی یہی مدت اُس کی اجل ہوا کرتی ہے تو وہ اس عمر کو پہنچ کر مرتا ہے۔

پس جتنے سال تک کہ اس بچہ میں جس کو کہ اُس نے حرام کاری کی وجہ سے ضائع کر دیا زندہ رہنے کی قابلیت ہوسکتی تھی اُن میں سے ہر ہر سال کے مقابل میں ایک ایک کوڑا مقرر کیا گیا۔

حدِ شربِ خمر اور اُس کے اَسّی کوڑے کی حکمت

پھر چونکہ انسان میں سو برس تک زندہ رہنے کی حکمت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ابتدا عمر میں پندرہ برس سے پہلے پہلے اُس کی عقل کا بوجہ ناقص رہنے کے تکالیف شرعیہ میں اکثر اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ اگر اس کی سو برس کی عمر ہو تو اکثر قریب پانچ برس کے اس کی عقل نہایت ہی ضعیف ہو جایا کرتی ہے اس بناء پر جو زمانہ اُس کی عقل کے قوی قابل اعتبار اور کامل رہنے کا ہے صرف اَسّی برس رہ جاتا ہے۔ پس جو شخص کہ عقل ایسی چیز میں جو کہ بعد ایمان کے خدا تعالےٰ کی نہایت ہی عظیم نعمت ہے۔ شراب پی کر خلل اندازی کرے جس سے کہ عقل یا تو بالکل ہی جاتی رہتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے۔ شریعت نے اس کی سزا اَسّی کوڑے مقرّر کی ہے۔

پس گویا کہ جس مدت میں نعمتِ عقل پوری پوری پائی جاتی ہے اُس کے ہر ہر سال کے عوض میں ایک ایک کوڑا قرار دیا ہے اور اس عدد سے شرابی کے لئے یہ اشارہ ہے کہ اے شراب پینے والے اس مدت تک جو نعمت عقل تیرے پاس بخوبی پائی جاتی تو نے شراب پی کر اس میں رخنہ اندازی کی اسی لئے تجھ کو اتنے کوڑوں کی سزا دی گئی۔

حدِ قذف اور اُس کے اَسّی کوڑے ہونے کی حکمت

پھر انسان اپنے بالغ ہونے کی مدت یعنی اکثر پندرہ برس سے پہلے پہلے چونکہ مکلف نہیں ہوتا۔ پس آبرو کے بارے میں اس کی بے عزتی نہیں ہوتی کہ جتنے بالغ آدمی کی اسی طرح اگر وہ اپنی عمر طبعی یعنی سو برس تک زندہ رہے تو آخر کے پانچ سالوں میں چونکہ اس کے شہوت وقویٰ میں انتہا درجے کا ضعف ہو جاتا ہے تو نہایت مشکل سے اُس کی نسبت کسی فحش امر کے ساتھ متہم ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے غالباً اس مدت میں بھی اس کی بے عزتی ہونا بہت ہی مستبعد امر معلوم ہوتا ہے۔ پس وہ زمانہ جس میں کہ اس کی آبرو کی کامل طور پر محافظت کی اکثر ضرورت پڑ سکتی ہے وہ صرف اَسّی برس

ٹھہرتے ہیں۔ پس اس وجہ سے شریعت نے ایسے شخص کی سزا جو کسی دوسرے کو تہمت لگا کر اس کی آبروریزی کرے اسّی کوڑے مقرر کئے ہیں گویا کہ اس عدد سے اس زمانہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس میں کہ آبرو کی پورے طور سے حفاظت کیا کرتے ہیں اور تہمت لگانے والے کو گویا کہ یہ خطاب کیا جاتا ہے کہ تو نے جس کی تہمت لگا کر آبروریزی کی ہے اس کی آبرو کی پوری پوری حفاظت کرنے کی اس مدت تک ضرورت پڑا کرتی تھی اسی لیے تجھے یہ سزا دی گئی۔

شریعتِ محمدیہ شرائع سابقہ کے احکام کی جامع ہے اور اس نے انسان کی ہر حالت کے مناسب آداب و قوانین مقرر کئے ہیں ۱۲

پھر یہ دیکھئے کہ شرائع سابقہ میں سے بعض میں قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم تھا اور بعض میں معاف کر دینے کا شریعتِ محمدیہ نے ان دونوں حکموں کو جمع کر لیا اس لئے اس نے مقتول کے ولی کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر چاہے تو وہ قصاص لے لے یا معاف کر دے اور معافی کو تقویٰ کے قریب ٹھہرا کر اس نے اس کی ترغیب دی ہے (اسی طرح پر آپ اور اکثر احکام کو پائیں گے کہ جو شرائع سابقہ میں جدا جدا پائے جاتے تھے اس شریعت نے انہیں جمع کر دیا اور سب کا خلاصہ نکال لیا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ اسی شریعت پر تمام شریعتوں کا خاتمہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی خوبیوں کو اس میں مجتمع کر لیا۔

انسان کی جملہ حالتوں کے موافق شریعت میں قواعد و آداب مقرر کئے گئے ہیں ۱۲

پھر اس فرقہ نے اس شریعت کے آداب کو دیکھنا شروع کیا تو ان کو ہر باب میں اس کے قواعد و آداب بالکل مکمل نظر آئے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ اس نے کھانے پینے سونے، قضائے حاجت کرنے یہاں تک کہ صحبت کرنے تک کے قواعد مقرر کئے ہیں یہ بتلایا ہے کہ ہم اٹھنے بیٹھنے باتیں کرنے کا کیا طریق ہے سفر اور حضر میں کن امور کی

رعایت کرنا چاہیئے۔ زن و شوہر اور تمام عزیز و اقارب باہم کیا برتاؤ کریں۔ پڑوسیوں اور دوستوں سے کیا معاملہ کرنا مناسب ہے۔ مسلمان مسلمانوں اور غیر قوموں کے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں۔ اسی طرح پر تمام امور کے آداب و قاعدے اس نے مقرر کر دیئے ہیں جن کا کہ شریعت میں غور و فکر کرنے سے پتہ لگ سکتا ہے۔

شریعت کا سیاستِ مدن کے اعلےٰ قواعد پر مشتمل ہونا اور نیز اسکی بحث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا نفع خاص آپؐ کی ذات یا آپ کے کنبہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا نفع عام ہے

پھر اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکی انتظامات کی جانچ شروع کی اور اس بات کی تفتیش کرنے لگے کہ جو کچھ آپ حکم دیتے ہیں اس کا نفع خاص آپ کی ذات اور آپ کی اولاد ہی پر محصور رہتا ہے یا عام لوگوں کو پہنچتا ہے۔ پس باوجود انتہا درجہ کی باریک بینی اور اعلیٰ درجہ کی تلاش کے بھی اُنہیں آپ کا کوئی حکم ایسا نہیں ملا اور نہ آپ کی شریعت میں کوئی امر اس قسم کا نظر آیا جس کا کہ فائدہ خاص آپ کی ذات یا آپ کی اولاد ہی کے ساتھ وابستہ ہونا اور اس کی منفعت عام نہ ہوتی۔

اس فرقہ کیلئے جو مالِ غنیمت میں سے قبل قسمت صفی کے لینے اور اسکے فقرا کو دیدینے کی حکمت ظاہر ہوئی اسکا بیان اور نیز یہ امر کہ آپؐ نے اپنی وفات کے بعد کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا اور نہ کسی کیلئے خلافت کی وصیت کی

اور جو بات بظاہر اس قسم کی معلوم بھی ہوئی تو غور کرنے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حقیقت میں اس کا نفع بھی تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور اس میں عام مصلحت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ مالِ غنیمت میں سے قبل تقسیم کرنیکے آپؐ کچھ لے لیتے تھے جس کو کہ صفی کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ ابتداءً آپؐ اپنے منصبِ ریاست کی عظمت قائم رکھنے کے لئے اپنے نفس کی بظاہر تخصیص کیا کرتے تھے جیسا کہ علی العموم حاکم و محکوم میں اس امر کی رعایت دیکھی جاتی ہے اور اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی عظمت اور شان و شوکت اس کے مطیعین کے دل میں خوب مستحکم ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ملکی انتظام کے مقاصد میں سے اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے۔ آخر کار جو کچھ آپؐ لے لیتے تھے وہ فقیروں کی حاجت براری میں صرف کر ڈالتے تھے۔ پس معلوم ہُوا کہ آپؐ کا بظاہر اپنی تخصیص کرنا

داب ریاست کے موافق اپنی شان وشوکت اور اختیار ظاہر کرنے کی غرض سے ہوتا تھا اور اس لئے کہ دولت منداس کے لینے سے باز رہیں اور وہ مال حاجت مندوں کو پہنچ جائے اور اس خوب صورتی سے کام انجام پائے کہ مالداروں کو حاجت مندوں سے کینہ رکھنے کا بھی موقع نہ ملے اور اُن کی کاربرآری بھی ہو جائے ورنہ شاید فقیروں ہی کو تقسیم کرنے سے دولت منداُن کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہوئے دیکھ کر اُن کے دشمن ہو جاتے اس لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا بلکہ آپ کا تو علی العموم یہ دستور تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس آتا تھا اس میں سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حاجت روائی کی مقدار رکھ کر باقی سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور یہ ایسی بات تھی جس میں شُبہ کی گنجائش نہیں متواتر طور پر یہ ثابت ہے (یہاں تک کہ آپ دنیا سے بھی اسی حال میں رخصت ہو گئے کہ اپنے اہل وعیال میں سے کسی کو ایک درہم و دینار کا وارث بھی نہ بنایا بلکہ آپ نے اپنی ساری جائداد منقولہ کو خیر وخیرات میں صرف کر دیا اور غیر منقولہ جائداد کو فی سبیل اللہ محتاجوں کے لئے وقف کر دیا) ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے اہل وعیال کے بارہ میں ہمیشہ مساوات مدِنظر رکھی

اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اہل وعیال کے لئے مسلمانوں کے خزانہ میں سے لینے میں آپ نے ہمیشہ مساوات کو مدنظر رکھا کبھی آپؐ نے اپنوں کو اپنا سمجھ کر ترجیح نہیں دی اور نہ اپنی اولاد میں سے کسی کے لئے اپنی خلافت یعنی جانشینی کے لئے وصیت کی بلکہ یہ امر محض زبانوں کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جس کو مناسب سمجھیں وہ اپنی رائے سے مقرر کر لیں اور اگر آپؐ چاہتے تو کسی کی نسبت اپنی جانشینی کے لئے تصریحًا ارشاد فرما دیتے۔ پھر کسی کو قیامت تک بھی آپؐ کی مخالفت کی جرأت نہ پڑتی اور اس بارے میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپؐ اپنے دوستوں اور کنبہ والوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے رہے کہ حاکم بننے سے جہاں تک بچ سکیں بچیں اور دنیاوی منصب اور ساز وسامان

پر کبھی مغرور نہ ہوں ۔

تعدادِ ازدواج اور ان کا چار میں محصور ہونا اور رسول اللہؐ کے لئے چار سے زیادہ نکاح جائز ہونے کا راز اور ہر شخص کے لئے چار سے زیادہ بھی لونڈیاں رکھنے کی اجازت کی حکمت

پھر اس فرقہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے رسول اور ظلم و تعدی کرنے سے بالکل معصوم و محفوظ ہیں آپؐ کی کتنی ہی بیبیاں کیوں نہ ہوں آپ اُن کے ساتھ منصفانہ بات کرنے پر پورے طور سے قدرت رکھتے ہیں اس لئے شریعت نے آپؐ کے لئے اجازت دے دی کہ جتنی عورتوں کے ساتھ آپ چاہیں نکاح کر سکتے ہیں جیسے کہ پہلے رسولوں کے لئے اجازت تھی مثلاً حضرت داؤد و حضرت سلیمان یا ان کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام ۔

عام امت کو چار سے زیادہ نکاح جائز نہیں

لیکن جب رسولوں کے علاوہ اگر عورتیں بہت زیادہ ہوں تو عام طور پر انسان انصاف کے ساتھ پیش آنے سے عاجز پایا جاتا ہے۔ اس لئے آپؐ کی پیروی کرنیوالوں سے کسی کے لئے چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے ۔

تعدادِ ازدواج کی حکمت

ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینے میں گویا کہ شریعت نے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا لحاظ کیا ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کا بہ نسبت عورتوں کے اس وجہ سے کم ہو جانا کہ انہیں سیر و سیاحت اور کسب معاش وغیرہ کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لڑائی میں کام آتے ہیں ایک ضروری امر ہے۔ پس اگر مرد کو کئی شادیاں کی اجازت نہیں دی جاتی تو فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہتیں اور بلا وجہ اُن کو نسل کی افزائش سے

رو کنا لازم آتا۔ علاوہ بریں مرد میں سن بلوغ سے لے کر آخر عمر تک خواہ وہ سو ہی برس تک کیوں نہ زندہ رہے توالد و تناسل کی استعداد باقی رہا کرتی ہے بخلاف عورت کے کہ وہ پچاس یا پچپن برس کے بعد اولاد سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے کیونکہ اس سن تک اُس کا حیض منقطع ہو جاتا ہے اور تخم یعنی وہ مادہ جس سے کہ بچہ بنتا ہے اُس میں باقی نہیں رہتا۔

یہ بات بھی خدا تعالیٰ کے لطف سے خالی نہیں اس لئے کہ حاملہ ہونے، بچہ جننے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اس کی قوتوں میں ضعف آ جاتا ہے اگر اب بھی بچہ ہوتا تو اس کے لئے مصیبت پر مصیبت بڑھ جاتی۔ پس عورت کے بالغ ہونے سے لے کر سن ایاس تک باعتبار اکثر کے کل پینتیس برس کی مدت رہ جاتی ہے جس میں کہ عورت میں بچہ ہونے کی قابلیت باقی رہتی ہے۔

پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ ہوتی تو ایک عورت کے ساتھ رہ کر اپنی عمر کے ایک بہت بڑے حصہ تک اُسے ناحق اپنی نسل پھیلانے سے محروم رہنا پڑتا۔ پس کئی شادیوں کی اجازت دینے سے مرد کو اپنی نسل میں معطل رہنے کی آفت سے نجات مل گئی۔ اس موقع سے طلاق دینے کی اجازت کا نکتہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ بر تقدیر اجازت نہ ہونے کے اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ شادی کرنے پر قادر نہ ہوتا تو درصورت اُس کی زوجہ کے بانجھ ہونے کے یا کبرسنی کی وجہ سے اولاد سے مایوس ہو جانے کے باوجود توالد و استعدادِ تناسل کے اُسے (مرد کو) نسل سے معطل رہنا پڑتا اس لئے کہ وہ طلاق تو دے ہی نہیں سکتا تاکہ بجائے اپنی زوجہ کے دوسری عورت سے شادی کر لیتا۔ اس طرح پر اگر مرد میں توالد و تناسل کی قابلیت نہ ہوتی تو عورت کو اولاد سے معطل رہنا پڑتا۔ اب یہ دونوں خرابیاں دفع ہو گئیں۔ (رہی یہ بات کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد ہی کو کیوں دیا گیا؟ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے)۔

چار شادیوں کی اجازت کی حکمت

اب صرف چار ہی عورتوں کی اجازت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل کسب معاش کے معتد بہ چار ہی قسم کے ذریعے ہُوا کرتے ہیں اس لئے ہر ایک کے مقابل میں ایک ایک عورت کی اجازت دی گئی کہ کبھی ایسا بھی ہو کہ صرف کسبِ معاش کا ایک ہی طریق وسیع ہونے کی وجہ سے باقی طریقوں کے قائم مقام ہو جائے اور وہ چار قسمیں یہ ہیں۔ تجارت[۱]، صنعت[۲]، زراعت[۳]، حکومت[۴]۔

جو انصاف نہ کر سکے اُسے متعدد شادیوں کی اجازت نہیں

پھر شریعت نے چار شادیوں کی اجازت اُس وقت دی ہے جب کہ آدمی چاروں کے ساتھ انصاف کر سکے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دو عورتوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے سے قاصر ہو تو اُسے دو کی بھی اجازت نہیں ہے صرف ایک شادی وہ کر سکتا ہے اور اگر کسی کو ایک عورت کے ساتھ بھی بے انصافی کا خوف ہو اور اپنے کو عاجز پاتے یا نان و نفقہ دینے کی وسعت نہ رکھتا ہو تو اُسے ایک سے بھی شادی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ سخت ممانعت ہے۔

سُرّیّہ بنانے کی حکمت

پھر چونکہ لونڈیاں یعنی وہ عورتیں جو کہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آتی ہیں افزائشِ نسل سے محروم رہی جاتی تھیں۔ کیونکہ غلاموں کا کاروبارِ خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کر کے ان کی خبر گیری کرنا ذرا مشکل امر ہے بلکہ یوں کہئے کہ وہ نکاح کے حقوق ادا کرنے پر پورے طور سے قادر ہی نہیں اس لئے اُن کے (لونڈیوں کے) مالکوں کو گو وہ چار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں متمتع ہونے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ توالد و تناسل سے بے کار نہ رہیں۔

اور غلام کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی مالکہ کا شوہر بن سکے۔ کیونکہ عورت کے مالک ہونے کا تو یہ مقتضیٰ ہے کہ وہ غلام پر حکومت کرے وہ اُس کے قبضہ میں رہے اُس پر پورا اختیار حاصل ہو۔ پس اگر وہ اُس کا شوہر بن سکتا تو چاہیئے تھا کہ اس کی مالکہ بحیثیت اُس کی زوجہ ہونے کے اس کی فرمانبرداری کرے اور غلام کو اس پر قبضہ حاصل ہو۔ پس اس منافقت اور مخالفت کی وجہ سے باہم معاشرت کرنے میں بڑا خلل واقع ہوتا دونوں میں کبھی موافقت نہیں ہوسکتی اور اس بدانتظامی سے سارا عیش وآرام خاک میں مل جاتا۔ حالانکہ یہ امر اس منصف اور عادل شریعت کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں غلام کو دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے آپؐ کے بعد نکاح حرام ہونا

پھر اس فرقہ کو معلوم ہُوا کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت نے آپؐ کے بعد آپؐ کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور جب انہوں نے اس بارہ میں غور و فکر سے کام لیا تو اُن پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ امر نہایت عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے۔ اوّلؔ۔ تو یہ کہ آپؐ کی تعظیم کرنا بلکہ تمام رسولوں کے مطیعین کا اُن کے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آنا شرائع سابقہ میں ایک مانی ہوئی بات ہے اور آپؐ کے ساتھ ادب کی رعایت کے ضروری ہونے کے علاوہ یہ امر فی نفسہٖ بھی مستحسن معلوم ہوتا ہے کیونکہ علی العموم انسانی طبیعتوں پر یہ امر گراں گذرتا ہے کہ اُن کے بعد کوئی دُوسرا اُن کی عورتوں سے شادی کرلے اور اس امر کی رعایت سوائے آپؐ کے کسی دوسرے کے لئے اگرچہ وہ اس اُمّت کے بڑے بڑے لوگوں میں شمار ہوں نہ ہوتا ہو اور بڑا عالم وفاضل ہی کیوں نہ ہو اس لئے نہیں کی گئی تاکہ افزائشِ نسل کے بارہ میں تنگی نہ ہونے پائے۔

دوسرے یہ کہ خلافت کے بارے میں بلا استحقاق دخل دہی کا انسداد کردیا جائے کیونکہ بالفرض اگر آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ سے آپؐ کے بعد نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو جو شخص اُن میں سے کسی سے بھی نکاح کرلیتا تو وہ اگرچہ جانشینی کے قابل بھی نہ ہوتا

لیکن عام لوگوں پر تسلط حاصل کر لیتا اور یہ کہہ کر لوگوں کو فریب دیتا کہ میرے پاس تو تمہارے رسول کی زوجہ موجود ہے اس وجہ سے مجھے اوروں پر ترجیح حاصل ہے اور بیشک میں خلافت و جانشینی کا استحقاق رکھتا ہوں اور آپؐ کی زوجۂ مطہرہ کو اپنے دل کے ارادوں میں عام لوگوں پر جو نادان ہُوا کرتے ہیں فتح حاصل کرنے کے لئے آڑ بنا لیتے ہیں اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں ہے۔ کیونکہ برابر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ملکی تغیرات کی وجہ سے کسی نے بادشاہ کی بیگم سے اُس کے مرنے کے بعد شادی کر لی کہ وہ اس حیلہ سے ملک پر قابض بن بیٹھا جس کی تاریخ شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس کی اجازت ہوتی تو آپ کے پیروی کرنے والوں میں بڑا فتنہ فساد برپا ہو جاتا کیونکہ ہر شخص یہی چاہتا کہ اپنے رسول کی زوجہ مطہرہ کو اپنے پاس رکھے تاکہ اُس کو اُن کے پاس رہنے سے شرف حاصل ہو۔ اُن کی اولاد سے برکت حاصل کرنا نصیب ہو۔ اس اعلیٰ درجہ کی بزرگی سے فیض یاب ہو کر اپنے ہم چشموں پر فخر کرنے کا موقع مل جائے اُن کے ذریعہ سے اُن باتوں پر واقفیت ہو جائے جو بڑے بڑے سمجھداروں کو بھی معلوم نہیں۔ اس طرح باہم اُن میں بڑی مخالفت پیدا ہو جاتی جس کی وجہ سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا۔ پس اس امر کے انسداد کی غرض سے بالکل مصلحت کے موافق شریعت نے آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا قطعی حرام کر دیا۔

چوتھے یہ کہ اگر آپؐ کی ازواج مطہرات آپؐ کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کر لیں تو بے شک اُن کے منصب عالی اور مرتبۂ عظیمہ کی بے قدری ہوتی اور تمام اُمت کے دلوں میں اُن کی وہ قدر و منزلت نہ باقی رہتی جو اُن کو اب حاصل تھی کیونکہ اُس عورت کی حالت جو کہ ایسے جلیل القدر خدا کے رسول کے پاس رہ چکی ہو اور پھر وہ کسی دوسرے کے پاس رہے گو وہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ شمار کیا جاتا ہو بالکل اُس شئے کی مثل ہے جس کو کہ کسی نے بلندی سے پستی میں ڈال دیا ہو یا اُس شخص کی مثل جس کو کہ شاہی کے بعد گدائی نصیب ہوئی ہو اور پھر لوگوں کے دلوں میں اُن

کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی اور اس وجہ سے کہ وہ بعد آپ کے ایسے شخص کے قبضہ میں ہوتیں کہ جس کے لئے تمام معاصی اور قبائح سے محفوظ اور معصوم ہونا ضروری نہیں ان کی شرعی باتوں کی نسبت لوگ مشکوک ہو جاتے اور ممکن تھا کہ اُن کو یہ خیال ہو جاتا کہ وہ اپنے جدید شوہر کی خواہش کے موافق سارے اقوال و اعمال میں عملدرآمد کرتی ہیں اور اُسی کے خیالات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لے کر رواج دیتی ہیں (یہ نہ سمجھئے کہ اُن کی نسبت ایسا خیال کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ حاشا و کلا وہ باعصمت بیبیاں ایسی باتوں سے بالکل مبرّا ہیں بلکہ اُن کی شان میں ایسا گمان کرنا نہایت بے انصافی پر مبنی ہے) اس تقریر کا صرف مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت میں لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونا کوئی بعید نہیں تھا۔ اُن کو یہ شک پیدا ہو سکتا تھا اور اگر کہیں ایسا ہوتا تو اُمت کو اُن کے اُن علوم کے ثمرات کثیرہ سے جن پر کہ دین کے بڑے جلیل القدر احکام مبنی ہیں اور جنہیں کہ اُنہی پاکدامنوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے بالکل محروم رہنا پڑتا اور وہ احکام ہمیں معلوم نہ ہوتے جو آپؐ کے اُن اقوال و افعال سے مستنبط کیے گئے ہیں جن کی روایت کرنے والی یہی عصمت مآب عورتیں ہیں جو کہ آپ کے ساتھ کھانے، پینے، سونے، بیٹھنے، جلوت و خلوت سب میں شریک رہتی تھیں اور اس طرح پر انہیں علوم نبوت سے واقفیت پیدا کرنے کا بہت اچھا اور قوی ذریعہ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے اکثر احکام ہم کو انہی کے وسیلے سے معلوم ہوئے ہیں۔

پس اگر وہ کسی دوسرے کے پاس رہتیں تو اُن کی یہ عظمت کہاں باقی رہتی اور وہ وثوق جو کہ ان کی خبروں پر اب حاصل ہے اُس کا کہاں پتہ لگتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ سارے علوم ہم سے فوت ہو جاتے۔ علاوہ بریں اس نکاح کے حرام کرنے میں خدا جانے اور کتنی حکمتیں اور اسرار پائے جاتے ہیں جو کہ غور کرنے کے بعد منصف کے نزدیک مخفی نہیں رہ سکتے۔ پس اگر آپؐ کے بعد نکاح کرنے کی انہیں اجازت نہ ہونے سے خاص ان کا ضرر بھی ہو تو اُس ضرر کا عام لوگوں کے نقصانات کے مقابلے میں کوئی اعتبار

نہیں ہو سکتا۔ مصلحتِ عام شخصی مصلحت پر ہمیشہ ترجیح دینے کے قابل ہے۔ پس یہ حکم کسی نفسانی غرض یا پست خیالات پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس بحث اور تدقیق سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم تو ایسی باتوں سے بالکل بری ہیں آپؐ کی نسبت کسی قسم کا خیال کرنا ہی بے جا ہے کیونکہ یہ تو اسرار اور حکم پر نظر کر کے خدا کا مقرر کیا ہُوا حکم ہے۔

پس جب کہ یہ فرقہ شریعتِ محمدیہ اور اس کے انتظامات کی جانچ کر چکا اور اس کو اس کی خوش انتظامی اور نہایت ہی عجیب و غریب حکمتیں جن کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے معلوم ہو چکیں تو آپس میں یوں کہنے لگا کہ صاحب حق سے تو انکار نہیں کیا جاتا اُس کو تو ماننا چاہیئے۔ پس بے شک جو کچھ کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم لائے ہیں وہ خدا ہی کی شریعت ہے ورنہ بھلا دیکھئے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک بے پڑھے آدمی جاہلوں میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ اپنے وطن سے سوائے تھوڑی دور کے کہیں گئے نہیں اور وہ بھی چند ماہ کے لئے کہ جو مدت تھوڑا سا علم حاصل کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کو تمام عمر میں اپنے شہر میں کسی واقف کار اور دانش مند کی صحبت میں رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ یہ ثابت ہوا کہ آپ نے کبھی ملکی قوانین یا شرائع میں سے قدرے قلیل بھی سیکھنے کا اہتمام کیا ہو۔ پس آپ کو کہاں سے ایسی عقل مل گئی کہ جس سے آپ نے ایسے عجیب و غریب انتظام و ترتیب کو مستنبط کر لیا کہ جو نہایت ہی عظیم الشان حکمتوں کو محیط ہو جس میں کہ تمام عمدہ خصائل پائے جاتے ہوں جس سے کہ انسانی دنیا کا پورا پورا انتظام ہوتا ہو اُن کے حالات کی اصلاح ہوتی ہو اُن کے نفوس پاکیزہ ہوتے ہوں اُن کے شہر آباد ہوتے ہوں انہیں شریروں سے پناہ ملتی ہو۔ اسی طرح اس میں تمام اس قسم کی چیزیں موجود ہوں جن سے کہ بنی آدم کو نفع پہنچتا ہو اور جملہ ضرر رساں اشیاء سے وہ محفوظ رہتے ہوں باوجود اس کے اُس میں تمام عالم کی پرورش کرنے والے کے بارہ میں صحیح عقیدے بھی پائے جاتے ہوں جن میں کہ پست اور بے بنیاد خیالات کا کہیں پتہ نہ ہو۔ اسی طرح پر اُس میں خلقت کے رہنما اور برگزیدہ

رسولوں کی نسبت بھی عمدہ عقیدوں کی تعلیم ہو۔

یہ سب باتیں تو ایسی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ دانشمند سارے لوگوں سے زیادہ واقف کار، بہت بڑے فلسفی، سیاست اور انتظامات ملکی کے بڑے ماہر بھی ہوتے تب بھی عقل میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ آپ تن تنہا ان تمام چیزوں پہ حاوی ہو سکتے اور آپ کے لئے ان سب اشیاء کا جمع کر لینا ممکن ہوتا۔ ہاں! اُس وقت بے شک یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ آپؐ خدا تعالےٰ کے بھیجے ہوئے ہوں اور خدا ہی نے ان تمام امور کی طرف آپ کی رہنمائی کی ہو یہ سب کچھ آپ کو بتلا دیا ہو۔ ان سب کے بھید سمجھا دیئے ہوں اور پھر لوگوں کی تعلیم کا انہیں حکم دیا ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے فلسفیوں کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ تمام امور میں ماہر ہو گئے ہوں گو اُن کی کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی واقفیت کیوں نہ ہو۔ اور جملہ فنون پہ ہی نظر کیوں نہ رکھتے ہوں بہت ہُوا تو ایک دو فن میں ان کو کمال حاصل ہو گیا۔ جالینوس ہی کو دیکھئے کہ ملکی انتظام میں کمال رکھتا تھا۔ ارسطو حکمت نظری اور الٰہیات کا ماہر تھا۔ بقراط کا پایہ طب میں تھا اور اقلیدس کو علم ہندسہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اسی طرح کوئی کسی فن میں اور کوئی کسی فن میں کامل ہو گیا۔ اب رہا یہ امر کہ حکماء اور عقلاء میں سے کسی کو تمام فنون میں بھی کمال حاصل ہُوا ہو یا انسان کی جملہ مصلحتوں کی اُسے معرفت نصیب ہو گئی ہو یہ بات تو کبھی ہوئی نہیں اور نہ سمجھ میں آسکتی ہے۔

ہاں اگر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت کو دیکھا جائے تو وہ بے شک انسان کے نفع کی جتنی چیزیں ہیں سب پہ حاوی ہے کوئی چیز بھی اُس نے نہیں چھوڑی چنانچہ ہم اس کا پہلے بیان کر چکے ہیں اور تمام امور کے بیان کرنے میں اُس نے ایسا پاکیزہ طرز اختیار کیا ہے کہ جس چیز کی زیادہ حاجت پڑتی تھی اور وہ بہت ضروری تھی اسے تو خوب شرح و بسط سے ذکر دیا اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور جو چیزیں ایسی تھیں کہ امورِ معاش یا نفس کے مہذب کرنے میں اُن کی ضرورت نہ پڑتی تھی ان کی طرف محض

اشارہ کر دینا کافی سمجھا گویا کہ اس طرح پہ یہ بات بتلا دی کہ اُن کے حاصل کرنے کا اگر تمہیں شوق ہو تو اُن کے جاننے والوں سے سیکھ لو پتہ ہم نے بتلا دیا ہے اس بنا پر فنون ہندسہ، حساب اور صناعات وغیرہ کے بارہ میں اُس نے نہایت سہولت سے کام لیا ہے۔ لوگوں کو اُن کے تحصیل کی چنداں تکلیف نہیں دی اُس کو محض اُن کی خوشی اور مصلحت اندیشی پر چھوڑ دیا ہے۔

۹ یہ سب باتیں شریعت میں اُس شخص کو نظر آ سکتی ہیں جو اُن پر مطلع ہونے کی غرض سے اُس کی بخوبی جانچ کرے اور اپنی عقل سے کام لے۔ ورنہ بھلا اس شخص کو کیا پتہ لگ سکتا ہے جو کہ بہ نظر تعصب اس کو دیکھے یا اس کے احکام وغیرہ پر سرسری نظر ڈالی جائے اور محض بعض مباحث پر واقفیت حاصل کر کے یہ سمجھنے لگے کہ میری نظر شریعت کی تمام چیزوں پر خوب محیط ہو گئی چاہے حضرت کو سو حصوں میں سے ایک حصہ کی بھی خبر نہ ہو اور جو کچھ جانتے بھی ہوں وہ بھی پورے طور سے نہ سمجھے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس بحث و تفتیش کے بعد اس فرقہ نے بھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کی اور آپؐ کو خدا تعالیٰ کا پیغمبر ماننے لگے اور آپ کے نہایت ہی مطیع اور اعلیٰ درجہ کے خیر خواہ بن گئے۔

اس فرقہ نے تو اپنے بعد آنیوالوں کے لئے استدلال کا بہت اچھا دروازہ کھول دیا خصوصاً جو بعثتِ نبوی کے مدتوں کے بعد آنے والے ہیں اُن کے لئے یہ باب استدلال اور بھی وسیع ہو گیا کیونکہ اتنی مدت کے گزرنیکے بعد بھی آپ کی شریعت کے احکام باقاعدہ رہے اور مختل نہیں ہوئے

میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدق پر استدلال کرنے کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ جو قیامت تک بھی بند نہ ہو گا جو شخص کہ آپؐ کے بعد چاہے کتنے ہی زمانہ گزرنے پر کیوں نہ آئے لیکن وہ انہی لوگوں کی طرح آپؐ کے

صدق پر استدلال کر سکتا ہے اور اُس کے نزدیک بھی حق واضح ہو سکتا ہے کیونکہ جو کوئی شریعت محمدیہ کے عمیق دریا میں غوطہ لگائے گا اور قیود تعصب سے چھوٹی ہوئی نظر سے دیکھے گا اور اپنی عقل سے آزادانہ طور پر بلا رو رعایت کام لے گا ممکن نہیں ہے کہ اس کی حقانیت کا اُسے یقین نہ ہو جاوے اور صاحب شریعت کے صدق پر ایمان نہ لے آوے۔

جو شخص کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی تشریف آوری کے زمانہ دراز گزرنے پر خصوصاً تیرہ سو برس کی مدت کے بعد آوے اُس کے نزدیک تو شریعت کی مختلف فضیلتوں کے دیکھنے کی وجہ سے جو کہ اس کی خداوند تعالےٰ کے پاس سے ہونے پر دلالت کرتی ہیں حق تو واضح ہو ہی جاوے گا۔

علاوہ بریں اس استدلال کا دروازہ اُسے اور بھی وسیع نظر آوے گا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ یہ شریعت باوجود اتنی مدت گزرنے کے بعد بھی ہمیشہ محفوظ رہی اس کے قواعد ہمیشہ عام رہے کسی قاعدے کے توڑنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی۔ یہاں تک کہ عقل یہ حکم کرتی کہ فلاں قاعدہ فلاں زمانے کے موافق نہیں رہا بلکہ اُس کے قواعد ہر زمانہ کے مناسب رہے۔ اُن کے فوائد ہمیشہ حاصل ہوتے رہے۔ چنانچہ وہ تمام عقلا جن کی عقلیں مرض تعصب سے سالم ہیں اس کو برابر مانتے ہیں اور جسے ہماری بات کا یقین نہ آوے وہ امتحان کر کے دیکھ لے۔ کیونکہ امتحان کرنا سب سے قوی دلیل ہوتی ہے۔

پس اگر شریعت محمدیّہ کے احکام کسی انسان کے تجویز کردہ ہوتے تو ان میں ضرور خلل پڑتا اور ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ چنانچہ برابر دیکھا جاتا ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے آدمیوں کے تجویز کردہ قوانین میں تغیر و تبدل کی ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے اور پہلے احکام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

بعض لوگ جو شریعت سے ناواقف ہیں

کہیں آپ بعض نادانوں کی یادہ گوئیوں سے گھبرا نہ جائیں کیونکہ اس بارہ میں کم فہموں نے بڑی بڑی چہ میگوئیاں کی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض وہ لوگ بھی اس زمرہ میں داخل ہیں جو اپنا تعلق اسلام سے ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ اسلام سے کوسوں دُور ہیں اُن کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اُن کی اتنی نظر ہی نہیں ہے کہ انہیں کچھ دکھلائی دے۔ وہ اس شریعت کی قدر و منزلت کو کیا جانیں بالکل ناواقف ہیں، صرف انہوں نے کہیں سے اسلام کا نام سُن لیا ہے اسی بنا پر اُن کا بے قدر نفس طرح طرح کی باتیں بھگارنے لگا ہے اور اُن کی فاسد عقل میں یہ خیال جم گیا ہے کہ موجودہ زمانہ کے لئے شریعت کے مقرر کردہ احکام و قوانین کافی نہیں اس زمانے کے لئے نیا قانون بنانا چاہیئے۔ اور یہ سمجھ کر غیر قوموں کے بعض بعض قوانین اختیار کرنے کا اپنے آپ کو محتاج خیال کرتے ہیں اور سچ پوچھئے تو وہ قواعد یا تو خود ایسے ہیں کہ جن سے پورے طور سے آدمی نفع نہیں حاصل کر سکتا اور اُن کے احکام بالکل کمزور پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں آپ کوئی نفع دیکھیں گے تو اُس کے ساتھ ہی بہت سی خرابیاں بھی نظر آئیں گی یا وہ فی الحقیقت اسی شریعت کے کامل قواعد سے ماخوذ نکلیں گے جنہیں کہ اُن لوگوں نے اسلامی لباس اُتار کر دوسرا لباس پہنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اُن کی اصلی صُورت اچھی طرح سے نہیں پہچانی جاتی اسی وجہ سے کم فہم لوگ اس کو ایک جدید شئے خیال کرنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں قوموں نے اُن کو ایجاد کیا ہے اور طرح طرح کی حکمتوں کی اُن میں رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

کاش! ایسے سمجھنے والے کو اگر شریعتِ محمدیہ کے سمجھنے کی استعداد ہوتی اور اُس کے احکام کے واقف کاروں میں ہوتا تو کبھی ایسی غلطی نہ کرتا اُس پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ اس شریعت میں خود ایسے کامل اور اعلیٰ درجہ کے قواعد موجود ہیں جو کہ زمانہ موجودہ کیا معنی بلکہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کے لئے پورے پورے کافی ہیں۔ اُس کے قواعد کے

سامنے ان ناقص قاعدوں کا ذکر کرنا ہی بے جا ہے جو کہ ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اس کے قواعد کے مطابق میں اُن کی طرف ذرا بھی التفات کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو اسی امر کا پتہ لگ جاتا کہ ان قوموں کے پاس جو کامل قواعد وضوابط دیکھے جاتے ہیں شریعت کے جملہ قواعد میں یہ بھی داخل ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ یہ شریعت اُن سے خالی ہے۔ غایت سے غایت یہ ہو گا کہ اُنھوں نے اُن کی اصلی اسلامی صورت کو بدل ڈالا ہے اور ایک نیا جامہ پہنا کر ظاہر کیا ہے یا اگر انھوں نے شریعتِ محمدیہ سے اُن قواعد کو اخذ نہیں کیا ہے اور اُن کی عقل اُن قواعد تک اس وجہ سے پہنچ گئی ہے کہ وہ عقل کے نزدیک مستحسن ہیں تو شریعت میں بھی وہ موجود ہیں اور اس وقت وہ ضرور یہ حکم کرتا کہ شریعتِ محمدیہ کے قواعد بالکل کافی ہیں اُسے دوسری قوموں سے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن ہاں اس بات کے دریافت کرنے کے لیئے عقلِ رسا اور احکامِ شریعت سے پوری پوری واقفیت کی بڑی ضرورت ہے۔ جب تک آدمی کو شریعت کے جملہ ابواب میں تبحر حاصل نہ ہو اُس وقت تک اس امر کا پتہ لگنا ہے ذرا مشکل امر۔ محض سرسری نظر سے احکام شریعت کو دیکھ لینے سے کچھ کام نہیں چلتا۔

جسے فلاح عام کے قوانین حاصل کرنا مقصود ہوں اُسے متبحّر علمائے شریعت کو اس امر کی تکلیف دینا چاہیئے

پس اگر کوئی یہ چاہے کہ شریعت کے قواعد کو تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ مہیا کرے جس سے کہ عام لوگوں کو سمجھنا آسان ہو جائے اور اُن کی اصلاح ہو تو اُس کو چاہیئے کہ شریعتِ محمدیہ کے متبحر عالموں پر اس امر کو پیش کر کے اُن سے درخواست کرے کہ وہ کوشش کر کے اُن قواعد میں سے ایسی چیزیں یکجا کر دیں جن سے کہ اُس کی حاجت روائی ہو جائے اور مقصد بر آئے تاکہ وہ لوگ درخواست کے موافق ایسے امور جمع کر دیں جن سے کہ عام لوگ پورے طور سے مستفیض ہو سکیں۔ چنانچہ سلطانِ اعظم نے (خُدا ان کی سلطنت کا ہمیشہ حامی اور مددگار رہے) جب علماء سے ایسی کتاب تالیف

کرنے کی خواہش ظاہر کی جس میں کہ اُن تمام معاملات کے منصفانہ احکام مجتمع ہوں جو کہ لوگوں کو اکثر اوقات پیش آیا کرتے ہیں تاکہ حکام اور اہلِ مقدمہ اُن کو آسانی سے سمجھ سکیں تو انہوں نے ایسی ہی کتاب لکھ دی جس سے کہ اس بارہ میں لوگوں کی پوری پوری مقصد برآری ہو سکے اور اُس کتاب کا نام "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" ہے۔

جو مسلمان قواعد شریعت کی پابندی نہیں کرتے اُن کی حالت سے شریعت پر اعتراض کرنا بڑی غلطی ہے

اُن لوگوں کے حالات دیکھ کر بھی آپ خلجان میں نہ پڑیں جو کہ کہنے کو تو اسلام کی پیروی کے مدعی ہیں لیکن اُنہیں نہ تو کچھ ادب و قاعدہ سے مطلب ہے نہ اُن کے طرزِ عمل میں کچھ انتظام پایا جاتا ہے اُن کے تمام کاروبار میں بدتدبیری اور بدنظمی پھیلی ہوئی ہے ایسوں کو دیکھ کر جو شخص کہ حقیقتِ حال سے واقف نہیں اور جو یہ نہیں جانتا ہے کہ انہوں نے اپنی شریعت کی کہاں تک مخالفت کی ہے اُسے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان کیسے یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن کی شریعت اپنے پیروی کرنے والوں کی اصلاح کرتی ہے اُن کو انتہا درجہ کی تہذیب سکھلاتی ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن طرح طرح کی بُرائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اُن کو انواع انواع کی بدبختی گھیرے ہوئے ہے اُن کے لئے شریعت کی اپنی مطیعین کے احوال درست کرنے کی ذمّہ داری کہاں گئی، وہ ان لوگوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتی ایسے شخص کا یہ جواب ہے کہ دیکھئے انصاف نہ چھوڑیئے یہ کس نے دعوی کیا تھا کہ شریعتِ محمدیہ اُس شخص کی بھی اصلاح کی ذمّہ دار ہے جو صرف نام کا مسلمان ہے اور اپنے آپ کو وہ مسلمان کہتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے اُس کی پوری مخالفت کرتا ہے اُس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا اور نہ اُس کے بتائے ہوئے آداب و اخلاق اختیار کرتا ہے۔ آپ یقیناً سمجھ لیجئے کہ شریعت نے اس کی کبھی ذمّہ داری نہیں کی وہ صرف اُنہی لوگوں کی اصلاح کرتی ہے جو کہ اُس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اُس کی تعلیم کے موافق اخلاق اور آداب اختیار کرتے ہیں

چنانچہ اس بات کی قرآن اور حدیثوں میں تصریح کر دی گئی ہے۔ بلکہ شریعت نے تو یہاں
تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص ان امور میں اس کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے گا اُس
پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوں گی یہاں تک کہ اُس کو اُن اُن مصائب
سے سامنا کرنا پڑے گا جن سے کہ مخالفینِ اسلام بالکل محفوظ رہیں گے اس لئے کہ
ایسا شخص بجائے آخرت کے دنیا ہی میں اپنے گناہوں کا کچھ مزہ چکھ لے تاکہ اسی طرح
پر کہیں وہ مخالفت سے باز آجائے اور اُسے توبہ کرنا نصیب ہو۔ خدا تعالےٰ کی یہ بھی
عادت ہے کہ جس شخص کے ساتھ اُسے اُس کی بعض نیکیوں کو پسند کر کے لطف اور
مہربانی سے پیش آنا منظور ہوتا ہے تو اُس کو دُنیا میں گناہوں سے پاک کرنے کے لئے
طرح طرح کی تکلیفوں میں مُبتلا کرتا ہے تاکہ دُنیاوی مصیبتیں اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو
جائیں اور وہ اُخروی عذاب سے بچ جائے۔

فساق کی مثال

آیئے ہم ایسے شخص کی جو کہنے کو تو مسلمان ہو لیکن بباعث نافرمانیوں کے اسلامی
برکتوں سے محروم رہتا ہو آپ کے لئے ایک ایسی مثال بیان کریں جس سے کہ آپ اس
مضمون کو بخوبی سمجھ جائیں۔ پس فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک بہت بڑا کتبخانہ
موجود ہے جس میں کہ عمدہ اخلاق و آداب کی بہت سی نفیس کتابیں رکھی ہوئی ہیں اُن
کے مضامین تمام پسندیدہ کاموں کی ہدایت و ترغیب سے ملو ہیں لیکن اُن میں سے
کسی کتاب کو کبھی کھول کر نہیں دیکھتا اور نہ اُس سے مستفید ہوتا ہے تو کیا آپ کی
عقل اس بات کا خیال کر سکتی ہے کہ ایسا شخص محض کتابوں کی جلدوں کو مطلا و مذہب
کر کے انہیں اپنے کتب خانہ میں نہایت آراستگی کے ساتھ رکھنے سے مہذب بن جائے
گا یا وہ اس طرح پر فضیلت حاصل کر لے گا اور علمی سعادت سے بہرہ یاب شمار کیا جائیگا
حق تو یہ ہے کہ سوائے اس شعر ؂ نہ محقق بود نہ دانشمند چارپائے بر و کتابے چند
کے مصداق بننے کے وہ اور کس لائق ہو سکتا ہے اور اسے سوائے جاہل کے اور کیا
خطاب دیا جا سکتا ہے۔

ان لوگوں کے حالات سے جنکو لوگ علماءِ دین شمار کرتے ہیں اور اُنکی حالت خراب ہے شریعت پر اعتراض کرنا غلطی ہے اور علماءِ آخرت و علماءِ سوء میں فرق [۱۲]

پس اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب ہم تو اس شریعت کے پیروی کرنے والوں میں ایسوں کو بھی پاتے ہیں کہ جن کا شمار اسلام کے علماء میں ہوتا ہے۔ پھر بھی اُن لوگوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور نہ اُن کی عادتیں ہی اچھی ہوتی ہیں دُنیا طلبی میں اُن کا نمبر تو جاہلوں سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، اوندھے سیدھے مال کی طلب میں گرے پڑتے ہیں، دل کھول کر لوگوں کو ستاتے ہیں انہیں کسی کے نقصان کی پرواہ نہیں ہوتی پھر بتلائیے کہ اس شریعت سے اُن شریروں کو کوئی تہذیب حاصل ہوئی انہیں اس کا کیا ثمرہ ملا بلکہ اگر ان کا عالموں میں شمار نہ ہوتا تو یہی بہتر تھا بتیری خرابیوں سے اُن کا ہاتھ رکا رہتا۔

اس اعتراض کا جواب مجھ سے سنئے! حقیقت امر یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے شریعت کو جانا ہی نہیں ہے کہ وہ کیا ہے محض اُس کے پوست کو انہوں نے دیکھ لیا مغز تک وہ پہنچتے ہی نہیں انہیں اخلاق و آداب سے پورے طور سے اطلاع ہی نہیں اگر تحقیق کیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایسے لوگ وہی ہیں کہ جنہوں نے عربی لغت کے متعلق مختلف علموں میں سے ایک آدھ علم جیسے نحو، صرف، بلاغت وغیرہ کو اچھی طرح سے حاصل کر لیا ہے جو کہ شریعت کے سمجھنے کا ذریعہ ہے نہ عین شریعت ہے اور کتب شریعت پر محض ایک سرسری نظر اس غرض سے ڈال لی ہے کہ انہیں اپنے مقصد بے جا حاصل کرنے میں کامیابی ہو۔ اُنہیں نیّت کے درست رکھنے سے کیا کام؟ بڑا مقصود اُن کا یہ ہونا ہے کہ شریعت کے معمولی احکام سے واقف ہو جائیں تاکہ حکّام کو خوش کر سکیں اور عام لوگوں سے جنہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہیں ہوتی خوب مالِ حرام لے کر کھائیں۔ شریعتِ محمدیہ کے آداب اور نصائح صرف اس غرض سے انہوں نے یاد کر رکھے ہیں تاکہ لوگوں میں بیٹھ کر خوب باتیں بنا سکیں اور اُن کو اپنے دام میں پھنسائیں۔

اُن کا یہ ہرگز مقصود نہیں ہوتا کہ وہ اپنا علاج کریں اور اُن کے امراضِ نفسانی کو صحت حاصل ہو اسی لئے تو وہ شریعت کے رفیع الشان اخلاق اختیار نہیں کرتے اور نہ اُس کے آدابِ جمیلہ کو سیکھتے ہیں۔ اُنہیں یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اُس کی نصیحتیں مان کر اپنے قابلِ نفرت احوال و افعال سے باز آئیں۔

اُن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کو حاصل کر کے اپنی خواہش نفسانی کو پُورا کریں۔ اُن لوگوں کی مثال اُس طبیب کی سی ہے جو کہ امراض کو تشخیص کر سکتا ہے اُس کو اُن کی دوائیں اور علاج بھی معلوم ہے لیکن وہ اپنے سخت مرض کی طرف ذرا التفات نہیں کرتا اور اگر کبھی ملتفت بھی ہوتا ہے تو دوا استعمال نہیں کرتا اور نہ لگ کر علاج کرتا ہے بلکہ اس کا سارا خیال اسی میں لگا ہُوا ہے کہ مریضوں سے خوب مال حاصل کرے اور اُسے اپنے مرض کی کچھ بھی پرواہ نہیں۔ تو پھر تمہیں خدا کی قسم! بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جب اُس طبیب کی غفلت کا یہ حال ہو تو اُس کا مرض کیونکر صحت یاب ہو سکتا ہے۔ کیا محض علمِ طب سے واقف ہونا اُس مرض کے دفع کرنے کے لئے کافی ہو جائے گا اور اُس کو اس طرح شفاء حاصل ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ پس کیا یہ کہنا اُس وقت بجا ہو سکتا ہے کہ علمِ طب محض بے کار ہے اُس سے بیماروں کو ذرا بھی نفع نہیں پہنچتا۔ دیکھو نا یہ طبیب اگرچہ علمِ طب سے واقف تھا مگر اُس نے معالجہ نہیں کیا تو اُس کو مرض سے کچھ بھی شفاء حاصل نہ ہوئی۔ مَیں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس بے ہودہ بات کے کہنے کی کوئی جرأت کرے گا۔ ہاں جس کے حواس ہی ٹھیک نہ ہوں وہ جو چاہے سو بک دے۔

علماءِ سوء

اب اس کو سمجھ لیجئے کہ علماءِ اسلام میں سے جن کی یہ حالت ہو اور وہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ لوگوں میں بدنام ہوں ایسوں کو شریعت علماء السوء یعنی بُرے علماء کے نام سے پکارتی ہے۔ کوئی جاہل سے جاہل کیوں نہ ہو لیکن ان لوگوں کا ضرر مُسلمانوں کے حق میں اُن سے بدرجہا بڑھا ہُوا ہے۔ یہ مُسلمانوں کے پکّے دُشمن ہیں۔ مسلمانوں میں سے خدا تعالےٰ ایسوں

کو غارت کرے۔ دُنیا سے ناپید ہو جائیں اور اُن کے عوض میں خدا تعالے ایسے علماء و فضلاء کو پیدا کرے جو کہ پرہیزگار ہوں۔ لوگوں کو حق بات بتائیں راستی کی راہنمائی کریں پسندیدہ صفات سے موصوف ہوں خوش اخلاق ہوں۔ آداب شریعت کو نگاہ رکھتے ہوں۔ سنت یعنی اپنے رسولؐ کے طریق کے پورے پورے متبع ہوں۔ خدا تعالے ایسے عالموں کی تعداد کو زیادہ کرے اور اُن کے عمدہ اعمال اور نیک کوششوں کا انہیں ثمرہ عنایت کرے۔ تمام اُمت کی جانب سے انہیں بہتر جزا سے مالامال کر دے ایسے ہی لوگ علماء آخرت کہلانے کے مستحق ہیں جن میں کہ خدا تعالے نے اپنے خوف و خشیت کو منحصر کر دیا ہے، اپنی بابرکت کتاب میں اُن کی تعریف کی ہے۔ اپنے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُن کی توصیف و ثناء کا اظہار کرایا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے کہ جملہ اقوال و اعمال میں شریعت محمدیہؐ کے پیروی کے آثار پائے جاتے ہیں انہی کی راست کرداری کا صدقہ ہے کہ مخالفین اسلام کے لئے اعتراض کا کوئی موقع نہیں رہا ہے ان ہی کی استقامت کا طفیل ہے کہ کسی دشمن کو گفتگو کرنے کی مجال نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات عقلاء پر مخفی نہیں ہے۔

عالموں کی صُورت بنا کر کھانے کمانیوالوں کے فریب سے بچانا

پھر اُس شخص سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کہ ان عُلماءِ سُوء کو دیکھ کر دھوکہ ہو گیا ہے اور وہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی وہ علماء شریعت ہیں جو خود صلاح کا نہیں اور جن سے کہ مسلمانوں کی اصلاح کی امید کی جاتی ہے۔ خیر صاحب میں آپ کو معذور سمجھ سکتا ہوں اگر آپ کو ان شیطانوں کو دیکھ کر دھوکہ ہو گیا ہے جو کہ رسمی علوم اور احکام شرعیہ کے الفاظ یاد کر کے اپنے کو عالم ثابت کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو اس طرح سے آراستہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ سمجھدار ہیں تو میں آپ کو ایسا نہیں خیال کر سکتا کہ ان کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ کو بھی دیکھ کر آپ دھوکہ میں پڑ جائیں گے

جو کہ بالکل کورے ہیں اُنہیں کچھ بھی واقفیت نہیں راستی کا اُن میں نام و نشان نہیں محض جاہل اور نادان ہیں عالموں کا لباس پہن رکھا ہے۔ دنیا کمانے کے لئے پرہیزگاروں کی سی صورت بنا رکھی ہے۔ لوگوں کے پھنسانے کے لئے جُبّہ و دستار سے آراستہ ہو کر جال پھیلایا ہے۔ فقط کھانے کمانے کے لئے اپنی شکل بدل لی ہے ان میں سے بعض لوگ علم کے منصبوں پر بھی جرأت کر بیٹھتے ہیں، درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں مفتی و قاضی بننے میں بھی اُنہیں باک نہیں ہوتا اور عام لوگ ہیں کہ اپنی نادانی سے پھنس جاتے ہیں وہ کیا جانیں زمین و آسمان میں کیا فرق ہے؟ خدا تعالےٰ ہدایت کرے۔ ایسوں پر تو اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیئے۔ میرا کہنے سے مقصود یہ ہے کہ بحث و مناقضہ میں کہیں ان دھوکہ بازوں کو نہ لے بیٹھئے گا ان کی مکاری کی بنیاد نہایت کمزور ہے۔ ذراسی بات میں تو ان کی قلعی کھلتی ہے صاف ظاہر ہو گا کہ حیوانات سے بھی گئے گزرے ہیں۔

جاہل صوفیوں کی مذّمت

اب ایک مکّار فرقہ اور رہ گیا ہے جس سے کہ اسلام کو نہایت ضرر پہنچتا ہے۔ عام لوگوں میں وہ اپنی چالاکیوں کو رواج دے دیکر اُن کے عقیدے بگاڑتے ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اُلٹے ان دھوکہ بازوں کی من گھڑت باتوں کو جان کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن پر حقائق اشیاء منکشف ہو گئیں اور معرفت میں بڑے بڑے عالموں سے بھی وہ سبقت لے گئے اور سچ پوچھئے تو وہ اپنی اُسی گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ ان دغابازوں کی حقیقت مجھ سے سنیئے کہ وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ انہیں شریعت محمدیہ کے ایسے ایسے بھید اور علوم کی معرفت حاصل ہو گئی ہے جو کہ بڑے بڑے عالموں کو بھی نہیں معلوم ہوتی اور خدا تعالےٰ نے فلاں فلاں ذریعوں سے اُن کو برگزیدہ بنا کر تمام بھید ان کو تبلا دیئے اور ان رموز اور بھیدوں کو ایسے کلمات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ شرعی قواعد کے موافق سراسر کفر ہیں۔

سچے صُوفیوں کے حالات

لیکن بات یہ ہے کہ اُن کی باتیں علمائِ شریعت میں سے بعض عارفین کے اقوال کے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہیں جن کے عقیدوں کے صحیح ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہوتا اور دین کے بارے میں جن کی راست کرداری کی بتہیری شہادتیں موجود ہوتی ہیں اور در حقیقت خداوند کریم ان کی پرہیزگاری اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں شریعت کے بتہیرے رموز اور بھیدوں پر انہیں مطلع بھی کر دیتا ہے۔ جن سے کہ وہ لوگ بالکل بے بہرہ رہتے ہیں جو اُن کے ایسے نیک عمل نہیں کرتے اور جن میں کہ اُن کی ایسی راستی اور استقامت نہیں پائی جاتی اور واقع میں وہ امورِ شریعت کے ذرا بھی مخالف نہیں ہوتے بلکہ وہ اسی شریعت کے مختلف رموز و اشارات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ صرف بات کیا ہے کہ اُن کے بیان کرنے میں بعض مرتبہ یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ شریعت کے مخالف ہیں اور یہ خرابی زبان میں اُن کے ظاہر کرنے کے لئے کافی الفاظ نہ موجود ہونے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے۔ پس اُن کے ظاہری الفاظ سے شریعت کی مخالفت کا وہم ہونے لگتا ہے اگرچہ واقع میں ایسا ہُوا نہیں کرتا۔ پھر چونکہ ان عارفین کی پابندی شریعت اور راست کرداری میں ذرا بھی شُبہ نہیں ہُوا کرتا اس لئے علماء ان کے کلام کی تاویل کر دیا کرتے ہیں یعنی اُن کے اقوال کے ظاہری معنی چھوڑ کر صحیح معنی لیتے ہیں جو کہ شریعت کے موافق ہوں تاکہ لوگ اُن بزرگوں سے بدگمانی نہ کریں اور اُن کے عقائد کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہیں۔ باقی رہے یہ دغاباز جو کہ شریعت کی راہ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں اور لذات فانی اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے میں سرگرم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ محض مدعی ہُوا کرتے ہیں اُنہیں اُن عارفین کے منصب کا صرف دعویٰ کرنا آتا ہے اور کچھ واہی تباہی کلمات بک دیا کرتے ہیں جو کہ بظاہر اُن کے کلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کی ایسی پرہیزگاری سے کوسوں دور رہتے ہیں اور نہ ان کے علوم و معارف کا اُن کے

پاس نشان ملتا ہے۔ ہوشیار رہو دیکھو خبردار کبھی ان دغاباز گمراہوں کی باتوں میں نہ آنا اُن کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرنا یہ لوگ دین کے تباہ کر دینے والے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی بڑی کثرت ہے خدا جانے انہوں نے کتنوں کے عقیدے خراب کر ڈالے اور کتنی حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔ پس ہر مسلمان کو جو کہ شریعت محمدیّہ کی پیروی کا ارادہ کرتا ہے یہ چاہیئے کہ وہی عقیدے رکھے جو قرآن اور صحیح حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوتے ہوں اور اس بارے میں انہیں بڑے بڑے علماء کے کلام کا اعتبار کرے جن کا علم اور جن کی راست کرداری کیا عام اور کیا خاص تمام لوگوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہو اور اس کے سوا تمام خیالات اور اوہام کو الگ کرے۔ خدا بطفیل سیدالمرسلینؐ کے ہم سب کی راہنمائی کرے۔ آمین :

ساتویں فرقہ کا فرق سابقہ کے بالاتفاق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق کرنے سے آپؐ کے صدق پر استدلال

ان میں سے ایک فرقہ اور تھا جن کی نظر ان استدلالات مذکورہ تک تو پہنچی نہیں لیکن انہوں نے اس امر میں غور کرنا شروع کیا کہ دیکھیں محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے حالات کیا ہیں اور یہ تمام فرقے جو کہ پہلے آپؐ کے مخالف تھے کیونکر مطیع بن گئے اور وہ کون سی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے ان سب کو آپؐ کی اطاعت اور تصدیق کرنا پڑی ۔

پس کہنے لگے کہ یہ سارے فرقے جنہوں نے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت قبول کر لی بے شک نہایت عقلمند ہیں ان کی عقل بھی بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ان میں یہ بھی قابلیت موجود ہے کہ استدلال کر کے صحیح طور پر حقیقت امر کو دریافت کر لیں۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو ان سب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے دعویٰ کی تصدیق کرنے سے بڑا انکار کیا بہت نفرت ظاہر کی، بڑے زور وشور سے آپؐ کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دوست احباب آپؐ

کے عزیز و اقارب آپؐ کے کنبہ والوں نے بھی آپؐ کی مخالفت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ خاص کر ان لوگوں کو دیکھئے جو کہ پہلے رسولوں کے دین کو مانتے تھے اور اُن کے پاس انہی رسولوں کی لائی ہوئی کتابیں بھی موجود تھیں۔ وہ سب کے سب آپؐ کو آپؐ کے دعوے سے باز رکھنے کی غرض سے زجر اور توبیخ اور ملامت سے پیش آئے۔ بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح سے آپ اپنی بات کو چھوڑ دیں اُن سب کو بیوقوف نہ بنایا کریں، اُن کے بتوں کے ساتھ طعن و تشنیع سے نہ پیش آیا کریں اور اُن کے باطل اعتقادات کی خرابی نہ بیان کریں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے میں انہوں نے بہت کچھ لالچ بھی دی اور یہ بھی کہا کہ اگر تم اپنے دعوے کو ترک کر دو تو تمہیں اپنے مال میں شریک کر لیں گے۔ اپنی اچھی سے اچھی لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں گے پھر اُن ہی لوگوں کا یہ حال ہُوا کہ کہاں اتنی نفرت اور انقباض تھا اور کہاں وہی اپنی آبائی عادتوں اور عقیدتوں کو ترک کرنے لگے۔ خصوصاً وہ لوگ جو کہ پہلے رسولوں کے دینوں میں سے کسی دین کے معتقد تھے۔

چنانچہ اُن کی یہ کیفیت ہوئی کہ پہلے تو اپنے آسمانی دین اور آسمانی کتابوں سے استدلال کر کے اسلام کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے اور انتہا درجہ کی نفرت ظاہر کرنے لگے تھے۔ پھر کچھ سمجھ کر ان ساری باتوں سے باز آئے اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق کرنے کی طرف پورے پورے متوجہ ہو گئے کیونکہ خود ان ہی کی کتابوں میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی راستی کی متعدد شہادتیں انہیں ملیں اور جو جو علامتیں ان میں بطور پیشین گوئی کے مذکور تھیں سب کی سب آپؐ پر منطبق ہو گئیں۔ پھر کیا تھا انہوں نے جب محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سُن لیا کہ آپؐ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کے لئے ناسخ ہے تو اُن شریعتوں کے بہتیرے احکام کو جن کو وہ مانتے ہُوئے تھے چھوڑ دیا اور آپؐ کے بتلائے ہُوئے احکام بجا لانے لگے۔ سچ پوچھئے تو یہ بات بھی بڑی مشکل کہ اپنی ساری عادتوں کو جن کے وہ مدتوں سے عادی ہو رہے ہیں بلا وجہ دفعتہً چھوڑ دیں، کبھی ہو ہی نہیں سکتا اور یوں تو وہ

کبھی چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ ہاں جب کوئی ایسا ہی قوی سبب درپیش ہو جائے تو اُس وقت یہ امر ممکن ہے کیونکہ وہ اس بات کو یقیناً جانتے تھے کہ پہلے رسولوں کے شرائع کے اتنے بہت سے احکام کو اگر وہ خدا کے حکم اور مرضی کے خلاف چھوڑ بیٹھیں گے تو ضرور بہت سخت انتقام اور سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

پس محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر اُن لوگوں کا ایمان لے آنا اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کر لینا ہو نہ ہو ضرور دلیلوں کی بڑی دیکھ بھال پر مبنی ہے کیونکہ اگر وہ دلیلیں یقینی اور قطعی نہ ہوتیں کہ جن سے اُن کے دلوں کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو گیا اور اُن کی عقلوں نے انہیں تسلیم کر لیا اور حق دریافت کرنے کے لئے کافی پایا تو وہ کبھی ان دلیلوں کے مقتضا کے موافق کاربند نہ ہوتے اور اپنی عادات کو ہرگز ترک نہ کرتے اور اپنے پہلے خیال کے مطابق وہ اپنے آپ کو خداوندی انتقام کا مستحق نہ بناتے اور اُن کی صحیح عقلیں اس باطل امر پر پیش قدمی کرنے کو ہرگز روا نہ رکھتیں اور ان کو اس بات کی کبھی اجازت نہ دیتیں کہ وہ محض کسی ضعیف دلیل پر اعتماد کر لیں یا اپنی بدانجامی کا لحاظ نہ کر کے خواہشِ نفسانی کی پیروی کرنے پر مائل ہو جائیں اور اپنے آپ کو اتنے بڑے خطرے میں ڈال دیں۔ اس موقع پر اُن میں کوئی اور سبب مثل نفسانی جذبات وغیرہ کے بھی نہیں پایا جاتا کہ جس کی وجہ سے کبھی کبھی آدمی جوش میں بیجا امور کا ارتکاب کر لیا کرتا ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو اُن کے دلوں میں اس کے خلاف نفسانی جوش، قومی پاس اور مذہبی تعصب موجود تھا کہ جو بجائے تصدیق کے اُن کو تکذیب پر زیادہ تحریک دے سکتا تھا اور ان کے لئے اپنے قدیم مذہب پر ثابت قدم رکھنے کا بہت قوی ذریعہ ہو سکتا تھا۔

پس باوجود طرح طرح کی دلیلوں کے موجود ہونے کے کہ جن سب کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اُن سب کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر متفق ہو جانا بے شک ایک اور مستقل دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس سے آپ کا دعویٰ

بخوبی ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے عقل سلیم اس کو ہرگز نہیں تسلیم کرسکتی کہ یہ سب عقلاء باوجودیکہ وہ اپنی عادات اور خیالات کے بڑے طرفدار تھے اتفاقی طور پر متفق ہوگئے اور نیز یہ کہ اتنی بہت سی دلیلوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی پر حاصل ہوجانا بھی محض ایک اتفاقی امر تھا ایسی باتوں کے اتفاقی ہونے کا وہی قائل ہوسکتا ہے جو کہ انصاف کو چھوڑ کر ہٹ دھرمی کرنے لگے۔

پس اس بات پر اعتماد کرکے ان سب فرقوں کا اتفاق کرلینا اور اتنی بہت سی دلیلوں کا مجتمع ہوجانا ہرگز اتفاقیہ نہیں ہوسکتا۔ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کرلی اور آپ کے جملہ احکام کو قبول کرکے ہم نے اقرار کرلیا کہ آپ بے شک خدا تعالےٰ کے رسول ہیں۔ آئیے آپ کو اس فرقہ کا استدلال ہم منطقی طرز پر سمجھائیں۔ اس فرقہ نے ایسے قیاس استثنائی سے استدلال کیا ہے جس میں سے کہ نقیض تالی کو اس لئے استثنا کرتے ہیں تاکہ نقیض مقدم نتیجہ نکلے۔ چنانچہ ہم اُن کی دلیل کو بالاختصار یوں بیان کرسکتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہ ہوتے تو یہ تمام مخالف عقلاء جو بڑے متعصب تھے آپ کی تصدیق پر اتفاق نہ کرتے اور نہ اتنی ایک دلیلیں آپ کے موافق جمع ہوجاتیں لیکن ان تمام لوگوں نے اتفاق کرلیا اور اتنی دلیلیں جمع ہوگئیں تو آپ ضرور سچے ہوئے۔ پس یہ شبہ نہ کیجئے کہ اس فرقہ نے پہلے فرقوں کی تقلید کرکے ایمان اختیار کرلیا ہے بلکہ انہوں نے بھی دلیل سے اس امر کو ثابت کیا ہے جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہُوا۔

آٹھواں سائنٹیفک اور مادہ کا قدیم ماننے والا دہریہ فرقہ

ان میں سے ایک دہری مادہ کا قدیم ماننے والا[1] اور طبعیات[2] کا جاننے والا فرقہ بھی تھا جن کا خیال یہ ہے کہ عالم کا مادہ قدیم ہے اور وہ کسی کا پیدا کیا ہُوا نہیں

---

[1] میٹریالسٹ [2] سائنٹسٹ ؞

بلکہ خود موجود ہے۔ عالم کے لئے کوئی خدا نہیں جس نے کہ عالم کو پیدا کر کے اس عمدہ انتظام پر اُس کو مرتب کیا ہو۔ وہ باوجود اپنے رنگ برنگی اور اس عجیب و غریب حالت پر موجود ہونے کے جس میں کہ عقل چکرا جاتی ہے محض عناصر کے ملنے اور قوانینِ قدرت کے موافق جو ان میں موجود ہیں فعل و انفعال ہونے کی وجہ سے بن گیا ہے اور چونکہ وہ عالم کے پیدا کرنے میں کے وجود کو نہیں مانتے تو وہ لامحالہ رسولوں کی بھی تصدیق نہیں کر سکتے جن کا کہ یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اُن کو اللہ یعنی اس عالم کے پیدا کرنے والے نے ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

پس جب انہوں نے یہ سُنا کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہُوا کہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ ان تمام فرقوں نے پہلے تو آپؐ کی تکذیب کی اور پھر آپؐ کی تصدیق کرنے لگے اور وہ مختلف دلیلیں بھی انہیں معلوم ہوئیں جن سے کہ ان فرقوں نے آپ کی تصدیق پر استدلال کیا تھا اور یہ مشاہدہ کیا کہ انسانی دنیا میں ان سب باتوں کی وجہ سے عجیب انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا کہ ان سارے فرقوں نے اپنی تمام رسموں اور عادتوں کو جن کے کہ وہ مدتوں سے عادی ہو رہے تھے ترک کر دیا اور اپنے خیالات اور عقائد کو بھی بدل ڈالا اور ایک بے لکھے پڑھے شخص کے مطیع بن گئے جس نے کہ تن تنہا ان ہزاروں کے خلاف دعویٰ کیا اور اُن کے مقابلہ کی جرأت کی اور حالت یہ تھی کہ نہ اُس کا کوئی یار تھا نہ مددگار اور کہنے لگے کیا یہ کوئی معمولی واقعہ سمجھا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ ضرور اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ اس بارہ میں خوب غور و فکر سے کام لیا جائے اُس کے اسباب سے اور اس بات سے بحث کی جائے کہ یہ امر ان اسباب سے کیونکر واقع ہُوا اور واقعی امر کو دریافت کیا جائے کہ آیا یہ سب کچھ یقینی امور کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے یا بعض اوہام اور خیالات ان کے باعث ہوتے ہیں۔

پس اُن کی عقلوں کو اس کی وجہ سے تحریک پیدا ہوئی اور انہوں نے فکروں کو اس طرف متوجہ کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی بات کو سُنتا ہے ضرور اس کے

دل میں اُس کی نسبت کچھ نہ کچھ خیال پیدا ہوتا ہے اور اُس کے دریافت کرنے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ پس وہ بھی آپس میں یوں کہنے لگے کہ یہ واقعہ تو نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے اور ہم تو عالم کی ذرا ذرا سی چیزوں سے بحث کیا کرتے ہیں اُن کے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں۔ ان کی وجہ حقیقت اور غایت کو دریافت کرتے ہیں۔ ہم تو اس بات کو مانے ہوئے بیٹھے ہیں کہ انسانی دنیا میں ہر حادث اور ہر انقلاب کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے جیسے کہ مادہ کے متعلق حوادثات میں ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ کا کوئی اثر نہیں پایا جاسکتا کہ جس کا کوئی مؤثر نہ ہو بلکہ اُس کے ہر ہر تغیرات کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور مقتضی موجود ہوگا تو کیا اس بات کے ماننے کے بعد بھی اتنے بڑے عظیم واقعہ سے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اپنے دعوے میں کامیاب ہو گئے اور تمام لوگ آپ کے مطیع بن گئے۔ ہم چشم پوشی کر سکتے ہیں۔ یہ تو انسانی دنیا میں اتنا بڑا انقلاب ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ تو پھر کیا ہمیں یہ مناسب ہے کہ بلا تحقیق کئے ہوئے محض اٹکل اور تخمین سے یہ کہہ دیں کہ اجی محمدؐ نے سرداری اور حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ دعویٰ کیا ہے اور ان سب لوگوں کو وہم ہو گیا ہے کہ انہوں نے آپ کا اتباع کر لیا۔

اس فرقہ کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بحث کرنیکا کیا باعث ہوا

کیا اس موقع پر ہمارا فرض منصبی نہیں ہے کہ ہم تاریخی فلسفہ سے کام لیں اور اتنے بڑے انقلاب اور تغیر کے اسباب دریافت کریں اور اس کی کوئی وجہ ڈھونڈھ نکالیں کہ اس بے یار و یاور محض بے پڑھے لکھے شخص کے اتنے لوگ کیوں مطیع ہو گئے اچھا اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپؐ کا دعویٰ فقط حکومت حاصل کرنے کی غرض سے تھا تو ہم اس کا کیا سبب بنا سکتے ہیں کہ ان تمام متعصب فرقوں نے آپؐ کی اطاعت کیوں کر لی اور وہ باوجودیکہ اپنی رسموں کے بڑے پابند اور اپنے خیالات کے بڑے طرفدار تھے آپؐ کے کیسے مطیع بن گئے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس اطاعت قبول کرنے کا

سبب اُن سب کا تعصب تھا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب تو اپنی عادتوں اور اپنے ہی خیالات کے ساتھ تعصب کرتے تھے اس کا تو مقتضا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی موافقت کرنا کیا معنی اُلٹے آپ کی اور زیادہ مخالفت کرتے اور اگر ہم اس کا یہ سبب ٹھہرائیں کہ اُن کو قومی پاس تھا اور یہ لالچ کرتے تھے کہ اگر انہیں حکومت حاصل ہو جائے گی تو ہم بھی اُس سے بہرہ یاب ہوں گے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم آپ کی قوم اور آپ کے قرابت مندوں کو تو دیکھتے ہیں کہ آپ کے سب سے زیادہ مخالف تھے اور جو کوئی ان میں سے آپ کا مطیع بھی ہُوا تو اس وقت کہ جب آپ کو اپنے ارادہ میں پورے طور سے کامیابی حاصل ہو چکی اور آپ کے معاونین اور مددگاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور ایسے بہت ہی قلیل لوگ نکلیں گے کہ جو آپ کے عزیزوں میں سے پہلے پہل ایمان لے آئے ہوں۔

پس جب یہ حالت ہو تو اُن کا قومی تعصب کسی طرح اس کا سبب نہیں ٹھہر سکتا۔ علاوہ بریں اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اول امر میں آپ کے قرابت والے آپ کی حمایت کرتے تھے تو بھلا اس کو اور تمام کثیر فرقوں کی اطاعت اختیار کر لینے میں کیا اثر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ آپ کے عزیزوں کی قوت اتنے بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نہ تھی بلکہ ان سے بہت ہی کم تھی اور نہ ان لوگوں کی مثل آپ کے قرابت مندوں کی بات کا لوگوں پر چلنا ہی آسان تھا۔ پس اگر آپ اپنے قرابت مندوں کی طرفداری پر بھروسہ کر کے اتنے لوگوں سے مقابلہ کرتے تو ضرور آپ نے اُن سب کو معرضِ ہلاکت میں ڈال دیا ہوتا اور ان ہزاروں کی قوت کے سامنے ان کا نام و نشان بھی نہ باقی رہتا۔ یہ بات اُس وقت معلوم ہو سکتی ہے کہ جب دونوں جانب کی صحیح تعداد دریافت کی جائے اور اگر ہم اس کا یہ سبب قرار دیں کہ ان تمام فرقوں نے یہ لالچ کر کے آپ کی اطاعت قبول کر لی کہ جب آپ اپنے دعوے میں کامیاب ہو جائیں گے اور آپ کو

جو غلبہ حاصل ہونے والا تھا حاصل ہو جائے گا تو ان سب کو بھی اس کے ثمرات حاصل کرنے کا موقع ملے گا تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ان تمام فرقوں کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے دعویٰ میں کامیاب ہی ہوں گے اور آپؐ کو ایسا غلبہ حاصل ہو ہی جائے گا اور حالت یہ تھی کہ جب آپؐ ابتداء میں یہ دعویٰ کرنے کھڑے ہوئے تھے تو بالکل تن تنہا تھے۔ نہ کوئی آپؐ کا ساتھ دینے والا تھا اور نہ کوئی مدد کرنے والا اور نہ کوئی بظاہر ایسا ذریعہ ہی آپ کو حاصل تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کی کامیابی کی امید ہو سکتی۔ آپؐ نے یہ دعویٰ کیا کیا تھا کہ لوگوں کے لئے ایک مذاق ہاتھ لگا تھا یوں کہا کرتے تھے کہ اس خبط کو دیکھتے ہو کہ اتنا بڑا تو دعوے اور پھر نہ کوئی کامیابی کا ذریعہ نہ سبب۔ جب یہ کیفیت ہو تو کون سی ایسی قوم ہو سکتی ہے کہ جو کسی شخص کو اس کے دعوے میں جھوٹا بھی سمجھتی ہو اور وہ بھی بالکل تن تنہا ہو کامیابی کے ذرائع میں سے اُس کو کوئی ذریعہ بھی حاصل نہ ہو اور پھر وہ لوگ اپنی ان عادات اور اعتقادات کو جن سے کہ وہ اپنی دین و دنیا کی بہتری کی امید کرتے ہوں ترک کر دیں اور محض یہ لالچ کر کے اُس شخص کا اتباع کرنے لگیں کہ جب اُس کو اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل ہو جائے گی تو انہیں بھی فانی ثمرات سے فیضیاب ہونے کا موقع ملے گا چاہے دائمی ثمرات سے محروم ہی کیوں نہ رہیں اور تو کوئی نہیں ہاں البتہ مجنونؐ[1] ایسا کر سکتے ہیں اور اس بات کو یقیناً عقل ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی کہ یہ سب فرقے مجنون تھے اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپؐ کی فصاحت اور جادو بیانی اس کا سبب ہے آپ نے اپنی قادر بیانی سے ان سب کو اپنا

---

[1] اور اگر ہم کہیں کا اس کا سبب خوف ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اول امر میں ان تمام فرقوں کو محمدؐ سے ذرا بھی خوف نہ تھا اس لئے کہ آپؐ تن تنہا تھے۔ نہ کوئی یار نہ مددگار۔ ہاں البتہ بعض لوگوں نے خوف کیوجہ سے بھی اتباع کیا ہے لیکن یہ کب ؟ جبکہ آپؐ کو کامیابی حاصل ہو چکی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہزاروں نے بلا کسی خوف کے آپؐ کی اطاعت قبول کی ہے تو پھر ان لوگوں کی اطاعت کی کیا وجہ ہو گی ؟ ۱۲

فریفتہ کر لیا ہے اور اپنی راستی کے دلائل کا ذبہ کو رنگ آمیزیاں کر کے سچ کر دکھایا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سارے فرقے محض آپ ہی کی بیان کی ہوئی دلیلوں سے آپ کے مطیع نہیں ہوتے جیسا کہ اُن لوگوں کی ساری دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے بلکہ انہوں نے بہت سی ایسی دلیلوں سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں آپؐ کو کوئی دخل نہیں ہے اور نہ اُن کا قائم کرنا آپ کی قدرت و اختیار میں تھا۔

بھلا بتلائیے تو سہی کہ کیا یہ آپؐ کے اختیار میں تھا کہ آپ اپنے میں اُن ساری علامتوں کو جمع کر لیتے جو کہ اُن ہی میں سے بعض بعض فرقوں کی کتابوں میں موجود تھیں جنہیں کہ وہ پہلے رسولوں کی کتابیں بتلاتے تھے اور وہ انہیں یہ خبر دے گئے تھے کہ ہمارے بعد عنقریب ایک رسول آئے گا کہ جس میں یہ ساری علامتیں پائی جائیں گی چنانچہ آپؐ میں وہ ساری علامتیں اُنہوں نے بچشم خود دیکھ لیں۔ کیا آپؐ کی طاقت میں تھا کہ اپنے قرآن میں تمام اعلیٰ درجے کے صفات جمع کر لیتے جن سے کہ بڑے بڑے فصیح اور ماہر فلسفی بھی عاجز ہیں اور حالت یہ کہ آپؐ بالکل بے پڑھے لکھے شخص۔ آپؐ نے جاہلوں میں پرورش پائی اور پھر جمع کر کے اپنی راستی کی دلیل میں پیش کرتے۔ کیا یہ آپؐ کی قدرت میں تھا کہ ان جملہ قوانین کو جسے کہ آپ شریعت کہتے ہیں اس عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ جس کو دیکھ کر عقلیں بھی دنگ ہو جاتی ہیں مرتب کر لیتے تاکہ اپنی راستی کی دلیل میں پیش کر سکیں اور پھر نہ آپؐ لکھے نہ پڑھے متفرق قوموں کے حالات سے بے خبر اور مختلف ممالک و بلاد کے قوانین سے محض ناواقف۔ کیا یہ آپؐ کے قبضہ کی بات تھی کہ قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے مقابلے سے بھی ان تمام فرقوں کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ لوگوں کی زبان کو گونگا بنا دیں۔ یہاں تک کہ بعض تو اپنے عجز کا اقرار کر لیں اور بعض ناچار ہو کر لڑنے پر مستعد ہو جائیں اور اپنی جانوں کو جنگ و جدل کی مصیبتوں میں پھنسائیں اور ایک سورت کے بھی مقابلہ کی جرأت نہ کریں حالانکہ اگر وہ مقابلے پر

قادر ہوتے تو اس سے بڑھ کر اُن کے لئے اور کوئی آسان تدبیر ہی نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک وہ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ان سب لوگوں پر چونکہ وہم طاری ہو گیا تھا اسی وجہ سے یہ مقابلے سے عاجز رہے اس لئے کہ جب آپؐ نے اُن سے یہ کہا کہ تم لوگ میرے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل لانے سے بھی عاجز ہو تو اُن پر وہم غالب ہو گیا اور اُنہوں نے اپنے کو عاجز خیال کر لیا اور پھر اُن سے کچھ نہ ہو سکا اور وہم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی تاثیر سے کوئی انسانی عقل انکار ہی نہیں کر سکتی تو ہم کہیں گے کہ اس بات کو بھی عقلِ سلیم کسی طرح نہیں مان سکتی اور اس شخص کا یہ قول ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ جو اثر ہم وہم کا دیکھتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اُس کا تسلّط غایت سے غایت اگر ہو گا بھی تو بھی ایک یا دو فرقوں پر اور وہ بھی ایک آدھ مقام پر اور اگر رہا بھی تو ایک یا دو دن اور اگر بہت رہا تو ایک یا دو مہینے بس۔ لیکن وہم کا یہ تسلّط کہ تمام لوگوں پر ہو جائے ہر مقام میں اُس کا دخل ہو بیس بیس برسوں سے بھی کچھ زیادہ زمانہ گزرنے پر بھی باقی رہے بلکہ صدیاں گزرنے پر بھی زائل نہ ہو جو لوگ کہ اُس وہم کے سبب کے وارد ہونے کے وقت بہت دُور ہوں اُن پر بھی قبضہ کر لے اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ اُن کو اور لوگوں کی خبر پہنچ گئی جن پر کہ وہم چھا گیا تھا اور یہ سُنتے ہی اُن پر بھی وہم کا قبضہ ہو جائے۔ کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا اور نہ آج تک سننے میں آیا کہ وہم کا ایسا عام اور باقی رہنے والا تسلّط بھی ہوتا ہے کہ ہر مقام میں بھی ہو برسوں گزرنے پر بھی باقی رہے۔ عقلِ سلیم وہم کی اس خاصیت کو بغیر کسی خارجی سبب کے پائے جانے کے کہ جس سے اِس کی تقویت ہوئی ہو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی۔

علاوہ بریں کیسی ہی واہمی باتیں کیوں نہ ہوں لیکن غور و فکر کرنے سے امتدادِ زمانہ کے بعد اُن سے ضرور خلاصی ہو ہی جاتی ہے اور واقعی بات کا پتہ لگ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی چیز میں غور و فکر سے کام لیا جائے

اور پھر بھی حقیقتِ حال معلوم نہ ہو اور ظاہر بات ہے کہ یہ سارے فرقے محمدؐ کی مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے حقیقت امر دریافت کرنے کے بڑے ہی حریص تھے تاکہ آپؐ کی تکذیب ثابت کرسکیں اور باوجود اس کے بھی اُن کی کسی ایسی چیز تک رسائی نہیں ہوئی اور قرآن کریم کے مقابلہ سے اُن کا عاجز رہنا ایک امر مستمر رہا کہ جس میں وہم کی ذرا بھی تاثیر ثابت نہیں ہوسکتی۔

پس اب بخوبی ظاہر ہوگیا کہ اُن کو وہم نہ تھا بلکہ وہ فی الواقع عاجز ہی تھے اور اگر وہم کے عام تسلط اور مستمر رہنے کے امکان پر یوں اعتراض کیا جائے کہ دیکھئے قدیم ہیئت داں علماء کو عام طور پر سینکڑوں برس تک اس امر کا وہم رہا کہ آسمان گھومتا ہے اور زمین ساکن ہے تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس وہم کا عام اور مستمر ہونا ایک بہت بڑے قوی سبب کی وجہ سے تھا اور وہ یہ ہے کہ نظر اور مشاہدہ سے نہ آسمان کا دُور کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین کا ساکن ہونا۔

علاوہ بریں اُن کے پاس وہ آلات بھی موجود نہ تھے کہ جس سے حقیقتِ حال کے دریافت کرنے میں متاخرین کو (جیسا کہ اُن کا خیال ہے) بہت مدد ملی اور جس امر میں کہ بحث درپیش ہے اُس میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم ہوسکے کیونکہ اس کا سبب (جیسا کہ معترض کا گمان ہے) سوائے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ جو تمام لوگوں کو مخاطب کرکے آپؐ نے فرمایا تھا کہ تم سب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو اور کوئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس سبب میں اس قدر قوت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم پیدا ہو جائے۔ چنانچہ یہ بات منصف کے نزدیک بالکل واضح ہے۔ پس امر متنازعہ فیہ اور قدیم ہیئت کے جاننے والوں کے وہم میں اچھے طور سے فرق ظاہر ہوگیا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب عقل کے نزدیک بغیر کسی قوی سبب کے بیس برس سے

کچھ زائد بھی وہم کا عام اور مستمر ہونا مسلم نہیں ہے تو ایسے وہم کا بلاکسی قوی سبب کے تیرہ سو برس کی مدت تک عام اور مستمر رہنا تو عقل سے اور بھی کوسوں دور ہوگا۔ اور جب یہ ٹھہرا تو سنئے کہ اتنی ہی مدت گذر چکی اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر۔ انشا پرداز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن رہے۔ بتھیروں نے آپؐ کی شریعت کی روشنی کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور ان کے لئے کوئی ایسا مانع امر بھی نہ تھا پھر بھی ہمیشہ قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ اتنی قلیل مقدار بھی قرآن کے مثل لانے سے سرتاپا عاجز ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے اور ہم تو کھلے خزانے بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ قیامت تک بھی قرآن کی مثل کوئی نہ لا سکے گا)۔

اس فرقے کا اس امر کو جان کر کہ ہم تمام چیزوں سے پورے پورے واقف نہیں اپنے جی کو سمجھانا

پھر اسی طرح یہ فرقہ ایسے سبب کی تفتیش کرتا رہا کہ جس کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں لوگ غلطی میں پڑ گئے ہوں لیکن اُنہیں ایسا کوئی سبب نہیں معلوم ہُوا بلکہ بالآخر غایت درجہ کے استقراء اور تلاش کے بعد اُن کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس موقع میں غلطی کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا پھر کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمام چیزوں کی جنہیں کہ عقل تجویز کر سکتی ہے اور جو کہ ذہن میں آسکتی ہیں حقیقت کا احاطہ کر لیا اور اشیاء کا ہمیں پورے طور سے پتہ لگ گیا ہرگز نہیں۔

انسانی شرافت کی قسم! ہم سچ کہتے ہیں کہ ہمارا علم تمام حقائق کو جو کہ خیال میں آسکتی ہیں ہرگز محیط نہیں ہے بلکہ بڑی چیز یعنی اس مادی دنیا کے جیسے کہ ہم رات دن دیکھا کرتے ہیں قوانین قدرت برابر ہم سے مخفی رہے چنانچہ دن بدن کچھ نہ کچھ نئے قوانین قدرت ہم کو دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ وہ امر جیسے کہ ہم

بڑے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ جتنی اشیاء سے ہم کو واقفیت حاصل ہو چکی ہے اگر اُن کی نسبت اُن اشیاء کے ساتھ دیکھی جائے کہ جواب تک ہم کو دریافت نہیں ہوئیں تو بے شک وہی نسبت نکلے گی جو سمندر کو ایک قطرے کے ساتھ ہوتی ہے۔

پس جب یہ حالت ہو حقائق کی واقفیت میں ہمارا درجہ اتنا گھٹا ہُوا ہوا اور تمام اشیاء پر حاوی اور محیط ہونا ہمارے لوازم ذات سے قرار پانا تو جُدا رہا ہم کو تمام حقائق کا پورا پورا علم بھی نہ ہو تو پھر ہم اس بات کا کیونکر اطمینان کہہ سکتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم نہیں ہے کہ جس کی اطلاع ہم کو نہیں ہوئی اور ہم اس کو دریافت نہ کر سکے خواہ اس وجہ سے کہ ہماری فکریں مادی دنیا سے بحث کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں اُس سے ہمیں بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور چونکہ ہمارے خیالات اسی کے عادی ہو رہے تھے تو اس سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ہم دوسرے عالم سے بالکل غافل ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ شاید اس مادی دُنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم ہی نہیں ہے اور خواہ اس وجہ سے کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل ہی نہ ملی کہ جس سے دوسرے عالم کا پتہ لگتا یا اس وجہ سے کہ ہمیں ایسے ذرائع حاصل نہیں تھے کہ جن کے وسیلہ سے اس مادی دنیا کے علاوہ کوئی دوسرے عالم کو دریافت کرنے کے ہم قابل ہو جاتے۔

بھلا بتایئے تو سہی کہ برقی قوت کے دریافت ہونے سے پہلے اُس کا کون خیال کرتا تھا اور اُس کے خواص و آثار کس کی سمجھ میں آ سکتے تھے اور اُن کو کون مان سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اتفاقیہ وہ قوت دریافت ہو گئی اور متعدد تجربوں سے اُس کے فوائد کی تحقیق ہوتی چلی گئی حالانکہ یہ عالم طبیعات ہی سے ہے اور باوجود اس کے ہم اُس کو آنکھ سے آج تک دیکھ بھی نہ سکے۔ غایت سے غایت صرف یہ ہُوا کہ ہم نے اُس کے آثار کو دیکھ کر اس کے موجود ہونے کا استدلال کر لیا۔

اس فرقہ کا اپنے اس دعویٰ پر قائم نہ رہ سکنا کہ ہم بغیر حواس خمسہ کے ادراک کئے ہوئے کسی چیز کو نہیں مانتے اور حقائق کے دریافت کرنے سے اپنے قاصر ہونے کا اعتراف کر لینا!

علاوہ بریں ہم لوگوں میں یہ بات جو مشہور ہے کہ ہم کسی چیز کو جب تک کہ اپنے حواس خمسہ میں سے کسی سے ادراک نہ کرلیں نہیں مانتے اس پر بھی قائم نہ رہ سکے اور اس کا ہر موقع پر التزام کرنا ہمارے امکان سے خارج ہوگیا بلکہ ضرورت کے وقت ہم کو اپنے اس قاعدہ کو برابر چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہی دیکھئے کہ مادۂ اثیر (یعنی ایتھر) کو ہم مانتے ہیں اور اُسے ثابت کرتے ہیں حالانکہ یقیناً ہم نے اس کو اپنے حواس میں سے کسی سے ادراک نہیں کیا۔ ہم کو صرف اس کے ثابت کرنے کی یہ ضرورت ہے تاکہ ہم روشنی کی حقیقت سمجھ سکیں۔ چنانچہ ہم اس کے ثابت کرنے کے بعد اس بات کے قائل ہوگئے کہ روشنی اس مادہ اثیریہ (یعنی ایتیر) کی حرکت کا نام ہے کہ جو تمام دنیا میں پھیلا ہُوا ہے۔ اثیر (ایتھر) اُن کے نزدیک ایک گیس ہے کہ جو غیر متناہی خلاء میں بھرا ہُوا ہے اور جب تک کہ بعض روشن اجسام جیسے کہ ستارے اُس میں اثر نہ کریں تو وہ خود ساکن رہتا ہے اور ان کے اثر کرنے کی وجہ سے اس میں حرکت پیدا ہوتی اور موجیں مارنے لگتا ہے جیسے کہ ہَوا جسم کے اثر کرنے سے آواز کے لئے حرکت کرنے لگتی ہے اور پھر اُس کی حرکت آنکھ تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اُس میں اثر ہوتا ہے اور اُسے مرئیات کا شعور ہو جاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ عوامل یا قوی کہربائی (اور وہ حرارت قوت برقی اور قوت مقناطیسی ہیں) صرف ایسی اثیر (ایتھر) کی لہریں ہیں اور وہی ایسی اصل ہے کہ چاروں غیر قابل وزن مادوں کو ایک مادہ میں جمع کرتی ہے اور وہ چاروں مادے روشنی، حرارت، قوت کہربائی یا برقی اور قوت مقناطیسی ہیں اور جب ہمارا

یہ مشہور قاعدہ قابلِ اعتبار نہیں رہا تو ایسی اشیاء کے وجود سے کون سی شئے مانع ہوسکتی ہے کہ جن کو محض ہمارے حواس ادراک نہیں کرسکتے اور یہ بات اُن موجودات سے جو کہ خورد بین (مائکراسکوپ) سے نظر آتے ہیں ثابت بھی ہوچکی ہے کیونکہ اُن کا ادراک جب تک کہ آلاتِ بصریہ نہ استعمال کئے جائیں ہو ہی نہیں سکتا تو پھر اب ایسی اشیاء کے موجود ہونے سے کون سا امر مانع ہوسکتا ہے کہ جن کے ادراک کے لئے ہمارے موجودہ حواس گو وہ کسی آلہ سے مدد ہی کیوں نہ لیں کافی نہ ہوں بلکہ اُن کے ادراک کے لئے کسی دوسرے حاسہ کی ضرورت ہو جو کہ ہم میں نہیں پایا جاتا چنانچہ یہی اثیر (ایتھر) ہی ایسا ہے اور جب ہمارے حواس مادی دُنیا کے اعتبار سے اس قدر عاجز ٹھہرے تو پھر مادی عالم کے علاوہ دوسرے عالم کی اشیاء کے ادراک سے اگر عاجز ہوں تو کچھ بھی مستبعد نہیں۔

پس اگر انصاف سے پوچھو تو یہی ہے کہ ہم معرفت اور شناخت کے راستہ میں بہت ہی قاصر ہیں اور اُن تمام اشیاء کے حقائق دریافت کرنے کے ذرائع جنہیں کہ عقل تجویز کرسکتی ہے ہم میں بے شک ناتمام ہیں۔ پس عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ بتہیری ایسی حقیقتیں واقع میں موجود ہوسکتی ہیں کہ جن سے ہم محض ناواقف رہیں یا اُن کی ہم کو خبر ہی نہ ہو اور اُن اشیاء کے ادراک کے ذرائع یا تو ہم میں موجود ہی نہ ہوں یا اُن کی تمام شرطیں نہ پائی جاتی ہوں اور جب ہم بے انصافی کا ساتھ چھوڑ کر انصاف کے مددگار بنیں گے تو ضرور ہم یہی سمجھیں گے کہ عالم طبعیات کے سوا کسی دوسرے عالم کو نہ ماننا محض ایک تخمینی بات ہے اور بلا دلیل حکم لگانا ہے۔ کیونکہ غایت سے غایت یہ ہوگا کہ جہاں تک ہم نے بحث کی ہے ہمیں اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کی کوئی دلیل نہیں ملی اور نہ اس امر کی دلیل ملی جس سے کہ اس عالم کا کسی دوسرے عالم سے ارتباط معلوم ہوتا۔ رہی یہ بات کہ اس عالم مادی کے سوا کسی دوسرے عالم کے موجود نہ ہونے کی ہمیں کوئی دلیل مل گئی ہو یا اس امر کی کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم کے ساتھ مرتبط نہیں ہے۔ قسم انسانی شرافت

کی کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہ امر ہر سمجھدار کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کا پتہ نہ لگے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ شئے موجود نہیں۔ اسی طرح سے اگر کسی شئے کے وجود کی دلیل ہمیں معلوم نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں وہ شئے بھی موجود نہیں۔

پس ایسا ہی یہاں بھی سمجھئے کہ اگر مادی عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کا ہم کو پتہ نہ لگے یا اس کے موجود ہونے کی دلیل ہم کو معلوم نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ نفس الامر میں بھی کوئی دوسرا عالم موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہو اور ہمیں دریافت نہ ہوا ہو۔ چنانچہ یہی دیکھئے کہ ہمیں لوگوں میں سے قدیم طبعیات کے جاننے والوں پر ہزاروں برس کا زمانہ گزر گیا اور وہ رعد اور برق کی وجہ دریافت کرنے کے درپے رہے لیکن انہیں اس کی کوئی صحیح دلیل معلوم نہ ہو سکی اور اس کی حقیقت سے ناواقف رہے اور ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کو دریافت نہ ہونے یا اُس کی دلیل نہ معلوم ہونے سے اُس کا فی نفسہٖ موجود نہ ہونا لازم نہیں آیا اور متاخرین کو اس کی دلیل معلوم ہو گئی اور انہوں نے اُس کی حقیقت کو دریافت کر لیا (اور وہ اُن کے خیال کے موافق قوت کہربائی ہے) اور وہ دنیا کی ضروری چیزوں میں سے ہے کہ جس کی وجہ سے اُس میں طرح طرح کے عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اس فرقہ کا اندیشناک ہونا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سچّا ہی ہو اور پھر اپنی بدانجامی سے خوف کر کے اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا کہ محمدؐ کے دعویٰ کی اچھی طرح جانچ کرنا ہی ٹھیک ہے!

پس بنا بر جمیع امور مذکورہ کے کہ جس سے حقائق اشیاء کی نسبت ہماری واقفیت کا محدود اور ناتمام ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ یہ بات بلا شک ممکن ہے کہ اس مادی عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم بھی پایا جائے۔ اگرچہ اب تک ہم کو اُس کے موجود ہونے کی دلیل نہ معلوم ہوئی ہو اور جب یہ کیفیت ہے تو ہم اس بات سے کیونکر

مامون ہو سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلم جن حقائق ممکنۃ الوجود کا دعویٰ کرتے ہیں وہ واقع میں موجود ہی ہوں اور ہم ان کی حقیقت اور واقعیت سے ناواقف ہوں اور اسی وجہ سے ہم نے اس کو حکومت حاصل کرنے کا حیلہ سمجھ لیا ہو اور ہم یہ خیال کرنے لگے ہوں کہ ان تمام فرقوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لینا محض وہم پر مبنی ہے اور اُن کے پاس اُس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے ہی ہوں اور ان تمام لوگوں کو سچی ہی دلیلیں معلوم ہوگئی ہوں کہ جن کی وجہ سے انہیں آپ کی تصدیق کرنی پڑی اگرچہ ہمیں اُن کی صحت کا ذرا بھی پتہ نہ لگا ہو اور جب بالفرض یہی کیفیت ہو اور محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلم اس عالم کے پیدا کرنے والے یعنی خدا تعالے ہی کے بھیجے ہوئے ہوں اور اُن کی بتلائی ہوئی سب باتیں ہو پڑیں اور انہیں باتوں میں مثلاً ایک بات یہ بھی ہے کہ عالم انسانی کے لئے ضرور حشر ونشر ہوگا اور یہی خدا اُس شخص کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے دائمی ثواب عطا کرے گا اور جو شخص کہ آپ کی تکذیب کرتا ہے اس کو ابدی سزا دے گا تو بھلا بتلائیے کہ اس وقت ہم کو کیا بہتری حاصل ہو سکتی ہے اور ہم اپنی محنت اور مشقت اور بحث و تفتیش سے کیا ثمرہ حاصل کر سکتے ہیں جو کہ ہم اپنے بڑے لمبے چوڑے علموں میں جیسے کہ علم افلاک، علم کائنات، علم طبقات الارض[1]، علم نباتات[2]، علم حیوانات، علم کیمیا[3] وغیرہ میں صرف کرتے ہیں۔ کیا اس وقت ہم پر یہ بات صادق نہ آئے گی کہ ہم ادنیٰ درجہ کی فانی چیز کے ساتھ مشغول ہوئے اور باعظمت دائمی شئے کو ہم نے چھوڑ دیا۔

بے شک ہم خسارہ میں رہیں گے اور جس سے کہ ہم برداشتہ خاطر ہوتے جاتے ہیں اور جس سے کہ ہم سوء اختیار (یعنی بے تمیزی کے ساتھ کسی شئے کو

---

[1] جیالوجی [2] بوٹانی [3] کیمسٹری ؞

پسند کرنے میں پڑنے سے ڈرتے ہیں وہ یہ امر ہے کہ اگر کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی پیروی کرنے والوں کا قول قیامت کے بارے میں صحیح ہو گیا تو بیشک ہم کو نقصان اُٹھانا پڑے گا اور ہم اشک خونیں سے رونے کے قابل ہو جائیں گے اور اگر ہمارا یہ قول کہ قیامت نہ ہوگی اور انسان مرنے کے بعد زندہ نہ کیا جائے گا صحیح بھی ہو گا تو اُن کا ذرا بھی نقصان نہ ہو گا۔ چنانچہ طبیب اور منجم دونوں کے بارے میں کہ جن کا قیامت سے انکار کرنے میں ہمارا سا ہی خیال تھا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

قال المنجم والطبیب کلاهما لن یبعث الاموات قلت الیکما
ان صح قولکما فلست بخاسر او صح قولی فالخسار علیکما

یعنی منجم اور طبیب دونوں یہ کہنے لگے کہ مُردے کبھی زندہ نہ کئے جائیں گے تو میں نے انہیں جواب دیا کہ بس الگ رہو۔ اگر تمہاری بات صحیح بھی ہو گئی تو میرا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اور اگر میرا کہنا صحیح نکل آیا تو تم دونوں کو ضرور نقصان اٹھانا پڑے گا۔

پس ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ ہم حزم اور احتیاط سے کام لیں اور جتنی چیزیں کہ ہمارے علوم کے مخالف معلوم ہوں اُن کو سُنتے ہی بلا تحقیق اُن سے انکار نہ کریں اور اپنی اس ہٹ دھرمی کو ترک کریں اور محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کریں اور اس امر کی تفتیش کریں کہ لوگ اُن کی کیوں تصدیق کرنے لگے اور اُن کے دلائل میں غور و فکر سے کام لیں کیونکہ ہمارا اس میں ضرر ہی کیا ہے اور تحقیق کرنے سے ہمیں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس بحث و تحقیق کا یہی نتیجہ ہو کہ ہم ضرر سے بچ جائیں۔

پس دلائل سابقہ کو دیکھ کر اسی امر پر اُن کی رائے قرار پائی اور سب متفق ہو گئے اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تحقیق پر کمر ہمت باندھی اور اس سے بحث کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ آیا آپ کا دعویٰ سچا تھا یا جھوٹا اور اُن دلائل کی

تفتیش کرنے لگے کہ جن کی وجہ سے اُن لوگوں نے آپؐ کی اطاعت اختیار کی تھی تاکہ اُن میں غور کرنے سے اس امر کا پتہ لگ سکے کہ آیا وہ دلیلیں صحیح ہیں کہ جن کی وجہ سے اُن لوگوں نے آپؐ کی اطاعت اختیار کی تھی تاکہ اُن میں غور کرنے سے اس امر کا پتہ لگ سکے کہ آیا وہ دلیلیں صحیح ہیں کہ جن کی وجہ سے اور لوگوں کی طرح اُنہیں بھی تصدیق کرنا چاہیئے یا غلط ہیں یہاں تک کہ اُن کی غلطی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے شبہ رفع ہوجاتے اور کچھ تردد باقی نہ رہے ۔ پس سب سے پہلے انہوں نے اُن اشیاء کو دیکھنا شروع کیا جنہیں کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم لائے تھے اور جن کی نسبت ان کا یہ دعوےٰ تھا کہ یہ اللہ تعالےٰ یعنی اس عالم کے خدا کے پاس سے ہیں اور جن سب کو کہ وہ شریعت کہتے تھے ۔

شریعتِ محمدیہؐ کے عقائد پر اُن کا مطلع ہونا جس میں سے بعض انہیں اپنے علوم کے مخالف معلوم ہوئے اور قریب تھے کہ شریعت کے حال سے بحث کرنا چھوڑیں لیکن انہیں بحث کرنیکے بارے میں اپنا قطعی فیصلہ یاد آیا

پس اُنہوں نے اُس میں بتہیریں ایسی چیزیں دیکھیں کہ جو اُن کے علوم طبیعہ کے خلاف معلوم ہوتی تھیں جیسے کہ وہ بالکل یقینی سمجھتے ہیں منجملہ ایسے امور کے شریعت میں یہ واقع ہُوا ہے کہ عالم کا مادہ پہلے موجود نہ تھا اور پھر پیدا ہُوا ہے اور جس نے کہ اُسے بعد عدم موجود گی کے موجود کیا ہے اور اُس سے طرح طرح کی کائنات کو اس عمدہ انتظام پر پیدا کیا ہے وہی خدا تعالےٰ ہے اور اُس نے جیسے کہ اُسے عدم سے موجود کردیا ہے وہ اسی طرح بعد موجود ہونے کے اُسے پھر معدوم کرسکتا ہے۔ اور اسی خدا نے علاوہ تمام حیوانات کے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے اور اُسی سے اُس کی عورت کو پیدا کیا ہے اور پھر اُن دونوں کو اُسی نے ایسے مکان میں رکھا ہے کہ جسے جنت کہتے ہیں اور بعد اس کے ان دونوں کو اُن سے ایک امر میں خلاف

ہو جانے کی وجہ سے زمین پر اُتار دیا۔

انسان کے لئے اُس کے بدن کے علاوہ ایک دوسری چیز نفس بھی ہے جسے کہ روح کہتے ہیں اُس کے بدن کے ساتھ اُس کو ایک خاص علاقہ ہُوا کرتا کہ جب تک وہ علاقہ رہتا ہے اُس کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب وہ علاقہ جاتا رہتا ہے تو موت آجاتی ہے۔ یہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اور وہ ادراک کرتی ہے اُسے لذت اور الم بھی حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی موت آنے اور اُس کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا تعالےٰ اُسے پھر زندہ کرے گا اور اُس کے ساتھ دوبارہ روح کا علاقہ پیدا کر دے گا۔ اُس نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو نیک عمل کئے ہوں گے اُس کو اُن کی جزا دے گا اور جو بُرے عمل کئے ہوں گے اُن کی سزا دے گا۔ خدا کی نعمتیں اس مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور اُس کا عذاب اُس مکان میں ہو گا جس کا نام دوزخ ہے۔ خدا انسان کو اُن دونوں میں زمین و آسمان کے تباہ ہو جانے اور لوگوں کے مرنے کے بعد پھر اُن کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد داخل کرے گا۔ لوگ اُن دونوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بدن کے ساتھ روح کے متعلق ہونے اور اس میں زندگی پائے جانے کے وقت لذت اور الم کے معلوم کرنے میں بدن اور روح دونوں مشترک ہیں۔ انسان کی طرح باقی حیوانات میں بھی روح پائی جاتی ہے اور جتنی سمجھ کہ اُن کی زندگی کے لئے ضروری ہے تمام حیوانات کو حاصل ہوتی ہے البتہ اس قدر سمجھ اور عقل نہیں پائی جاتی جس قدر کہ انسان میں موجود ہے اسی وجہ سے بخلاف اور حیوانات کے انسان کو اس خدا کی عبادت کی تکلیف دی گئی۔ اسی خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں کہ جن کا نام فرشتہ ہے، اُن کو اس امر کی قدرت ہوتی ہے کہ مختلف شکلیں بدل لیں ہمارے سامنے سے گزر جائیں اور ہم نہ دیکھیں اُن میں نری بھلائی ہی پائی جاتی ہے۔ وہ ایسے ایسے کام کر سکتے ہیں کہ جن سے انسانی طاقتیں بالکل عاجز ہیں۔ یہی فرشتے خدا اور اُس کے اُن نیک بندوں کے مابین کہ جو رسول کے نام سے مشہور ہیں

خداوندی احکام کے پہنچانے کا واسطہ واقع ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اسی طرح اور اجسام بھی پیدا کئے ہیں کہ جو اپنے بعض خواص میں انہی فرشتوں کے مشابہ ہیں۔ مثلاً مختلف شکلیں بدلنا، نظر سے چھپا رہنا، بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا لیکن اُن باتوں میں اُن سے فرق ہے کہ وہ ان کی طرح نورانی نہیں ہوتے اور نہ ان میں نری بھلائی ہی ہوتی ہے اور نہ وہ خدا کے اور اُس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ایسے اجسام کا نام جن ہے۔

خدا تعالےٰ نے ہمارے اُوپر سات آسمان پیدا کئے ہیں کہ جو فرشتوں سے بھرے ہُوئے ہیں اور خدا ہی آسمان سے پانی اُتارتا ہے اُسی خدا نے ان آسمانوں سے اوپر ایک بہت بڑا جسم پیدا کیا ہے کہ جس کا نام کرسی ہے اور اس کے اوپر اُس سے بھی بڑا ایک اور جسم ہے کہ جس کا نام عرش ہے۔ ہمارے اور ان آسمانوں کے درمیان بہت ہی بڑا فاصلہ ہے اور فرشتے اس فاصلہ کو بہت تھوڑے زمانہ میں قطع کر سکتے ہیں۔ جو کچھ کہ زمین ہو یا آسمان جنت ہو یا دوزخ جملہ کائنات میں ہوتا ہے خدا ہی کی قضاء و تقدیر سے واقع ہوتا ہے۔ یعنی اس وجہ سے کہ خدا نے جان لیا ہے اور وہ ارادہ کرتا ہے اور اس کو اپنی قدرت سے موجود کر دیتا ہے۔ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جسے کہ لوح کہتے ہیں اور ایک دوسرا جسم جسے کہ قلم کہتے ہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ جو کچھ واقع ہو اُس میں ثبت کیا جائے اور مسطور رہے اگرچہ اُس کو اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جتنی چیزیں کہ اُس کی قضاء اور حکم سے ہوتی ہیں سب اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہیں

لہ قضاء و قدر کی بحث آگے آتی ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ قدر اور تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور مقرر کر دینے کے ہیں اور قضاء کے معنے حکم کرنے کے ہیں۔ پس حاصل یہ ہُوا کہ خدا نے پہلے سے تمام عالم کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور اُسی کے موافق اپنے حکم اور ارادہ سے سب کچھ پیدا کیا کرتا ہے ۱۲ مترجم ؎

اُس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اگرچہ اُس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کیا ہے اور یہ مقرر کیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب پایا جائے لیکن ان دونوں کے لئے وہی خالق ہے وہی سبب کو پیدا کرتا ہے اور وہی اس کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتا ہے۔

تمام چیزوں کی تاثیرات جو کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُسی کے خلق اور ایجاد سے ہوتی ہیں۔ کوئی شئے بالطبع یا اُس قوت کی وجہ سے جو اس میں رکھ دی گئی ہے حقیقتاً مؤثر نہیں ہے۔ وہ خدا قدیم سے موجود ہے ہمیشہ رہے گا اُس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے ایک ہے۔ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے اُس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب اُسی کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ موجودات میں سے نہ کوئی شئے اُس کے مشابہ ہے اور نہ وہ کسی شئے کے مشابہ ہو سکتا ہے اس کا ارادہ نہایت کامل ہوتا ہے تمام چیزوں کو پورے طور سے جانتا ہے جو کچھ کہ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا اُسے سب کی خبر ہے اُس کے علم سے کوئی شئے الگ نہیں جتنی چیزیں کہ عقل کے نزدیک ممکن ہیں چاہے وہ کتنی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ ہوں لیکن وہ سب پر پورے طور سے قادر ہے زندہ ہے جملہ صفات کمال کے ساتھ جو اس کے شایان ہے متصف ہے اور تمام صفات نقصان سے پاک ہے ایسے ہی اور مضامین کو سمجھئے کہ جن کو انہوں نے شریعت میں پایا اور وہ ان کے معتقدات کے خلاف ہیں جو انہیں اپنے علوم سے دریافت ہوئے یا جہاں تک اُن کی عقل کی رسائی ہوئی اس کے موافق ان کے علوم میں اُن چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ملی یہ کیفیت دیکھ کر قریب ہی تھا کہ وہ لوگ اپنے اُس ارادے سے ہٹ جاتے جس پر کہ اُنھوں نے پختہ قصد کر لیا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعویٰ سے بحث کر کے اُس کی تحقیق کریں گے اور کچھ بعید نہ تھا کہ وہ پھر تکذیب کرنے پر جم جائیں۔ لیکن اس ارادے سے باز رکھنے والا امر ان کا سابق کا وہ فیصلہ ہُوا کہ جس پر سب لوگ متفق الرائے ہو چکے تھے

اور وہ یہ ہے کہ ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کرکے اُس کی بخوبی تحقیق کریں تاکہ خطا میں پڑنے سے محفوظ رہیں اور احتیاط پر عمل کریں اس لئے کہ اُن کا تمام حقائق کی پوری واقفیت سے قاصر رہنا اور جملہ ممکن الوقوع حقیقتوں پر حادی نہ ہونا اُن کو معلوم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اس امر کے اختیار کرنے پر مجبور تھے۔

پس وہ اپنے فیصلہ کئے ہوئے حکم پر عمل کے موقع پر بھی ثابت قدم رہے اور کہنے لگے کہ قبل اس کے کہ ہم محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے متبعین کی دلیلوں پر غور کریں۔ ہمیں اُن مسائل سے بحث کرنا چاہیئے کہ جو شریعت میں ہمیں ملے ہیں اور وہ ہمارے اُن خیالات کے خلاف ہیں جن کو کہ ہم نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کیا ہے یا ہمارے علوم میں اُن کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے کیونکہ شاید اس طریقہ سے شریعت کے ایسے مسائل کی اُن سے بحث کرنے کے بعد غلطی ظاہر ہو جائے اور پیروانِ شریعت کے نزدیک بھی اُن کا غلط ہونا مدلّل ٹھہر جائے تاکہ اوّل امر سے اُن کا دعویٰ ساقط ہو جائے اور اس کے متبعین یا اوروں کے دلائل سے بحث کرنے کی محنت ہمیں نہ اٹھانا پڑے اور اسی طرح معاملہ طے ہو جائے۔ لیکن اس وقت ان کے دل میں یہ بات آئی کہ جب ان مسائل سے باہم ہم بحث کریں گے تو بسا اوقات واقعی امر کے ظاہر ہونے میں ہمیں دقت پڑ سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اُن سے وہ مُراد نہ ہو جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے یا کوئی ایسی صحیح وجہ نکل سکتی ہو کہ جس کی وجہ سے ہمارے علوم کے ساتھ مطابقت ہو جاتی اور ہم خود اس کو نہ دریافت کر سکتے ہوں۔

اس فرقہ کا مسائل شریعت کے مذاکرہ کے لئے ایک شریعت دان عالم پر اعتماد کرنا تاکہ حق بات بھی ظاہر ہو جائے ۱۲

اس لئے بہتر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی پیروی کرنے والوں میں

سے کسی عالم سے ملیں اور یہ مسائل اُس کے سامنے پیش کر کے اُن کے بیان کی درخواست کریں۔ پس ہمیں یا تو اُن کی غلطی معلوم ہو جائے گی یا اُن کی صحت کا ہمیں پتہ لگ جائے گا اور اس عالم کی وجہ سے ہمیں مطلب کے سمجھنے میں دقت بھی پیش نہ آئے گی۔ پس وہ علما اسلام میں سے ایک عالم سے ملے اور انہوں نے اپنا قصہ اور اُن مسائل میں اُس کے ساتھ گفتگو کرنے سے جو اُن کا مقصد تھا سب بیان کیا۔

اس عالم کا فلاسفہ جدید کے مذہب کا خلاصہ دریافت کرنا اور اُن کا اسے بیان کرنا ۱۲

اُس عالم نے اُن سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو پہلے اس عالم کے بارے میں اپنے مذہب اور خیالات کا خلاصہ اور تمام کائنات کے وجود کی اصل مجھ سے بیان کر دیں کیونکہ شاید اِس طور میں اُن شرعی مسائل کو جن کو کہ آپ لوگ نہیں مانتے آپ ہی لوگوں کے خیالات کے موافق ثابت کر سکوں یا میں آپ کے اعتقادات اور خیالات کی غلطی نکال دوں یا اِس کے سوا کوئی اور صورت اختیار کروں کہ جس سے باہمی اختلاف رفع ہو جائے۔ تب اس رائے کو سب نے پسند کیا اور کہنے لگے کہ لیجئے ہمارے مذہب اور خیالات کا خلاصہ سُنیئے کہ جو ہم نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کئے ہیں۔

وہ یہ ہے کہ اس عالم کی اصل اور انواع انواع کی ارضی اور سماوی اشیاء کی پیدائش کے بارہ میں قدمائے فلاسفہ کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک نے ایک جدا مذہب قائم کیا لیکن زمانۂ حال میں جس امر پر کہ رائے قرار پا چکی ہے اور جس بات کا پتہ تجربہ اور دلیل سے معلوم ہُوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کی سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو امر ہیں مادہ اور اُس کی قوت (حرکت) اور یہ دونوں قدیم اور ہمیشہ سے ہیں ازل سے ان میں تلازم پایا جاتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ مادہ اور اُس کی قوت میں انفکاک اور انفصال ہو سکے اور ان دونوں میں سے کوئی بغیر دوسرے

کے پایا جا سکے ۔

مادہ سے مراد یہی اثیر (ایتھر) ہے جو کہ خلاء میں بھرا ہوا ہے مادہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں انہیں سے بسیط سے بسیط صورت میں موجود ہونے کی حالت کے اعتبار سے اس کو اثیر (ایتھر) کہتے ہیں۔ رہی مادہ کی قوت اُس سے اُس کے غیر منقسم[1] اجزا کی حرکت مراد ہے جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے متماثل اور صفات کے لحاظ سے مختلف ہیں جن کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم لوگ (یعنی سائنس جاننے والے) اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حرکت مادہ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اس کے لئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ پھر اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات، نباتات، حیوانات پہلے موجود نہ تھے اور پھر اسی مادہ سے بذریعہ اس کی حرکت کے بنے ہیں اور ان کا بننا بھی اسی طرح سے ہے جس طرح سے اپنی علت سے معلول بالضرورت بن جاتا ہے اور اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ اُن میں قصد پایا جاتا ہے۔

سماویات ارضیات حیات عقل انسان وغیرہ کے بارے میں فلاسفہ جدید کا خیال

اب سنئے کہ پہلے تو انہی اجزاء کے خاص قسم کی کیفیات پر مجتمع ہو جانے سے سدیمی مادہ کا وجود ہوا۔ سدیمی[2] مادہ سے چھوٹے چھوٹے ذرّے مراد ہیں اور قانون کشش ان کے اجتماع کا باعث ہوا اس طرح پر ایک کرہ بن گیا اور وہ اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگا۔ پھر دوسرے قوانین قدرت کے موافق وہ مشتعل ہو گیا وہ کرہ یہی شمس تھا پھر اس کی گردش کے مقتضا کے موافق باقی ستارے اُس سے جدا ہونے لگے اور کرے بن بن کر اپنے محوروں پر گردش کرنے لگے۔ منجملہ اُن کے ہماری زمین بھی ہے جس پر کہ

---

[1] یعنی جس کی قسمت فکی نہیں ہو سکتی [2] سدیمی (یعنی اجزاء و بخار الطیسہ) ۱۲ مترجم ؎

ہم آباد ہیں زمین کا یہ قطعہ ہُوا کہ آفتاب کے جُدا ہونے کے بعد اپنے محور کے گرد مدت تک گردش کرتی رہی اور اس طرح پر اس کا پوست یعنی سطح ظاہری سرد ہونے لگی اور مختلف طبقات بنتے اور معاون حیوانات، نباتات پیدا ہوتے رہے اور سبب اس کا وہی مادہ کی حرکت اور خاص طور پر باہم اُن کا اجتماع تھا۔ علم طبقات الارض[1] کی تحقیقات کے موافق ہمارے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حیوانات اور نباتات پہلے نہ تھے اور پھر اُن کا وجود ہُوا ہے اور یہ اس لئے کہ ارض کے مختلف طبقات کے خلاف آخری طبقہ میں جہاں تک کہ ہماری رسائی ہوسکی ہم نے حیوانات اور نباتات کے بالکل آثار نہیں پائے اس سے صاف ظاہر ہُوا کہ زمین پر کوئی ایسا زمانہ ضرور گزرا ہے کہ جب اُس پر جاندار اجسام یک لخت موجود نہ تھے اس کے بعد بحث۔ تحقیقات اور کیمیاوی اعمال کے مشاہدات کی بدولت ہماری یہاں تک رسائی ہوگئی جس سے کہ ہم نے یہ دریافت کرلیا کہ عناصر بذریعہ حرکت مادہ کے اُس کے اجزاء کے اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو شمار میں ساٹھ سے بھی زائد ہیں اور عناصر کے مجتمع ہونے اور خاص طور پر ملنے کی وجہ سے معدنیات اور جاندار اجسام وجود میں آئے۔

پہلی چیز جس سے کہ یہ بنتے ہیں ایک قسم کا زلال کے مثل مادہ ہوتا ہے جس کی ترکیب میں چند عناصر شامل ہوتے ہیں اور وہ نہ تو بالکل جما ہُوا ہوتا ہے اور نہ پتلا بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت رکھتا ہے۔ اس میں غذا[1] حاصل کرنے منقسم[2] ہونے، توالد[3] و تناسل کی قوت پائی جاتی ہے ہم نے اس مادہ کا نام برٹو بلاسم (یعنی پہلی شئے) رکھا ہے۔ اسی کے منقسم ہونے سے وہ خول تیار ہوتے ہیں جن سے کہ جسم اعضاء کی بناوٹ ہوتی ہے اور اسی کے مجتمع ہو جانے سے حیوانات اور نباتات سب سے بسیط اور بالکل ابتدائی حالت میں پیدا ہوئے ہیں حیات (زندگی) انہی عناصر کے فعل و انفعال اور اُن کے کیمیاوی امتزاج کے محض ایک ظہور کا نام ہے

---

[1] جیالوجی ۱۲ مترجم

وہ کوئی دوسری مستقل شئے نہیں ہے کہ جس کا جسم میں حلول ہوتا ہو جیسا کہ ہم لوگوں میں سے حیات کو ایک مستقل شئے ماننے والے فرقہ کا خیال ہے اور حیوان میں یہی حیات ہوتی ہے روح کوئی چیز نہیں ہے پھر وہ حیوانات اور نباتات جو ابتدائی حالت میں تھے قدرت کے چار قوانین کے موافق جو اُن کے لئے ضروری ہیں توالد و تناسل کی وجہ سے بڑھنے اور ترقی کرنے لگے۔ پہلا قانون افراد کا باہم ایک دوسرے سے مباین ہونا ہے جس کا نام تباین افراد ہے۔ پس کوئی فرد اپنی اصل کے بتمامہ مشابہ نہیں ہو سکتی۔ منجملہ ان تبائنات کے نر اور مادہ کے ہونا ہے۔

دوسرا قانون فروع کا باوجود دوسرے تبائنات یا جداگانہ خصوصیتوں کے اختیار کرنے کے ان میں اصول کے تبائنات یا خصوصیتوں کا منتقل ہو جانا ہے جس کا نام قانون انتقال تبائنات الاصول الی الفروع مع بقاء الامتیاز ہے۔ پس اسی وجہ سے افراد میں کوئی قوی ہوتا ہے کوئی ضعیف یا کمزور۔ کوئی خارجی صدمات کا متحمل ہو سکتا ہے کوئی نہیں۔ کسی کے لئے ظروف موافق ہوتے ہیں کسی کے لئے ناموافق۔

تیسرا قانون باہم افراد میں باقی رہنے کے بارہ میں منازعت کا واقع ہونا جس کا نام قانون تنازع بقا ہے۔ پس اسی واسطے ضعیف یا کمزور خارجی طاقتوں کے تحمل نہ کرسکنے والے اور وہ جنہیں کہ ظروف ناواقف ہیں ہلاک اور نابود ہو جاتے ہیں اور افراد میں سے جو اُس کے خلاف ہیں وہ باقی رہتے ہیں۔

چوتھا قانون طبعی یا فطری انتخاب ہے اور اس سے فطرت کا نہایت عمدہ اور کامل شئے کو انتخاب کرکے حفاظت کرنا مراد ہے۔ پس لاکھوں برس کے گزرنے پر حیوانات اور نباتات کو اجزاء مادہ کی اضطراری حرکت اور فطرت کے اُن قوانین اربع کے موافق رفتار اختیار کرنے سے موجودہ حالت تک ترقی کرنا نصیب ہو گیا۔ یہاں تک کہ خود انسان بھی منجملہ تمام حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہی ہے

لیکن فطری انتخاب کے قانون کے موافق عمدگی اور خوبی کے اعتبار سے ترقی کرکے
اس موجودہ حالت پر پہنچ گیا ہے اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ نہایت مشابہت
رکھتا ہے تو یہ بات کچھ بعید نہیں بلکہ بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ انسان
اور بندر کی ایک ہی اصل سے پیدائش ہوئی ہو اور دونوں ایک ہی اصل سے
نکلے ہوں اور پھر انسان ترقی کرنے لگا ہو حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے اپنے قرین
یعنی بندر سے بڑھ گیا ہو اور انسان تمام حیوانی انواع کے اعتبار سے بالکل
نو پیدا ہے اور اس کی پیدائش ان سب کے بعد واقع ہوئی ہے اسی وجہ سے صرف
کئی لاکھ برس کے نہایت محدود اور محدود زمانہ سے اُس کا وجود پایا جاتا ہے۔
اگرچہ کروڑوں برس اس سے پہلے بھی بکثرت انواع موجود رہی ہیں۔ عقل اور
انسانی ادراک منجملہ اُن تمام افعال مادہ کے کہ جو مادہ کے اجزاء متحرکہ اور عناصر
ممتزجہ کی تاثیر و تاثر سے پیدا ہوتے ہیں محض ایک خاص فعل کا نام ہے وہ
کوئی علیٰحدہ شئے نہیں ہے اگرچہ اصل مادہ اور حرکت دونوں کے دونوں عقل و
ادراک سے بالکل خالی تھے پھر انسانی عقل اور بقیہ حیوانات کی عقول میں محض کمیت
اور مقدار کا فرق ہے ماہیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ صرف یہ بات ہے
کہ انسان میں عقل کی مقدار تمام حیوانات سے بڑھی ہوئی ہے پھر وہ باقی مسائل
کہ جو ہم نے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت میں پائے جیسے کہ انسان
کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا دار نعیم و دار عذاب یعنی جنت اور دوزخ کا
پایا جانا۔ فرشتوں، جنوں، آسمانوں، عرش کرسی، لوح اور قلم کا موجود ہونا فرشتوں
کا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا اور اسی قسم کے اور مسائل (یعنی وہ مسائل جو
پہلے بیان ہو چکے) یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے علوم میں ان کی کوئی دلیل نہیں
پائی جاتی اس لئے ہم اُن کا اعتقاد بھی نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض امور
تو ایسے ہیں کہ جن کو ہمارے علوم بالکل ساقط الاعتبار ثابت کرتے ہیں اور ان
کے استحالہ پر دال ہیں کیونکہ اُن سے اُن قوانینِ فطرت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے جنہیں

کہ ہم نے کائنات میں پایا ہے۔

پس ان امور کا نہ ماننا ایک نہایت ضروری بات ہے۔ یہ تو ہمارے مذہب کا علی وجہ الاختصار بیان ہے اور اسی پر طبعیات (سائنس) جاننے والے فرقہ کی عام طور پر رائے قرار پا چکی ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ محمدی دین کے عالم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ صاحب اب آپ کہئے ہم آپ کے کلام کو نہایت شوق سے سُنیں گے۔

محمدی عالم کا مادہ کے حدوث کو ثابت کرنے کے لئے تمہید بیان کرنا

تب اسلامی عالم نے اُن لوگوں سے یوں کہنا شروع کیا کہ اے میرے انسانی بھائیو! سنو میرا محمدی دین اور آپ لوگوں کا بغرض اظہارِ حق گفتگو کرنے کے لیئے مجھے انتخاب کرنا یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ خالص اور سچی خیر خواہی سے پیش آنے اور اظہارِ حق میں باریک بینی سے کام لینے کو مجھ پر لازم کرتے ہیں لیکن اس موقع پر مَیں آپ سے بغیر ایک امر کی درخواست کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ہے کہ آپ لوگ اتنی سی بات اپنے اوپر لازم کرلیں کہ بلا تعصب اور اپنے پہلے خیال کی ناحق طرفداری کے بغیر میری تقریر کو بغور سُنیں اور اسے اپنے دماغ میں جگہ دیں کیونکہ اگر تعصب سے کام لیا جائے گا تو حق بات ہرگز سمجھ میں نہ آئے گی اور عقل کی بینائی جاتی رہے گی اور جس طرح کہ دن دوپہر بھی بدلی کی وجہ سے آفتاب نظر نہیں آتا اسی طرح سے اس موقع پر بھی آنکھوں پہ تعصب کے پردے پڑجائیں گے اور آفتابِ حقیقت آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائے گا۔ اور اگر آپ لوگوں نے تعصب چھوڑ دیا اور اپنے خیالات سابقہ کی طرفداری نہ کی اور اس طور پر ان دونوں ناحق کی قیدوں سے اپنے اپنے ضمیروں کو آزاد کرلیا تو پھر دیکھ لیجئے گا کہ مَیں آپ لوگوں کی خاطر سے ایسی تقریر کروں گا کہ جس سے حق روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا (بشرطیکہ اُس خدا کو منظور ہُوا جس کے سوا میں

کسی دوسرے کو کسی شئے کا پیدا کرنے والا نہیں مانتا۔)

ابطال مذہب فلاسفہ کی تمہید

پس آپ لوگوں کے مذہب یعنی اُن خیالات میں جنہیں کہ آپ نے ابھی میرے سامنے بیان کیا ہے۔ سچے طور پر غور کرنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ آپ کے مذہب کی بنیاد مجھے یہ معلوم ہوئی کہ آپ مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ پھر چونکہ آپ نے مادہ کو قدیم مان لیا اس لئے بظاہر آپ کسی کو خدا مان لینے کے لئے مجبور نہ ہوئے کہ جو اُس کو پیدا کرتا اور جب کہ آپ نے مادہ کے سماوی اور ارضی تنوعات کو دیکھا اور اُن کا حادث ہونا بھی آپ کے نزدیک ثابت ہوگیا اور عقل اُن تمام تنوعات اور تغیرات کے حدوث کو محض نفس مادہ ہی کی وجہ سے اس سبب سے تسلیم نہ کرسکی کیونکہ اس کے نزدیک مادہ میں اُس کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ ان وجوہ سے آپ کو ضرورت ہوئی کہ آپ مادہ کے ذرات بسیطہ کے لئے حرکت ثابت کریں۔

اس طرح پر تمام تنوعات کو آپ نے مادہ اور اُس کی حرکت پر مبنی کیا اور اگر آپ مادہ کا حدوث مان لیتے تو آپ کو ضرور کسی نہ کسی خدا کے وجود کا یقین کرنا پڑتا جو کہ اُسے پیدا کرتا اور اُس کے عدم پر اُس کے وجود کو ترجیح دیتا۔ پھر اس کے بعد جب آپ اس کے تنوعات پر نظر ڈالتے تو اُس وقت یہی کہنے لگتے کہ جس خدا نے کہ مادہ کو پیدا کیا ہے وہی اُس کے تنوعات کو بھی پیدا کر رہا ہے کیونکہ اس تقدیر پر اُن تنوعات کے لئے سوائے خدا کے کسی دوسرے موجب کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ ذرات مادہ کے لئے حرکت ہی ثابت کرنے کی حاجت رہتی اور اس تکلف سے بھی نجات مل جاتی اور اس زبردستی کی بات کا قائل بھی نہ ہونا پڑتا کہ عالم کی انواع انواع کی چیزیں محض مادہ اور اُس کی حرکت سے علی وجہ الضرورت پیدا ہوگئی ہیں اور خوبی یہ کہ ان میں (یعنی مادہ اور اس کی حرکت

میں) نہ تو کسی قسم کا ارادہ پایا جاتا ہے نہ کچھ سمجھ ہے۔ نہ انہیں کسی شئے کا علم ہی ہوتا ہے اور نہ کچھ تدبیر ہی کی قابلیت رکھتے ہیں اور پھر بھی اُن سے سب کچھ باقاعدہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام عالم نہایت ہی عجیب و غریب انتظام کے ساتھ پیدا ہو گیا جس کو دیکھ کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُس کے لئے اتنی چیزوں کی ضرورت ہے کہ قدرت پوری پوری ہو علم نہایت ہی کامل ہو حکمت اور تدبیر اعلیٰ درجہ کی موجود ہو۔

اس موقع پر مَیں یہ خیال کرتا ہوں کہ جب مَیں مادہ کے قدم کے بطلان پر دلیل قائم کر دوں گا اور اس کا حدوث ثابت ہو جائے گا تو اس وقت لامحالہ آپ کو کوئی نہ کوئی خدا ماننا پڑے گا کہ جس نے مادہ کو پیدا کر دیا اور جو عدم سے اس کو وجود میں لایا۔ اس طریقہ سے آپ کو یہ سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا کہ مادہ کے تمام تنوعات اُسی خدا کے فعل کی وجہ سے ہیں اور اُس کی قدرت علم حکمت اور تدبیر کا کامل ہونا انہیں تنوعات سے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ لوگوں پر شریعتِ محمدیہ کے باقی مسائل کی تصدیق کر لینا بھی جنہیں کہ آپ اب تک اپنے علوم اور اعتقادات کے خلاف سمجھ رہے ہیں کچھ دشوار نہ رہے گا۔

ابطال مذہب فلاسفہ کے لئے اُن کے مسلمات سے تین قضیوں کو انتخاب کرنا اور مادہ کا قدم باطل کرنا

لیجئے سُنئے! مَیں نے آپ کے سابق الذکر مذہب میں تین قضئے ایسے پائے ہیں کہ جن کا آپ لوگ بڑے اعتقاد جازم کے ساتھ یقین کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لائے ہوئے ہیں لیکن اگر صحیح نظر سے اُن میں غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن سب کے ثبوت کی معًا تصدیق کرنا باعتبار نفس الامر کے ہرگز ممکن نہیں کیونکہ بعض اُن میں سے بالکل قطعی ہیں، مشاہدہ سے اُن کا ثبوت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق کرنا ایک لازمی بات ہے لیکن اگر ان کی تصدیق کی جائے تو پھر

دوسرے کا ماننا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا (پہلا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ اور اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت کے قدم[1] کے قائل ہیں اور اُن دونوں کو ازل سے متلازم مانتے ہیں کہ کوئی بغیر دوسرے کے پایا ہی نہیں جا سکتا۔ یعنی مادہ اور حرکت میں مفارقت ہونا محال ہے۔ (دوسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کے حدوث[2] کے قائل ہیں۔ یعنی تمام اشیاء سماوی اور ارضی خصوصاً حیوانات کی ساری انواع پہلے موجود نہ تھیں اور اسی مادہ سے پیدا ہو گئیں کیونکہ طبقات الارض کی دیکھ بھال سے آپ لوگوں کو لازمی طور پر یہ حکم لگانا پڑا کہ تمام انواع کے حیوانات اور نباتات زمین میں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی پیدائش کے لئے لاکھوں برس کا زمانہ آپ نے ٹھہرایا ہے اور اسی کی مقتضاء کے موافق آپ نے یہ حکم لگایا کہ انسان کی پیدائش جملہ انواع کے لحاظ سے بہت ہی حال کی ہے اور وہ سب کے بعد پیدا ہُوا ہے کیونکہ اُس کے آثار صرف زمین کے اوپر کے طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ طبقات زیریں میں اُس کے آثار کا نام و نشان نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے بعد پیدا ہوا پھر اس کی پیدائش کے زمانہ کے مقرر کرنے میں آپ لوگوں نے بے انتہا اختلاف کیا ہے جیسا کہ میں نے آپ ہی لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے۔

(تیسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کو بذریعہ اُس کے ذرات کی حرکت کے کہ جو مادہ کے لئے ازل سے لازم ملزوم ہے اور نیز ان قوانین قدرت کے مقتضاء کے موافق کہ جو اُن میں موجود ہیں علی وجہ الضرورۃ مادہ سے حادث مانتے ہیں اور پھر مادہ اور اُس کی حرکت کا نہ اُس میں کچھ اختیار ہے اور نہ اُن

---

[1] قدم سے مراد کسی شئے کا ہمیشہ سے موجود ہونا اور اس پر عدم کا کوئی زمانہ نہ گزرنا۔

[2] حدوث سے مراد کسی ایسے شئے کا موجود ہو جانا کہ جو پہلے موجود نہ تھی۔ (۱۲ مترجم)

میں کوئی ارادہ ہی پایا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ جیسا آپ کے کلام سابق میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جس طرح معلول اپنی علت سے حادث ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح مادہ اور اس کی حرکت سے تمام تنوعات حادث ہوئے ہیں۔

پس تمام تنوعات معلول ٹھہرے اور مادہ اور اُس کی حرکت تنوعات کی علت۔ (حقیقت میں اُن کے نزدیک محض مادہ کی حرکت ہی علت ہے لیکن جب کہ مادہ اور اُس میں حرکت میں انفکاک ناممکن تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس امر کے قائل ہو گئے ہیں کہ مادہ اور اُس کی حرکت میں سے کسی کا وجود بغیر دوسرے کے متصوّر ہی نہیں ہے اس لئے دونوں کو بمنزلہ شئے واحد کے اعتبار کر لیا ہے اور اسی کو علت کہہ دیا ہے اور چونکہ اُن دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے اس لئے یہ اعتبار کر لینا جائز ہے کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے)۔

جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہو چکا تو اب سنئے کہ ہر عقل سلیم صرف یہی حکم کرتی ہے کہ کوئی شئے اپنی علت سے جس سے کہ اُس کا وجود لازم ہو جاتا ہے ہرگز تخلف نہیں کر سکتی۔ پس اگر اُس کی علت حادث ہو گی تو وہ شئے بھی اس کے بعد ہی بلا تاخیر موجود ہو جائے گی اور اگر اُس کی علت قدیم ہو گی تو وہ شئے بھی قدیم ہی ہو گی اور قدم میں اپنی علت کی متابعت کرے گی اُس سے ہرگز متاخر نہ ہو سکے گی ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو پائی جائے اور معلول نہ ہو اور یہ بات محال ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے مادہ اور اس کی حرکت کو قدیم ماننے سے کہ جو جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور تمام عالم کی انواع انواع کی چیزوں کے لئے علت ہیں یہ لازم آتا ہے کہ یہ سب اشیاء بھی کہ جو اُن کی معلول ہیں قدیم ہو جائیں حالانکہ آپ لوگ اپنے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق اُن کے قدم کے قائل نہیں ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ اس علت کو اُن معلومات کے لازم ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ اُن کا وجود ایک ہی دفعہ بالکل مکمل ہو جائے اس لئے کہ علل اور معلولات

میں باہم ارتباط پایا جاسکتا ہے اور ایک دوسرے پر سلسلہ وار موقوف ہوسکتے ہیں۔ مثلاً یہ ممکن نہیں ہے کہ پانی کے وجود سے پہلے حیات کا ظہور ہوسکے اور پانی اپنے دونوں عنصروں کے بننے سے پہلے موجود ہو جائے اور وہ دونوں عنصر جو پانی کو مرکب کرتے ہیں ہائیڈروجن اور آکسیجن ہیں اور خود وہ دونوں اجزا مادہ کے خاص طور پر مجتمع ہونے سے پہلے کہ جس سے اُن کی تالیف حاصل ہوسکے موجود نہیں ہو سکتے۔ پس حیات کا وجود پانی کے وجود پر موقوف ہے چاہے اس سے ایک لحظہ ہی پہلے کیوں نہ ہو۔

پس کون سی عقل یہ قیاس کرسکتی ہے کہ مادہ اور اس کے سارے مرکبات ایک ساتھ ہی موجود ہوسکتے ہیں اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ جب ان تمام علتوں میں سے پہلی علت بھی (اور وہ مادہ اور اُس کے اجزاء کی حرکت ہے) حادث مان لی جائے اُس وقت بے شک اُن قوانینِ قدرت کے موافق جو پیدائش کے متعلق ہیں اور جن کے کہ آپ لوگ قائل ہیں ضرور ایک مدت کی حاجت پڑسکتی ہے تاکہ اُس میں استعداد آجائے اور مادہ کے اجزاء اس طرح پر مجتمع ہولیں جس سے کہ عناصر کی تالیف ہو پھر پانی بنے اُس کے بعد حیات موجود ہو اور اس تقدیر پر بلاشبہ انہیں قوانینِ قدرت کے موافق عقل کے قیاس میں یہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ پانی سے پہلے حیات موجود ہو جائے یا عناصر نہ بننے پائیں اور پانی حاصل ہو جائے یا اجزاء مادہ کے مجتمع ہونے سے پہلے ہی عناصر بن جائیں (یہ سب اہلِ سائنس کی سمجھ کے موافق کہا گیا ہے ورنہ پیروان اسلام کی عقلوں میں یہ امور ناممکن نہیں کیونکہ اُن کے نزدیک تو یہ سب کچھ خدائے قادر ہی کرتا ہے اور اُس کی قدرتِ کاملہ سے کوئی امر ممکن خارج نہیں ہوسکتا۔ کوئی شے ہم کو چاہے کتنی ہی مستبعد اور تعجب انگیز کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا سب پر قدرت رکھتا ہے) لیکن جب پہلی علت کو قدیم مانا جائے جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ سارے معلولات حادث ہوں باوجودیکہ ان

کی علت ازلی اور ہمیشہ سے موجود ہے کیونکہ جب اُن کی علت اُن کے موجود ہونے کو بالاضطرار لازم کرتی ہے تو پھر بتلائیے کہ ان سب اشیاء کو اتنے لاکھوں یا کروڑوں برس کی مدت تک پیدا ہونے سے کس چیز نے روک رکھا اور پہلے پیدا نہ ہونے دیا اور کس وجہ سے اتنی مدت گزرنے کے قبل ہی وہ موجود نہ ہوگئیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ اتنی مدت کی اس لئے حاجت ہے تاکہ علت میں معلولات کے پیدا ہونے کی استعداد آجائے یعنی اُس میں استعداد پیدا ہونے کے لئے اتنے کروڑ سال کی ضرورت ہوئی تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کی معین کردہ مدت کے قبل ہی استعداد کیوں نہ پیدا ہوگئی باوجودیکہ پہلی قدیم علت اس کی مقتضی بھی موجود تھی اور کس چیز نے اتنی مدت تک استعداد کو پیدا نہ ہونے دیا اور پھر اس قدر مدت گزرنے کے بعد اسے پیدا کر دیا۔ معلولات کے حدوث اور اُس حدوث کی استعداد پیدا ہونے کے لئے جتنی مدت آپ بڑھاتے جائیں گے ہمارا یہ سوال برابر قائم رہے گا کہ پھر اس مدت سے پہلے حدوث کیوں نہ ہُوا اور اس کی استعداد اس سے قبل کیوں نہ آگئی۔ بہر حال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا اور ہمارا سوال آپ سے ہرگز نہ اُٹھ سکے گا۔ خلاصہ یہ کہ علت اولی ہی سے استعداد کے بالاضطرار پیدا ہونے میں ذرا بھی شک باقی نہیں ہے۔

پس حدوث و قدوم کے اعتبار سے استعداد کی بھی وہی حالت ہوگی جو اُس کی علت کی ہے اور چونکہ اس موقع پر یہ علت قدیم مانی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ استعداد بھی قدیم ہو اور استعداد کا قدیم ہونا مستلزم ہے کہ تمام تنوعات جو معلول ہیں وہ بھی قدیم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو ہمیشہ سے موجود ہو اور معلول ندارد۔ حالانکہ یہ صریح محال ہے۔

پس اب یا تو آپ ان تمام تنوعات کو بھی جو معلول ہیں قدیم مانئے اور جو بات کہ آپ کے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اُس کی تکذیب کیجئے حالانکہ آپ لوگ اس امر کے ہرگز قائل نہیں ہوسکتے اور یا

اس کے قائل ہو جائیے کہ مادہ اور اُس کی حرکت سارے کام اپنے اختیار اور ارادے سے کرتے ہیں۔

پس انہوں نے ان تنوعات کی پیدائش کے لئے جو زمانہ چاہا مقرر کر دیا اور آپ لوگ اس کو بھی کبھی نہیں مان سکتے بلکہ اس کا تو آپ بڑے شدومد سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اگر بالفرض بعض اہلِ سائنس اس کے قائل بھی ہو جائیں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ اُن کو اجزاء مادہ کے ہر ہر جزء کے لئے اتنا علم اور ادراک ماننا پڑے گا جس سے وہ اس امر کے دریافت کرنے کے قابل ہو سکے کہ وہ باقی اجزاء کے ساتھ کون سے خاص طریقہ سے مجتمع ہو تا کہ عالم کی بے شمار انواع میں سے کوئی خاص نوع بن جائے اور پھر وہ اپنی وضع کون سی طرز پر بدل دے جس سے کوئی دوسری نوع بن جائے علیٰ ہذا القیاس تمام انواع کو لے لیجئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر ہر ذرہ میں اتنے امور کے دریافت کرنے کی قوت آپ مان سکتے ہیں جس کو کہ بڑے بڑے لوگ اور انتظامی دنیا کے نہایت ہی تجربہ کار سن رسیدہ اشخاص کی کمیٹی بھی دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بھی عاجز ہیں۔

اس موقع پر اس کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات اس بنا پر وارد ہو سکتے ہیں کہ اگر ہم اُن سب کو بیان کرنے لگیں تو بہت ہی طوالت ہو جائے اور یا آپ لوگوں کو ایسا کوئی سبب صحیح بیان کرنا چاہیئے کہ جس کی وجہ سے یہ تمام تنوعات اپنی علت سے اتنے عرصہ تک متخلف رہے اور اتنے کروڑ برس کے بعد جاکر بنے۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ اس کی کوئی وجہ اصلاً یا نقلاً کچھ بیان کر سکتے ہیں۔ اس کا بیان کرنا کیا مُنہ کا نوالہ ہے ذرا کام رکھتا ہے اور یا تو آپ لوگ مادہ اور اس کی حرکت کو حادث مان لیں اور یہی عین مقصود ہے۔

حدوث مادہ کی اول دلیل منطقی ہیئت پر ۱۲

آئیے اسی دلیل کو ہم اختصار کے ساتھ آپ کو مرتب کر کے دکھلائیں۔ وہ

اس طور پر ہوگی کہ اگر تمام تنوعات کی علت (اور وہ مادہ اور اُس کی حرکت ہے) قدیم ہوگی تو اُس کی استعداد بھی قدیم ہوگی اور اگر استعداد قدیم ہوگی تو تمام تنوعات بھی قدیم ہوں گے لیکن تنوعات قدیم نہیں ہیں اس لئے استعداد بھی قدیم نہ ہوئی اور یہی مقصد ہے۔ پھر اگر آپ یہ کہنے لگیں (اگرچہ میں آپ کی نسبت ایسا ہرگز خیال نہیں کر سکتے کہ آپ ایسی بدیہی البطلان بات کے کہنے کی جرأت کر سکیں گے) کہ نہیں استعداد حادث ہے اور تمام تنوعات بھی حادث ہیں لیکن پھر بھی مادہ اور اُس کی حرکت دونوں قدیم ہی ہیں تو میں آپ سے دریافت کروں گا کہ استعداد پیدا ہونے سے پہلے مادہ اور اُس کی حرکت ازل میں یعنی لگاتار زمانہ غیر متناہی تک کیا کرتے رہے اور مادہ پر کیونکہ لامتناہی زمانہ گزر سکا اور وہ محض بے نتیجہ اور لغو حرکت کرتا رہا اور پھر نامتناہی ازلی اور غیر محدود مدت تک بے نتیجہ رہنے کے بعد کس چیز نے اُسے اس امر پر آمادہ کر دیا کہ ایک محدود زمانے سے اُس میں استعداد ہو جائے۔ پھر اسی طرح سے محدود زمانہ سے تنوعات بھی پیدا ہونے لگیں۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ آپ کے پاس سوائے ساکت ہو جانے کے اور کیا جواب ہوگا۔

پس اس ساری بحث کے بعد حق اور ماننے کی بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ قسم قسم کی انواع کیونکر پیدا ہوگئیں۔ مادہ اور اُس کے اجزاء کی حرکت جس کے کہ آپ قائل ہیں دونوں کو حادث ماننا چاہیئے۔ یعنی پہلے ان کا وجود نہ تھا اور پھر وجود ہُوا۔

اس موقع پر اور بھی بہت سی یقینی دلیلیں ہیں کہ جو مادہ کے حدوث پر دلالت کرتی ہیں لیکن مثل دلیل سابق کے آپ لوگوں کی تحقیقات پر مبنی نہیں ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا اگر میں اُن میں سے ایک آدھ دلیل آپ لوگوں کے ساتھ نیک گمان کر کے بیان کر دوں کہ آپ کی عقلیں اُس کے سمجھنے سے قاصر نہ ہوں گی اور اُسے تسلیم کریں گی خصوصاً جب آپ اپنے ترک تعصب کرنے کے

وعدے کو پورا کرنے کے لئے ثابت قدم رہیں بس کو کہ میں نے آپ کی جانب سے کچھ دیکھا بھی ہے ۔

حدوث مادہ کی دُوسری دلیل

وہ یہ ہے کہ یہ امر ذرا بھی مخفی نہیں کہ مادہ صورت سے جو کہ اُس کے ساتھ قائم ہوتی ہے خالی نہیں پایا جاتا اور نہ مادہ کا تمام صورتوں سے مجرد ہو کر پایا جانا ممکن ہی ہے (جیسا کہ مادہ کا بغیر تحیز اور کسی نہ کسی قدر خالی جگہ کے گھیرے ہوئے موجود ہونا ممکن نہیں ہے) پس مادہ جب کبھی پایا جائے گا اس کے لئے کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہوگی خواہ وہ صورت ابتری ہو یا سدیمی[1] عنصری ہو یا معدنی۔ نباتاتی ہو یا حیوانی ۔ اسی وجہ سے تو آپ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ مادہ اپنے اوّل وجود میں کہ جو اُسے تمام انواع کے بننے سے قبل حاصل تھا جتنی صورتیں کہ متصوّر ہو سکتی ہیں سب سے بسیط صورت میں موجود تھا اور یہ کہ جتنی صورتیں مادہ اختیار کرتا جاتا ہے وہ اسی کی حرکت ہی سے پیدا ہوئی ہیں اور یہ کہ حرکت اور مادہ میں انفصال ناممکن ہے ۔

پس ان سب باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مادہ اس حالت میں بھی تمام صورتوں سے مجرد اور خالی نہیں مانا ہے ۔ اس لئے کہ یہ بات آپ لوگوں کی عقل تسلیم ہی نہیں کر سکتی ۔ پھر جو کوئی صورت کہ مادہ میں قائم ہوگی وہ ضرور حادث ہی ہوگی اس لئے کہ وہ زائل ہو سکتی ہے اور اس پر عدم طاری ہو سکتا ہے اگرچہ وہ تمام صورتوں سے ابسط ہی کیوں نہ ہو ۔ مثلاً اسی صورت کو لے لیجئے جس کا کہ تمام انواع کے بننے سے قبل مادہ کے لئے ثابت ہونا آپ کے کلام سے معلوم ہوا ہے اور پہلی صورت کا معدوم اور زائل ہونا ہم کو اس طرح پر معلوم ہوا کہ

---

[1] سدیمی سے مادہ کی وہ حالت مراد ہے جس میں عنصر بننے سے قبل موجود تھا ۔

اُس کا معدوم ہو جانا اور اُس کے بعد تیسری صور نوعیہ کا طاری ہونا مشاہدہ کر لیا گیا ہے اور جس چیز پر کہ عدم طاری ہوتا ہے اور وہ اُسے قبول کر سکتی ہے اُس کا قدیم ہونا محال ہے کیونکہ جو شئے قدیم ہو گی وہ ہرگز زائل اور معدوم نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کا بیان آگے آتا ہے اس لئے کہ اس کا قدم یا تو اس وجہ سے ہو گا کہ اُس کی ذات ہی اُس کے وجود کو مقتضی ہو گی۔ یعنی اُس کا سبب سوائے اُس کے نفس کے اور کوئی نہ ہو گا بلکہ وہ خود ہی موجود ہو گی اور اس کا نام قدم ذاتی ہے اور یا اس وجہ سے کہ اُس کی علت قدیم ہو گی اور خود اُس کی ذات نہیں بلکہ وہی علت قدیمہ اُس کے قدم کو مقتضی ہو گی اور اُس کا نام قدم غیر ذاتی یا قدم بالغیر ہے اس کے سوا قدیم ہونے کی اور کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

اور ظاہر ہے کہ اُس شئے کے وجود کا مقتضی عام ہے اور اسی کی ذات ہو یا کسی دوسری شئے جب تک حاصل اور قائم رہے گا اُس وقت تک کیونکر ممکن ہے کہ اُس شئے پر عدم اور زوال طاری ہو سکے۔ پس قدیم کی دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ اُن پر عدم کا طاری ہونا ممکن نہیں اور وہ عدم کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کے تمام صور لازمہ کا حدوث ثابت ہو گیا تو پھر مادہ کا قدیم ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ہم مادہ کی تمام صورتوں کو لیتے ہوئے ایسی صورت تک پہنچ جائیں کہ جو سب سے ابسط ہو اور مادہ کے لئے وہی پہلی صورت ہو تو اب عقل کے نزدیک یہ ہرگز ممکن نہیں ٹھہر سکتا کہ اس سے پہلے بھی مادہ کے لئے کوئی صورت ہو سکے۔ مادہ کے ابسط صورت کے بعد والی صورتوں کا حدوث تو اس طرح ظاہر ہے کہ وہ پہلے نہ تھیں اور اس کی اول صورت کے زائل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ مادہ کی ابسط اور سب سے پہلی صورت تو ہم کہتے ہیں کہ وہ بھی حادث ہے اس لئے کہ وہ معدوم اور زائل ہو گئی اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے جیسا کہ ابھی ثابت ہُوا۔

پس اب بتلائیے کہ مادہ اپنی اوّل صورت کے حادث ہونے کے قبل کس

حالت میں موجود تھا یہ تو آپ کہہ ہی نہیں سکتے کہ مادہ کے لئے کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اس کا سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ مادہ کا بغیر کسی صورت کے پایا جانا محال ہے۔ اب یا تو آپ یہ مانئے کہ اس صورت سے پہلے کوئی اس سے بھی ابسط صورت موجود تھی اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ آپ نے اس کو سب سے پہلی صورت مانا ہے اور تسلیم کر لیا ہے کہ اس سے قبل کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی اور یا تو آپ اسی کے قائل ہو جائیے کہ مادہ اسی صورت کے ساتھ حادث ہوا ہے اور مادہ حادث ٹھہرے گا نہ قدیم اور یہی مقصود ہے۔

حدوث مادہ کی دلیل ثانی منطقی ہیئت میں ۱۲

ہم اسی دلیل کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ مادہ اس اوّل صورت اور اُس کے بعد والی صور نوعیہ کے لئے ملزوم ہے اور یہ صورت اور اس کے بعد آنے والی صورتیں مادہ کے لئے لازم ہیں اور مادہ سے سب کی سب منفک اور جدا نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ علّت اور معلول کے مابین انفکاک ناممکن ہے۔ اب یوں تقریر کی جائے گی کہ اگر مادہ جو ان صورتوں کے لئے قدیم ہوگا تو یہ سب صورتیں بھی جو اُس کے لئے لازم ہیں ضرور قدیم ہوں گی۔ کیونکہ لازم کا اپنے ملزوم سے منفک اور جدا ہونا محال ہے۔ لیکن یہ صورتیں اس دلیل سے کہ عدم کو قبول کرتی ہیں قدیم نہیں ہو سکتیں پس مادہ بھی قدیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تالی کے سبب اور رفع کرنے سے مقدم کا رفع یا سلب لازم آتا ہے جیسا کہ علم منطق میں یقینی طور پر یہ بات طے ہو چکی ہے اور ہر عقلِ سلیم رکھنے والا شخص اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

دلیل اثباتِ آلہ کے مقدمات میں سے استحالہ ترجیح بلا مرجح کی توضیح

پھر بحث سابق کے تمام ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حادث یعنی ایسی شئے

کے لئے جو پہلے نہ تھی اور پھر موجود ہو گئی ضرور کوئی ایسا امر ہونا چاہیئے جو اُسے موجود کر دے اور جس کی وجہ سے اُس کے عدم پر اُس کے وجود کو ترجیح ہو جائے اور وہ عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں نکل آئے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور وہ منجملہ بدیہی محالات کے ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو جائے کہ آپ ترجیح بلا مرجح کو بھی ممکن کہنے لگیں تو مجھ سے سنئے میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنیں کہ میں نے انسانی ایجاد کردہ ترازوں میں سب سے سبک اور ایک ایسی ترازو دیکھی کہ جس کے دونوں پلڑے بوجھ میں بالکل برابر تھے۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ کہاں تو اُس کے دونوں پلڑے بالکل متوازی تھے یا فرض کیجئے کہ بائیں جانب کا پلڑا کسی سبب سے جھک کر زمین پر لگا ہُوا تھا پھر دفعتًہ داہنا پلڑا بائیں سے راجح ہو گیا اور اتنا نیچا ہُوا کہ زمین سے لگ گیا اور بایاں اتنا اونچا ہو گیا جہاں تک کہ اونچا ہونا ممکن تھا۔ لیکن یہ سب کچھ بلا کسی سبب اور مرجح کے پایا گیا۔ راجح ہونے والے پلڑے کو نہ کسی حیوانی طاقت نے راجح کیا یعنی جھکایا نہ اُسے ہوا کا دھکا لگا نہ کوئی دوسرا جسم جو اوپر سے گرا ہو اس کا باعث ہُوا۔ خلاصہ یہ کہ جتنی چیزوں سے پلڑا جھک سکتا ہے اُن میں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی اور پھر بھی وہ بلا وجہ جھک گیا۔

پس اس موقع پر اگر آپ اس قائل کے قول کو سچ سمجھیں گے تو میں جان لوں گا کہ آپ لوگوں کا عناد انتہا درجہ کو پہنچ گیا۔ بس اب آپ سے گفتگو کرنا جائز نہیں اور اگر آپ نے اُس کی تصدیق نہ کی اور آپ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو محال ہے تو اُس وقت میں آپ سے عرض کروں گا کہ حضرت یہی ترجیح بلا مرجح ہے اس کی نسبت میں نے سابق میں آپ سے کہا تھا کہ بدیہی محالات میں سے ہے۔

اس مثال میں اور جتنی حقائق کہ اس کے علاوہ متصور ہو سکتی ہیں عام ہے کہ وہ حسّی ہوں یا عقلی ان سب میں اس لحاظ سے ذرا بھی فرق نہیں ہے کہ ترجیح بلا مرجح سب میں محال ہے۔ جیسا کہ یہ امر ہر تامل کرنے والے کے نزدیک بخوبی ظاہر

ہے اور جب آپ اپنے بتہیرے علمی مباحث اور گفتگو میں تامل کریں گے تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ اپنے مدِمقابل سے بحث کرتے وقت بے شمار مواقع پر اسی قاعدہ کے ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور وہ قاعدہ یہی ترجیح بلا مرجح کا محال ہونا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ حوادث فطرت میں سے فلاں امر بلا سبب پایا گیا اور اُس کا وجود اتفاقات فطرت میں فلتہ یا اتفاقی طور پر ہوگیا ہے تو آپ اُس سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے اور ہمارے نزدیک محقق امر یہ ہے کہ جس کو لوگ فلتہ یا اتفاقی کہتے ہیں وہ محض باعتبار ظاہر کے ہے چونکہ اُس کا سبب نہیں معلوم ہوا ورنہ حقیقت میں اُس کا وجود ضرور کسی نہ کسی سبب اور قوانین فطرت میں سے کسی نہ کسی قانون کی وجہ سے ہوا ہے کہ جو ہم پر مخفی رہا ہے بے وجہ کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

پس آپ لوگوں کا ایسے اقوال کہنا صاف اسی ترجیح بلا مرجح کے محال ہونے پر بھروسہ کرنا ہے۔ اس تقریر سے یہ ظاہر ہوگیا کہ آپ لوگ بھی اس قاعدہ کو مانتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کر سکتے اور میں نے جو باوجود اس کی بداہت اور وضوح کے تقریر کو اس موقع پر اتنا طول دیا تو اُس کی یہ وجہ ہے کہ میں نے آپ ہی لوگوں میں بعض عقل کے کمزوروں کو دیکھا ہے کہ اس بدیہی اور فطری قاعدہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کے واقع ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ بلا وجہ بھی کوئی چیز ہوسکتی ہے اور ایسی بے شرمی اختیار کر لینا اُن کی جہالت کا نتیجہ ہے اس کا ارتکاب وہی کر سکتا ہے کہ جو محض ٹھس طبیعت کا ہو اور جس کی عقلی قوتیں نہایت ہی کمزور ہوں۔

ایسے شخص کا حال تو بالکل سوفسطائیہ فرقہ والوں کا سا ہے کہ جو حقائق اشیاء کے حتیٰ کہ مشاہدات کے بھی منکر ہیں اور یوں گمان کرتے ہیں کہ عالم کی چیزیں محض اوہام اور خیالات ہیں۔

اثبات آلہ یہ سب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ اب سنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک مادہ کا حادث ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہو چکا اُنہیں دلائل میں سے وہ دلیلیں بھی ہیں جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیں اور آپ لوگوں سے مقابلہ میں صرف اُنہی دلیلوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی تحقیقات اور آپ کے علمی اصول کے مناسب ہیں یا اس لئے کہ وہ بالکل واضح ہیں اور ایسے مقدمات پر مبنی نہیں جن کے سمجھنے میں آپ کی عقلوں کو دقت ہو اور اُن کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ترجیح بلامرجح محال ہے اس لئے وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ ضرور کوئی ایسی شئے ہونا چاہیئے کہ جس سے مادہ حادث ہوا اور اُس کے وجود کو اُس کے عدم پر ترجیح ہوئی اور اس شئے کو جس سے کہ مادہ حادث ہُوا ہے لامحالہ موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شئے خود معدوم ہے اُس سے کوئی شئے اضطرارًا یا اختیارًا کیسے موجود ہو سکتی ہے بلکہ ناممکن ہے جیسا کہ عقل کے نزدیک یہ امر بدیہی اور ظاہر ہے۔

پس وہ لوگ (اہلِ اسلام) معتقد ہو گئے کہ وہ شئے جس سے کہ مادہ جو عالم کی اصل ہے پیدا ہُوا ہے ضرور موجود ہے اُس کا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ موجودات کسی معدوم سے ہرگز حادث نہیں ہو سکتیں اور نہ وجود و عدم دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں اور انہوں نے اُس کا نام عالم کا خدا رکھا۔

پھر اُن لوگوں نے کہا کہ یہ خدا ضرور قدیم بھی ہونا چاہیئے ورنہ اگر حادث ہو گا تو ضرورت ہو گی کہ اُس کا حادث کرنے والا کوئی اور دوسرا ہو۔ کیونکہ ترجیح بلامرجح تو محال ہی ہے اور پھر اُس دوسرے کے لئے تیسرے کی ضرورت پڑے گی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا پھر یا تو دور لازم آئے گا یا تسلسل اور دور اور تسلسل دونوں محال ہیں اور جو چیز کہ اُن دونوں کی طرف مفضی ہو گی اور جس سے کہ محال لازم آئے گا وہ بھی محال ہو گی اور اس موقع پر اس خدا کے حادث ماننے سے یہ محال لازم آتا ہے تو خدا کا حدوث بھی محال ٹھہرا اور جب اُس کا حدوث محال ہُوا تو لازمی بات

ہے کہ وہ قدیم ہو۔

بطلان دور

اب دور کے معنے سمجھئے وہ دو چیزوں کا اس طور پر ہونا کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر موقوف ہو اور اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک کا وجود اپنے سبب کے وجود سے پہلے ہو جائے جس سے یہ لازم آئے گا کہ شے اپنے وجود سے پہلے موجود ہو جائے اور یہ بالبداہتہ باطل ہے۔ پس اگر ہم کہیں کہ وہ خدا جس پر مادہ کا وجود موقوف ہے خود اُس کا وجود بھی اسی مادہ پر موقوف ہے عام ہے کہ بلاواسطہ موقوف ہو یا کسی شئے کے واسطہ سے اس طور پر کہ اُس خدا کا وجود کسی دوسری شئے پر موقوف ہو اور اُس شئے کا وجود مادہ پر موقوف ہو اور مادہ خدا پر موقوف ہو تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ مادہ قبل اُس شئے کے پایا جائے کہ جو وجود مادہ کے لئے سبب ہے جس سے کہ یہ ضروری ہو گا کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے ہی موجود ہو جائے اور یہ امر صراحتہً باطل ہے اور کوئی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا، اس کا نام دورِ حقیقی ہے کہ جس کے باطل ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔

دورِ معیت جائز ہے

اور ایک دورِ معیت بھی ہوتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ دو شئے میں سے بعض بعض پر اس وجہ سے موقوف ہو کہ وہ دونوں ایک علت کے معلول ہیں۔ مثلاً دن کا موجود ہونا اور دنیا کا روشن ہونا کہ یہ دونوں طلوع آفتاب کے معلول ہیں ایسا دور محال نہیں ہے اور نہ ہمارا اُس میں کلام ہی ہے۔

ابطال تسلسل

اب رہا تسلسل اُس کے یہ معنی ہیں کہ بے شمار امور جانب ازل[1] میں لگاتار ہوتے ہوتے چلے جائیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہی نہ ہو اور عقل اُس کے ناممکن ہونے کا اس لئے حکم لگاتی ہے کہ اُس سے

---

[1] ازلی مبدء کی جانب غیر محدود ہونے کو کہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم ؞

متعدد محالات لازم آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے۔ محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے متبعین نے اگرچہ تسلسل کے باطل ہونے کی بہت سی دلیلیں نہایت شرح وبسط اور تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں۔ لیکن ہم اُن میں سے اس موقع پر صرف ایسی ہی دلیلوں پر اقتصار کریں گے کہ جو آپ لوگوں کے افہام کے قریب ہوں اور جن کو کہ آپ کی عقلوں سے مناسبت ہو زیادہ نہیں آپ سے ہم صرف دو ہی دلیلیں بیان کریں گے۔

ابطال تسلسل کے مقدمات کا بیان

پس سنئے ہر عقلِ سلیم کے نزدیک یہ بات تو نہایت ہی ظاہر اور اعلیٰ بدیہیات میں سے ہے کہ عدد ناقص اپنی اکائیوں کی تعداد کے لحاظ سے عدد زائد کے ہرگز برابر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً پانچ کا عدد سات کے اعتبار سے ناقص ہے تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جتنی پانچ میں اکائیاں ہیں اتنی ہی سات میں بھی ہوں بلکہ سات میں پانچ اکائیوں سے دو اکائیاں اور زائد ہیں اسی طرح ہر چھوٹے عدد کو بڑے عدد کے اعتبار سے سمجھ لیجیئے۔

خلاصہ یہ کہ ہر عدد ناقص اور زائد کا (یعنی چھوٹے اور بڑے عدد کا) اکائیوں میں برابر ہو جانا صریح محال ہے۔ اسی طرح عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو مقدار دو حدوں کے درمیان گھری ہوگی وہ ضرور محدود اور متناہی ہوگی اور یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شئے دو حدوں کے درمیان گھری بھی ہو اور غیر محدود بھی ہو ان دونوں باتوں کا مجتمع ہو جانا سراسر محال ہے۔ پس جب آپ نے ان دونوں حکموں کو تسلیم کر لیا اور اُن کے تسلیم کر لینے میں آپ لوگوں کو شک ہی کیا ہوسکتا ہے یہ تو ظاہر باتیں ہیں تو اب دلیلیں سُنئے۔

برہانِ تطبیق سے تسلسل کا بطلان ثابت کرنا پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل کا واقع ہونا ممکن ہوگا اور

تسلسل غیر محدود امور کی جانب ازل میں مرتب ہونے کا نام ہے تو ضرور ہم کو یہ جائز ہو گا کہ ہم ایسے ہی امور کے دو سلسلے فرض کرلیں کہ جن میں سے ایک کی ابتداء تو زمانہ موجودہ سے ہو اور دوسرا اب سے مثلاً ہزار برس پہلے سے شروع ہوا اور دونوں جانب ازل میں لگا تار چلے گئے ہوں۔ اب اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ پہلا سلسلہ (جو زمانہ موجودہ سے شروع ہُوا ہے) دوسرے سلسلہ سے (جو اب سے ہزار برس قبل شروع ہُوا ہے) محض ایک مخصوص عدد (ہزار برس) کے اعتبار سے بڑا ہو گا۔ پھر ہم ان دونوں سلسلوں میں ہر ایک سے ایک ایک امر کو ساقط[۱] کرنا شروع کر دیتے ہیں یعنی ہم پہلے سلسلہ سے ایک ساقط کریں گے اُس کے مقابل دوسرے سے بھی ایک ہی ساقط کریں گے۔ پھر اسی طرح سے دونوں سے برابر ساقط کرتے چلے جائیں گے۔

پس اس صورت میں یا تو ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی سلسلہ بغیر دوسرے کے ختم ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے اور یا دونوں سلسلے معاً ختم ہو جائیں گے۔ پس جانب ازل میں ان کا غیر متناہی اور غیر محدود ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے باطل ہو جائے گا اور یہی ہمارا مقصود تھا اور اگر ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی بھی ختم نہ ہو گا تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ سلسلۂ ناقصہ سلسلۂ زائدہ کے برابر ہو جائے۔ حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ عدد ناقص کا عدد زائد کے برابر ہو جانا محال ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اشیاء کا جانب ازل میں غیر متناعی ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے محال کو مستلزم ہے اور جو شئے کہ محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہُوا کرتی ہے اس لئے تسلسل بھی ضرور محال ٹھہرا۔

برہان سلمی سے بطلان تسلسل کا ثبوت

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل ممکن ہو تو ضرور ہمیں جائز ہو گا کہ ہم ایسے دو خط فرض کرلیں کہ جو ایک نقطہ سے مثلث کی دونوں ساقوں کے مثل نکل کر لگا تار چلے جائیں۔ پس اُن کے اجزاء بمنزلہ اُن غیر محدود امور کے

ٹھہریں گے کہ جو جانب ازل میں مرتب ہوتے ہوئے چلے گئے ہوں۔ پھر ہم اُن دونوں کے درمیان کی مسافت ظاہر کرنے کے لئے ضرور پے در پے خطوط فرض کر سکتے ہیں اور پھر وہ مسافت ظاہر کرنے والے خطوط بھی طول میں اتنے ہی زیادہ ہوتے جائیں گے جتنے کہ وہ پہلے کے دونوں خط مفروض بڑھتے جائیں گے اس صورت سے سمجھ لیجئے۔

پس جب ہم نے ان دونوں خطوں کو غیر متناہی مانا ہے تو ضرور ہے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان کی مسافت بھی جس کو ہم نے خطوط سے ظاہر کیا ہے غیر متناہی ہو۔ پس ان خطوط میں سے وہ خط بھی جو غیر متناہی مسافت کو ظاہر کرے گا ضرور غیر متناہی ہوگا حالانکہ وہ دو عددوں کے درمیان گھرا ہُوا ہے کیونکہ اس درمیانی مسافت کی دو حدوں کے مابین گھرے اور محصور ہونے میں ذرا بھی شک نہیں اور دونوں حدیں وہی دونوں خط مفروض ہیں حالانکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو مقدار دو حدوں کے مابین محصور ہوگی وہ ضرور متناہی ہوگی اور یہ کہ باوجود اس طرح پر محصور ہونے کے اُس کا غیر متناہی ہونا محال ہے۔ پس جو امر کہ اس محال کو مستلزم ہو اور وہ اس موقع پر دونوں خطوں کا غیر محدود ماننا ہے جس کو کہ تسلسل کہتے ہیں وہ بھی ضرور محال ہُوا۔

پس جب آپ میری تقریر میں جس کو کہ میں نے دور اور تسلسل کے باطل اور محال ہونے پر قائم کیا ہے غور کریں گے اور اپنی فکر سے کام لیں گے تو یہ بات آپ پر بخوبی ہویدا ہو جائے گی کہ وہ خدا جس نے مادہ کو بنایا ہے ہرگز کسی دوسری شئے سے حادث نہیں ہو سکتا ورنہ یا تو دور لازم آئے گا۔ اگر ہم لوٹ پڑیں اور یہ کہنے لگیں کہ اُس خدا کا وجود اسی مادہ کے وجود پر موقوف ہے یا تسلسل لازم آئے گا اگر ہم کہیں کہ اُس خدا کا وجود کسی دوسری شئے پر موقوف ہے اور اس کا وجود کسی تیسری شئے پر پھر اسی طرح پر غیر محدود سلسلہ کرتے کرتے چلے جائیں اور دور اور تسلسل میں سے ہر ایک محال ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس جو امر (اور وہ اس موقع

پر خدا کا حادث ماننا ہے) اُن دونوں محالوں کو مستلزم ہوگا وہ بھی ضرور محال ہوگا اور جب خدا تعالےٰ کا حادث ہونا محال ہُوا تو وہ لازمی طور پر قدیم ٹھہرا کیونکہ موجودات میں سوائے حدوث اور قدم کے کوئی تیسری شق نکل ہی نہیں سکتی اور خدا کو قدیم ثابت کرنا ہی ہمارا مقصود تھا۔

خدا کا قدیم لذاتہٖ ہونا

پھر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین اُس خدا کے قدم ثابت ہو جانے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اُس کا قدم لامحالہ کسی ایسے امر کی وجہ سے ہوگا کہ جو ازل میں اُس کے وجود کو مقتضی ہو اب اگر وہ امر اُسی کی ذات مانی جائے تو قدیم لذات ٹھہرے گا۔ لیکن اگر وہ امر اُس کی ذات کے سوا کوئی دوسری شئے قرار دی جائے گی تو اُس کو قدیم لغیرہ ماننا پڑے گا حالانکہ اس کے قدیم لغیرہ ہونے کا احتمال نکالے تو اس صورت میں اس غیر میں گفتگو جاری رہے گی کہ آیا وہ قدیم لذاتہ ہے یا وہ بھی قدیم لغیرہ ہی ہے۔ پھر یا تو اسی طرح برابر سلسلہ چلا جائے گا کہ جو تسلسل ہے اور وہ محال ثابت ہو چکا ہے اور یا کسی قدیم لذاتہ تک پہنچا کر سلسلہ کو ختم کرنا پڑے گا تو پھر پہلے قدیم لذاتہ سے گریز کرنے سے فائدہ ہی کیا ہُوا۔ پس حق یہی ہے کہ اُس خدا کو قدیم لذاتہ مانا جائے یعنی خود اُس کی ذات ہی اس کو مقتضی ہے کہ وہ ازل میں موجود ہو (اس کی نظیر آپ لوگوں کا یہ قول ہے کہ اجزاء مادہ کی حرکت کے لئے کوئی دوسری شئے مقتضی نہیں بلکہ اُس کے لئے خود نفس حرکت ہی مقتضی ہے جیسا کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ پس اس بات سے بھی کچھ تعجب نہ کیجئے کہ یہ خدا قدیم لذاتہ ہے یعنی اس کی ذات ہی اُس کے وجود کے لئے مقتضی واقع ہوئی ہے) اب اس وقت یہ کہا جائے گا کہ جب تک خدا کی ذات جو اُس کے وجود کو مقتضی ہے قائم رہے گی اُس وقت تک وہ زوال اور عدم کو ہرگز نہیں قبول کر سکتا ورنہ لازم آئے گا کہ کسی شئے کے

وجود کا مقتضی تو موجود ہو اور باوجود اس کے وہ شئے فنا اور معدوم رہے حالانکہ یہ محال ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ اُس خدا کا فنا اور معدوم ہو جانا محال ہے اور اس کا باقی رہنا ایک لازمی امر ہے۔ پس وہ ہمیشہ اور غیر محدود مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

خدا کا مرید اور مختار ہونا

پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا جس سے کہ مادہ صادر ہوا ہے یا تو مادہ کا حادث ہونا اُس سے بلا ارادہ اور اختیار کے بطریق علیت اور ضرورت کے ہوگا اور یا بطریق ارادہ اور اختیار کے ہوگا یعنی اُسی خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کیا اور اُسے اختیار کر لیا اور اُس کے لئے وہی وقت مقرر کر دیا جس وقت کہ وہ پایا گیا لیکن مادہ کا حدوث خدا سے بطریق علت ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خدا تو قدیم ہے اگر اُس سے بطریق علیت اُس کا حدوث ہوتا تو مادہ کا قدیم ہونا لازم آتا اور اس کی وجہ سے تمام تنوعات بھی ضرور قدیم ہو جاتے کیونکہ جب مادہ میں ارادہ اور اختیار ہی نہیں پایا جاتا تو لامحالہ تنوعات کا حدوث اس سے بطریق معلولیت کے ہوتا۔

پس اس صورت میں ہرگز ممکن نہ تھا کہ مادہ حادث ٹھہرتا اور اپنی علت سے متاخر ہو سکتا حالانکہ مادہ اور اُس کے تمام تنوعات کا حدوث بخوبی ثابت ہو چکا۔ پس نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس خدا سے مادہ کا حدوث بطریقِ معلولیت نہیں ہو سکتا اب سوائے اس کے کوئی صورت نہیں رہی کہ مادہ خدا کے ارادہ اور اختیار سے حادث ہُوا ہو اور اُسی نے اُس کے لئے وہ وقت پہلے ہی سے مقرر کر دیا ہو جب کہ وہ پایا گیا۔

پس اس تقریر سے یہ بات پورے طور سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خدا کے لئے ارادہ اور اختیار ثابت ہے اُس کی ذات ارادہ کنندہ اور ذی اختیار کہلانے کے شایان ہے اس کے لئے اِس کی ضد محال ہے اور وہ ضد مجبور اور بے اختیار ہونا ہے۔

پھر اُس خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کر کے اُس کے وجود کو عدم پر ترجیح دے دی اور اُس کے وجود کا ایک زمانہ معین کر دیا (اور یہی ترجیح اور تخصیص اختیاری صنع اور فعل ہے) اس لئے یہ مادہ محض خدا کے صنع اور فعل ہی سے ان عجیب وغریب اور حیرت انگیز تنوعات کے قابل حادث ہوا۔ اس موقع پر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ جس خدا نے مادہ (جس کی حقیقت کا سمجھنا انسانی فلاسفروں کی عقول پر نہایت ہی دشوار ہے جیسا کہ اُن کی کتابوں میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے مادہ کی تعریف بیان کرنے اور اُس کی حقیقت ظاہر کرتے میں کیا کچھ خبط مچایا ہے) بنایا ہے کہ جو سماوی۔ ارضی۔ جمادی۔ نباتی اور حیوانی عجیب وغریب انواع پر متنوع ہُوا ہے اور جس میں کہ طرح طرح کی صورتیں یکے بعد دیگرے قبول کرنے کی قابلیت موجود ہے۔

خدا تعالےٰ کے لئے کمال علم وقدرت ثابت کرنا

بے شک وہ خدا نہایت کمال کے ساتھ علم وقدرت رکھنے والا اور پورا پورا قادر اور عالم ہے۔ عالم اس بات سے کہ اُسی نے مادہ سے انواع انواع کے تنوعات کو متنوع کیا ہو اور تمام تعجب خیز کائنات کو باوجود عجیب وغریب استحکام کے اُس سے بنایا ہو جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا عقیدہ ہے اور یا اُس نے مادہ ہی کو اس قابل بنایا ہو کہ وہ اُس کے ذرات بسیطہ کی حرکت اور اُن قوانینِ فطرت کے موافق جو اُس کے ساتھ قائم ہیں ان تمام تنوعات اور تطورات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ آپ لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ تمام تنوعات مادہ کے ذرات کی حرکت سے کہ جو خاص خاص قوانین فطرت کے موافق جاری ہے حاصل ہو گئے ہیں۔

پس ہر دو تقدیر پر خدا کے کمال علم اور قدرت پر قطعی دلالت موجود ہے کیونکہ ایسے کی نسبت جو کسی بسیط شئے کو پیدا کرے اور پھر بدل بدل کر اُس کے بے شمار

انواع بناتا رہے اور باوجود غایت درجہ کے استحکام اور انضباط کے نہایت ہی حیرت افزاء اور تعجب خیز اشیاء کو اُس سے نکالتا رہے یا دہ ایسی بسیط شَے کو پیدا کر سکے جس میں یہ قابلیت موجود ہو کہ وہ اُن قوانین فطرت کے مقتضاء کے موافق ہی سہی جو اس میں قائم ہوں بے شمار عجیب وغریب انواع کی جانب منقلب ہو سکے تو ایسے کی نسبت کسی عاقل کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور کامل علم اور قدرت والا ہو گا اور اس کا عاجز یا ناواقف ہونا امر محال ہے۔

گھڑی کی مثال دے کر خدا کے علم و قدرت کو سمجھانا اور یہ ظاہر کرنا کہ حرکت اجزاء مادہ کو انواع کے سبب قرار دینا غلطی ہے

مثلاً جب ہم کسی گھڑی کو جس سے کہ وقت معلوم ہوتا ہے دیکھیں اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ غایت انضباط اور استحکام کے ساتھ کیسی عجیب اس کی ترکیب ہوا کرتی ہے جو قواعد ہندسیہ اور کل سازی کے اصول پر سراسر مبنی ہوتی ہے۔ پس جس طرح کہ اس امر کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس گھڑی کا ضرور کوئی بنانے والا ہے کہ جس نے اُسے بنایا ہے اور نہایت محکم اصول پر اُس کی بنا رکھی ہے اسی طرح قطعی طور پر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس کا بنانے والا جبھی اُس کو بنا سکتا ہے کہ اُس کے بنانے کی کافی قدرت رکھتا ہو اور نہایت مضبوط اور مستحکم اصول پر مبنی کرنے کا اُسے پورا پورا علم بھی ہو۔

عام ہے کہ خود اسی نے اس کے پرزے بنائے ہوں اور پھر انہیں اس طرح خود ہی جوڑا ہو کہ وہ بخوبی کام دے سکتی ہو اور یا اُس نے محض اُس کے پُرزے ہی اس انداز سے بنائے ہوں کہ جس کو مرتب کر کے گھڑی جڑی جا سکتی ہو اور کام دینے کے قابل ہو سکتی ہو۔ اگر اس موقع پر ہم سے کوئی یہ کہنے لگے کہ اس گھڑی کو ایک شخص نے کہ جو اندھا۔ بہرہ۔ دست و پا بریدہ۔ ناسمجھ۔ بے خبر۔ علم ہندسہ سے بالکل بے بہرہ اور کل سازی کے اصول سے محض ناواقف ہے بنایا ہے تو ہم اس قائل

کی بڑے شدومد سے تکذیب کریں گے اور ہماری عقلیں ذرا بھی اس کی بات نہ مانیں گی اور یہ کہیں گی کہ جو اس بات کی تصدیق کرے اور ایسے شخص کو سچا جانے وہ پرلے درجہ کا احمق ہے۔ یہ تو آپ نے سنائیں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ لوگوں کو اس کے وجود کا پتہ نہ لگا جس نے کہ مادہ پیدا کیا ہے اور پھر آپ مادہ کے قدم کی معتقد ہو گئے۔ پھر اس کے مختلف تنوعات اور تطورات کو آپ نے دیکھا کہ جو پہلے نہ تھے اور پھر حادث ہوئے اور یہاں بھی آپ اس کے وجود کو دریافت نہ کر سکے کہ جو ان تمام تنوعات کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے آپ لوگوں کو یہ ضرورت ہوئی کہ اس سبب سے بحث کریں جس کی وجہ سے یہ سب تنوعات پیدا ہوئے کیونکہ عقل ہرگز اس کو نہیں تسلیم کر سکتی کہ وہ سب محض مادہ ہی سے حادث ہو گئے ہوں اس وجہ سے کہ ہر حادث کے لئے ضرور کوئی سبب ہونا چاہیئے کہ جس میں اس کے احداث کی صلاحیت موجود ہو اور مجرد مادہ ایسا ہے نہیں۔

پس بڑی سرگردانی کے بعد آپ لوگ اس امر کے قائل ہو گئے کہ مادہ کے ذرات بسیط جن کی شکلیں مختلف ہیں ازلی حرکت کے ساتھ متحرک ہیں اور اسی حرکت کے باعث سے یہ اجزاء مختلف ہیئت اور طرح طرح کی کیفیت پر مجتمع ہونے لگے کہ جس سے یہ جملہ تنوعات پیدا ہو گئے تو آپ لوگوں نے محض یہ کہہ کر اپنی عقلوں کو سمجھا لیا کہ ان تمام تنوعات کا سبب یہی حرکت واقع ہوئی ہے حالانکہ آپ لوگوں نے ان اجزاء کو نہ تو محض اپنی آنکھوں ہی سے کبھی دیکھا اور نہ بڑی سے بڑی خوردبین سے آج تک یہ نظر آئے (اور نہ ہرگز آپ لوگ ان اجزاء کو دیکھ سکیں گے) اور نہ کبھی مادہ کی حرکت کا کسی کو ذرا احساس ہوا (اور نہ ہرگز آپ لوگ احساس کر سکیں گے) لیکن جس چیز نے کہ آپ کو مادہ کے اجزاء اور ان کی حرکت کے قائل ہونے پر مجبور کیا وہ محض یہ ضرورت ہے کہ آپ سمجھ سکیں کہ تمام انواع کیوں کر بن گئیں اور اس پر بھی آپ نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ لوگوں نے ان اجزاء کے لئے مختلف شکلیں بھی مان لیں تاکہ آپ اس کہنے کے قابل ہو جائیں کہ انہی اجزاء کے اجتماع سے باوجود ان کی

انواع بناتا رہے اور باوجود غایت درجہ کے استحکام اور انضباط کے نہایت ہی حیرت افزاء اور تعجب خیز اشیاء کو اس سے نکالتا رہے یا وہ ایسی بسیط کو پیدا کر سکے جس میں یہ قابلیت موجود ہو کہ وہ ان قوانین فطرت کے مقتضا کے موافق ہی سہی جو اس میں قائم ہوں بے شمار عجیب وغریب انواع کی جانب منقلب ہو سکے تو ایسے کی نسبت کسی عاقل کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور کامل علم اور قدرت والا ہوگا اور اس کا عاجز یا ناواقف ہونا سراسر محال ہے۔

اہل سائنس کو یہ بتلانا کہ وہ اپنے اس قاعدہ پر کہ بغیر مشاہدہ ہم کچھ نہیں مانتے، نہیں رہ سکتے اور اس کے چھوڑنے کی شہادتیں پیش کرنا اور ثابت کرنا کہ وہ عقلی استدلالات کے بغیر نہیں رہ سکتے

اب اس موقع پر آکر آپ لوگوں نے اپنا وہ وعدہ بالائے طاق رکھ دیا جس کی نسبت ہم نے آپ لوگوں کو اکثر ڈینگ مارتے سنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ کسی امر کو جب تک کہ اس کا احساس اور مشاہدہ نہ کرلیں ہرگز مانتے ہی نہیں وہ قاعدہ اب کہاں گیا؟ کیوں اس موقع پر احساس اور مشاہدہ کو چھوڑ کر عقلی دلیل سے استدلال کرنے پر مجبور ہوئے۔

اس سے یہ خیال نہ کیجئے گا کہ ہم عقلی استدلال کے طریقہ سے انکار کرتے ہیں نہیں یہ تو خاص ہمارا اور تمام معتبر حکماء کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے۔ ہمیں صرف آپ لوگوں کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ آپ لوگوں کا یہ قول کہ ہم احساس اور مشاہدہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد ہی نہیں کرتے پورا نہ ہو سکا اور آپ اپنے اس قول پر قائم نہ رہ سکے (اور نہ ہرگز قائم رہ سکتے ہیں) اور اگر آپ یہ کہیں کہ موقع ہی یہ ایسا آن پڑا کہ ہمیں استدلال کی ضرورت ہوئی کیونکہ ہم نے اجزاء اور ان کی حرکت کے آثار مشاہدہ کر لئے اور وہ آثار بھی تنوعات ہیں اور انہی آثار سے ان کے مؤثر پر ہم نے استدلال کیا تو ہم آپ سے کہیں گے کہ یہی تو ہم بھی کرتے ہیں۔ خدائے عالم کے آثار

مشاہدہ کرکے ہم اور اسی طرح تمام مذاہب والے خدا کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور خدا کے آثار یہی ساری کائنات ہے۔

پس ہم نہیں سمجھتے کہ آپ لوگوں کو ہمارے استدلال کا سمجھنا کیوں مشکل معلوم ہوتا ہے اور اپنے استدلال کو آپ آسان خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر انصاف سے پوچھئے تو عقل ہمارے ہی استدلال کو قبول کرتی ہے جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے۔

خدا کے ثابت ہو جانے کے بعد تنوعاتِ عالم کی پیدائش کے لئے کسی دوسرے موجد کی ضرورت نہیں ہے

اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصلی مطلب پر پھر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک جب کہ مادہ کا حدوث اور یہ امر ثابت ہو چکا کہ اس مادہ کے لئے ضرور کوئی محدّث اور موجد ہے جس نے کہ اس کو حادث کیا اور عدم سے اس کو اس طرح پر موجود کر دیا کہ وہ تمام تنوعات اور تطورات قبول کرنے کے قابل ٹھہرا اور اُس سے اُن کے نزدیک اُس موجد کا ارادہ اُس کی قدرت اور اس کا علم بھی بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اب اس کے بعد اُن کو اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں کسی دوسری چیز کے ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی اسی لئے وہ قائل ہو گئے کہ جس خدا نے مادہ کو پیدا کیا اُس کو تمام تنوعات قبول کرنے کے قابل بنایا اور جو کہ صفت ارادہ قدرت اور علم کے ساتھ موصوف ہے اُسی خدا نے مادہ پیدا کرنے کے بعد اُس سے ان تمام انواع کو بنایا اور ان نئی نئی صورتوں کو کہ جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ایجاد کیا کیونکہ ان انواع کے حدوث کے لئے کوئی نہ کوئی موجب ضرور ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ اُن کے حدوث کو اُس خدا ہی کی طرف نسبت کرنے کو جس میں کہ ارادہ قدرت اور علم سب کچھ پایا جاتا ہے عقل قبول کرتی ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے بخلاف اس کے کہ اُن کے حدوث کو اجزاء مادہ کی حرکت کی جانب منسوب کیا جائے کہ جن میں نہ ارادہ ہے نہ قدرت

ہے اور نہ کچھ علم ہی پایا جاتا ہے بلکہ صرف اتفاقی طور پر اُس کے اجزاء خاص خاص کیفیتوں پر مجتمع بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر چند قوانینِ فطرت کے موافق جن کے لزوم کو عقل نہیں سمجھ سکتی عمل در آمد بھی کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان قوانین میں سے بعض کے لزوم کے لئے عقل کو کوئی نہ کوئی موجب تلاش کر لینا ممکن ہے اور یہ تبائنات اصول کے لئے فروع کی وراثت کا قانون ہے جیسا کہ پیشتر آپ کے مذہب کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن ان قوانین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اُن کی ملازمت کے موجب کا تلاش کرنا عقل کے امکان میں نہیں اور یہ وہ تبائنات ہیں جن کی موجودگی ہر فرع میں ضروری خیال کی گئی ہے اور جن کے اعتبار سے ہر فرع اپنی اصل کے خلاف ہوتی ہے کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اصول کے خلاف فروع میں تبائنات کا موجود ہونا لازمی ہو گیا؟ اور یہ کیوں نہ ضروری ہوا کہ کسی امر میں متبائن ہونے کے بغیر فرع اپنی اصل کے موافق ہوا کرتی حالانکہ عقل یہی امید کر سکتی ہے کہ فروع اپنے اصول کے موافق ہُوا کریں اُن کے خلاف نہ ہونے پائیں۔

پس اگر اس موقع پر کوئی ایسی شئے جو ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کرتی ہے موجود نہ ہوتی تو یہ قانون فطرت لازمی نہ ٹھہر سکتا۔ اب رہا کہ محض اجزاء کی حرکت ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کر دے تو عقل اس کو نہیں تسلیم کر سکتی نہ اس سے اس کا اطمینان ہوتا ہے کیونکہ اُن اجزاء میں تو اس استمرار کی صلاحیت کا ذرا بھی پتہ نہیں جیسا کہ ہر فکر سلیم کے لئے یہ امر بخوبی ظاہر ہے۔

ایک دخانی کل کی مثال دے کر ناکہ اہلِ سائنس کا موجب تحقیق عالم کے بارے میں محض لچر ہے

اس مقام کے مناسب ایک مثال یاد آئی جس کا بغرض توضیح ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں وہ یہ ہے کہ جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ کسی شخص نے ایک دخانی کل کے

پرزے تیار کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ہم دیکھیں کہ وہ دخانی کل اُن سے مرکب ہو کر مکمل ہو گئی اور چلنے لگی اور ہر ہر پرزہ اپنا اپنا کام دینے لگا۔ اب بتلائیے کہ ان دونوں باتوں میں سے عقل کس کو قبول کرسکتی ہے۔ آیا ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس شخص نے اس کل کے پرزے بنائے تھے اسی نے ان کو جوڑ کر اس کل کو چلایا ہوگا یا یہ قول صحیح ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ یہ پرزے اُس حرکت کے ذریعہ سے جو اُن میں پائی جاتی ہے خود بخود مرکب ہونے لگے اور اپنے اپنے موقع پر لگنا شروع ہُوئے۔ یہاں تک کہ زمانہ دراز کے بعد یہ کل اس طرح جڑ جڑا کر مکمل ہو گئی اور چلنے لگی۔ اس میں ذرا شک نہیں ہوسکتا کہ عقل بلا تامل پہلی بات کو تسلیم کرے گی اور بلا کسی شک وشبہ کے دوسرے امر کو متروک خیال کرے گی۔ اسی پر قیاس کر کے آپ اس کو بھی خیال کریں کہ عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جس نے مادہ کو ایجاد کر کے اُس کو تمام تنوعات کے قابل بنایا اُسی نے اُسی سے تمام انواع کو بھی پیدا کیا نہ یہ کہ بلا اس کے کہ مادہ کے ایجاد کرنے والے نے کچھ کیا ہو وہ مادہ اپنے اجزاء کی اضطراری حرکت کی وجہ سے قانونِ وراثت اور قانون تباین کے موافق خود بخود طرح طرح کی انواع میں متنوع ہونے لگا کہ جن کے بننے کے لئے اعلیٰ درجہ کی قدرت نہایت ہی کامل علم وحکمت اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ پس اے عقلمندو! ذرا تو انصاف کرو۔

خدا تعالےٰ کا علم ارادہ اور قدرت ان میں ہر ایک کن کن اشیاء کے ساتھ متعلق ہوسکتا ہے ۱۲

خدائے عالم کے ارادہ، قدرت اور علم کے ثابت کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ایک بات کے اور قائل ہیں جس کے اوپر تنبیہ کر دینا اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا ارادہ اور اُس کی قدرت دونوں صرف ایسی ہی چیز کے ساتھ متعلق ہوسکتی ہیں کہ جو عقلاً ممکن ہے یعنی وہ ایسی شے ہو کہ عقل جب

کے وجود اور عدم کی تصدیق کر سکتی ہے اُس کے نزدیک وہ موجود بھی ہو سکتی ہو اور معدوم بھی۔ ممکن ہونے کے بعد کوئی شئے کیسی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا اس کو وجود یا عدم کے ساتھ اور اسی طرح اس کے اور احوال میں سے جس کے ساتھ چاہے اپنے ارادہ سے خاص کر سکتا ہے اور جس کے ساتھ کہ اُس نے اپنے ارادہ سے اُسے خاص کر لیا ہے اُسی کے موافق اپنی قدرت سے پیدا کر سکتا ہے۔ اب رہا وہ امر کہ جو عقلاً واجب ہو یعنی عقل اُس کے معدوم کرنے کی تصدیق نہیں کر سکتی مثلاً ہر ذی مقدار شئے کا لازمی طور پر کچھ نہ کچھ جگہ گھیرنا۔

خدا کے ارادہ اور قدرت کا تعلق واجب اور محال کے ساتھ نہیں ہو سکتا

اسی طرح وہ امر جو عقلاً محال ہو یعنی عقل اس کے موجود ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتی مثلاً اجتماع نقیضین سو ان دونوں قسموں کی اشیاء کے ساتھ خواہ ایجاداً ہو یا اعداماً البتہ نہ تو خدا کے ارادہ ہی متعلق ہو سکتا ہے اور نہ اس کی قدرت اس لئے جو شئے عقلاً واجب ہے وہ خود ہی موجود اور حتماً حاصل ہو گی اس کا وجود سے نکل جانا ہی ممکن نہیں۔

پس خدا کا ارادہ اور قدرت دونوں اُس کے ساتھ نہ ایجاداً متعلق ہو سکتے ہیں نہ اعداماً۔ ایجاداً تو اس لئے کہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے موجود کا موجود کرنا لازم آتا ہے اور اعداماً اس لئے کہ اس کا معدوم ہونا اور وجود سے نکل جانا محال ہے۔ اب رہا امر محال وہ حتماً معدوم ہوتا ہے اُس کا وجود میں آ جانا ممکن نہیں ہے۔

پس اس کے ساتھ بھی وہ دونوں (ارادہ اور قدرت) نہ اعداماً متعلق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے اور نہ ایجاداً اس وجہ سے کہ اُس کا موجود ہونا اور وجود میں داخل ہو جانا محال ہے۔

خدا ہر شئے کو جانتا ہے خواہ وہ موجود ہو یا گزشتہ یا آئندہ

لیکن خدا کا علم ہر شئے کے ساتھ خواہ وہ شئے عقلاً ممکن ہو یا واجب یا محال ضرور متعلق ہوتا ہے جس سے کہ وہ شئے خدا کے پاس منکشف ہوتی ہے پس خدا ہر شئے کو وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور پھر چاہے وہ حاضر ہو یا گذشتہ یا آئندہ سب کو بخوبی جانتا ہے، اُسے تمام چیزوں کا علم ہے شئے حاضر کے ساتھ تو اُس کے علم کا تعلق ظاہر ہے۔ عام ہے کہ وہ واجب ہو یا ممکن یا محال کیونکہ محال بھی تصور میں حاضر ہو سکتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ اس کو اور اس کے استحالہ کو جانتا ہے۔ اب رہا امر گذشتہ جس کا کہ وجود منقطع ہو چکا وہ ضرور خدا کی پیدا کردہ اشیاء میں سے ہوگا جو کہ خدا ہی کے ایجاد سے موجود ہوا تھا اور اسی کے اعدام سے معدوم ہو گیا اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ جس شخص نے کسی شئے کو بنایا ہو اور پھر اُسے معدوم کر دیا ہو اُس کے ساتھ اس شخص کا علم باقی رہ سکتا ہے اور امر آئندہ کے ساتھ بھی جو اب تک موجود نہیں ہوا اُس کے علم کا تعلق ظاہر ہے کیونکہ جبکہ وہ شئے حادث ہونے کے قابل ہے اور بغیر اُس کے کہ خدا اپنے ارادہ سے اُس کے وجود کی تخصیص کرے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دے وہ ہرگز حادث نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کل حوادث خدا ہی کے افعال کے آثار ہیں۔

پس لازمی امر ہے کہ اُس کے ایجاد کرنے سے پہلے خدا اُسے جانتا بھی ہو کیونکہ اُس نے تو اس کا وجود کا ارادہ کیا ہوگا جب تو اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دے گا۔ اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جس انسان نے یہ پختہ قصد کر لیا ہو کہ میں ایک خاص قطعہ کا مکان مثلاً ایک ماہ کے بعد تعمیر کروں گا وہ جو کچھ کہ اُس گھر میں بنائے گا اُسے خوب جانتا ہے۔ لیکن اس شخص کے علم میں اور خدا کے علم میں یہ فرق ہے کہ بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے اُس شخص کو وہ مکان بنانا میسر نہیں ہوتا تو اُس کا پہلا علم واقع کے موافق نہیں رہتا۔ لیکن خدا کو اُس کے افعال سے جن کے کرنے کا اس

نے ارادہ کر لیا ہے کوئی مانع باز نہیں رکھ سکتا وہ ضرور ہی انہیں کرتا ہے اس لئے
اس کا علم ہمیشہ واقع کے موافق ہی ہوتا ہے اُس کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں ۔

اثبات قضاؤ قدر اور اُن کے معانی کی توضیح ۱۲

اس مقام سے آپ شریعتِ محمدیہ کے اس مسئلہ کو بھی کہ حوادث میں ہر شے
خدا کے قضاؤ قدر سے ہوتی ہے خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ کیونکہ جب یہ امر ٹھہرا کہ
عالم میں ہر حادث جس طرح پر کہ اُس کے ساتھ خدا کا علم پہلے سے متعلق ہو چکا ہے
اُس کے موافق اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتا ہے تو ضرور ہُوا کہ اُس کے علم
سابق کے موافق اُس کے ساتھ خدا کی قدرت ایجاداً متعلق ہو اور اُسی کا نام قضاء
ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ازل سے اُس کے ساتھ خدا کا علم متعلق ہو اور وہ
اس کے لئے ایک حد مقرر کر دے جس کے موافق کہ وہ اسے ایجاد کرے گا اور اسی
کو قدر کہتے ہیں ۔

(قضاء و قدر کی جو تفسیر یہاں بیان کی گئی ہے یہ منجملہ انہی تین تفسیروں کے
ہے جنہیں کہ علامہ باجوری نے جوہرہ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی تفسیر
ماتریدیہ کیا کرتے ہیں) ۔

انبیاء اور اولیاء کی پیشین گوئی کی حقیقت ۱۲

یہ جو شریعت میں وارد ہُوا ہے کہ رسل اور اولیاء غیب اور آئندہ کے واقعات
کی خبر دیا کرتے ہیں، اس مقام سے اس کو بھی آپ سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ جب
خدا تعالےٰ غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادث اُسی
کے علم سے اُسی کے ارادہ کے متعلق ہونے سے اُسی کے فعل سے پیدا ہُوا کرتا ہے
تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہی خدا ان رسل اور اولیاء میں سے جسے
چاہے اس غیب یا امر آئندہ کی خبر دیدے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ نفس فطرتِ

انسانی کا یہ مقتضا نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتلا دے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔

پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے بتلانے ہی سے معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دے دیتے ہیں۔ اُن میں سے ایسا تو کوئی بھی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعوے کرنے کو اعلےٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے اور جو اس کا دعویٰ کرے اُس کو کافر بتلاتی ہے۔

خدا تعالےٰ زندہ ہے

پھر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ وہ خدائے عالم جس کا ہمارے نزدیک وجود۔ قدم۔ بقا۔ قدرت۔ ارادہ اور علم ثابت ہو چکا ہے ضرور زندہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ مردہ کا صفت ارادہ۔ قدرت اور علم ہیں۔ سے کسی کے ساتھ موصوف ہونا عقل میں نہیں آتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس خدا کے لئے صفت حیات ثابت ہو گئی۔ اور اُس کا موت کے ساتھ موصوف ہونا محال ٹھہرا۔

خدا تعالےٰ مادہ کے تمام خواص سے مبرا ہے

پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ خدا مادہ کے تمام خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مادہ کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔ عام ہے کہ وہ خواص ایسے ہوں کہ جن کے لزوم کے لئے نفس مادہ کی طبیعت مقتضی ہو اور وہ اُس سے جدا نہ ہو سکتے ہوں اور یہ مادہ کے عام صفات ہیں جو اُس کے جمیع انواع کے لئے لازم ہیں اور یا وہ ایسے ہوں جنہیں کہ نفس مادہ کی طبیعت قبول کر سکتی ہو خواہ وہ اُس کے تمام انواع میں پائے جا سکتے ہوں یا فقط اُس کے بعض مرکبات ہی میں اور یہ وہ اوصاف ہیں جو کہ مادہ کے جمیع انواع کے لئے عام تو ہیں لیکن لازمی نہیں اور یا وہ عام ہی نہیں ہیں جیسے کہ جوہریت،

جسمیت عرضیت ۔ متحیز ہونا (یعنی کسی قدر جگہ کو گھیرنا) مرکب ہونا۔ متجزی ہونا۔ غیر سے جنا جانا۔ غیر کو جننا ۔ اتصال ۔ انفصال ۔ حیوانیت ۔ نباتیت ۔ جمادیت ۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ تمام انفعالات نفسانیہ اور اُس کے مثل جتنی چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ خدا ان خواص میں سے کسی میں بھی اگر مادہ کے مشابہ مانا جائے گا تو وہ بھی اسی کے مثل مادہ ٹھہرے گا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر بات ہے کہ جو شئے کسی دوسرے کے ساتھ اُس کی ذات اور طبیعت کے لوازمات اور خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مشابہ ہوگی وہ ضرور اُسی کے مثل اور ویسی ہی ہوگی اور اگر یہ خدا مادہ تسلیم کیا جائے گا تو جو کچھ کہ مادہ کے لئے ممکن ہے یعنی حدوث وہ خدا کے لئے بھی ممکن ہوگا اور خدا بھی حادث ٹھہرے گا۔ کیونکہ جو حکم چند یکساں چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے ثابت ہوگا وہ ویسی ہی اور چیزوں پر بھی صادق آئے گا حالانکہ خدا کے لئے قدم کے لازمی ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کے حدوث کا محال ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس سے یہ ثابت ہُوا کہ اس خدا کا مادہ کے مشابہ ہونا ناممکن ہے تو وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا اور یہی اس مسئلہ کا مقصد ہے جس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین معتقد ہیں کہ خدائے عالم کے لئے تمام حوادثات کے خلاف ہونا ضروریات میں سے ہے اور اس کا اُن کے مشابہ ہونا محال ہے اس لئے خدا نہ مادہ ہو سکتا ہے اور نہ مادہ کے خواص میں سے کسی کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ممکن ہے جیسا کہ بیشتر بیان ہو چکا ۔

خدا مکان اور محل کا محتاج نہیں

پھر چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ جسم اس لئے اسے کسی مکان کی بھی ضرورت نہیں جس میں کہ وہ قائم ہو اور نہ وہ عرض ہی ہے جو اُسے کسی محل کی حاجت ہوتی جس میں کہ وہ حلول کرتا اور قائم ہوتا ۔

خدا کے عرض نہ ہونے پر دوسری دلیل

علاوہ بریں اگر اُسے عرض مانا جائے گا اور وہ کسی محل کا اپنے قیام میں محتاج ہوگا تو وہ ضرور صفت ہوگا اور اگر وہ صفت ہوگا تو پھر اُس کا اُن صفات کے ساتھ کہ جن کا بیشتر بیان ہوچکا ہے موصوف ہونا ناممکن ٹھہرے گا اور وہ صفات قدرت ارادہ علم اور حیات ہیں حالانکہ خدا کے ان صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر دلیل قائم ہوچکی ہے اس لئے اُس کا صفت ہونا ممکن نہیں ہوسکتا تو پھر وہ عرض بھی جو اپنے حلول اور قیام میں کسی محل کا محتاج ہو نہ ہوسکے گا۔

خدا موجد کا محتاج نہیں

پھر چونکہ خدا کا قدم ثابت ہوچکا ہے تو وہ کسی موجد کا بھی جو اُسے ایجاد کرتا ہرگز محتاج نہیں ہوسکتا۔ غرض یہ کہ خدا کا مکان۔ محل۔ اور موجد کی جانب محتاج نہ ہونا یہی امور ہیں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس عقیدہ سے مقصود ہیں کہ خدائے عالم کا بنفسہ اور خود ہی قائم ہونا ضروری ہے اور غیر کے ساتھ اس کا قائم ہونا محال ہے۔ خدا تعالےٰ کی اس صفت پر ایک دوسری دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ مکان کا۔ یا محل کا یا کسی موجد کا محتاج ہوتا تو ضرور تھا کہ یہ امور مذکورہ اُس سے قبل موجود ہوتے اور اُس کے بنائے ہوئے نہ ہوتے حالانکہ اس بات پر دلیل قائم ہوچکی ہے کہ وہ خدا قدیم اور تمام کائنات کے قبل سے ہے اور کائنات میں ہر شَے اسی کی بنائی ہوئی ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی وہ ان میں سے کسی شے کی جانب محتاج ہو۔

صفاتِ خداوندی اور صفاتِ انواع مادہ میں محض اسمی مشارکت ہے ۱۲

اس سابق کے مسئلہ میں کہ خدا مادہ کے خواص میں سے کسی شَے میں بھی اس کے

مشابہ نہیں ہے یہ شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ لیجیئے خدا ان امور میں تو مادہ کے مشابہ ہو گیا کہ وہ موجود ہے ارادہ کرتا ہے۔ عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے اور اسی طرح اور صفات ہیں جو کہ اس کے لئے ابھی ثابت ہوتیں کیونکہ مادہ کے انواع ان صفات کے ساتھ تو موصوف ہوتے ہیں اس لئے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کے صفات مذکورہ کو محض آثار کی مشابہت کی وجہ سے انواع مادہ کے صفات کے ساتھ صرف اسمی مشارکت حاصل ہے حقیقت کے اعتبار سے پورا پورا اختلاف اور مباینت پائی جاتی ہے کیونکہ خدا کی صفات مذکورہ اُن کے نزدیک صفات قدیم ہیں اعراض نہیں ہو سکتی لیکن انواع مادہ کی وہ صفات جن کے ساتھ اُن کو اسمی مشارکت حاصل ہے بلا شبہ اعراض اور مادہ کے حادث اور زائل ہونے والے احوال ہیں اور اس میں ذرا بھی خفا نہیں کہ محض آثار میں مشابہت کا پایا جانا اس امر کو مستلزم اور مقتضی نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں بھی مشابہت ہو خصوصاً جب کہ صفات خداوندی کے آثار میں اور ان صفات انواع کے آثار میں اس اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق بھی موجود ہو کہ صفات خداوندی کے آثار باعظمت، محیط اور کامل ہوں اور صفاتِ انواع کے آثار اُن کے مقابل میں حقیر۔ ناقص اور قاصر ہوں جیسا کہ دونوں کے آثار میں مقابلہ کرنے سے صاف صاف واضح ہوتا ہے۔

فلاسفہ جدید کے مقابل میں وحدانیت کی دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جب کہ خدائے عالم کے وجود پر دلیل قائم کر چکے اور آپ لوگوں پر اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو دلیل سابق کے مقتضا کے موافق لازم کر چکے تو اب اُنہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے مقابلہ میں اس امر پر دلیل قائم کریں کہ وہ خدا ایک ہے۔ خدائی میں اور عالم کی تخصیص اور ایجاد میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ لوگ تو ایک خدا کو بھی نہیں مانتے

تھے۔ انہوں نے دلیل سے اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو آپ پر لازم کر دیا۔ اب انہیں آپ لوگوں کی جانب سے اس امر کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اُس خدا کے سوا اور کسی خدا کے وجود کا دعویٰ کرنے لگیں گے اس لئے کہ اسے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ کے نزدیک تو یہ ظاہر بات ہے کہ آثار خداوندی کی دلالت سے خدائے عالم کے وجود کے ثابت کرنے کے بعد کون سا امر مقتضی ہے کہ کسی دوسرے خدا کے ثابت کرنے کے لئے بھی ہمیں ضرورت پڑے باوجودیکہ اس عالم کے ایجاد کرنے کے لئے صرف ایک ہی خدا جس میں کہ اُس کے ایجاد اور حکم کرنے کے لئے کامل صفات موجود ہوں بالکل کافی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدے بلا دلیل نہیں بلکہ یقینی دلیل پر مبنی ہیں اس لئے وحدانیت کی دلیل بھی ضرور ہے

لیکن چونکہ وہ اس کے معتقد ہیں کہ وہ خدا ایک ہی ہے اُس کی خدائی میں کسی کا شریک ٹھہرانا سراسر محال ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو بغیر قطعی دلیل پر مبنی کئے ہوئے باز نہیں رہ سکتے اُن کے عقیدوں کی بناء ہمیشہ قطعی دلیلوں پر ہوتی ہے خواہ وہ قطعی دلیل عقلی ہو یا نقلی اس لئے لازم ہے کہ وہ اس خدا کی وحدانیت پر عالم کے ایجاد کرنے میں اُس کے منفرد ہونے پر اُس کے سوا کسی خدا کے وجود کے محال ہونے پر ضرور عقلی یا نقلی دلیل قائم کریں۔

وحدانیت کے منکر فرقوں کے لئے بھی دلیل وحدانیت کی ضرورت ہے

علیٰ ہذا القیاس جب وہ اُن فرقوں سے گفتگو پر آمادہ ہوں جو کہ متعدد خدا ماننے والے ہیں اور عالم کے لئے دو یا تین یا زیادہ خداؤں کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اسوقت بھی اُن فرقوں پر خدائے عالم کی وحدانیت کا اقرار لازم کرنے کے لئے وہ اس امر کو اپنے ذمہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت اور اُس کے سوا کسی دوسرے

خدا کے محال ہونے پر دلیل قائم کریں لیکن ان فرقوں کے مقابلہ میں اُن کی دلیل ضرور عقلی ہونی چاہیئے نقلی دلیل کو وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اُن کے سامنے اُس کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا نکلے گا۔

قرآن کریم میں توحید کی عقلی، برہانی اور امتناعی دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہیں

رہی خدائے عالم کی وحدانیت پر دلیل نقلی جن پر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پیرو اعتماد کرتے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن میں جس کی نسبت انہوں نے خدائے عالم کے پاس سے ہونے کی خبر دی ہے بکثرت موجود ہیں۔ قرآن کی اکثر سورتیں خدا کی توحید اور ایجاد کرنے میں اس کے منفرد ہونے کی تصریح کرتی ہیں بلکہ اُن میں اُس کی توحید کی دونوں قسم کی عقلی قطعی بھی اور اطمینان بخش دلیلیں بھی جو کہ عام لوگوں کی عقل کے موافق ہیں جن میں کہ قطعی برہانی دلیل سمجھنے کی قابلیت نہیں مذکور ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو توحید خداوندی کے اعتقاد کے بارے میں محض نقلی دلیل پر بھی اعتماد کرسکتے ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حقانیت کی تصدیق خدا کی توحید پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کے دعویٰ کی حقانیت پر متعدد دلائل قائم ہونے کی وجہ سے عالم کے موجد کی جانب سے آپ کی رسالت کی تصدیق کرسکتے ہیں۔ عام ہے کہ وہ موجد ایجاد کرنے میں منفرد اور ایک مانا جائے یا نہ مانا جائے پھر جب کہ وہ آپ کی رسالت کی پوری طور سے تصدیق کرچکے تو پھر انہیں آپ کی یہ خبر بھی ماننا پڑے گی کہ جس خدا نے انہیں بھیجا ہے اور رسول بنایا ہے وہ ایجاد کرنے میں منفرد اور ایک ہے اُس میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن دلیل عقلی جسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اُن فرقوں کے مقابلے میں جو متعدد خداؤں کے

قائل ہیں۔ خدائے عالم کی وحدانیت پر قائم کرتے ہیں اور نیز جس پر کہ اس کی وحدانیت کے اعتقاد کے بارہ میں خود بھی وہ اعتماد کرتے ہیں اُس کی بکثرت صورتیں اور مختلف طریقے ہیں۔ اس مقام پر بغرض اختصار ان میں سے ہم صرف ایک ہی دلیل بیان کریں گے۔

وحدانیت کی عقلی دلیل

پس سنئے کہ محمد صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے پیرو اس موقع پر یہ کہتے ہیں کہ اگر عالم کے خدا متعدد مانے جائیں مثلاً دو مانے جائیں (یا اور زیادہ کیونکہ اس استدلال میں کوئی فرق نہیں آسکتا) تو عالم میں کسی شئے کا بھی وجود نہیں ہوسکتا لیکن عالم میں کسی شئے کا نہ پایا جانا باطل ہے اس لئے کہ اُس کا وجود تو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ پس وہ امر بھی (یعنی خدا کا متعدد ماننا) جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی ضرور باطل اور غلط ہوگا اور جب خدا کا متعدد ماننا باطل ٹھہرا تو اُس کی وحدانیت ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مقصود تھا۔

اب سنئے کہ خدا کے متعدد ماننے سے عالم میں کسی شئے کا نہ پایا جانا کیونکر لازم آتا۔ مثلاً فرض کیجئے کہ دو خدا ہوں تو وہ دونوں یا تو باہم متفق ہو جائیں گے یا مختلف رہیں گے۔ اگر متفق ہوجائیں تو وہ کسی چیز کو ایجاد نہیں کرسکتے ورنہ لازم آئے گا کہ دو موثروں کا فقط ایک ہی اثر ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم ہے کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک کی ایجاد سے اگر عالم کا ایک جداگانہ اور مستقل وجود ہوگا تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موجود ہو حالانکہ وہ صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دونوں ایجاد سے زیادہ نہیں عالم کا فقط ایک ہی وجود حاصل ہو تو ماننا پڑے گا کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک نے بانفرادہ اُسے ایجاد نہیں کیا بلکہ دُوسرے کے ساتھ مل کر ایجاد کیا جیسے کہ اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکنے کا باعث ہوں ہر ایک اُن میں سے بانفرادہٖ

اُس کے لڑھکانے کے لئے کافی نہ ہو بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت پڑے تو ہر ایک دوسری قوت کی محتاج ٹھہرے گی اور اُس کے ساتھ مل کر مرکب ہوگی اور وہ دونوں قوتیں مرکب ہوکر ایک قوت بنے گی تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ لڑھکانے کی نسبت دونوں کی طرف ہونی چاہیئے۔ ان میں سے کسی ایک کی جانب علی الاستقلال نسبت کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔

پس اس بنا پر دونوں خدا ایک دوسرے کے ساتھ مرکب ہوں گے اور دونوں بمنزلہ ایک خدا کے قرار پائیں گے کہ جس کی طرف ایجاد کی نسبت ہوگی اور دونوں میں سے ہر ایک کی جانب علی الاستقلال ایجاد کی نسبت نہ ہوسکے گی کیونکہ ہر ایک موجد کا جزء ہوگا نہ مستقل موجد حالانکہ خدائے عالم اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ جو اس عالم کا موجد ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ ہر واحد خدا نہیں بلکہ فی الحقیقت دونوں کا مجموعہ خدا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ بیشتر ثابت ہوچکا ہے کہ خدائے یعنی موجد عالم کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ اُس میں اور مادہ اور اُس کی تمام انواع کے مابین جمیع صفات کے اعتبار سے جو کہ اُن کے ساتھ مختص ہیں مخالفت ہونا ایک لازمی امر ہے اور انہی صفات میں سے ترکیب بھی ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک مرکب کے لئے حدوث لازم ہے تو اس بنار پر خدا کا حدوث لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن ہے کہ دونوں عالم کو علی الترتیب اس طرح پر ایجاد کریں کہ پہلے تو ایک ایجاد کرے اور پھر دوسرا ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی اور وہ محال ہے جیسا کہ پیشتر ثابت ہوچکا ہے اور نہ یہی ممکن ہے کہ بعض چیزوں کو ایک ایجاد کرے اور بعض باقی کو دوسرا کیونکہ اس وقت ان دونوں کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ جب کسی شے کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی قدرت متعلق ہوجائے گی تو لامحالہ اُس شئے کے ساتھ دوسرے کی قدرت کے متعلق ہونے کا طریق وہ پہلا مسدود کردے گا۔

پس دوسرا اس کی مخالفت پر ہرگز قادر نہ ہوسکے گا اور عاجز رہے گا اور

اگر دوسرا اس کے خلاف ہو گا اور اُس نے اپنی قدرت کے متعلق ہونے کے طریق کو مسدود نہ ہونے دیا تو پہلے کو عاجز ماننا پڑے گا۔ بہرحال خدا کا عجز لازم آئے گا اور خدا کا عجز محال ہے۔ اگر دونوں مختلف ہوجائیں اس طرح پر کہ ایک تو عالم کے ایجاد کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اُس کے معدوم کرنے کا۔ پس ہرگز ممکن نہیں کہ دونوں کا ارادہ نافذ ہوسکے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک کا ارادہ نافذ ہو اور دوسرے کا نہ ہو کیونکہ جس کا ارادہ نافذ ہو سکے گا وہی عاجز ٹھہرے گا اور دوسرا بھی ویسا ہی قرار پائے گا اس واسطے کہ دونوں میں مماثلت منعقد ہوچکی ہے اور دونوں یکساں ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ جب ایک کا ارادہ نافذ ہو گا اور دوسرے کا نہیں تو جس کا ارادہ نافذ ہوجائے گا وہی خدا ٹھہرے گا دوسرا نہیں ہوسکتا اب وحدانیت کی دلیل مکمل ہوگئی۔

دلیل تمانع کی ایسی تقریر جس سے اس کا قطعی دلیل ہونا ثابت ہوتا ہے

یہی دلیل قرآن مجید میں بھی مجملاً اور علی وجہ الاختصار مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا) اگر دونوں میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے یعنی اگر زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور خدا بھی قائم ہوسکتے اگرچہ اللہ بھی اُن کے ساتھ ہوتا تو وہ دونوں درہم برہم ہوجاتے۔ یعنی آسمان و زمین کا وجود ہی نہ ہوتا لیکن اُن دونوں کا وجود نہ ہونا باطل ہے اس لئے کہ اُن کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے۔

پس وہ شئے یعنی اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا (یعنی کسی اور خدا کا موجود ہونا) بھی جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی باطل ٹھہرے تو اب ثابت ہوگیا کہ زمین اور آسمانوں میں یعنی عالم میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہوسکتا بلکہ وہی خدائی کے ساتھ منفرد اور یکتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ یہ نہیں ہے کہ خدا کی جماعت ہی محال ہو بلکہ خدا کا مجرد متعدد ہونا محال ہے چنانچہ ہم نے اپنے قول جنس خدا سے

اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر سابق میں دونوں خداؤں کے متفق ہو جانے کے احتمال کو جو فرض کیا ہے وہ محض سرسری نظر کے لحاظ سے ہے ورنہ جب غور کیا جائے تو دونوں خداؤں کے متفق ہونے اور صلح کر لینے کا سرے سے احتمال ہی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ خدائی کا مرتبہ عام غلبہ اور کامل استقلال کو مقتضی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے (اذن لذھب کل الٰہ بما خلق ولعلی بعضھم علی بعض) اب تو یعنی اگر کئی خدا مانے جائیں) ہر ہر خدا اپنی اپنی پیدا کی ہوئی اشیاء کو لے جانا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا۔ (یہ تو آپ نے سن لیا اب میں اس امر پر مکرر تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ دلیل اور اسی طرح اور دلیلیں صرف انہی کے مقابلے میں قائم کی جا سکتی ہیں کہ جو خدائے عالم کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن وہ متعدد خداوں کے مدعی ہیں۔ پس وہ اس قسم کی دلیلوں سے اپنے تعدد کے دعوے سے باز رکھے جا سکتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو عالم کے لئے کسی خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اُن کے مقابلے میں اس دلیل کا قائم کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اُن پر اس امر کا ماننا لازم کر دیا جائے کہ عالم کے لئے ضرور کوئی خدا ہے جس نے کہ اُسے ایجاد کیا پھر اُن کو خدائی کے منصب کو اور جس عظمت اور استقلال کو کہ خدائی کا منصب مقتضی ہے اچھی طرح سے سمجھا دیا جائے ورنہ انہیں اس کی کیا پرواہ ہو گی کہ خدا کا عجز لازم آتا ہے یا اس کے سوا اور محالات جن کا کہ دلیل سابق میں پیشتر ذکر ہو چکا ہے لازم آتے ہیں بس اسی سے ذرا آگاہ رہنا چاہیئے۔)

پھر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین نے دیکھا کہ اتنی ہی صفات جو کہ خدا موجد عالم کے لئے ثابت ہوئیں ہر چند کہ خدائی کا مدار ٹھہر سکتی ہیں اور وہ صفات وجود۔ قدم۔ بقا۔ حوادث کے ساتھ مخالفت۔ اُس کا بنفسہ ہی قائم ہونا کہ یعنی استقلالاً موجود ہونا۔ وحدانیت۔ علم۔ قدرت ارادہ اور حیات ہیں اور اگر خدا صرف انہی صفات کے ساتھ موصوف ہو تب بھی وجود کائنات کی علت بننے کے لئے

کافی سمجھا جاسکتا ہے اور ہر عاقل اتنے پر قناعت کر سکتا ہے۔

خدا کے لئے سوائے صفاتِ مذکورہ بالا کے دیگر صفاتِ کمالیہ کے اثبات کی تمہید

لیکن انہوں نے اس خدائے پاک کی شان میں اور بھی غور کرنا شروع کیا اور اُس کی عجیب وغریب مصنوعات اور ان کی کمال پائداری میں تامل کیا تو کہنے لگے کہ جب اس کی مصنوعات میں یہ کمال موجود ہو تو کیا وہ خدائے پاک صفاتِ کمالیہ میں سے کسی صفت میں خود ناقص بھی ٹھہر سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک ہم خیال کر سکتے ہیں کسی کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اپنے مثل کوئی شئے ایجاد کر سکے۔ چہ جائیکہ ناقص کسی کامل کو ایجاد کرے یا کامل اپنے سے اکمل کو ایجاد کرنے کے قابل ہو سکے۔ انہی حیوانات کو لیجئے کہ وہ کچھ ہی کیوں نہ بنائیں اور ایجاد کریں لیکن ہم ہمیشہ اُن کو اُس سے عاجز ہی پاتے ہیں کہ وہ حیوانیت میں اپنے مثل یا اپنے قریب قریب بھی بنا سکیں اور حیوانات کو بھی جانے دیجئے۔

انسان کسی چیز کا خالق نہیں اس لئے وہ کچھ نہیں پیدا کر سکتا

انسان کو لیجئے کہ جو سب سے زیادہ جاننے والا اور صنعت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا قادر مانا جاتا ہے وہ بھی کچھ ہی کیوں نہ بنائے اور ایجاد کرے لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو وہ اپنے مثل یا اپنے سے اکمل بنانا تو جُدا رہا اُس کے مصنوعات میں اُس کمال کے قریب قریب بھی نمودار نہیں ہوتا جو کہ خود اس میں قائم ہے حیوان یا انسان کا بنانا تو بالائے طاق رہا انسان میں نبات بنانے کی قدرت تو ہے ہی نہیں۔ غایت سے غایت وہ جو کچھ بنا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ جمادی صورت جو کہ حیات سے بالکل خالی ہوتی ہے تراش لیتا ہے یا چند عناصر کو جمع کر کے کیمیاوی ترکیب دے سکتا ہے کہ جس میں حیات کا ذرّہ برابر بھی نشان نہیں پایا جاتا۔ یا کلیں ایجاد کر سکتا ہے کہ جو قدرتی قوانین جرثقیل کے موافق غیر دائمی

اور ناپائیدار حرکت کرنے لگتی ہیں اور پھر نہ اُن میں حیات کا نام و نشان ہوتا ہے اور نہ احساس کا۔

انسان جو کچھ تفرقات کرتا ہے وہ حقیقت میں خدا کے مقرر کردہ قوانین کو مسلّط کردیتا ہے اور اس سے کام لیتا ہے خود مستقل طور پر کچھ نہیں کرسکتا

جب وہ کسی حیوان یا نبات میں اُس کی صورت کے متغیر کرنے کے لئے کسی قسم کا تصرّف کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ہرگز اس پر قدرت حاصل نہیں کرسکتا آخرکار چار و ناچار اُنہی قانون قدرت کے استعمال کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو تغیر دینے کے لئے اس خدائے پاک کی جانب سے مقرر ہیں اور جو تغیر کہ اُس سے حادث ہوتی ہے وہ حقیقت میں اس کا فعل بھی نہیں ہے اس کو صرف اسی قدر دخل ہے کہ اُس نے اُس قانون قدرت کو دریافت کرلیا جس سے کہ تغیر پیدا ہوسکتی ہے اور پھر اُس نے جس شئے کو تغیر دینا مقصود ہے اُس پر اسے مسلط کردیا اور اگر یہ تغیر اُس کے بنانے اور اُس کے پیدا کرنے سے ہوتی تو اُس کے ظاہر ہونے سے قبل ضرور اُس کو اُس کے تمام حالات کی تفصیلی واقفیت ہوتی وہ اُس کی مقدار اور کیفیت کو پوری تدقیق کے ساتھ جان سکتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

بیان اس کا یہ ہے کہ جب کوئی انسان اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ کسی پرند کے بچہ کو اُس کی خلقت میں بدصورت کردے تو وہ انڈے میں ایک جانب سے قوی حرارت پہنچاتا ہے اور دوسری جانب سے ذرا ضعیف اس سے بچہ میں ایک خاص قسم کی بدصورتی پیدا ہوجاتی ہے۔ پس یہ بدصورتی اس انسان کا فعل ہرگز نہیں ہوسکتی ورنہ انڈے سے نکلنے کے پہلے ہی اس صورت کی بدنمائی کی مقدار، اس کی کیفیت اور یہ کہ بچے کے کس موقع پر یہ خرابی پیدا ہوئی پوری تدقیق کے ساتھ جانتا اور اُس سے واقف ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا

غایت سے غایت وہ تجربہ سے یا اتفاقی طور پر اُس قانونِ قدرت پر مطلع ہو گیا جس کی وجہ سے کہ انڈے میں بچہ کی صورت بدل جاتی ہے اور وہ بد نما ہو جاتا ہے اور اُس قانون کو وہ استعمال کرنے لگا جیسے کہ کسی شخص کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ پھر جب اُسے پیاس لگتی ہے تو وہ اپنے معدہ میں پانی پہنچا لیتا ہے۔ اُس سے اُسے سیرابی حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی پیاس بجھ جاتی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے کہ اپنے معدہ میں پانی پہنچایا ہے خود اسی نے سیرابی کو بھی پیدا کیا ہے اور پیاس کو دفع کر دیا اور کیا یہ اُس کے مصنوعات میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس اس کا اتنا ہی فعل ہے کہ اُس نے اپنے معدہ میں پانی پہنچا لیا۔ پانی جب معدہ میں پہنچا تو اس سے معدہ کی حرارت ٹھنڈی پڑی اور پیاس جاتی رہی۔ اب یہ جو کچھ حاصل ہُوا اُس میں پانی پہنچانے والے کی ذرا بھی تاثیر نہیں۔ اس موقع سے یہ امر بطریق اولیٰ واضح ہو گیا کہ کھیت کا کاشت کار درختوں کے نکلنے اور اُن کے بار آور ہونے میں اُس کے لئے مقررہ قوانینِ قدرت استعمال کر کے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے اُس کی نسبت یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اسی نے کھیت کے درختوں کو ایجاد کیا اور بنایا ہے اُن سے پھل نکالے ہیں اور اُن کی عجیب و غریب ترکیب اور حیرت انگیز خواص کا وہی پیدا کرنے والا ہے اس لئے کہ اُس میں سے فی الحقیقت کوئی۔ شے بھی اُس کی بنائی ہوئی نہیں۔ ہاں اگر مجازی اطلاق کو آپ لیتے ہیں تو اُس میں کوئی مضائقہ نہیں اُس کو ہم بھی مانتے ہیں۔

اسی طرح تمام اُن اشیاء کی نسبت جن کے وجود کا سبب انسان عالم کے مقررہ قوانینِ قدرت استعمال کر کے ہُوا کرتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انسان بنانے والا اور موجد نہیں صرف اس کا کام اتنا ہے کہ وہ مقررہ قوانینِ قدرت کو اُن کے مقررہ راستوں سے جاری کر دیتا ہے اُس کے بعد تمام آثار اُن سے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ انسان آثار کو نہیں پیدا کرتا (عنقریب اس کا بیان آتا

ہے کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پیرو اس امر کے قائل ہیں کہ یہ تمام آثار قوانین قدرت سے خدا تعالےٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں نہ آتے ہیں نہ فقط قوانینِ قدرت کے ذاتی اثر سے چنانچہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی)۔

کوئی شَے اپنے مثل یا اپنے سے اکمل کو نہیں بنا سکتی اور اس بات کا ثبوت کہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کامل ہیں

بس جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ بات کہ جس کا بیشتر ذکر ہوا واضح ہو گئی کہ کوئی شَے اپنے مثل کے بنانے پر بھی قادر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ اپنے سے بڑھ کر اور اکمل شَے کو بنائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ لازمی امر ہے کہ جس خدا نے مادہ کو ان عجیب وغریب قوانینِ قدرت کے ساتھ ایجاد کیا جن کی وجہ سے کہ اُس میں بے شمار تطورات اور تغیرات کی قابلیت آگئی اور اس سے بہ حیرت انگیز بے حد انواع وجود میں آئیں ضرور اُس خدا کی جملہ صفات جو کہ اُس کے لیئے دلیل سے ثابت ہوئیں اور جو صفات کمالیہ کہ اُس کی ذات کے شایاں ہیں سب مرتبۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں ورنہ وہ اپنے مصنوعات کے مثل یا اُن سے بھی کمتر ٹھہرے گا حالانکہ یہ امر اُس کے خلاف ہے جس کو کہ عقل یقینی طور پر جان چکی اور اس کی تصدیق کر چکی ۔

خدا کا سمیع بصیر متکلم وغیرہ ہونا اور اُن کے وجود کی تشریح خدا کے اور حوادث کے صفات کے مابین کیا فرق ہے

بس وہ اس کے معتقد ہو گئے کہ وہ خدا ضرور سمیع ۔ بصیر متکلم اور تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ جو اس کی ذات کے شایاں ہیں متصف ہے اس لئے کہ یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ وہ بہرا ، اندھا ، گونگا ہو اور پھر اُسی نے قوت سمع کو پیدا کیا ہو آنکھوں

کو روشن کیا ہو۔ کلام کے ساتھ زبان کو جاری کیا ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ صفت کمالیہ میں ناقص ہو حالانکہ اُسی نے صفت کمالیہ کی نظیر کو اپنے مصنوعات میں نہایت ہی کامل طور پر ایجاد کیا ہے لیکن جتنی صفات کا کہ وہ خدا کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں اُن کے بارے میں اُنہیں یقین ہے کہ نہ وہ حوادث کی سی صفات ہیں اور نہ حقیقت میں اُن کے مشابہ ٹھہر سکتی ہیں اگرچہ باہم اُن میں آثار کی مشابہت کی وجہ سے مشارکت اسمی پائی جائے اور اس امر کا پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ آثار کی مشابہت سے حقیقت کی مشابہت ضروری نہیں۔

پس خدا سُننے میں ہماری طرح کان کا محتاج نہیں بلکہ یہ اُس کی صفت قدیمہ ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مسموعات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اسی طرح اُس کا دیکھنا آنکھ کی پتلی پر موقوف نہیں بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مبصرات اس کے نزدیک منکشف ہو جاتے ہیں اُس کا کلام ہماری طرح آواز اور حرف سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کسی کو جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے سمجھا سکتا ہے اسی طرح تمام اُن باقی صفات یعنی علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ حیات وغیرہ کی نسبت جو سابق میں بیان ہوئیں یہی کہا جا سکتا ہے۔

پس وہ ساری صفات قدیمہ ہیں جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جن میں سے ہر ایک کا اُس کے مقتضا کے موافق اشیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے خواہ بطور انکشاف کے ہو یا تخصیص کے یا احداث کے ورنہ اگر اُس کی صفات حوادث کی سی صفات مانی جائیں گی تو وہ بھی ان ہی کی طرح حادث ٹھہرے گا حالانکہ اُس کے قدم کے ضروری ہونے پر اور اُس کے حدوث کے محال ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے۔

خدا کے لئے شریعتِ محمدیہ نے کچھ ایسے صفات بھی بتلائے ہیں جن کا ثبوت یا عدم ثبوت محض عقل سے نہیں معلوم ہو سکتا

پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اسی خدائے پاک کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اُن دلائل کی وجہ سے جو آپ کے صدق پر قائم ہو چکی ہیں یقین کر چکے تو انھوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت خدائے عالم کے لئے صفات سابق الذکر جو کہ عقلی دلائل سے معلوم ہوئیں ثابت کرتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن کے پر خدائی کا مدار ہے اور نیز وہ صفاتِ کمالیہ جن کے لئے کہ اس کی شانِ عظیم مقتضی ہے اور سوا اس کے عدل۔ رحمت۔ کرم۔ ہدایت۔ احسان اور ایسی ہی اور صفات بھی کہ جن کا پتہ نصوص شریعت سے لگتا ہے اسی قبیل سے ہیں باوجود اس کے انھوں نے یہ بھی پایا کہ ان صفات کے علاوہ اس شریعت نے خدا کے لئے چند ایسی صفات کو بھی ثابت کیا کہ دلیل عقلی جن کے نہ ثبوت ہی پر دلالت کرتی ہے اور نہ اُن کی نفی پر لیکن شریعتِ محمدیہ میں چونکہ اُن کی تصریح کی گئی تھی تو وہ اُن صفات کے بھی معتقد ہو گئے اس لئے کہ اُن صفات کے خبر دینے والے (اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) صادق ہیں اور اُن کا صدق اُن دلائل قاطعہ کی وجہ سے جو اُن کے صدق پر قائم ہو چکیں یقینی تسلیم کیا گیا ہے اور عقل اُن صفات کو محال بھی نہیں سمجھتی کہ ان کے ماننے میں کچھ پس و پیش کرنے کا موقع ہوتا۔

صفاتِ خداوندی کے بارہ میں متشابہات کا حکم

اسی طرح اس شریعت میں خدائے پاک کے لئے چند ایسی اشیاء کو بھی ثابت کیا ہے جن سے کہ بظاہر جسمیت کا شبہ پڑتا ہے اور یہ اشیا جیسے کہ چہرہ، آنکھ، ہاتھ، انگلی، قدم وغیرہ ہیں۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے ان اشیاء کو خدا کے لئے ثابت کیا لیکن چونکہ عقلی اور نقلی دلیل کی رو سے خدا کا جسمیت سے منزہ

اور پاک ہونا ثابت ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے اُن کے ظاہری معانی نہیں تسلیم کئے اور یہ اعتقاد رکھا کہ اُن کے معانی جو ہوں خدا کی ذات کے مناسب ہیں حوادث میں اُن کے جو معانی سمجھے جاتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ رہا اُن کی حقیقت کا علم وہ انہوں نے اُسی خدائے پاک پر رکھا اور اُس کے حوالہ کیا۔ اسی لئے وہ اس امر کے قائل ہو گئے کہ مثلاً خدا کا ہاتھ تو ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اُس کی آنکھ بھی ہے لیکن ہماری آنکھوں کی طرح نہیں ہو سکتی علیٰ ہذا القیاس اور اشیاء کو بھی سمجھئے، اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ باقی رہی اس کے مرادی معنی کی حقیقت اُسے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ پس اس طور پر وہ خدا کو منزہ مانتے ہیں اور حقیقی علم خدا کے حوالہ کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جہاں تک کہ عقل کی دلالت اور شریعت محمدیہ سے معلوم ہُوا اُس کے موافق وہ خدا تعالےٰ کو تمام کمالات کے ساتھ جو اُس کی شان عالی کی سزاوار ہیں موصوف مانتے ہیں اور تمام نقائص سے کہ جو اُس کو زیبا نہیں منزہ اور مبرا اعتقاد کرتے ہیں۔

خدا کے اسماء توصیفی ہیں اور اللہ علم ذات ہے

پھر اس شریعت نے جیسے کہ خدا کی صفات بتلائی ہیں اُسی طرح اُس کے وہ نام بھی جو اُس نے اپنے لئے خود تجویز کئے ہیں بتلا دیے۔ انہی میں سے لفظ (اللہ) ہے جو اُس کا خاص نام ہے دوسرے پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لفظ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل بھی اگرچہ عالم کے پیدا کرنے والے پر عربی زبان میں اطلاق موجود تھا لیکن شریعت نے بھی خدا تعالےٰ پر اسی لفظ کو اطلاق کیا اس لئے اس طرح پر اس میں شرعی حیثیت پیدا ہو گئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ نام شرعی نام سمجھا گیا جس میں کہ انہوں نے شریعتِ محمدیہ کا لحاظ کیا نہ فقط عربی لغت کا۔ اسی طرح پر خدا تعالےٰ کے باقی ناموں کو سمجھئے۔

شریعتِ محمدیہ نے خدا کی عظمت اور اس کے صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی قطعی اور اطمینان بخش دونوں قسم کی دلیلوں سے استدلال کرنے کا طریقہ بتلایا ہے

پھر شریعتِ محمدیہ نے جیسے کہ اپنی پیروی کرنے والوں کو خدا کے وجود کے اور اُس کے اُن صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے کی تعلیم دی جن کے یا تو ثبوت ہی پر عقل دلالت کرتی ہے یا خدا کے لئے اُن کو جائز رکھتی ہے اور اُس کے نام بتلائے اسی طرح اُس نے خدا کے وجود پر اُس کی عظمت پر، اُس کی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی دلیل سے استدلال کرنے کا طریق بھی سکھلایا۔ عام ہے کہ وہ دلائل برہانی قطعی ہوں یا اطمینان بخش دلائل ہوں جن سے کہ قلوب کی پوری تسکین ہو جاتی ہے اور دل اُن کو فوڑا قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح پر اسلامی امور کے اثبات کے لئے نہایت ہی وسیع طریق اُن کے ہاتھ لگا اور عقلی اصول پر اسلامی خوبیاں ثابت کرنے کے واسطے اُن پر بہت بڑا دروازہ کھل گیا۔

چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اُن میں سے چند امور کو ذکر کروں جو کہ خدائے عالم کے وجود پر صفات کاملہ کے ساتھ اُس کے موصوف ہونے پر اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت پر اور پھر اُن کے آثار کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں جس سے کہ دلوں میں اُس کی شانِ عظیم کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور ایک سے ایک مصنوعات اور اعلےٰ سے اعلےٰ عجیب و غریب اشیاء کے بنانے پر اس کو پوری قدرت حاصل ہونے کا دلوں کو یقین ہوتا ہے۔

آثارِ خداوندی سے خدائی صفات پر استدلال کرنے کے لئے مقدّمہ بیان کرنا جس میں بنایا ہے کہ مادہ کے عام اور خاص صفات کی نسبت مسلمان کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور اہلِ سائنس کے ساتھ کس میں موافق یا مخالف ہیں اور کیوں؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک مقدمہ ذکر کروں جس سے کہ مطلب کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جائے اور جو کہ مقصود کے ساتھ اپنے لگاؤ کی وجہ سے بہت کچھ نافع ثابت ہو۔ پس میں کہتا ہوں کہ یہ امر تو مخفی نہیں کہ مادہ اور اس کے انواع کے لئے کچھ عام صفات ہیں جیسے کہ تحیز (یعنی کسی نہ کسی قدر خلاء کو گھیرنا) جو تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اور کچھ خاص صفات ہیں جیسے کہ لوہے کا ہتھوڑے کی چوٹ کھا سکنا اور شیشہ کا چور چور ہو جانا۔ یہ دونوں صفات اجسام کی ایک ایک نوع کے ساتھ خاص ہیں اور آپ لوگوں کی علمی (سائنس کی) کتابوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انواع مادہ میں سے کسی سے بھی عام صفات منفک نہیں ہو سکتیں اُن کا منفک اور جُدا ہو جانا محال ہے۔ باقی رہیں خاص صفات اُن کی نسبت آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر صفت جس جسم میں کہ پائی جاتی ہے کسی نہ کسی طبعی سبب سے اُس سے ضرور جدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ مثلاً لوہے سے ہتھوڑے کی چوٹ سے بڑھنے کی صفت جُدا ہو سکتی ہے اور پھر اُس میں اس کی چوٹ سے ریزہ ریزہ ہو جانے کی صفت جب کہ اُسے فلاں عرق میں بھگو یا جائے تو پیدا ہو سکتی ہے۔ زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس سے لوہے کی کشش کرنے کی قوت جاتی رہتی ہے۔ اسی بناء پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کا قریب الوقوع ہونا دریافت ہو سکتا ہے تاکہ انسان اس سے محفوظ رہ سکے۔

پس یہ اس امر کی تصریح ہے کہ جسم کی خاص صفات اسبابِ طبعیہ میں سے

کسی نہ کسی سبب سے ضرور جُدا ہو سکتی ہیں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا لیکن حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیرو اُن عام صفات کی نسبت جن کا ثبوت اُن کے نزدیک مادہ کے جمیع انواع میں مدلل ہو چکا ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات دو قسم پر منقسم پائی جاتی ہیں۔ بعض تو ایسی ہیں کہ مادہ کے تمام انواع میں سے کسی سے کبھی منفک نہیں ہو سکتیں اُن کا منفک اور جدا ہو جانا محال ہے اور اس قسم کی صفات کے ساتھ خدا تعالیٰ کی قدرت باوجود اُن کے متحقق الوجود ہونے کے اُن کے معدوم کرنے کے لئے متعلق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خدا کی قدرت امر واجب یعنی ایسی شئے کے اعدام کے ساتھ جس کا وجود ضروری اور معدوم ہونا محال ہے متعلق نہیں ہُوا کرتی جیسے کہ جسم کے لئے تحیز یعنی جسم کا کسی نہ کسی قدر خلاء کو گھیرنا۔ پس ممکن نہیں ہے کہ کوئی جسم بغیر کسی قدر خلاء کے گھیرے ہوئے پایا جائے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جمیع انواع سے جس کے منفک ہونے کو عقل جائز رکھتی ہے۔

جسم کی کشش عام اور کشش اتصال اور قوت مدافعت پر ایک محققانہ بحث

پس کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالےٰ کی قدرت ایسی صفت کے معدوم کرنے کے ساتھ عام ہے کہ تمام انواع سے ہو یا کسی خاص نوع سے متعلق ہو جائے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور جو امر عقلاً ممکن ہوتا ہے وہ ضرور خدا تعالیٰ کی قدرت کے تصرف کے تحت میں آسکتا ہے جیسے کہ اجسام کی عام کشش جس کی وجہ سے ایک جسم دوسرے کو کشش کرتا ہے اور ایسے ہی کشش اتصال یعنی جس کشش کی وجہ سے کسی جسم کے ایک ہی جنس کے اجزاء فردہ یعنی ذرّے جیسے لوہے کے مثلاً باہم ملے رہتے ہیں اور اُن کے ملنے کی وجہ سے جسم بن جاتا ہے اسی قسم کی اور صفات لے لیجئے۔

پس وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا ثبوت اگرچہ اجسام میں پایا جاتا ہے لیکن ان

کے لئے عقلاً لازمی نہیں ہے بلکہ اُس کا ثبوت اجسام میں امکان عقلی کے طور پہ ہے۔ یعنی عقل کے لئے یہ ممکن ہے کہ اجسام کا اس قسم کی صفت کے ساتھ تصور کرے یا ان کا تصور بلا اس صفت کے کرے۔ پس اس سے کون سا امر مانع ہوسکتا ہے کہ اگر ہم کسی جسم کو امر کشش سے خالی تصور کریں یعنی وہ نہ کسی دوسرے جسم کو کشش کرے اور نہ دوسرا جسم اس کو۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ہم کسی جسم کو کشش اتصال سے خالی تصور کریں اور اُس کی ذات کا باہم ملنا کسی دوسرے سبب سے ہم مان لیں۔

علاوہ بریں آپ لوگوں کا جسم میں کشش اتصال کے ساتھ قوت مدافعت کے وجود کا بھی قائل ہونا گویا اجتماع نقیضین کو ماننا ہے۔ قوت مدافعت سے وہ قوت مراد ہے جس کی وجہ سے جسم کے ذرات پورے طور سے مل نہیں سکتے اور وہ اُن کو ملنے سے روکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم میں خلا اور مسامات باقی رہ جاتے ہیں اور یہی قوت خارجی قوت کا جب کہ وہ جسم پر دباؤ ڈالتی ہے مقابلہ کرتی ہے جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں اس کا صریح بیان موجود ہے۔ اگر آپ کہیں کہ بغیر اس قوت کے تو اجسام کا بننا ہی خیال میں نہیں آسکتا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارے نزدیک خدا کی قدرت سے بغیر اس قوت کے مانے ہوئے دوسرے طور پر بھی ممکن ہے اور اگر ہم اس موقع پر کسی سبب ہی کے قائل ہوجائیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے سوائے اس قوت مدافعت کے کوئی دوسرا سبب ہو۔

بھلا بتلائیے اس میں کون سی قباحت ہے کہ یہی اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) جن کے اجسام میں موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ممکن ہے کہ انہی کی شکلیں ایسی ہوں کہ ان میں کچھ اُبھار پائے جاتے ہوں اور کسی قدر تجاویف یعنی گڑھے بھی موجود ہوں پس ان اجزاء کے مجتمع ہونے کے وقت یہی اُبھار اُن گڑھوں میں گھس کر خوب جم جاتے ہوں۔

پس جب یہ گڑھے اُن اُبھاروں پر دباؤ پاکر نہ بیٹھتے ہوں یا کسی سبب سے

جیسے کہ حرارت جو کہ اُن ذرّات کو پھیلا دیتی ہے دباؤ کم پڑتا ہو تو جسم سیال یا از قسم گیس[1] بن جاتا ہو اور جب یہ اُبھار گڑھوں میں دب جاتے ہوں یا کسی سبب سے جیسے کہ برودت دباؤ شدید پڑتا ہو تو جسم میں بمقدار دباؤ کے سختی آجاتی ہو اور ٹھوس جسم بنتا ہو۔ اب اس موقع پر قوت مدافعت کی وجہ سے باہم ذرّات کی مدافعت کے بجائے یہ علت بیان کی جاسکتی ہے کہ جب یہی گڑھے ایسے تنگ ہوتے ہیں جس میں کہ یہ اُبھار پورے طور سے نہیں سما سکتے تو ذرات کے مابین خلا باقی رہ جاتے ہیں اور یہی وہ مسامات اور سوراخ ہیں جو ہر جسم میں پائے جاتے ہیں اور یہ ایسی علت ہے جس سے کہ اجسام متحد الجنس کے ذرات کے باہم ملے رہنے کی وجہ جس طرح ظاہر ہوتی ہے اُسی طرح عقل کے لئے اجسام مختلف الجسم کے باہم ملنے کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے جیسے کہ مابین گوند اور کاغذ کے ہوتا ہے۔ مراد اس علت سے اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) میں اُبھار اور خلاء پائے جانے کی وجہ سے اس امر کا واقع ہونا ہے اور ظہور کی وجہ یہ ہے کہ یہ علت آپ لوگوں کی اُس علت سے جو کہ آپ نے ذروں کے باہم ملنے کے لئے بیان کی ہے یعنی یہ کہ یہ امر بذریعہ قوت کشش اتصال کے انجام پاتا ہے جو کہ اجسام مختلف الجنس میں موجود ہوتی ہے عقل سے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا۔

اور جب کہ آپ لوگوں کے نزدیک ان اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ اگرچہ بالفعل قسمت نہیں قبول کرتے لیکن وہ عقلی قسمت کو ضرور قبول کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے تو ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم کچھ اُبھار اور خلاء فرض کر کے آپ لوگوں کو الزام دیں بخلاف ان اجزاء بسیطہ کے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک ہیں کیونکہ اُن میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ اس تقریر سے کہیں یہ نہ سمجھ جائیے گا کہ میں اجزاء فردہ

---

[1] گیس کی قسم کے وہ اجسام کہلاتے ہیں جو مثل ہوا کے نظر نہیں آتے۔

(ذرات بسیطہ) میں اُبھار اور خلاء کے وجود کو مانتا ہوں اور اس پر میں نے اپنی علت کو مبنی کیا ہے کیونکہ اس تعلیل پر بھی اشکالات کے وارد ہونے سے میں مامون نہیں ہوں۔ میں نے تو صرف یہ دکھلانے کے لئے آپ کی تعلیل میں ایک احتمال نکالا ہے کہ دیکھئے آپ کی تعلیل کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے اور یہ کہ دوسری تعلیل آپ کی تعلیل سے قریب تر ہے۔

خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو یہ نہیں کہتے ہیں کہ صفات عامہ جو پیشتر مذکور ہوئیں اور ایسی ہی اور بھی اجسام میں موجود نہیں ہیں اور نہ وہ اجسام میں اُن کے موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو اُن کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے کی تکلیف گوارا کرنا پڑے وہ تو ان کے ثبوت کو مان کر صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ عقلاً ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ اجسام میں موجود بھی رہ سکتی ہیں اور اُن سے معدوم بھی ہو سکتی ہیں اس لئے کہ عقل اُن سے نہ اُن کے موجود ہونے کو محال سمجھتی ہے اور نہ اُن سے اُن کے معدوم ہونے کو اور جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خداتعالےٰ کی قدرت کے تحت تصرف میں جو کہ تمام اُن اشیاء پر جو کہ عقلاً ممکن ہیں قادر ہے ضرور داخل ہو سکتی ہیں جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے۔ پس جیسے کہ اُس نے انہیں ایجاد کیا ہے باوجود اجسام کے موجود رہنے کے وہ اُن کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہاں تک کہ کشش اتصال کے معدوم کرنے پر بھی۔ کیونکہ وہ نفس اجسام کے بننے کے لئے لازمی نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ خدائے پاک بلا قوت کشش اتصال کے بھی اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) کے مجتمع کرنے پر کسی سبب کے ذریعہ سے ہو یا بلا وساطت کسی سبب کے ہر طرح پر قادر ہے اگرچہ وہ لوگ خدائے پاک کی عادت پر جو کہ اُس نے اس عالم میں جاری کر رکھی ہے قیاس کر کے پہلی ہی بات کے قائل ہوں گے اور وہ عادت یہ ہے کہ خدا نے اس عالم میں ہر شئے کو ایک سبب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے یعنی اُس نے اپنی یہ عادت ٹھہرائی ہے کہ جب

کوئی سبب پایا جاتا ہے تو وہ اُس کے مسبب کو بھی ایجاد کر دیتا ہے۔

اب رہیں صفات خاصہ تو اُن کے بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا قول آپ ہی لوگوں کے مثل ہے کہ وہ اپنے موصوفات کے لئے ضروری نہیں ہیں بلکہ اُن سے جُدا ہو سکتی ہیں لیکن آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صفات اپنے موصوفات سے اُس وقت جدا ہو سکتی ہیں کہ جب اُس کے ذرات بسیطہ کسی طبعی سبب کی وجہ سے اپنی پہلی وضع سے متغیر ہو جائیں اور پھر آپ کے نزدیک اس مفارقت کے لئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے جو کبھی تو کم اور کبھی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ہزاروں برس تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جب تک کہ اُن کے نزدیک امر واقعی کی حقیقت مدلل نہیں ہوتی یہی کہتے ہیں کہ اپنے صفات خاصہ کا اپنے موصوفات سے جدا ہونا ممکن ہے کہ جسم کے ذرات بسیط کی وضع کے متغیر ہو جانے سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے سبب سے ہو اور جب اُن کے نزدیک کوئی امر مدلل ہو جاتا ہے تو وہ بلا تکلف مان لیتے ہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو بہر حال وہ خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہے۔

قوانین قدرت کا محض عادی اسباب ہونا اور سب کچھ حقیقت میں خدا ہی کے پیدا کرنے سے موجود ہونا

اور اُن اسباب کی نسبت جنہیں آپ اُس کے لئے موجب ٹھہراتے ہیں۔ اُن کا یہ قول ہے کہ وہ عادی اسباب ہیں یعنی خدائے تعالیٰ کی عادت جاری ہوگئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کی وقت وہ اُن کے مسببات کو ایجاد کر دیتا ہے اور وہ اسباب اپنے مسبب کے لئے نہ موجب ہیں نہ مؤثر اگرچہ آپ اُن اشیاء کو ان کے سبب کی جانب نسبت کرتے سُنیں گے لیکن اُن کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں ہے کہ اُن اسباب کو اُن کے وجود میں بالطبع کچھ اثر ہے بلکہ اس نسبت کرنے سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس مسبب کو اُس کے سبب کے موجود ہونے کے وقت اپنی عادت

کے موافق اس عالم میں پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ سبب کو پیدا کرے اور مسبب[1] کو نہ پیدا کرے یا مسبب کو بغیر اس سبب کے پیدا کرے تو وہ ضرور کر سکتا ہے اور جب یہ اسباب مؤثر نہ ٹھہرے اور مسببات کا وجود خدا ہی کے پیدا کرنے سے قرار پایا تو وہ اس زمانے کے بارے میں جس کو کہ آپ لوگ صفات کے اپنے موصوفات سے جدا ہونے کے لئے لازمی مانتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ اتنا زمانہ محض خدا تعالےٰ کی عادت مستمرہ کے اعتبار سے ہے اور اگر وہ ایک لحظہ میں موصوفات سے صفات کو جدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ وہ اتنے دراز زمانہ کے ساتھ پابند ہونے کے لئے مجبور نہیں ہے۔

مثلاً جب کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ لوہا فلاں عرق میں جب بھگو یا جائے تو بوجہ بھگونے کے اس کے ذرات بسیطہ کی وضع متغیر ہو جانے سے اُس سے چوٹ کھا کر بڑھنے کی

---

[1] اس کی بہت واضح مثال یہ ہے کہ لال جھنڈی دکھلانے سے آتی ہوئی ریل فوراً رک جاتی ہے اور سبز سے برابر چلی آتی ہے تو اہالیانِ ریل نے جیسے کہ اپنی یہ عادت مقرر کر لی ہے تو کیا وہ بالعکس مقرر نہیں کر سکتے یا بغیر جھنڈی دکھلائے جانے کے ریل کو نہیں لا سکتے اگرچہ عادت مقررہ کے اعتبار سے یہ لازمی بات ہے کہ سرخ جھنڈی سے ہمیشہ ریل رُکے گی اور سبز سے آئے گی اور جب وہ اپنی اس عادت کو بدلنا چاہیں گے تو اس کے خلاف بھی ہو جائے گا۔ یہی مثال خداوندی عادت کی ہے یعنی جو قوانین قدرت یا اسباب طبعی دریافت ہوتے ہیں وہ جھنڈی کے مثل ہیں اور خدا تعالےٰ نے انہی کے موافق تمام عالم کا انتظام کر رکھا ہے۔ جب کوئی طبعی سبب پایا جاتا ہے تو اپنی عادت کے موافق وہ اس کے مسبب کو بھی موجود کر دیتا ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی کر دے۔ چنانچہ جب وہ کسی مصلحت سے مستمرہ قوانین کے خلاف کوئی امر پیدا کرتا ہے تو اُس کو خرق عادت کہتے ہیں جو شخص کہ خدا تعالےٰ کو مجبور نہ ٹھہرائے گا اور ذی اختیار مانے گا اس کو اس کے سمجھنے میں ذرا دقت نہیں ہو سکتی۔ ۱۲ مترجم

صفت دُور ہو جائے گی اور اس میں بجائے اس کے چوٹ کھا کر چُور چُور ہو جانے
کی صفت آجائے گی اور اُس کے لئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑے گی اور
یہ عرق اس تبدیلی میں بطبعہ مؤثر اور موجب ہے اور اتنا زمانہ لازمی ہے یہاں تک
کہ بغیر اس کے یہ امر پورا ہی نہیں ہو سکتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اس موقع
پر یہ کہیں گے کہ یہ تبدیلی خدا تعالےٰ کے فعل سے اس طرح پر حاصل ہوئی ہے کہ اُس
نے چوٹ کھا کر بڑھنے کی صفت کو معدوم کر دیا اور بجائے اس کے چُور چُور ہو جانے
کی صفت کو ایجاد کر دیا۔ عام ہے کہ یہ بات اُس کے ذرات کی وضع کے متغیر ہو
جانے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے جو ہم کو معلوم نہیں ہوئی
اور اس تبدیلی میں اس عرق نے بطبعہ اثر نہیں کیا اور نہ اس کے لئے موجب ہُوا
بات صرف یہ ہے کہ خدا کی اس عرق میں بھگو دینے کے وقت اس میں تبدیلی پیدا کرنے
کی عادت جاری ہو گئی ہے اور یہ زمانہ جس میں کہ یہ تبدیلی پوری ہوئی کوئی لازمی
شرط نہیں ہے بلکہ خدا اس تبدیلی کے ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ
وہ لوہے کو بغیر اس عرق میں بھگونے کے اس تبدیلی کے پیدا کرنے پر بھی
قدرت رکھتا ہے۔

اسی طرح اس قول کے بارے میں کہ آگ فلاں جسم کو جلاتی ہے اور پانی
پیاس کو بُجھا دیتا ہے اور فلاں چیز سے فلاں اثر ہوتا ہے وغیرہ۔ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے متبعین کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شے بھی بطبعہ موثر نہیں ہے
بلکہ جو آثار ان اشیاء سے پیدا ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں خدا
ہی چند شروط اور احوال عادیہ کے ساتھ ان اشیاء کے پائے جانے کے وقت
ان آثار کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان اشیاء میں سے بغیر کسی شئے کے پائے جانے
کے بھی جن کو آپ سبب کہتے ہیں اُن آثار کے پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ وہ
اُن آثار کو باوجود اُن کے منشاء کے موجود ہونے اور باوجود تمام شرائط کے پائے جانے
اور موانع کے مرتفع ہونے کے معدوم رکھ سکتا ہے۔

سوائے خدا کے مسلمانوں کے اس اعتقاد کی کیا وجہ ہے کہ کسی کو مؤثر حقیقی نہیں مانتے اور اس کا کافی ثبوت

جس چیز نے کہ محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلّم کے متبعین کو اس بات پر جس کا پیشتر بیان ہُوا کہ اشیاء میں بالطبع کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ آثار خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہُوا کرتے ہیں آمادہ کر دیا دو امر ہیں۔ اوّل تو وہ دلیلیں ہیں جو اس بات پر قائم ہو چکیں کہ خدا اُن تمام اشیاء کے پیدا کرنے میں جو اس عالم میں ہُوا کرتی ہیں منفرد اور مستقل ہے۔

پس اگر اشیاء ان آثار کے وجود میں جو اُن سے ناشی ہوتے ہیں بالطبع مؤثر مانی جائیں گی تو وہ اُن کے لئے ضرور خالق ٹھہریں گی حالانکہ خدائے عالم کے سوا کہ اسی کا نام اللہ ہے کسی دوسرے کا خالق ہونا محال ثابت ہو چکا ہے اور اس استحالہ پر دلیل قائم ہو چکی ہے خصوصًا جب کہ اُن آثار میں سے بعض نہایت مضبوط اور مستحکم بھی ہوں جن کو دیکھ کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُن کے اس استحکام کے ساتھ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کا پیدا کرنے والا صاحب تدبیر، پورے علم اور کامل ادراک والا ہو اور ان صفات کا ان جمادی اشیاء کے لئے ثابت کرنا ایسی بات ہے جس کا کوئی عاقل قائل نہیں ہو سکتا۔ مثال کے لئے آپ ایسے نبات کو لیجئے جس میں کہ عجیب عجیب چیزیں جیسے جڑ۔ تنا۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول۔ پھل۔ نسل بڑھنے کے اجزاء اور تخم مع قسم قسم کی شکلوں، طرح طرح کے رنگوں، ذائقوں اور خاصیتوں کے جسے دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی ہے اور یہ کہ پھر یہ پیدا کاہے سے ہوئیں۔ مٹی، پانی اور ہوا سے۔

پس محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے متبعین کی عقلیں بلکہ تمام عقول سلیمہ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں کہ یہ تمام چیزیں جن کے لئے اعلیٰ درجہ کے علم، قدرت

اور تدبیر کی ضرورت ہے مٹی، پانی اور ہوا نے پیدا کر دی ہوں جو ان تمام صفات سے بالکل خالی ہیں اسی لئے اُن کے ایجاد اور پیدائش کو ذی قدرت اور اعلےٰ درجہ کے واقف کار خدا کے حوالہ کرتے ہیں جس کی نسبت اُن کے نزدیک دلیل قائم ہو چکی ہے کہ اُسی نے عدم سے اصل مادہ کو گوناگوں امور کے قابل پیدا کیا۔

اگر بالفرض خدا کے پیدا کرنے میں مستقل اور متفرد ہونے سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ انہوں نے انہیں اشیاء میں جن سے کہ یہ آثار ناشی ہوتے ہیں غور کیا اور اُس کی حقیقت کو سوچا تو انہوں نے دیکھا کہ یہ اشیاء ان آثار کے لئے ہر گز بالذات مقتضی نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ اُن میں سے کوئی شئے ایسی نہیں پائی گئی جس کی نسبت عقل اس امر کے یقین کرنے کو ضروری کر دے کہ فلاں اشیاء فلاں آثار کے لئے مقتضی ہونا چاہئیں۔ مثلاً حرارت برف کو پگھلا دیتی ہے اور برودت پانی کو جما دیتی ہے اور جب ان کی حقیقت میں غور کیا جائے تو عقل کے لئے ان دونوں چیزوں کے ان ہی دونوں خاص اثروں کے مقتضی ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ جیسے کہ اس بات کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہر جسم حیز کو مقتضی ہے (یعنی ہر جسم کسی نہ کسی قدر خلاء کو ضرور گھیرے گا) اور یہ کہ دو جسم مقتضی ہیں کہ وہ متداخل نہیں ہو سکتے اور ایک ہی حیز یعنی ایک ہی جگہ میں دونوں کا حلول نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جب وہ آپ سے کہیں کہ کیوں صاحب حرارت اور برودت میں معاملہ بالعکس کیوں نہیں ہُوا تو آپ کیا جواب دے سکتے ہیں۔ شاید آپ یہ کہیں کہ ہر ایک کی خاصیت ہی یہ ہے تو وہ آپ سے دریافت کریں گے کہ ہر ایک کی خاصیت بالعکس کیوں نہ ہو گئی؟ اب آپ یہی کہیں گے کہ حرارت قوت اتصالیہ کمزور کر دیتی ہے اور برودت اُس کو قوی کرتی ہے پھر وہ آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ معاملہ بالعکس کیوں نہ ہُوا؟ کوئی عقلی وجہ بتلائیے۔

بہر حال اسی طرح چلتے چلتے کہاں تک چلئے گا آخر کار آپ کو بجز اس کہنے

کے اور کوئی گنجائش نہیں مل سکتی کہ اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک خاصیت کے ساتھ کسی خاص کرنے والے نے خاص کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر ایک میں ایک خاص خاصیت پائی جاتی ہے۔ پھر وہ آپ کو یہ بتلادیں گے کہ یہ تخصیص کرنے والا وہی خدا (یعنی اللہ تعالےٰ) ہے، جس نے کہ مادہ کو ایجاد کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اُس نے جس شئے کو جس شئے کے ساتھ چاہا خاص کر دیا کیونکہ اختیار کی شان ہی یہ ہے۔ بعد ان سب باتوں کے وہ آپ سے کہیں گے کہ جب اشیاء مؤثر بالطبع نہ ٹھہریں اور تاثیر خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوئی۔ پس وہ زمانہ جو آثار کے حصول کے لئے مانا گیا ہے کوئی ضروری شرط نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ محض عادی شرط ہے۔

پس خدا ایک لحظہ میں جیسے کہ پلک مارنا یا اُس سے بھی کم زمانہ میں اثر کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے کیونکہ دلیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خدا کی قدرت کامل ہے حوادث کی قوتیں ایسی نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ اُس کے کرنے میں اُسے زمانہ کی احتیاج نہیں جیسے کہ حوادث کی قوتوں کو احتیاج پڑتی ہے یہاں تک کہ وہ جتنی ہی شدید ہوتی ہیں اُن کے عمل کرنے میں اُتنا ہی کم زمانہ صرف ہوتا ہے اور جتنی ہی وہ کمزور ہوتی ہیں اُتنے ہی زیادہ زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ اگر اُس کی قوت اپنے عمل کرنے میں زمانہ کی محتاج ہوتی جیسے کہ اور قوی محتاج ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مصنوعات جو کہ عظیم ہوتے ہیں اور جن میں کہ نہایت باریک صناعیاں بکثرت اشکال، تراکیب اور خواص موجود ہوتی ہیں ہمیشہ اُن کے بننے میں اُن مصنوعات کے بننے سے زیادہ دراز ہی زمانہ صرف ہوتا جن میں کہ یہ امور نہیں پائے جاتے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً پہلی قسم کی ایک نبات بہت ہی تھوڑی مدت میں نکل آتی ہے اور دوسری قسم کی کوئی نبات پہلی قسم کی نکلنے کی مدت سے کئی گن طویل مدت میں نکلتی ہے۔ پس یہ امر صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمانے کا ممتد ہونا

خدا کی مخلوقات کے ایجاد کرنے میں کوئی شرط نہیں ہے ورنہ جو مثال ہم نے دی ہے اس میں ضرور معاملہ بالعکس ہوتا۔

خدا قوانینِ فطرت کے (جن کا محض عادی اسباب ہونا ثابت ہو چکا ہے) خلاف کر سکتا ہے اور خرق عادت کا وقوع بعض مخصوص حالتوں میں ہوتا ہے جیسے کسی نبی کا معجزہ یا ولی کی کرامت

پھر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین کے اس قول سے کہ ذی آثار اشیاً کا آثار کے لئے سبب بن جانا محض عادی ہے اور ان آثار کے بننے کے لئے یہ زمانہ بھی محض عادی شرط ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھ جائیے گا کہ وہ خلاف عادت امور کے کثرت وقوع کے قائل ہیں یہاں تک کہ آپ اُن پر خرق عادت پر دلالت کرنے والے واقعات کثیرہ کے بیان کرنے کا مطالبہ کریں کیونکہ وہ یہ بات ہرگز نہیں کہتے وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ان کی سببیت عادی ہے اور وہ زمانہ بھی شرط عادی ہے اور خدا خلاف عادت کرنے پر قادر ہے اور یہ محال نہیں ہے لیکن خلاف عادت کرنا خدا سے سوائے چند مخصوص حالتوں کے مثلاً کسی نبی کے معجزہ یا کسی ولی کی کرامت کے لئے اور کبھی ثابت نہیں ہُوا جیسا کہ ان کے یہاں بالتواتر منقول ہے یا انھوں نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بچشم خود دیکھا ہے جب کہ انھوں نے رسالت کا دعوےٰ کیا تھا اور اُن کے ہاتھ پر معجزات اور خوارق عادات ظاہر ہوئے تھے۔

پس جب یہ پیشتر بیان کیا ہُوا مقدمہ متقرر ہو گیا اور آپ لوگوں نے اُسے اپنے دلوں میں جگہ دے لی تو آئیے ہم اور آپ مل کر اس عالم کے مادہ اس کے انواع اور اُن عجیب وغریب صورتوں میں جن پر وہ مشتمل ہے اور اُن حیرت انگیز گوناگوں تبدیلیوں میں جو اُن میں واقع ہوتی رہتی ہیں غور کریں اور دیکھیں تاکہ ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ مادہ میں اُن امور کا قیام مادہ اور اُس کے ذرات کی حرکت

کے فعل سے ہے یا اُن چیزوں میں سے باہم ایک کے دوسرے میں تاثیر کرنے کے باعث سے یا اُس خدا کے فعل سے ہے جو کہ اعلےٰ درجہ کا علم رکھنے والا، صاحب ارادہ قادر اور ذی قدرت ہے کہ اپنے ارادہ سے جس کے ساتھ چاہتا ہے اُس کی تخصیص کرتا ہے اور جس طور پر چاہتا ہے اُسے متغیر کرتا ہے اور پھر اس کے اعمال بھی ایسے باعظمت اور انتہا درجہ کے استحکام اور تدبیر کے ساتھ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت غیر محدود ہے عقل اس کو نہیں پا سکتی اور نہ افکار اُس کو حاوی ہو سکتے ہیں۔ اس امر کے واضح ہونے کے بعد کوئی کام جس کو عقل جائز رکھتی ہو کتنی ہی عظمت کو کیوں نہ پہنچ جائے اور اُس میں کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی باریکی اور استحکام کیوں نہ موجود ہو لیکن اُس خدا کی عظمت اور اُس کی صفات کے کمال کے سامنے بالکل ہیچ، بالکل آسان اور ظاہر معلوم ہوگا۔ اُس ذات پاک کی عظمت کا کیا کہنا ہے اُس کا تسلط عجیب کمال رکھتا ہے۔ پیدائش اور ہر طرح کی تدبیر اُسی کے ہاتھ میں ہے اُسے ہر شئے پر پوری قدرت حاصل ہے۔

علم ہیئت کی دلچسپ بحث اور عالم کواکب سے خدا کی عظمت و قدرت پر استدلال

اب آیئے ہم عالم کواکب کی طرف متوجہ ہوں اب ضرور ہم کو آپ لوگوں کی کتب ہیئت کی تصریح کے موافق یہ ملے گا کہ اُن میں سے ہر ایک کی ایک جُدا خاصیت ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی اور ہر ایک خاص حالت کے ساتھ مخصوص نظر آئے گا۔ چنانچہ بعض اُن میں سے نہایت ہی چھوٹے ہیں اور بعض بہت ہی بڑے حتیٰ کہ ہماری زمین کو اُس کے ساتھ وہی نسبت پائی جاتی ہے جو ایک بالو کے ذرّے کو اُس کرّہ کے ساتھ ہوتی ہے جس کا قطر ایک ہاتھ یا کچھ اُس سے بھی زائد ہو۔

پس اگر ہماری زمین کا قطر سات ہزار نوسو بارہ (۷۹۱۲) میل کا اور اس کا محیط چوبیس ہزار (۲۴۸۹۹)

آٹھ سو نناوے میل کا ہے تو آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ بانوے ہزار پانچ سو اسّی میل (۸۹۲۵۸۰) کا اور اس کا محیط چھبیس لاکھ اٹھہتر ہزار پانچ سو میل (۲۶۷۸۵۰۰) کا ہے اور اس کا جرم ہماری زمین کے جرم سے بارہ لاکھ انسٹھ ہزار سات سو گنا (۱۲۵۹۷۰۰) بڑا ہے۔ اور اُن میں سے بعض ہم سے بہت ہی قریب اور بعض لاکھوں میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اُن میں سے بعض کا دن اور سال ہمارے یہاں کے دن اور سال سے چھوٹا ہوتا ہے اور بعض کا ہمارے یہاں کے دن اور سال سے بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ زحل کا ایک سال ہمارے یہاں کے اُنتیس سال کے برابر اور انوس کا چوراسی سال کے برابر اور نبتوں کا ایک سو چونسٹھ اور چند کسور سال کے برابر ہے۔ بعض ان میں سے اپنے مدار پر بطیء الحرکت کرتے ہیں اور بعض بہت ہی سریع الحرکت ہیں حتیٰ کہ مشتری کی چال تیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ پس جتنی دیر میں کہ انسان ایک مرتبہ سانس لیتا ہے وہ نو میل چل جاتا ہے اور اس کی محوری گردش کے لحاظ سے اُس کے اجزاء سطحیہ کی حرکت کی سُرعت چار سو ستر سیٹھ میل ہے۔

ان میں سے بعض کا نور سرخ ہے، بعض کا زرد، بعض کا سفید اور بعض کا کسی اور رنگ کا۔ اُن میں سے بعض کا نور اصلی ہے جیسے کہ آفتاب اور ثوابت کا اور بعض دوسروں سے نور حاصل کرتے ہیں جیسے قمر اور باقی سیاروں کا۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن میں ذرا بھی حرارت نہیں پائی جاتی اور بعض میں بکثرت حرارت موجود ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے بعض کے قول کے موافق آفتاب میں اتنی حرارت ہے کہ اگر وہ جمع کی جائے تو وہ اتنی مقدار برف کے پگھلانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے جس سے تمام روئے زمین چھپ جائے اور اس کی موٹائی گیارہ میل کی ہو اور جو حرارت کہ اس کی زمین تک پہنچتی ہے وہ اس کی حرارت کے دو ارب اڑتیس کروڑ دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصّہ ہے اُن میں سے بعض ثوابت ہیں کہ جو شموس (آفتاب) کہلاتے ہیں اُن کی روشنی ہمارے آفتاب ہی کی طرح ذاتی ہوتی ہے جس سے کہ وہ تمام عالم جو اُس کے متعلق ہے روشن ہوتا

ہے وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ اُن کے نام سے شُبہ ہوتا ہے بلکہ وہ بھی حرکت کرتے ہیں۔ لیکن بات صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے چونکہ بہت ہی فاصلہ پر واقع ہیں اس لئے ہم کو اُن کی حرکت کا پتہ صرف اس وقت لگ سکتا ہے جبکہ صدیوں کی صدیاں گزر جائیں اس لئے باہم اُن کی دُوری کی نسبت قریب قریب وہی باقی رہتی ہے جو پہلے تھی۔

ان میں سے بعض آفتاب سے دور ہیں اور یومًا فیومًا اُن کی دُوری بڑھتی جاتی ہے اور بعض اس سے قریب واقع ہیں اور اسی طرح نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ بعض کی حالت بدلتی رہتی ہے کبھی تو اُن کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔ بعض ان میں وقتی ہوتے ہیں یعنی وہ ایک مخصوص زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ کبھی وہ زمانہ طویل بھی ہوتا ہے اور پھر چھپ جاتے ہیں اور اس کے بعد ہرگز نہیں نکلتے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا نور ہم تک برسوں کے بعد حتیٰ کہ سینکڑوں برس کے گزر جانے پر پہنچ سکتا ہے حالانکہ ہمارے آفتاب کا نور ہم تک آٹھ منٹ اور چند سیکنڈ کے عرصے میں پہنچ جاتا ہے، باوجودیکہ یہ آفتاب ہم سے نو کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہی دور ہوگا۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ آباد ہیں اور بعض کی نسبت آپ لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے۔ اُن میں سے بعض شمالی ہیں بعض جنوبی بعض متوسط۔ بعض کو رات سے خصوصیت ہے اور بعض کو دن سے۔ بعض کا روشن رُخ کبھی وسیع ہو جاتا ہے اور کبھی تنگ اور بعض میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بعض دوسروں کے گہن کا باعث ہوتے ہیں اور بعض میں دوسروں کی وجہ سے گہن لگتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض کی کچھ حالت ہے اور بعض کی کچھ۔ اور وہ سب خلاء میں عام کشش کے قدرتی قانون کے باعث قائم ہیں جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں اور شاید وہ عالم کے قوانین قدرت میں سے جنہیں کہ اُس کے پیدا کرنے والے نے اس میں جاری کر رکھا ہے کسی دوسرے قانون کے باعث

قائم ہیں جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں اور شاید وہ عالم کے قوانینِ قدرت میں سے جنہیں کہ اُس کے پیدا کرنے والے نے اس میں جاری کر رکھا ہے کسی دوسرے قانون کے باعث سے نہایت ہی انضباط اور استحکام کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں طرح طرح کی گردشوں اور حرکتوں کے ساتھ چل رہے ہیں جن سے کہ اوقات منضبط رہتے ہیں۔

برسوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا پتہ لگتا رہتا ہے۔ مختلف فصلیں متمیز ہو جاتی ہیں اور پھر اُن میں وہ ترتیب موجود ہے جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے اور ان سب کا مرجع کسی فاعل ذی قدرت کی طرف معلوم ہوتا ہے باوجود ان سب باتوں کے ان میں مخلوقات یعنی نباتات، حیوانات، معدنیات کے منافع بھی موجود ہیں جن کی پرورش اُن کے انوار کی حرارت سے ہوتی ہے اور بقدرِ حاجت ہر ایک کی غذا مہیا کی جاتی ہے۔ اسی طرح بے شمار فوائد ہیں کوئی کہاں تک بیان کرے انسان کی زبان اس کے پورے بیان سے عاجز ہے فکریں کند اور آنکھیں خیرہ ہیں۔

پس جب یہ سب اصل مادہ کے لحاظ سے برابر اور یکساں ٹھہرے اور اُن کا مادہ اس کو مقتضی نہ نکلا کہ ہر ایک کو اسی خاصیت کے ساتھ جو اس میں موجود ہے خاص کر دے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز نے ان میں سے ہر ایک کو اس خاصیت کے ساتھ جو اس میں موجود ہے خاص کر دیا اور جس نے ان کو باوجود اس قدر استحکام کے ایسے عجیب و غریب انتظام کے ساتھ مرتب کیا جس میں کہ مخلوقات کی سراسر مصلحت اور فائدہ ہی فائدہ ہے کیا وہ یہی مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہو سکتی ہے جس میں نہ تو کچھ تمیز ہی پایا جاتا ہے اور نہ کچھ ارادہ اور تدبیر ہی موجود ہے اور یا یہ کہنا مناسب ہے کہ جس نے ان کو ایسے عجیب و غریب طور پر پیدا کیا ہے وہ وہی بڑا جاننے والا، صاحب ارادہ ذی قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت والا (یعنی خدا) ہے۔

علم کائنات جوّ یعنی بادل ہوا وغیرہ کی دلچسپ بحث اور عالم کائنات جوّ سے خدا کی عظمت و جبروت پر استدلال

اب آئیے ہم کائنات[1] جوّ کی جانب نظر کریں تو اس میں ہمیں جوّی ہوا معلوم ہوتی ہے جس میں کہ نباتات کی اس وجہ سے کہ وہ اُسے چُوس لیتے ہیں زندگی ہے اور حیوانات کی زندگی کا اُس پر اس لئے مدار ہے کہ وہ بذریعہ سانس لینے اور پھیپھڑے میں داخل ہونے کے اُن کے خون کو صاف کرتی ہے چونکہ بہ نسبت اور اشیاء کے ہوا کی زیادہ ضرورت تھی اس لئے وہ وافر مقدار میں موجود ہے اور نہایت آسانی سے بکثرت حاصل ہو سکتی ہے اور اُس کے حاصل کرنے کے ذرائع بالکل مکمل ہیں جن کی وجہ سے وہ بہت جلد کام میں آسکتی ہے۔ اس پر کیا موقوف ہے عالم میں یہی حکمت جاری ہو رہی ہے کہ جس شئے کی جس قدر زیادہ حاجت ہوتی ہے اتنی ہی کثرت سے وہ موجود ہوتی ہے اور اتنی ہی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ امر ہوا۔ پانی۔ غذا۔ دواؤں کی جڑی بوٹیوں۔ نہایت خوب صورت اور بیش قیمت پتھروں وغیرہ کے حالات میں غور کرنے سے اسی ترتیب سے واضح ہو جائے گا۔ پھر اُس میں مختلف ہوائیں اُن کی رفتار، اُن کے منافع، اُن کے اختلاف اور ہر ایک کی جدا جدا خاصیتیں پاتے ہیں۔

کوئی اُن میں سے شرقی ہوا ہے کوئی غربی۔ کوئی شمالی ہے کوئی جنوبی اور کوئی اُن کے درمیان چلتی ہے۔ کوئی تر ہے کوئی خشک کوئی گرم، کوئی سرد، کوئی سخت ہے کوئی نرم۔ کوئی رات کو چلتی ہے۔ کوئی دن کو، کسی کی چال خاص وقتوں کے اعتبار سے باقاعدہ ہے اور کوئی بالکل بے قاعدہ چلتی ہے، کوئی آہستہ چلتی ہے۔ کسی ہوا کی چال کی تیزی فی گھنٹہ سات میل سے لے کر اکانوے میل تک ہوتی ہے اور کبھی اُس کی تیزی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ فی گھنٹہ ایک سو بیس میل

یا اس سے زائد کے حساب سے چلنے لگتی ہے لیکن ایسا شاذو نادر ہی ہوتا ہے بعض اُن میں سے گرد باد اور بگولے ہوتے ہیں جن سے کہ زمین کے رہنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ بادلوں کو بارش کے مواقع پر ہنکا لے جاتے ہیں۔ بار آور مادہ کو اعضاء تذکیر سے اعضاء تانیث میں منتقل کر کے درختوں کے باردار ہونے کے باعث ہوتے ہیں ارواح کو راحت پہنچاتے ہیں، حرارت کو لطیف کرتے ہیں۔ سمندروں میں اُن سے جہاز چلتے ہیں۔ نباتات کے تخم اُن کے ذریعہ سے سطح زمین پر پراگندہ ہوتے ہیں اس کے علاوہ اور بہتیرے فائدے دستیاب ہوتے ہیں جن کو کوئی شمار کرنے والا شمار نہیں کر سکتا اور نہ تحریر میں آسکتے ہیں۔

اس میں ہم بادل اور اُس کی نہایت عجیب اور حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہَوا اُس کو اُٹھا سکتی ہے اور جہاں کہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مختلف ہَوائیں اُس کو لے جاتی ہیں اور پھر رعد و برق اُن کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہ جن دونوں میں حکمت یہ خیال کی جاتی ہے کہ نور اپنی حرارت اور حرکات موجیہ کی وجہ سے اور رعد اپنی کپکپانے والی حرکات کے باعث سے پانی کو پگھلا دیتے ہیں باوجود اس کے ان دونوں سے (رعد و برق سے) جنگل کے رہنے والوں کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں پانی برس رہا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ سردی سے برف جم جاتی ہے اور زیادہ تر وہ پہاڑوں ہی پر گرتی ہے تاکہ ایک مدت تک وہاں رہ سکے اور اس کا پانی پگھل پگھل کر اُن کے نشیبوں اور خزانوں میں جمع ہوتا رہے تاکہ مخلوقات کے منافع کے لئے پانی اُن میں مجتمع ملے اور اُن کے جھرنوں سے نکلتا رہے۔

اسی طرح پر دریا اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں جن کے پانی سے ایام گرما میں زمین اور حیوانات کو سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سبزہ زار اور باغات پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر بادلوں سے زمین پر صرف پانی ہی کی بارش ہُوا

کرتی تو پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے قبل اس کے کہ اُن کے خزانے چشموں اور دریاؤں
کے جاری کرنے کے لئے کافی مقدار پانی جمع کرنے پاتے سارا پانی سرعت کے
ساتھ بہہ جاتا (کیونکہ پانی کو تو گویا اونچے مکان سے دشمنی ہے کہ فوراً وہاں سے چل
دیتا ہے) اس کے علاوہ اور بہتیری چیزیں کائنات جو میں شامل ہیں جن کے
بیان میں جلدیں کی جلدیں تصنیف ہوئی ہیں۔

روشنی کی حقیقت وغیرہ اور اُس کے خواص پھر اس کی تفسیر پر اعتراضات جس سے اہلِ سائنس کو مجبوراً کسی فاعل مختار خدا کا اقرار کرنا پڑتا ہے

اس موقع پر ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم روشنی کا بیان کریں کیونکہ جب
وہ اس فضا میں پھیلتی ہے تو کائنات جو میں ہم اس کا ذکر کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ اُس میں نہایت ہی عجیب وغریب قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جس کے
لئے ایک جدا علم بن گیا۔ یہ خاصیتیں جیسا کہ اُس کا منعکس ہونا۔ اُس کا منحل ہو
کر سات رنگوں میں تبدیل ہو جانا وغیرہ ہیں۔ باوجود اس کے اُس میں حیوانات اور
نباتات کے بہتیرے فائدے موجود ہیں اُن کا اس سے نمو ہوتا ہے صحت قائم رہتی
ہے روشنی سے بہتیرے زہریلے مادے حشرات الارض مر جاتے ہیں۔ بذریعہ روشنی
ہی کے اشیاء نظر آتی ہیں اسی طرح اُس کے بے شمار فوائد ہیں پھر باوجودیکہ وہ
روشنی آنکھ کے سامنے خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے لیکن
آپ لوگوں پر اُس کی حقیقت مخفی ہی رہی کچھ پتہ نہ لگا۔ اُس کے بیان کرنے
میں آپ لوگوں نے عجب خبط مچایا ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے سب سے
بڑے مشہور فلاسفر کا یہ قول ہے کہ بہت چھوٹے چھوٹے ذرّے ہوتے ہیں جو
کہ روشن جسم سے چاروں طرف پھیلتے ہیں اور آپ ہی لوگوں میں سے اُس
کے بعد والے فلاسفروں نے واضح دلیلوں سے اُس کے قول کی تردید کر دی اور
اس بات کے قائل ہو گئے کہ روشنی کی حقیقت ایتھرک مادہ کے اجزاء کی لہر ہے جو

کہ عالم میں پھیلا ہُوا ہے یعنی اُن کے نزدیک روشنی انہی اجزاء کی حرکت کو کہتے ہیں اور زمانۂ حال میں آپ لوگوں نے عام طور پر اسی تفسیر پر بھروسہ کر لیا ہے اور اسی بُنیاد پر بڑے بڑے قصر کھڑے کئے ہیں اور بہتیرے مسائل کا اسی کو منبع قرار دیا ہے۔ کوئی قائل اس موقع پر کہہ سکتا ہے کہ ان ایتھرک اجزاء کی عجب حالت ہے بلور کی کئی ہاتھ موٹی چادر کو تو اُن کی حرکت توڑ کر نکل جاتی ہے لیکن جب اس کے کسی طرف ایک پتلی تہہ مثلاً سیاہی کی لگا دی جائے تو وہ حرکت اُس کو پھاڑ کر پار نہیں جا سکتی گویا ہمالیہ کا کوہی سلسلہ حائل ہو گیا۔ کیا وجہ ہے کہ اس نازک اور پتلی سی تہ کو تو نہ پھاڑ سکے اور بلور کے اس قدر دلدار اور سخت تختے کو پھاڑ کر نکل جائے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اس رنگ نے بالطبع اُس کی حرکت کو باطل کر دیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہاں بے شک خدا کے پیدا کرنے سے یہ تو ہو سکتا ہے اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم تو آپ سے آپ کی تفسیر کے موافق اس کی عقلی وجہ پوچھتے ہیں ہمارے لئے تو اسی کے موافق بیان کیجئے کہ اس حرکت کو کیونکر اتنے دبیز اور سخت تختے کو توڑ کر نکل جانے کی قوت حاصل ہو گئی اور وہ اس قدر پتلی اور نازک تہہ کو توڑنے سے کیوں عاجز رہی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رنگ روشنی کو چُوستا ہے تو ہم آپ سے دریافت کریں گے کہ رنگ کے روشنی کو چوسنے کے (کہ جس کی حقیقت ذرات کی حرکت ہے) معنے کیا ہیں ذرا عنایت کر کے واضح عبارت میں بیان تو کر دیجئے جس کو عقل قبول کر لے۔

علاوہ بریں آپ ہی لوگوں میں سے بعض صنّاعوں نے کچھ تیل ایجاد کئے ہیں کہ جب وہ چند منٹ آفتاب کی روشنی میں رکھ دیئے جائیں تو تمام رات تاریکی میں روشن رہتے ہیں۔ پس جو آپ نے روشنی کی تفسیر بیان کی ہے اُس کے موافق اگر آپ کہیں کہ یہ حرکت جو تیل سے تاریکی میں اُٹھتی رہتی ہے روشنی کے انعکاس کے باعث سے ہے تو ہم آپ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ حرکت تیل سے کیونکر

برابر پیدا ہوتی رہی حالانکہ اصلی حرکت جو آفتاب سے اُٹھی تھی اُس سے منقطع ہوگئی اور چند ساعتوں ہی میں اُس سے جدا ہوگئی اور یہ امر قدرتی قانون انعکاس کے بالکل خلاف ہے اور اگر میں بے جا کہہ رہا ہوں تو آپ بیان کر دیجئے۔ بعد اس بحث کے بھی ہم یقیناً آپ کی تفسیر کو غلط نہیں سمجھ سکتے بلکہ ممکن ہے کہ صحیح ہو اور یہ بھی خدا کی مخلوقات اور اُس کے تحت تصرف میں داخل ہو۔ لیکن ہمارا صرف مقصود یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس امر سے آگاہ کر دیں کہ وہ چیز جس کو آپ زیادہ سے زیادہ یقینی مانتے ہیں وہ بھی لاجیکل (منطقی) طور پر قطعی اور یقینی نہیں ہے۔

اب اس تمام گفتگوئے سابق کے بعد ہم آپ سے انصافاً پوچھتے ہیں کہ جس نے کائنات جو کی ہر شَے کو اُس کی خاصیت کے ساتھ خاص کر دیا اور اُن میں نہایت ہی کامل صنعت اور پورے ایجاد کے ساتھ منافع مستحکم کئے کہ جن سے زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اُس کو شادابی بخشی۔ اُن کو اُس کے سکان کے نمو کا باعث قرار دیا۔ آنکھوں کے نزدیک دیکھنے کی چیزوں کے ظہور کا ان کو ذریعہ ٹھہرایا تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ شَے اِس اجزاء کی حرکت یا اتفاقی امر یا ضرورت یا اس کے علاوہ اور مہمل اور بے معنی الفاظ جن کی تفسیر بالکل بے پتہ ہوتی ہے قرار پا سکتے ہیں یا وہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا، پورا واقف، صاحب ارادہ اور وہ ذی قدرت (خدا تعالےٰ) ہے۔

سمندر کے حالات اور اُس سے خدا کی عظمت و جبروت پر استدلال

اب آیئے ہم اپنی توجہ کو زمین کی طرف مائل کریں اور اس کی جمادی، نباتی اور حیوانی کائنات اور ان امور کی جانب جن کو اُس کا جغرافیہ طبعی حاوی ہے اُس پر نظر کریں۔

ہم سمندر کو دیکھتے ہیں جس کی مساحت کی مقدار سطح زمین کے چار حصّوں میں سے تین حصّوں تک پہنچتی ہے یعنی جس کا رقبہ ایک کروڑ چوالیس لاکھ اکہتر ہزار دو سو میل مربع

ہے اور وہی آبی مخلوق کے گروہ کا مسکن ہے اور دریائی جواہر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ عام ہے کہ وہ غذا کے کام میں آئیں یا دوا کے یا آرائش کے اور وہ سب چیزیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں جو خشکی میں موجود ہیں۔ جیسے پہاڑ، وادی سخت و نرم زمین۔ ٹیلے ریگستان۔ پہاڑیاں، سنگلاخ زمین۔ ترائی۔ باغات۔ رنگ برنگ کے درخت۔ چھوٹے بڑے حیوانات جن میں نمو ہوتا ہے اور اپنے اجناس انواع اور اصناف کے موافق خاص خاص مقامات میں رہتے ہیں اور سمندر میں بڑے عمیق مواضع ہیں کہ جن میں سے سب سے عمیق موقع کا واقعی طور پر پتہ نہ لگ سکا اور تحقیقی طور پر آپ لوگ نہ دریافت کر سکے۔

غایت درجہ جہاں تک آپ لوگوں کی رسائی ہوئی اُس کے موافق نو میل تک گہرائی قیاس کی جاتی ہے۔ پھر اس کا بھی کوئی قرار نہیں اور سمندر کے عجائبات میں سے مدو جزر سطحی اور زیریں اور بال پہاڑوں کی برابر لہریں۔ برف کے پہاڑ جو قطب شمالی کے نزدیک تیرتے رہتے ہیں اور اُس کا کھاراپن جس میں کہ بڑی حکمت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا پانی ضرور متعفن ہو جاتا اور زراعت اور جان دار ہلاک ہو جاتے اور وہ انسان کے لئے ایسا مسخر ہو رہا ہے کہ لوگ اس کی سطح پر سفر کرتے ہیں اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس میں بڑے بڑے راستوں اور مختلف ہواؤں کا اُنہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پہاڑوں کا دلچسپ بیان اور قدرت خدا کا اظہار

پھر ہم خشکی پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن اشیاء کو دیکھتے ہیں جو کہ اس میں پائی جاتی ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر پہاڑوں پر جاتی ہے کیونکہ پانی کے وہی مخزن ہیں جس سے کہ نباتات اور حیوانات کو سیرابی ہوتی ہے ان ہی میں طیور و وحوش کا ایک بہت بڑا حصہ پناہ گزین ہوتا ہے اُن ہی میں بڑے بڑے مضبوط اور نہایت ہی بلند درخت اُگتے ہیں جو کہ عمارتوں میں لگانے اور جلانے

کے کام آتے ہیں وہی آباد سرزمینوں کے لئے گرم اور سرد ہواؤں سے بڑے محافظ ہیں۔ بعض کا منظر نہایت خوش آئند معلوم ہوتا ہے۔ طرح طرح کی نباتات اور رنگ برنگ کے گل بوٹوں سے مزین نظر آتے ہیں۔ اُن میں سے بعض ایسے پہاڑ بھی ہوتے ہیں جہاں برگ و بار کا نام ونشان ہی نہیں وہاں کی مٹی بھی بارش کے باعث سے بھی باقی نہیں رہی صرف بڑے بڑے پتھروں کے چٹان رہ گئے ہیں جن کی شکل بڑی بڑی تصویروں کے ڈھانچوں سے جن کا کہ گوشت علیحدہ کر لیا گیا ہو کچھ ملتی جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پس اس قسم کے پتھر مکانوں اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں۔ بعض آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں جن سے راکھ اور جلی ہوئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں اُس کے تمام اطراف تاریکی کے وقت اُن سے روشن ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض کسی قسم کے ہوتے ہیں اور بعض کسی قسم کے جو کہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

سبزہ زاروں اور وادیوں کی کیفیّت

دوسرے مرتبہ میں زمین کا وہ حصہ ہے جو نشیب میں واقع ہے وہاں ایک سے ایک حسین درخت اُگتے ہیں قسم قسم کے پھول وپھل دستیاب ہوتے ہیں۔ دلوں کی خوشی اور سرور میسّر ہوتا ہے باوجود اس کے اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کو دُنیا کی بہشت کہا جا سکتا ہے جس میں جہاں دیکھو وہاں گنجان سایہ اور شیریں چشمے دکھلائی پڑتے ہیں۔ باغات پھولوں سے آراستہ ہیں، درخت بار دار ہو رہے ہیں، نہریں بلندی سے پستی کی جانب اترتی چلی آرہی ہیں۔ اُن کے گرداگرد عجیب دلکش آوازیں مسموع ہو رہی ہیں۔ کہیں بلبل کی صفیر کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں، کہیں سے قمریوں کی کوکو کی صدا آرہی ہے، کسی طرف ہرن اپنی بولی بولتے ہیں، کہیں جنگلی کبوتر اُتار چڑھاؤ کے ساتھ غٹرغوں کرتے سنائی دیتے ہیں۔ غرض ایسی ایسی چیزیں ہیں جن سے دل کو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک

حاصل ہوتی ہے اور بعضے پہاڑ تو گویا جہنم ہی ہیں کہ جہاں سوائے ناگوار موت کے اور کچھ بھی نہیں صرف بوسیدہ ہڈیاں پڑی نظر آتی ہیں۔

جاوا کی وادی موت کا بیان

جیسے کہ وہ مقام جو جاویٰ کے قریب وادی موت کے نام سے مشہور ہے جس کے اندر کی زمین بالکل صفاچٹ پڑی ہے جہاں کہ کسی نبات یا جاندار کا نشان نہیں اور اُس میں تپش اور گرمی اس قدر ہے کہ بالکل جلائے دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اس میں جہاں کوئی پرندہ اُترا یا جان دار گیا یا وحشی جانور نے وہاں ذرا قیام کیا فوراً ہی اس کو خونریز موت نے دبا لیا۔

چنانچہ اس میں جا بجا بڑے بڑے جانوروں اور کیڑوں کی پرانی ہڈیاں پڑی ملتی ہیں اور یہ وہاں کے ایک قسم کے زہریلے درخت کا اثر سمجھا جاتا ہے جس کے سوا نباتات کی قسم سے وہاں کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن جو بات آپ لوگوں کے نزدیک صحیح سمجھی جاتی ہے اُس کے موافق اُس کا سبب یہ ہے کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے بالکل قریب واقع ہے اس وجہ سے وہ اپنے منافذ سے زائد مقدار کی زہریلی ہوا نکالتا ہے اور اس سے جاندار مر جاتے اور نباتات خشک ہو جاتی ہیں۔

اب بتلائیے کہ ان مقامات میں سے کس نے بعض کو گویا جنت اور بعض کو جہنم بنا دیا۔ کیا ذرّات مادہ کی حرکت ہو سکتی ہے یا وہ صاحبِ ارادہ اور اعلےٰ درجے کا علم رکھنے والا جس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس شئے میں جو خاصیت چاہے پیدا کر دے (یعنی خدا) ہے بے شک وہ انتہا درجہ کا واقف کار اور صاحبِ حکمت ہے۔

کھو اور غاروں کا بیان تیسرا مرتبہ کھو اور غاروں کا ہے جس میں کہ حیوانات پناہ گزیں ہوتے ہیں اور جن کے

ذریعہ سے پہاڑ اپنے اندر سے بخارات نکالتے ہیں۔

عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ بعض غار گرمیوں میں تو اتنے سرد ہوتے ہیں کہ اُن کے اندر کا پانی جم جاتا ہے اور جاڑوں میں خوب گرم رہتے ہیں۔ پس بتھیرے حیوانات کہ جو جاڑوں کی سردی نہیں برداشت کر سکتے اس میں پناہ لیتے ہیں۔ خدائے لطیف وخبیر کی پاک کا کیا کہنا ہے اور ان میں سے بعض موت کے غار ہیں کہ جہاں ان میں کوئی جاندار گیا اور فوراً مرا کیونکہ ان غاروں میں آتش فشاں پہاڑوں کی سانسیں نکلتی ہیں کہ جب اب بجھ گئے ہیں اور اُن کی زہریلی ہوا باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے جہاں کسی جاندار نے اُن کا تنفس کیا اور وہ مرا پس بعض غار بمنزلہ قلعہ کے محافظ ہیں اور بعض باعث موت ہیں۔ اس فاعل مختار کی عجب شان ہے جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے۔

نرم زمین کا بیان جس میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہوتی ہیں

چوتھا مرتبہ زمین نرم کا ہے اُس میں غالب مادہ ایسا ہوتا ہے جس سے نباتات کا قیام ہے جو کہ حیوانات کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر اُس کی مٹی مختلف قسم کی ہوتی ہے اُن میں سے ہر قسم ایک خاص قسم کے نباتات کے مناسب ہوتی ہے۔ پس اگر سب کی مٹی ایک ہی طرح کی ہوا کرتی تو نباتات کی بہت سی اقسام کی پیدائش میں نقصان آجاتا اور اس کی بتھیری قسمیں ہم کو دستیاب نہ ہو سکتیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی نہ تو بہت سخت ہی ہے اور نہ بہت نرم متوسط درجہ رکھتی ہے۔

پس اگر پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اُس میں ان چیزوں کی صلاحیت نہ پائی جاتی اور اگر بالکل ہی نرم ہوتی تو حیوانات کے قدم اُس میں دھنس جایا کرتے اور اس میں وہ نہ چل سکتے اور نہ اُن کے رہنے کے قابل ہوتی۔ پس بتلائیے کہ پتھروں کو کس نے اس قدر سختی کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ تعمیر کے کام میں آسکیں اور

اس کے سوا اور زمین کو نہ بہت سخت ہی بنایا اور نہ بہت نرم جس سے حیوانات کی غذا کے اور زراعت کے قابل ہو سکے۔ کیا اس کا بنانے والا صاحب حکمت تمام چیزوں کی خبر رکھنے والے، ذی تدبیر اور اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے (خدا) کے سوا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔

معادن کا بیان اور خداوندی قدرت کا اظہار

ہم کائنات زمین میں سے معادن کو دیکھتے ہیں کہ اُن کے اندر مختلف خواص اور جدا جدا انواع و اصناف کی اشیاء پیدا ہوتی ہیں جو کہ باوجود مختلف ہونے کے زمین کے باشندوں کے لئے بہت ہی نافع ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں سے کوئی جامد ہے کوئی سیال، کوئی سخت ہے کوئی نرم، کسی میں چوٹ کھا کر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے کسی میں نہیں۔ کسی میں پگھلنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور کسی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ کوئی بھاری ہے کوئی ہلکی۔ رنگوں کے اعتبار سے کوئی زرد ہے کوئی سفید۔ کوئی سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ اسی طرح بہت سے اقسام پائے جاتے ہیں۔

پھر اُن سے آدمیوں کو بے شمار نفع پہنچتا ہے۔ مختلف قسم کے آلات تیار کئے جاتے ہیں جو اکل و شرب وغیرہ کی ضرورتوں میں استعمال کئے جاتے ہیں ہتھیار بنتے ہیں، مکانات کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں غرضیکہ فلاحت (جوتنے) زراعت (بونے) اور ادویہ سب ہی میں مستعمل ہوتے ہیں (اور چونکہ لوہا سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور زمین میں بالکل ہی پوشیدہ ہوتا ہے یہاں تک کہ لوہے کی معدن کی طرح کوئی معدن اتنی پوشیدہ نہیں ہوتی کہ جب تک کہ کتب معدن میں موجود ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں لوہے کا بالتخصیص ذکر کر کے خدا تعالےٰ نے اُس کے پیدا کرنے کا اور نیز اس امر کا احسان جتلایا ہے کہ باوجود اس قدر مخفی ہونے کے اُس کے دریافت کرنے کے

طریقے مقرر کئے اور اُن کی ہدایت کی۔ چنانچہ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ الآیۃ۔

(کہ ہم نے لوہے کو اُتارا ہے اُس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لئے منافع موجود ہیں)

اس کے سوا خدا تعالےٰ نے کسی اور معدن کی نسبت ایسا ذکر نہیں کیا۔ لوہے کے ہم عجیب وغریب خواص دیکھتے ہیں جن کی یقینی وجہ اور علت بیان کرنے سے ہماری عقلیں بالکل عاجز ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ جہاں تک ہم اپنی بحث کو اُس کی نسبت گفتگو کرنے میں پہنچا سکے وہ اس قدر ہے کہ ہم یہ کہہ کر چپ ہو رہیں کہ اُس کی خاصیت ہی یہی ہے اور کوئی وجہ نہیں بتا سکتے اور اگر آپ کہیں کہ ہم لوگ تو اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ہم کو تو بلا شُبہ اُس کی یقینی علت پر واقفیت حاصل ہے تو ہم آپ سے کہہ سکتے ہیں کہ اچھا اسی مقناطیس کو لیجئے جو معدنیات میں عجیب چیز ہے اُس میں لوہے فولاد اور مقناطیس کے کشش کرنے کی قوت ہوتی ہے آپ لوگ اس کشش کی وجہ اُس کے ذرات بسیط کی حرکت اور اُن کی اوضاع کی خاص ترتیب کو بتلاتے ہیں۔

مقناطیس کے خواص اور اہلِ سائنس نے جو اُن کی وجہ بیان کی ہے اُس پر چار نہایت سخت اشکال وارد کر کے ان کا ناقابل تسلیم ثابت کرنا اور آخر کار خدا کی عظمت اور قدرت پر نہایت واضح استدلال

اب میں کہتا ہوں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اگرچہ ممکن ہے کہ یہی واقعی وجہ ہو لیکن آپ نے یہ وجہ بالکل بے پتہ بیان کی جس سے عقل کو تسکین نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ ہمارے آئندہ کے سوالات اُس پر وارد ہوں۔

اوّل سوال یہ ہے کہ ذرات کی حرکت اور اُن کی وضع کا صرف یہی نتیجہ کیوں ہوا کہ وہ اشیاء مذکورہ ہی کو کشش کرے اس کی وجہ ہے اس میں بقیہ معادن مثل سونے تانبے وغیرہ کے کشش کرنے کی قوت کیوں نہ پیدا ہو گئی۔ اس کی کوئی صحیح

وجہ صاف طور پر بیان تو کیجئے ۔

دوسرا یہ کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مقناطیس جب کسی لوہے کی سلاخ سے ملتا ہے اور اُس کو کشش کرتا ہے تو وہ اُس میں بھی بغیر اس کے کہ مقناطیس کی قوت میں کچھ کمی ہو کشش کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے اس وجہ سے جب تک مقناطیس اُس سلاخ سے متصل رہتا ہے مقناطیس ہی کی طرح وہ بھی کشش کرتی ہے اور جہاں اس سے الگ ہُوا اور لوہے کی یہ خاصیت گئی۔ اس حالت کو آپ عارضی مقناطیس بننا کہتے ہیں لیکن جب کسی فولادی سلاخ سے مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس سلاخ میں کشش کرنے کی ایسی خاصیت آجاتی ہے کہ مقناطیس اس سے الگ بھی کر لیا جائے جب بھی وہ خاصیت باقی رہتی ہے۔ اسی طرح جب فولادی سلاخ مقناطیس سے رگڑ دی جائے تو اس میں اس کشش کی استمراری خاصیت آجاتی ہے اور اس کو مصنوعی مقناطیس بننا کہتے ہیں۔ اب آپ صاف طور پر ذرا بیان تو کیجئے کہ لوہے اور فولاد کی سلاخ میں محض مقناطیس کے لگنے سے یہ خاصیت کیسے پیدا ہو جاتی ہے کیا ان دونوں کے ذرات کی وضع بدل گئی چاہے وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں۔ اور جب ایسی ہی بات ہے تو کیا لوہے کی سلاخ میں وہ ذرات اپنی اصلی وضع پر لحظہ ہی بھر میں لوٹ آئے اور فولادی سلاخ میں اُسی طرح رہ گئے یا اس کے علاوہ اور کوئی بات ہے۔ ذرا واضح طور پر لوہے اور فولاد میں یہ فرق ہمیں سمجھا تو دیجئے بلکہ سخت اور نرم لوہے میں بھی تو کوئی چنداں فرق نہیں حالانکہ سخت لوہے کی بھی فولاد ہی کی سی حالت ہے کہ ذرا میں اس میں یہ خاصیت آجاتی ہے اور مقناطیس کے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے ۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ مقناطیسی قطعہ کے دونوں سروں پر کشش کی قوت پائی جاتی ہے اور جُوں جُوں اُس کے وسط کے قریب ہوتے جائیے یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ٹھیک وسط میں یہ قوت ذرا بھی نہیں معلوم ہوتی اور جب اس قطعہ کے ٹھیک بیچوں بیچ سے دو حصے کر دیئے جائیں تو اُس

سرے میں بھی جہاں سے کہ اُس قطعہ کے ٹکڑے کئے گئے ہیں بہت ہی قوت آ جاتی ہے جیسے کہ اصلی سرے میں۔ پس وضاحت کے ساتھ اس کی وجہ بیان کیجئے کہ وہ قوت وسط میں ضعیف اور سروں پر اس قدر قوی کیوں تھی اور پھر قطع کرنے کے بعد اُس سرے میں جو وسط میں تھا کیونکر یہ قوت قوی ہو گئی۔ کیا محض قطع کرنے سے اُس کے ذرات کی وضع بدل گئی حالانکہ اُن کی وضع قوی سے قوی خارجی فاعل سے بھی نہیں بدلی جاسکتی یا کوئی دوسری وجہ ہوئی۔ علاوہ بریں جب لوہے یا فولاد کی سلاخ کے سرے پر مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس سلاخ میں مقناطیسی قوت آ جاتی ہے۔ پس اس سلاخ کے دوسرے سرے پر پوری قوت کا ہونا ایک لازمی بات ہے اور اُس کے وسط میں وہ قوت قریب قریب معدوم ہونے کی ہوتی ہے اب اس موقع پر آپ کیا کہہ سکتے ہیں کیا یہ حرکت اور ذرات کی وضع کا تغیر دونوں بلا وسط میں گزرنے کے دوسرے سرے پر جا پہنچے یا وسط میں گزرتے وقت کمزور ہو گئے تھے اور اُس سے متجاوز ہونے کے بعد پھر قوی ہو گئے۔ اگر ایسا ہے تو پھر بتلائیے کہ اس قوت کے کمزور ہو جانے کے بعد کس چیز نے اُسے پھر قوی کر دیا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس کی قوت جاذبہ زائل ہو جاتی ہے اور اُس کے گزر جانے کے بعد پھر اس میں یہ قوت آ جاتی ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کی آمد کچھ پیشتر ہی سے دریافت ہو جاتی ہے۔ پس اُس سے محفوظ رہنے کا سامان کر لیا جاتا ہے۔ پس اب فدا از لزلہ کے وقت ذرات کی وضع کے متغیر ہو جانے اور حرکت میں تبدیلی واقع ہونے کا سبب تو بتلائیے اور یہ کہ یہ امر کس طور پر واقع ہوا؟ اور کیوں ہُوا؟ میرے خیال میں تو آپ لوگ ان سوالوں کے شافی جواب دینے پر ہرگز قادر نہیں ہیں بلکہ غایت سے غایت جہاں تک آپ کی نظر پہنچ سکتی ہے آپ یہی کہیں گے کہ مقناطیس کی خاصیت ہی یہی ہے اُس میں آثار ہی ایسے ہی پائے جاتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیرو بھی جب ان چیزوں

کو مشاہدہ کر چکے اور اُن کے نزدیک مدلل ہو گیا تو یہی کہتے ہیں کے بے شک مقناطیس
کی یہی خاصیت ہے اور اُس میں ایسے ہی آثار پائے جاتے ہیں لیکن وہ آپ سے
پوچھیں گے کہ اُس کو ان خاصیتوں کے ساتھ کس نے مخصوص کر دیا؟ کیا ذرات کی حرکت
اس وجہ سے کہ اُس سے اُن کی وضع میں ایک خاص ترتیب آ جاتی ہے اتنے بڑے
بڑے کام کرتی ہے؟ جن کی صحیح وجہ جس کو کہ عقل بھی مان لے بیان کرنے سے آپ
لوگوں کی عقلیں بالکل عاجز ہیں۔ یا وہ جس نے کہ اس کو ان خاصیتوں کے ساتھ
مخصوص کیا اور یہ آثار اُس میں مستحکم کر دیئے۔ ذی قدرت اعلیٰ درجہ کا علم
رکھنے والا صاحب ارادہ اور حکمت والا (خدا) ہے؟ اب بتائیے ان دونوں باتوں
میں کون سی بات ماننے کے قابل ہے (ذرا تو انصاف کیجئے) حق تو یہ ہے کہ مقناطیس
نہایت ہی عجیب شے ہے اور اُس کے فائدے بھی بہت خوب اور کامل درجے
کے ہیں کیونکہ مقناطیسی سوئی کے ذریعہ سے بڑے بڑے صحرا اور سمندروں کو
طے کیا جاتا ہے۔ سفر کرنے والے خطروں سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے کہ یہ
سوئی نہایت ہی امانت دار اور راہبر کا کام دیتی ہے اور صاف صاف راہ
بتاتی ہے وہ ذات عجب پاک و ذی شان ہے جس نے انسان کو جمادات میں سے
ادنیٰ معدن کے ٹکڑے سے راہیں دریافت کرنے کی راہنمائی کی۔

علم نباتات کی کسی قدر تفصیلی اور نہایت دلچسپ بحث اور نباتی دُنیا سے خدا کے صفات کمالیہ پر نہایت واضح استدلال

منجملہ کائنات ارض کے ہم نباتات کو دیکھتے ہیں اس نباتی دنیا کے حالات
جس میں کہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امور بکثرت موجود ہیں اور اس وجہ سے کہ
اس میں مستحکم انتظامات۔ اسرار اور حکمتیں رکھی گئی ہیں نہایت ہی عجیب و غریب
ہیں اور اُس کے عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ زمین، پانی اور ہوا کے اجزاء
کو اپنے ہی طرح کر لیتی ہے اور انہیں اپنے طور پر بنا لیتی ہے۔ چنانچہ کہاں تو ان

اشیاء میں نمو اور حیات کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ پھر دفعتہً ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں یہ اشیاء نباتی ترکیب میں داخل ہوئیں اور انہوں نے جسم نامی کی صورت قبول کر لی نمو ہونے لگا غذا حاصل کرنے لگیں نباتی حیات کے ساتھ موصوف ہوگئیں وہ وہ خواص انہوں نے حاصل کر لئے جو اُن میں اس سے پہلے نہ تھے پھر ہم اس نباتی جسم کو دیکھتے ہیں تو ایک جہت سے تو ہم اُسے بلاارادہ اور مفقود الادراک پاتے ہیں اور وہ جماد سے بہت ہی مشابہ معلوم ہوتی ہے اور جب دوسری حیثیت سے ہم نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے کے لئے اس کی جڑیں زمین کے اندر گھس گئی ہیں پس وہ حیوان کی طرح اپنی غذا طلب کرنے کے لئے اگرچہ قدموں پر نہیں چلتی لیکن وہ زمین کے اندر وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں کہ حیوان نہیں پہنچا کرتا اور ہم اس کی شاخوں کو دیکھتے ہیں کہ بلند ہو جاتی ہیں یا وہ اپنے خار اور بیلوں کے ساتھ آفتاب کی روشنی سے نفع حاصل کرنے کے لئے مرتفع مقامات پر قیام کرتی ہے جیسے کہ حیوانات پھلوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

شکاری نباتات کا ذکر کہاں تو ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ نبات سوا اجزاء ارضی، پانی اور ہوا کے اور کسی شئے سے غذا حاصل نہیں کرتی اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نباتات مفترس یعنی دوسروں کو چیر ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اور ایسی وہ نباتات ہیں جو دوسری نباتات میں اُگتی ہیں۔ اور اُن کے عرق سے غذا حاصل کرتی ہیں جیسے کہ بعض حیوانات بعض پر بسر کرتے ہیں اور انہی میں اُس نبات کا بھی شمار ہے جس کے پتوں پر ایک قسم کا عرق ہوتا ہے جس پر مکھیاں نہایت حرص کے ساتھ گرتی ہیں اور جہاں اُس کے پتا پر کوئی مکھی گری اور فوراً ہی اس نے محسوس کیا اور اس کے ساتھ ہی اُس کو لیکر وہ بند ہو گیا۔ پھر جب تک وہ اُس کا عرق بالکل چوس نہیں لیتا اس کو نہیں چھوڑتا اور اس وقت چھوڑتا ہے کہ جب وہ مُردہ ہو کر مثل چھلکے کے رہ جاتی ہے۔ پس یہ

نبات اپنی غذا حیوان سے حاصل کرتی ہے گویا اُس نے تو نباتی دنیا کا حیوانی دنیا سے انتقام لے لیا۔ کیونکہ حیوان نبات تو کھاتے ہیں۔

ہوائی نبات کا ذکر اگرچہ ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات کے لئے اُس کی جڑوں کا زمین یا دوسرے درخت سے متعلق ہونا جس میں کہ وہ چیر کر گھس جائے ضروریات سے ہے لیکن نہیں بعض نبات ہوائی بھی ہوتی ہیں اور یہ وہ بیلیں ہیں کہ جو دوسری چیزوں پر معلق رہتی ہیں زمین میں اُن کی جڑ نہیں ہوتی وہ اپنی غذا ہوا ہی سے حاصل کرتی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کے پھول مکھی کی قسموں میں سے پروانہ، شہد کی مکھی وغیرہ کے مشابہ ہوتی ہیں اور جب ہوا اُن کو حرکت دیتی ہے تو دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درخت پر پروانے چکر لگا رہے ہیں یا شہد کی مکھیاں کہ جو پھولوں سے شہد جمع کرتی ہیں دوا دوش کر رہی ہیں اور بعض کی کلیاں مشارے کے مشابہ ہوتی ہیں۔

انسانی شکل رکھنے والی نبات اور بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کی شکل بالکل انسان کی سی ہوتی ہے اور جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ اگرچہ نباتات ہوائی میں سے نہ تھی بلکہ اس کا شمار اُن نباتات میں تھا جو کہ پیاز کی طرح زمین میں اُگا کرتی ہیں۔ لیکن وہ ایسی نبات تھی جس کے اوپر ایک پھول لگا ہوا تھا جو کہ زرد چڑیا کی صورت پر تھا اُس کے سر، آنکھیں۔ چونچ اور گردن بھی تھی اُس کے بازو کسی قدر پھیلے ہوئے تھے اور قدمیں اوپر کو اٹھی ہوئی جیسی کہ مرغ کھڑا ہوا کرتا ہے اور اس کے پیٹ کے نیچے ایک سنجابی رنگ کی شہد کی مکھی کی صورت تھی جو کہ اپنے منہ کو اس کے پیٹ پر اس طرح رکھے ہوئے تھی گویا کہ اس میں سے کچھ چوس رہی ہے۔ اُس کے بھی سر دونوں آنکھیں موجود تھیں پیٹھ پر نقش و نگار بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اس چڑیا کی رانوں کی جڑ سے اس کے بازو کچھ کر نکلے تھے بس گویا کہ وہی اس مکھی کے بازو ٹھہر سکتے تھے اور وہی اس چڑیا کی رانیں اور یہ سب اعضا اس میں بالکل صاف صاف نظر آتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ ان اعضا کے دیکھنے میں مشابہت ہی مشابہت معلوم ہوتی ہو یہ ایسا تماشہ تھا کہ وہاں سے نظر ہٹتی نہ تھی

اور اُس کے پیدا کرنے والے کی وحدانیت۔ اُس کی قدرت اور اُس کے استحکام کی کھلی شہادت دے رہا تھا اور یہ پھول بیروت کے جنگلوں میں سے اُس مقام پر پایا جاتا ہے جس کو کہ ظہور اشرفیہ کہتے ہیں اور اس اطراف کے بعض لوگ اُسے چڑیا کا پھول اور بعض شہد کی مکھی کا پھول بھی کہتے ہیں۔ میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو دیکھا ہے کہ حیوانات کی صورت پر اس قسم کے پھولوں کے بننے کی عجب واہی تباہی وجہیں بناتے ہیں۔ میں اُن سے اسی پھول کے بننے کی ایسی وجہ پوچھنا ہوں جس کو عقل مان لے۔ میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ اس پر قادر ہوں گے اور نہ میرے خیال میں سوائے اس طرح کے اور کسی طور پر عقل کی تسکین ہو سکتی ہے کہ اس کو بننے کو ذی قدرت۔ صاحب ارادہ۔ اعلیٰ درجہ کے علم اور حکمت رکھنے والے (خدا) کے فعل کے حوالے کیا جائے نہ یہ کہ ذرات مادہ کی حرکت قانون تباینات یا اسی کے مثل اور بے پتہ ٹھوس اور اندھا دھند باتوں کو اس کا مدار قرار دیا جائے۔

حساس اور متحرک نبات پھر خیال کیجئے کہ کہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نبات کو کیسی ہی سختی سے کیوں نہ چھوا جائے لیکن اُسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ہم حکم لگاتے ہیں کہ نبات اور حیوان میں جو ہمارا ہم فرق ہیں یہ بھی ہے کہ حیوان میں تو احساس کرنے کی قوت پائی جاتی ہے اور نباتات میں نہیں لیکن یکایک ہم بعض نبات کو ذی حس بھی پاتے ہیں چنانچہ منجملہ ان کے چھوئی موئی کا درخت ہے کہ جب اُسے چھوا جائے یا حرکت دی جائے تو اُس کے چھوٹے چھوٹے پتے باہم مل جاتے ہیں اور باقی پتے کچھ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی کوئی نبات حیوان کا شکار کرتی ہے چنانچہ ہم اُس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس پر مکھی گرتی ہے تو اُسے محسوس کر کے پکڑ لیتی ہے اور اس کو بالکل چوس جاتی ہے۔ کہاں تو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات جب تک کہ اُسے کوئی خارجی فاعل مثل ہوا یا حیوان کے حرکت نہ دے تو وہ حرکت نہیں کرتی لیکن ہم دیکھتے کیا ہیں کہ بعض نبات بلا کسی ظاہری قاسر کے خود بخود بھی حرکت کرتی ہے۔ پس یہ نبات خود بخود ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ اُن سے ہوا میں ہندسہ کی مُدوّر شکلیں بن جاتی ہیں۔ اس کا پتا تین چھوٹی چھوٹی پتیوں سے مل کر بنا ہوتا ہے جن میں سب سے بڑی پتی بیچوں بیچ میں اوپر

کو ہوتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی پتیاں اُس کے نیچے دونوں طرف واقع ہوتی ہیں اور وہ دونوں پتیاں جب تک رہتی ہیں اس وقت تک رات و دن۔ گرمیوں میں۔ جاڑے میں۔ دھوپ میں۔ سایہ میں۔ خواہ آسمان صاف ہو یا بارش ہوتی ہو ہر حال میں برابر متحرک رہتی ہیں اُن کی حرکت کبھی رُکتی ہی نہیں۔ لگاتار حرکت مستدیر کے ساتھ اُن میں سے ایک اُوپر کو اُٹھتی ہے اور دوسری نیچے کو جھکتی ہے۔ ان کے خلاف اوپر کی درمیانی پتی سوائے صبح و شام کے اور کسی وقت نہیں حرکت کرتی۔

نباتی گھڑی یعنی ایک نبات کا ذکر جس کی پتیاں ہر منٹ میں ساٹھ حرکت کرتی ہیں

آپ ہی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ہند میں دریائے گنگ کے کنارہ پر ایک گھاس دیکھی ہے جس کی پتیاں اسی طرح ہر منٹ میں ساٹھ حرکت کرتی ہیں۔ پس وہ تو ایک زندہ اور بڑھنے والی گھڑی ہے جو بند ہی نہیں ہوتی اور نہ اپنے رکھنے والے کو اپنے لئے کسی قسم کے صرف کرنے کی تکلیف دیتی ہے۔ ہند کے مشرک اس گھاس کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی طرف خداوندی قوت کی نسبت بتلاتے ہیں حالانکہ وہ تو اپنے پیدا کرنے والے کی ربوبیت کے ساتھ منفرد ہونے پر شاہد ہے۔

سُورج مُکھی کا عجیب و غریب پھُول

بعض نبات کی یہ حالت ہے کہ اُس کا پھول آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا اور پھرتا جاتا ہے (جس کو ہند میں سورج مُکھی کہتے ہیں) وہ ہماری طرف کے شہروں میں بکثرت پایا جاتا ہے لوگ اُس کو فلک اور عابد شمس کہا کرتے ہیں کیونکہ اُس کا مستدیر پھول جس میں کہ عجیب و غریب رنگوں کے دائرے پائے جاتے ہیں جو کہ نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ بنے ہوتے ہیں وہ چاروں طرف سے ریشوں سے گھرا ہوتا ہے جو کہ مثل ریشمی ڈوروں کے معلوم ہوتے ہیں اُس میں بعض اقسام میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے بیچ میں گھڑی کے کانٹے کے مثل ایک شے ہوتی ہے جس وقت آفتاب نکلتا ہے اُس وقت یہ پھول بالکل اُس کے سامنے ہوتا ہے اور جوں جوں آفتاب اپنے مدار پر بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی اسی طرف منہ کئے ہوئے اٹھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پھر

کے وقت یہ پھول مسطح نظر آتا ہے اور پھر آفتاب جتنا کہ غروب کے لئے جھکتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی جھکتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہونے کے وقت اُس سے مفارقت ہو جاتی ہے۔ ایسی نادر اشیاء کے بنانے والے اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والے کی عجب شان ہے اُس کی پاکی کیا کیا کہنا ہے۔

پھر نبات کے اقسام میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے تو عقول حیرت میں رہ جاتی ہیں اور وہ اختلاف صاف صاف اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا کوئی فاعل مختار ہے کوئی قدرتی قانون اُس پر حکم نہیں چلا سکتا اور نہ اُس کی قدرت کی کچھ حد معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ محدود ہونے سے اُس کا مضطر اور بے اختیار ہونا ظاہر ہوتا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ بعض درختوں کو ہم اس قدر بڑا اور بلند دیکھتے ہیں جیسے کہ کوہ لبنان اور امریکہ کی بڑی ترائی میں ایک قسم کا درخت دیکھنے میں آیا ہے اس درخت کی اونچائی تین سو سے چار سو قدم تک ہوتی ہے اور بعض بعض کا قطر تو زمین کے قریب تیرہ قدم تک پایا گیا ہے اور پوست کی موٹائی اٹھارہ قیراط تک کی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض بعض درخت تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر اس کا تنا اندر سے خالی کر کے ڈال دیا جائے تو اُس میں سے سوار اپنے گھوڑے کی پشت پہ کھڑے ہو کر اس طرح پر چل سکتا ہے کہ اُس کا بدن اُس سے چھونے بھی نہ پائے۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک درخت ہے جس کا محیط نوے قدم کا ہے اور اسی نوع کے چھوٹے سے چھوٹے درخت سے مقابلہ کر کے اُس کی عمر کا حساب لگایا گیا ہے اس حساب سے اُس کی عمر پانچ ہزار برس کی معلوم ہوتی ہے اور کیلیفورنیا میں ایک صنوبر کا درخت ہے جس کا طول تین سو قدم کا اور محیط انیس قدم کا ہے عمر چھ ہزار برس کی ہے اور ان سب سے عجیب و غریب ایک عندم کا درخت ہے جو کہ بحر اوقیانوس (اٹلانٹک اوشن) کے جزائر کناریا میں سے ایک میں موجود ہے اُس کا تنا اتنا موٹا ہے کہ اگر دس آدمی ہاتھ پھیلا کر اس طرح کھڑے ہوں کہ ایک کی انگلیوں کے سرے سے دوسرے کی انگلیوں کے سرے لے رہیں جب بھی اس کو گھیر نہیں سکتے۔ قریب چار سو برس کے زمانہ گذرا ہوگا جب سے کہ یہ جزیرہ دریافت ہوا ہے آج تک اس درخت میں بظاہر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کے

درخت کا نمو بہت ہی آہستہ آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ اس نوع کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے اس لئے جانے کتنی صدیاں اُس پر گزر چکی ہوں گی اور بعض لوگ تو اُن میں سے یہاں تک کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تو انسان کے پیدائش سے بہتیری صدیوں کے پہلے سے وہ درخت بڑھ رہا ہے۔

اُن نباتات کا بیان جو بذریعہ خوردبین کے دریافت ہوئیں

نباتات میں سے ہم ایک نہایت ہی چھوٹا عالم بھی دیکھتے ہیں جس کا پتہ بذریعہ خوردبین (مائیکرا اسکوپ) کے لگا ہے۔ جیسے کہ کائی جو پانی کی سطح پر تیرتی ہے یا دیواروں وغیرہ پر جم جاتی ہے بذریعہ خوردبین کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ باغ یا مرغزار یا ایک گنجان جنگل ہے جس میں کہ باوجود اس قدر چھوٹے اور دبے ہوئے ہونے کے پھول اور تخم سب ہی کچھ موجود ہوتا ہے۔ منجملہ اور غبارات کے ہوا میں وہ بھی منتشر ہوتے ہیں دیواروں وغیرہ پر گر پڑتے ہیں۔ پس جب اس کے موافق زمانہ آتا ہے وہ جم کر بڑھنے لگتے ہیں پھر پھول اور تخم پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ خالی آنکھوں کو تو محض ایک سبز غبار سا نظر آتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہم نبات میں ایسی صفات دیکھتے ہیں کہ جن کے اعتبار سے وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں اُن کی اور اُن کے پتوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ پھول۔ پھل۔ تخم۔ بو اور ذائقہ کے اعتبار سے اُن میں نہایت تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان کے منافع اور مضرتیں بے شمار ہیں۔ بہرحال یہ امور جن کے لحاظ سے اُن میں باہم فرق کیا جاتا ہے بے حد قسم کے ہوتے ہیں۔ پھر بعض نبات کے تناور درخت ہوتے ہیں۔ بعض کی بیلیں پھیلتی ہیں، بعض گھاس کی طرح اُگا کرتے ہیں۔ فصل کے لحاظ سے کوئی گرمی میں ہوتی ہے اور کوئی جاڑے میں۔ کوئی ربیع میں کوئی خریف میں۔ بعض نبات نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے، بعض پہاڑوں ہی پر کسی کے لئے فقط بارش کا پانی کافی ہو جاتا ہے کسی کو اور پانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے کسی کو کسی ایک ولایت کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے کوئی تمام ولایتوں میں رہ سکتی ہے۔ پتوں کو دیکھئے تو کسی کے گول کسی کے لمبے کسی کے نوکیلے کسی کے چوڑے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ان کا رنگ سبز ہوتا ہے

لیکن سبزی میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک نوع کی سبزی دوسری نوع کی سبزی کے بالکل مشابہ دیکھی ہی نہیں گئی۔

پھولوں کو لیجئے تو ان میں بھی بڑا اختلاف ہے ان کے رنگ اور شکلوں کے بیان میں بڑا طول ہو سکتا ہے چنانچہ کوئی پھول گول ہوتا ہے کوئی لمبا۔ کوئی اکرا، کوئی دوہرا، اسی طرح بے شمار شکلیں ہوتی ہیں۔ رنگوں کو دیکھئے تو سفید، سرخ، زرد، نیلگوں، سبز اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش نظر آتے ہیں۔ پھر کسی میں دو ہی رنگ ہیں کسی میں بہت مختلف رنگ جمع ملتے ہیں۔ ہر ایک کی خوشبو میں خاصیت ہی جدا ہوتی ہے کوئی خوشبو نہایت پاکیزہ اور دل خوش کن ہوتی ہے کوئی نہایت ہی ناگوار کہ جان ہی لے لیتی ہے۔ خوشبو کے اختلاف کی نسبت اسی قدر آگاہ کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کے پھول کی خوشبو کو مقدار کے نوع کی خوشبو کے ساتھ پورے طور سے ہم ملتے ہوئے پاتے ہی نہیں اور پھلوں میں شکل۔ رنگ۔ بُو ذائقہ اور مقدار کے لحاظ سے تو اتنا اختلاف ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ بڑے چھوٹے۔ چوڑے لمبے گول۔ کڑی جھکے ہوئے نوکدار وغیرہ اقسام کے پائے جاتے ہیں پھر ان کا رنگ بھی سرخ زرد۔ سفید۔ سیاہ۔ نیلگوں۔ منقش وغیرہ دیکھا جاتا ہے۔ بعض پھلوں میں ایسی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اس کے پھولوں میں پائی جاتی ہے نہ پتوں میں۔ اس کے سروں پر دوسرے قسم کی اسی کے قریب قریب خوشبو ہوتی ہے۔ ذائقہ کو لیجئے تو شیریں۔ ترش۔ چاشنی دار۔ تلخ۔ اسی طرح اتنے ذائقے ہوتے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

پھلوں میں ایک نہایت عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ ان کے چھلکوں میں جو مزہ۔ رنگ اور بُو پائی جاتی ہے وہ اُن کے گودے میں نہیں ہوتی اور ان میں سے جو ہم گودہ میں دیکھتے ہیں اس کا پتہ تخم میں نہیں ملتا اور جو تخم میں پایا جاتا ہے وہ درخت کے کامل اجزاء میں نہیں پایا جاتا۔ بعض پھلوں کے اندر مختلف شکلوں کے بیج طرح طرح کی خوشبوئیں، مزے اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ بعضے بیج سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پھر کسی پر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے کسی پر زیادہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی پھل ہوتا تو چھوٹا ہے لیکن اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے جیسے کہ

انجیر یا برگد۔ بعض پھل بڑے ہوتے ہیں اور پیدا بیلوں سے ہوتے ہیں جیسے کہ خربوزہ، بعض مہینہ بھر میں بار آور ہوتے ہیں بعض اس سے بھی کم مدت میں۔ بعض کا پھل برسوں کے بعد ہاتھ آتا ہے۔ بعض کے ریشوں۔ جڑوں ۔ پتوں ۔ پھول پھل۔ تخم۔ پوست۔ یا عرق سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ بعض کی فقط دو ہی چیزیں کام میں آتی ہیں بعض کی زیادہ۔ بعض کی کل چیزیں بعض کی جڑ مفید ہے اور پھل۔ یا پتے۔ یا پھول ضرر رساں۔ بعض کی اس کے خلاف حالت ہے۔ پس ایک ہی نبات میں مرض اور دوا دونوں ہی مجتمع پائے جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم ایک ہی درخت کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے ریشہ۔ تنا۔ پوست پتے پھول۔ پھل اور تخم میں جُدا جُدا خاصیتیں موجود ہوتی ہیں۔ پس ایسا آپ ہرگز نہیں پا سکتے کہ اُن میں سے ایک خاصیت دوسری خاصیت پر پُوری پُوری منطبق ہو جائے۔ پھر باوجود اس قدر اختلافات کے تعجب یہ ہے کہ تمام اقسام کی نباتات ایک ہی پانی سے سینچی جاتی ہیں ایک ہی مٹی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور ایک ہی ہوا جذب کرتی ہیں جو ان کے لئے ضروریات سے ہے۔ ان کے اعضاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کا شمار تو اعضاء نمو میں ہے جیسے کہ جڑ۔ تنا۔ پتے اور بعض کا شمار اُن اعضاء میں کیا جاتا ہے جن سے نسل چلتی ہے جیسے کہ پھول۔ پھل۔ بیج۔ پھر انہی تھوڑے سے اعضاء بسیطہ سے ہزاروں ہی قسم کے نباتات مرکب ہوتے ہیں جن کا شمار اس حساب سے جہاں تک کہ علم نباتات کے جاننے والوں کی رسائی ہوئی ہے اسی ہزار اقسام سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ انہی کی بدولت ہمارے پہاڑ ٹیلے۔ ترائیاں۔ باغات سبز نظر آتے ہیں۔ اپنے پھولوں سے یہ انہیں زینت بخشتی ہیں۔ ہمارے خزانوں کو اپنے میوے اور دانوں سے پُر کر دیتی ہیں۔ ہمارے جسموں کے لئے پوشش مہیا کرتی ہیں۔ ہمارے گھروں اور کشتیوں کی تعمیر میں صرف ہوتی ہیں۔ ہمارے مرضوں کے علاج میں کام آتی ہیں، ہماری آگ کو مشتعل کرتی ہیں ہمارے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں۔ کہاں تک کوئی بیان کرے۔ اُن کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ قلم اُن کے تحریر کرنے میں روانگی سے عاجز آ کر چلتے چلتے کاغذ پر سر رکھ دیتا ہے اور زبان کی گویائی مفقود ہوئی جاتی ہے۔

نباتی دُنیا سے خدا کی صفات کمالیہ پر استدلال

کیا ان تمام صورتوں اتنی نوع بنوع کی چیزوں اور پھران پراس قدر منافع کے مرتب ہونے اور اتنے اسرار ظاہر ہونے کی وجہ باوجودیکہ اُن کا اصل مادہ بھی ایک تمام اسباب جوہر یہ بھی متفق ہیں محض ذرات مادہ کی حرکت قرار پا سکتی ہے اور وہ بھی اندھادُھند ضرورت کے ساتھ یا مجرد اتفاق جو کہ بالکل بے معنی ہے اس کی وجہ ٹھہر سکتا ہے یا وہ قوانینِ قدرت جو کہ نہ تو کچھ جانتے ہی ہیں اور نہ کچھ ارادہ ہی کر سکتے ہیں اس کا باعث سمجھے جاسکتے ہیں ؟ یا یہ بات ہے کہ یہ سب اشیاء کسی ذی قدرت اور عجیب طور پر پیدا کرنے والے۔ غالب صاحب حکمت اتنے بڑے جاننے والے کے پیدا کرنے سے جس کو کہ جتنی چیزیں ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں سب کی خبر سے موجود ہوئی ہیں ؟ بے شک یہ سارے عجائب و غرائب پکار پکار کر اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ضرور عالم کا کوئی بڑا وانشت کا خدا اور ذی حکمت بنانے والا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ پھر ہر چند کہ نباتات کی ہر نوع خداوندی نعمت ہے جس کے ساتھ خالق سبحانہٗ نے اپنی خلق پر احسان کیا ہے۔ لیکن بعض کا شمار نہایت عظیم نعمتوں میں کیا جاتا ہے اور اُن سے خدا تعالےٰ کا بڑا احسان ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں گو سب ہی تعجب انگیز ہیں لیکن ان میں سے کسی کسی کا تعجب کا اعتبار سے نمبر بہت ہی بڑھا ہوا ہے چنانچہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی کچھ تفصیل ذکر کریں۔

روٹی کا درخت

پس سُنئے کہ نباتی دنیا کی حیرت خیز نعمتوں میں سے روٹی کا درخت ہے جو بحر الکاہل (پیسیفک اوشن) کے جزائر میں پایا جاتا ہے اُس میں کروی شکل کے پھل لگتے ہیں جن میں سے چھوٹے سے چھوٹے پھل کا قطر چار قیراط کا اور بڑے سے بڑے کا قطر سات قیراط تک کا ہوتا ہے۔ اس کا وزن چار سو بیس درہم یعنی ایک ہزار چار سو ستر ماشہ کا ہوتا ہے اور ہر سال آٹھ ماہ تک برابر اُس میں سے پھل توڑے جاتے ہیں۔ ان جزائر کے لوگ

اُس قدرتی روٹی پر بسر کرتے ہیں جیسے کہ ہم لوگ مصنوعی روٹی پر گزر کیا کرتے ہیں۔ وہی ان کی ساری غذا ہوتی ہے۔ خداتعالےٰ نے اُن کے لئے بلا کسی مشقت کے جو ہم کو اپنی روٹی کے تیار کرنے میں اٹھانا پڑتی ہے اُن کو مہیّا کر دیا ہے۔ اس درخت سے ان کو اور بہت سے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کے خوان اُسی کی لکڑی کے ہوتے ہیں۔ اُس کی چھال سے وہ اپنے کپڑے بناتے ہیں اور اُس کے تنا کی اُن کی ڈونگیاں بنتی ہیں۔

دُودھ کا درخت اسی قبیل سے دُودھ کا درخت ہے اُس کے اقسام میں سے جو قسم ہیاہیا[1] کہلاتی ہے ہند میں بھی پائی جاتی ہے اُس کے تنا میں شگاف دیتے ہیں پھر اُس سے بہت عمدہ دودھ گائے کے دودھ سے ذرا گاڑھا نکلتا ہے۔ برازیل میں ایک درخت ہوتا ہے جس کا نام (ماسارندویا) ہے وہ ماہ شباط[2] میں پھولتا ہے اور اس میں پھل لگتے ہیں جن کا ذائقہ شربت لیموں کا ہوتا ہے اور اُس کے تنا سے سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے جو مرغوب الطبع اور بکری کے دودھ سے اچھا ہوتا ہے وہاں کے باشندے اُسے بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں اور اُسی سے اُن کو مادۂ حیات حاصل ہوتا ہے۔

بالائی کا درخت اسی قبیل سے بالائی کا درخت ہے جو کہ ہند اور افریقہ میں پیدا ہوتا ہے اُس میں ایسا پھل لگتا ہے جس کے اندر کا گودا قوام اور ذائقہ میں بالکل بالائی کی طرح ہوتا ہے۔ گرم ملکوں میں مہینوں تک برتنوں میں رکھا رہتا ہے نہ اُس کے رنگ میں کچھ فرق آتا ہے اور نہ اس کا ذائقہ ہی بگڑتا ہے۔

اسی قبیل سے جوز ہندی یعنی نارجیل کا درخت ہوتا ہے اُس میں اتنے منافع پائے جاتے ہیں کہ وہ سب کسی ایک درخت میں مشکل سے ملیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس کے پھل سے پکنے کے قبل شراب بنائی جاتی ہے اور پکنے کے بعد جو اس سے

---

[1] شاید تاڑ یا کھجور کا درخت مراد ہے [2] شباط ایک رومی مہینہ کا نام ہے جو کہ قریب قریب مارچ کے ہوتا ہے :: ۱۲

بنتا ہے بالکل دُودھ کے مشابہ ہوتا ہے مثل ترکاری کے اُس کے پتّے پکتے ہیں اس کے پھول کے عرق سے شکر بنتی ہے اُس کے لکڑی اور اُس کے پھل کے چھلکے سے برتن پیالے، گھڑے تیار ہوتے ہیں۔ گھروں میں اُس کی لکڑی کی دھنیاں بھی لگائی جاتی ہیں اُس کے پتوں کے ٹاٹ اور سائبان بُنے جاتے ہیں۔ اُس کی چھال کے ریشوں سے کپڑے، تھیلیاں بورے اور رسّی تیار کئے جاتے ہیں۔ اُس کے پھلوں سے گری کا تیل نکالا جاتا ہے اس کی لکڑی کے برادہ سے لکھنے کی روشنائی بنتی ہے۔ اُس کے پتوں سے لکھنے کا کاغذ بنایا جاتا ہے۔
کھجور کا درخت بھی کثرت منافع کے لحاظ سے اس سے کچھ کم نہیں۔ چنانچہ ہم اُس کے پھل کو دیکھتے ہیں کہ کلی سے لے کر گدرا۔ ادہ کچا۔ پکا ہُوا اور خشک سب طور پر کھایا جاتا ہے۔ وہ میوہ کا میوہ ہے اور غذا کی غذا۔ ذخیرہ بنا کر رکھئے جب بھی رہ سکتا ہے۔ اُس کی لکڑی شاخیں۔ ڈالیاں۔ چھال یہاں تک کہ اُس کی گٹھلی بھی کام میں آتی ہے۔ گٹھلی کو پیس کر اونٹوں کو کھلاتے ہیں۔ پس اُس منعم حقیقی کی عجب پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کو عجیب وغریب نعمتیں عنایت کرتا ہے اُن پر طرح طرح کے احسانات کرتا ہے انواع انواع اور قسم قسم کی اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

علم نباتات کے جاننے والے خداوندی عظمت وقدرت پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں

نباتی دنیا کے بیان میں آخری بات ہم ضرور کہیں گے کہ بلاشک نباتات کے عجائب حالات کو دیکھ کر ذی حکمت۔ صاحب علم اور بڑے ہی قادر صانع کے وجود پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق علم نباتات کے جاننے والے ہیں جنہوں نے جلدیں کی جلدیں اُس کے حالات کے بیان میں بھر دی ہیں آپ انہیں دیکھیں گے کہ اُس کے احوال سے بحث کرنے میں وہ ایسے مستغرق ہیں کہ اس کے کلہ کے پھوٹ نکلنے اُس کے بڑھنے اور اُس کے تمام تغیرات سے جو کہ اُس کے بونے کے وقت سے لے کر انتہا کو پہنچنے تک اُس پر طاری ہوتے ہیں سب سے بحث کرتے ہیں۔ اُس کی نسل کے چلنے اور اس پیدائشی مادہ سے باردار ہونے کی کیفیت جو کہ اُس میں حیوان کی منی کے قائم مقام ہوتا ہے بیان کرتے ہیں۔ اس کی جڑ۔ تنا۔ شاخوں۔ پتوں۔ اُس کے پھل کے غلافوں۔ پھولوں۔ پھلوں اور بیجوں کی ساخت کی تشریح کرتے ہیں اور ان سب چیزوں کے اعضاء اور ان انتظامات کو

ظاہر کرتے ہیں جو اُن میں قائم ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے خواص۔ کام۔ منافع۔ تغیرات۔ مدت حیات۔ اُن کے انواع کے اختلافات کو ذکر کرتے ہیں۔ اُن کو قطار۔ گروہ۔ انواع اجناس اور افراد وغیرہ کی جانب منقسم کرتے ہیں۔ ان کا باہمی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کی عظمت اور اس کی صورت بنانے والے کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔

پس خدا یعنی پروردگار عالم کی عجب بابرکت ذات ہے۔ علم طبعیات کے جاننے والوں میں سے علماء نباتات کی نسبت تو عقل مشکل سے تصدیق کرے گی کہ اس فرقہ میں بھی خدا کے منکر موجود ہیں اور کیونکر نہ ہو وہ لوگ تو نباتی دنیا کے بہت سے تفصیلی حالات دریافت کر چکے ہیں۔ اس کی پیدائش کی ایک سے ایک باریکیاں دیکھ چکے ہیں جن کے لئے کسی ذی قدرت صانع اور کسی صاحب حکمت۔ اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے مدبر کی بڑی ضرورت ہے بغیر اس کے ایسی باریکیاں ہو ہی نہیں سکتیں۔

علمِ حیوانات کا بیان اور حیوانی عجائب و غرائب سے خداوندی عظمت و قدرت پر استدلال

پھر اس زمین کے رہنے والوں میں ہم حیوانی دنیا کو دیکھتے ہیں یہ وہ مصنوع ہے کہ جو عجیب و غریب ہونے کے اعتبار سے جس کا درجہ بہت ہی عالی ہے۔ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے جس کا مرتبہ بہت ہی بڑھا ہُوا ہے۔ چنانچہ کہاں تو ہم نے نبات کو دیکھا تھا کہ زمین میں جم کر غذا حاصل کرنے اور نمو پانے کے ذریعہ سے جمادی مادوں کو اُس نے اپنے نباتی ساخت کے مثل بنا لیا۔ پھر دفعتہً ہم دیکھتے کیا ہیں کہ حیوان اُس کو منہ میں رکھ گیا اور اس نے اُسے اپنے مُنہ کے آلات کے حوالے کر دیا۔ اُنھوں نے اُس کو چبا کر پیسا اور اس طرح کچھ ہضم کیا پھر اُس نے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا ڈالا تاکہ کسی قدر اور ہضم حاصل ہو جائے اس کے بعد اُس نے نگل کر اپنے معدہ اور امعاء میں پہنچا لیا وہاں پہنچ کر حرارت اور ہاضم عرقوں کے باعث سے وہ بالکل منہضم ہو گیا اور اس سے ایک غذائی یا پرورش کنندہ مادہ جدا ہُوا اور پھر وہ وہ کام وہاں ہونے لگے جن سے عقل کو حیرت سی ہو گئی۔ اس کے بعد یہ پرورش کن مادہ معدہ اور معاء سے اور اعضاء کی طرف چلا اور اُن اعضاء کے فعل کی وجہ سے طرح طرح پر صورت بدلتا رہا۔ آخر کار وہ خون

بن گیا پھر اپنے دوران کی وجہ سے صاف ہو کر بدن حیوان کے حصّوں پر منقسم ہونا
شروع ہُوا اور ہر عضو کی ساخت میں اُس کے ذرّے بدل ما یتحلل بننے کے لئے داخل
ہونے لگے۔ اُس میں سے ایک حصّہ حیوان کی منی اور اُس کے تخم کی شکل میں بھی تبدیل
ہو گیا۔ پھر حمل قرار پانے کے بعد اُس کی خون بستہ کی شکل ہوئی پھر گوشت کا لوتھڑا
بنا اور اُس میں مختلف شکلیں اور صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ اُس کے اعضاء میں نمو
ہُوا اور ہر ایک اپنا اپنا کام دینے لگا یہاں تک کہ وہ مکمل ہو کر اُسی حیوان کے
مثل ہو گیا جس کے بدن کے اندر یہ سارے تغیرات ہوتے رہے تھے اور اُس
میں حیوانی حیات بھی جو باعثِ حس ہے حلول کر چکی۔ پھر تو وہ اپنی اصل کے موافق
قوت سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ رکھنے والا حیوان بن گیا۔ اس کے بعد
وہ وقت آتا ہے کہ جدا ہوتا ہے اور اپنی نوع کے موافق اپنی روزی حاصل کرنے
کی کوشش کرنے لگتا ہے اُسے اپنی زندگی بسر کرنے کی تدبیر کے لئے جس قدر
ادراک کی ضرورت ہوتی ہے اُسی قدر اُس میں قوت ادراک بھی بڑھتی جاتی ہے
اور کبھی یہ قوت اس قدر ترقی کرتی ہے کہ وہ حیوان اُس کی بدولت عاقل۔ عالم۔ حکیم
اور مدقق بن جاتا ہے۔ ہر شئے میں اپنی عقل دوڑاتا ہے اور کائنات عالم میں
سے بہتیری چیزوں میں تصرف کرنے لگتا ہے وہ باعظمت پیدا کرنے والا بڑا ہی
بابرکت ہے جو اس مخلوق کو مٹی اور پانی سے پیدا کرتا ہے اور یہ عجیب الخلقت مخلوق
باوجودیکہ نبات کے ساتھ بعض خواص جیسے کہ نمو۔ اغتذاء اور توالد میں مشارکت
رکھتی ہے لیکن اُس سے اور نبات سے اس بات میں کہ ادراک اور حواس ظاہری و
باطنی سے احساس کرنے کی قوت ہوتی ہے اور نبات میں نہیں۔ امتیاز بھی ہے
اور ان سے بڑھ کر جو شئے اُس کے لئے باعثِ امتیاز واقع ہوئی ہے اُس کی
عقلی قوت ہے جس کے ذریعے سے وہ استدلال اور استنباط کر سکتا ہے پھر اُس
کی منصف اجناس، انواع اور اصناف کی جانب تقسیم کی جاتی ہے۔ جن
کی صفات میں بہت ہی بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اُس میں سے بعض
بہت ہی بڑے ہوتے ہیں جیسے کہ ہاتھی جس میں سے بڑے ہاتھی کی بلندی
بارہ قدم کی ہوتی ہے۔

جو حیوانات خورد بین سے نظر آتے ہیں اُن کا بیان

اور بعض نہایت ہی چھوٹے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بلامدد خورد بین کے جس کے ذریعہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے جانداروں کی کائنات کا پتہ لگا ہے نظر ہی نہیں آسکتے۔ اس مخفی مخلوقات کا نام نقاعی[۱] رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ اُس پانی میں دریافت ہوئے تھے جس میں کہ سبز گھاس بھیگ رہی تھی اور وہ ہزاروں اور لاکھوں ہی ایک قطرہ پانی میں بلاکسی مزاحمت اور رکاوٹ کے تیرتے رہتے ہیں پھر باوجودیکہ وہ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں تب بھی ان میں حیات ہوتی ہے۔ تمام حیات کے آلات پائے جاتے ہیں۔ وہ اجناس انواع اور اصناف پر منقسم ہوتے ہیں۔ اُن کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں اُن کی بعض قسموں میں فاسفورس کا مادہ پایا جاتا ہے جن میں سے بے شمار سمندر کی سطح پر جمع ہو جاتے اور اس طرح پر چمکتے اور روشن ہوتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا سیلاب اُمڈ رہا ہے وہ سب رات دن جاگتے ہی رہتے ہیں کسی وقت سوتے ہی نہیں اور نہ کبھی آپ اُن کو حالتِ سکون میں دیکھ سکتے ہیں ہاں جب وہ اپنی اصل سے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس وقت ساکن ہوں تو ہوں اور علماء علم حیوانات کی بحث و تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں میں سے سولہ کروڑ کیڑوں کا وزن بھی ایک دانہ گیہوں کے برابر نہیں پہنچ سکتا اور روئے زمین پر جتنے آدمی بستے ہوں گے ان سے شمار میں کہیں زیادہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے صرف ایک قطرۂ پانی میں موجود ہوتے ہیں اور اُن لوگوں نے دیکھا ہے کہ ذرا سی دیر میں ہزاروں کے ہزاروں ہی بچے اُن میں سے ایک ایک کیڑے کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُن کیڑوں میں قسم قسم کے اعضاء بکثرت پائے جاتے ہیں انھیں اپنی غذا حاصل کرنے کی سمجھ ہوتی ہے انہیں اتنی تمیز ہوتی ہے کہ نافع چیز کی طرف مائل ہوں اور ضرر رساں سے بھاگیں اور اس قدر ہوشیاری اُن میں پائی جاتی ہے کہ وہ خطروں سے بچتے ہیں ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں اور نہ کوئی کسی سے مزاحمت کرتا

---

[۱] نقاعی عربی لفظ نقاع کی جانب منسوب ہے جس کے معنی خیسانده کے ہیں ۱۲

ہے۔ ہزاروں لاکھوں کروڑوں، ہی ایک قطرہ پانی میں تیرا کرتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں وہ بڑی تیزی سے حرکت کرتے ہیں و ن یہاں تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ بعضوں کے قول کے مطابق اُن میں سے ایک نوع ایسی ہوتی ہے کہ جن میں سے ایک کیڑا اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بال کے حجم کے دو ہزار حصّوں میں سے ایک حصّہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ٹھہر سکتا اور اس پر بھی ہر ایک میں اس کی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے کافی اعضاء موجود ہوتے ہیں۔ پس وہ ذی قدرت پیدا کرنے والا بڑا ہی با برکت ہے۔

جانوروں کی عمر کے اختلاف اور توالد و تناسل کی تشریح

اور حیوانات میں سے بعض کی عمر بہت ہی بڑی ہوتی ہے اور بعض کی بہت تھوڑی۔ اس طرح پر اُن کی عمروں میں عجب اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مدت کے ساتھ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ عقل اُس کے لئے اسی خاص مدت کے ہونے کی کوئی قطعی وجہ نہیں بتلا سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے سینگ کے جانوروں کی عمر سینگ والے جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح جرأت والے جانور بودے جانوروں سے زیادہ مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ پانی اور خشکی کے جانور ہوائی جانوروں سے زیادہ عمر والے ہوتے ہیں لیکن گدھ، کرگس طوطے اور کوّے اتنے ہی دن زندہ رہتے ہیں جتنے دن کہ انسان اور یہ بات تو مشہور ہے کہ ایک قسم کا کرگس ہوتا ہے جو دو سو برس تک۔ کچھوا دو سو بیس سال تک، ہاتھی سو برس تک زندہ رہتا ہے اور خشکی میں رہنے والا اور آبی مینڈک اُن جانوروں سے جو اُس کے برابر ہوتے ہیں زیادہ دن تک جیتا ہے اور کسی نے تو ایک مینڈک کی چھتیس سال تک نگہداشت کی تھی اور اس میں ضعیفی کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ گھوڑا غالباً تیس سال تک زندہ رہتا ہے اور اب تک تو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کوئی گھوڑا ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہو۔ بکری کی اوسط عمر پندرہ برس کی اور کتے کی اوسط عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیا چھوٹے اور کیا بڑے ہر حیوان کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اور اُن کی عمر کی

درازی اور کوتاہی اُن کے مسکن اور طریقۂ گزران پر یا جسم کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر یا اس کے علاوہ کسی اور شئے پر موقوف نہیں ہوتی جیسا کہ میں نے دیکھا ہے۔ پس اب ضروری ہے کہ کوئی مخصص پایا جائے جو اُن میں سے ہر ایک کو ایک عمر کے ساتھ خاص کر دے اور وہ اُن کا پیدا کرنے والا ہی ٹھہر سکتا ہے جس نے اُن کو عدم سے وجود کی طرف نکالا اور پہلے ہی سے اُن کی تخصیص کر دی وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُس کا حکم کر دیتا ہے۔ حیوانات میں سے بعض ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض پانی میں رہتے ہیں بعض سطح زمین پر بعض دونوں میں پھر کوئی اپنے دو پیروں پر چلتا ہے اور اُس کے دونوں ہاتھ غذا کے تناول کرنے اور کام کاج کرنے کے آلات ہوتے ہیں یا وہ اُس کے دونوں بازو قرار پاتے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ہوا پر اُڑ سکتا ہے۔ بعض کے چلنے کے لئے چار پیر ہوتے ہیں اور بعض کے اس سے بھی زیادہ کبھی کبھی دہائیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے جیسے کہ کھنکھجورا۔ اور بعض اپنے پیٹ کے بل اُن چھلکوں کے ذریعہ سے جو اس پر لگے ہوتے ہیں چلتے ہیں۔ درختوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے ہیں جیسے کہ سانپ۔ بعض اپنی غذا کو اپنے ہاتھوں سے لیتے ہیں۔ بعض اپنے منہ سے بعض چونچ سے۔ بعض ناک سے جیسے کہ ہاتھی۔ بعض اپنی زبان سے لیتے ہیں جیسے کہ گرگٹ۔ وہ اپنی لمبی زبان میں ایک لیسدار مادہ لگا کر نکالتا ہے۔ اس طرح وہ مکھی وغیرہ کو ہوا سے پکڑ لیتا ہے۔

بعض حیوانات کے شکم کے اندر ہی بیضہ ٹوٹ کر بچہ نکل آتا ہے اور وہ وہیں پر تام الخلقت بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اکثر دودھ پلانے والے حیوانات کا حال ہے اور بعض انڈے دیتے ہیں۔ انڈے کے اندر بچہ کی غذا وغیرہ کا پورا سامان مہیا رہتا ہے اور اُسی کے اندر اس کی خلقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ حالت پرندوں بعض سانپوں اور چھپکلی کی دیکھی جاتی ہے۔ بعض کی یہ حالت ہے کہ جب تک نر کی منی ہوا سے محفوظ رہ کر شکم میں نہ پہنچے حمل قرار ہی نہیں پا سکتا کیونکہ ہوا کے لگنے سے اُس میں خرابی آجاتی ہے۔ بعض کی یہ کیفیت ہے کہ جب مادہ اپنے بیضہ کو اپنے جسم سے نکال کر باہر ڈال دیتی ہے اُس کے بعد نر اپنی منی کو اُس پر

گرا دیتا ہے اور اس طرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں پر دیکھا گیا ہے کیونکہ ان کی منی پانی یا ہوا سے خراب نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات اپنے بچوں کو اپنے دو یا زیادہ پستانوں سے دودھ پلاتے ہیں جس کو کہ ان کا پیدا کرنے والا اُس میں مہیا کر دیتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو دانہ بھراتے ہیں جیسے کہ کبوتر۔ بعض اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں اور اُن کی غذا اُن کو بتلاتے ہیں جیسے کہ مرغی۔ بعض حیوانات میں نر اور مادہ دونوں شریک ہو کر بچہ کی پرورش کرتے ہیں اور یہ اس وقت ہوا کرتا ہے جب کہ بچے ابتدائی پیدائش میں چلنے پر قادر نہیں ہوتے جیسے کہ چڑیوں کبوتروں اور انسان میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ صرف ایک ہی کا بچہ کی پرورش میں مشغول ہونا اور اپنی روزی بھی تلاش کرنا اُس کے لئے اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا اور بعض کی صرف مادہ ہی اپنے بچوں کی پرورش کر لیتی ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ بچے اپنی ماں کے ساتھ چلنے پھرنے پر قادر ہوتے ہیں جیسے کہ مرغی اور چکور۔ بعض اپنے بچوں کے لئے عجب کیفیت کا گھونسلا بناتے ہیں۔ خواہ درختوں میں کھود کر یا مٹی سے یا کسی اور طور پر۔

بعض اپنے بچوں کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے ہیں جیسے کہ ایک جانور امریکہ میں ہوتا ہے جو چیونٹیوں کا شکار کرتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو ایک تھیلی میں لئے پھرتے ہیں جو کہ اُن کے پیٹ کے پاس ہوتی ہے۔ غذا تلاش کرنے کے وقت اُس میں سے نکالتے ہیں اور سونے کے وقت پھر اسی میں رکھ لیتے ہیں وہ آسٹریلیا میں ایک قسم کا جانور ہوتا ہے۔ بعض کے فضلہ اور بیضہ کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات کے جفتی کھانے کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ بعض کی جفتی کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ بعض جفتی کے وقت مادہ کے اوپر آ جاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کی دُم سے دُم ملا کر جُفتی کھاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کے پہلو سے پہلو ملا کر رگڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ انڈے دے دیتی ہے اور ان کے اوپر نر اپنی منی کو گرا دیتا ہے۔ اس طرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں کا حال ہے۔ بعض کے انڈوں کے نقوش اُن کے رنگوں کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے کہ چکور اور بعض ہندی مرغیاں کیونکہ اُن کے بیضوں میں رنگ برنگ کے

خطوط ہوتے ہیں جو کہ اُن کے پروں کے رنگ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں بعض کے
انڈے سفید یا کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں جن کو اُس کے پروں کے ساتھ ذرا بھی
مشابہت نہیں رکھتی۔ پھر یہ انڈے شکل، مقدار اور ہیئت کے اعتبار سے مختلف
طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض گول ہوتے ہیں بعض لمبے بعض بڑے بعض چھوٹے۔
بعض کسی اور طرح کے۔ بعض حیوانات کے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے بعض کے
زیادہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی تعداد نہایت ہی عظیم ہوتی ہے۔ بعض کا
بدن پروں سے ڈھکا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ گرمی اور سردی سے محفوظ
رہتے ہیں اور وہ اپنی مضبوط ساخت کے سبب سے اُس کے اُڑنے کے لئے بھی
موزوں ہوتے ہیں۔ آیئے ہم کسی طائر کے دونوں بازوؤں کے پروں کو دیکھیں کہ
پروں کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اُڑنے میں اُن کے بدن کے اٹھانے کے
لئے کافی مقدار پھیلیں۔ اس لئے آگے کے دبیز پر پولے بنائے گئے ہیں تاکہ اُڑنے
میں ہلکے معلوم ہوں۔ لیکن باوجودیکہ وہ پولے ہوتے ہیں ان کا مادہ ایسا مضبوط
اور لوچدار ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ صدمات کے متحمل ہو سکتے ہیں اور آسانی
سے ٹوٹتے نہیں اور ان میں سے پچھلے پر ایک نہایت ہلکے گودے کے مثل مادہ
سے بھرے ہوتے ہیں جن کا اٹھانا کوئی گراں نہیں کرتا یہ عجیب حیرت انگیز انتظام کیا
گیا ہے جس کو دیکھ کر عقل اُس کے بنانے والے کی حکمت کو تسلیم کر لیتی ہے۔

علاوہ بریں ایک جانور ایسا بھی ہوتا ہے جس کے باوجودیکہ پر نہیں ہوتے لیکن
اُسے بھی اُڑنے کی قوت عنایت ہوئی ہے اس جانور کے بدن پر روئیں ہوتے
ہیں اور اُس کے دونوں بازو پتلی جھلی کے بنے ہوتے ہیں جن سے کہ وہ اڑا کرتا
ہے۔ تمام پرندوں کے خلاف اُس میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ اُس کے بجائے
چونچ کے منہ ہوتا ہے جس میں دانت موجود ہوتے ہیں اور اُس کے دونوں بازوؤں
پر ہتھیلیاں بھی لگی ہوتی ہیں اس جانور کا نام چمگادڑ ہے جس میں کہ دودھ پلانے
والے جانوروں کے خواص پائے جاتے ہیں چنانچہ ان کو ان کے ساتھ شکل اور منی کے
اعتبار سے مشابہت حاصل ہوتی ہے انہی کی طرح بچہ دودھ سے دودھ پلاتا ہے اور
ان سے فرق اس بات میں ہے کہ وہ اور پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتا ہے۔ وہ ذات

نہایت مبرّا اور بے مثل ہے جس پر اُس کی مصنوعات کے بارہ میں کوئی قانون حکومت
نہیں کر سکتا اور نہ اُس کی قدرت عمل کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ
محدود ہو سکتی ہے تاکہ اُسے اسی کی پابندی کرنا پڑتی اور وہ اس کی مخالفت کرنے
پر قادر نہ ہو سکتا بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی مخلوقات کو جس طور پر ارادہ
کرتا ہے بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں سے کسی کا بدن ان سے چھپا ہوتا ہے کسی کا
بالوں سے، کسی کا روؤں سے، کسی کا ہڈی سے جیسے کہ کچھوا، کسی کا چھلکوں سے
اور کسی کی کھال پر کچھ نہیں ہوتا صاف نظر آتی ہے۔ پھر حیوانات کی شکل اور ہیئت
میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس سے عقل دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بعض
لمبے ہوتے ہیں، بعض گولائی لئے ہوئے۔ بعض کی شکل نسبتاً کم لمبی ہوتی
ہے۔ بعض کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں اور پیر چھوٹے جیسے کہ زُرَّافہ[1]۔ بعض کی شکل اس
کے خلاف ہوتی ہے جیسے کہ خرگوش۔ بعض کی گردن چھوٹی ہے بعض کی لمبی یہاں تک
کہ کسی کی تو گردن اتنی لمبی ہوتی ہے کہ وہ رسی کی طرح اپنی گردن کو لپیٹ لیتا ہے
اس قسم کا طرابلس کے اطراف میں ایک پرندہ پایا جاتا ہے جو عصفور سے ذرا
بڑا ہوتا ہے۔ بعض کے دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں بعض کے بہت زیادہ جیسے کہ
بعض بعض مکڑیوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض کے دُم ہوتی ہے بعض کے نہیں ہوتی۔
بعض کے کان لمبے ہوتے ہیں بعض کے گول۔ پھر حیوانات میں سے بعض کے سُم
ہوتے ہیں بعض کے کُھر۔ بعض کے خف جیسے کہ اونٹ کے بعض کے قدم۔ بعض کے
پنجے۔ بعض حیوانات میں اوجھڑی دیکھی جاتی ہے تاکہ نباتی غذا جس کی زیادہ مقدار
میں ضرورت پڑتی ہے اُس میں پرورش کے لئے کافی طور پر رہ سکے یہ بات نبات
خور جانوروں میں ہوا کرتی ہے اور بعض کے فقط معدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ اُن کی
حیوانی غذا ان کی پرورش کے لئے بہت تھوڑی مقدار میں کافی ہو جاتی ہے۔ بعض

---

[1] زُرَّافہ بضم اول وتشدید ثانی وفا و زرنو بعضے بفتح اول حوانیست کہ اشتر گاؤ پلنگ نام دارد چہ
گردنش بگردن شتر ماند وسُمش بہ گاؤ ورنگش بہ پلنگ ودُمش بدم آہو دندانش بدندان خر دو ہر
دو دست دراز و ہر دو پاش کوتاہ ۱۲ غ

حیوانات کے دانت ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ گوشت کو جو کہ اُن کی غذا ہوتی ہے پارہ پارہ کر سکیں۔ بعض کے دانت اپنی غذا یعنی نباتات کے چبانے کے لائق ہوتے ہیں۔ پھر دانتوں کی ساخت کو ملاحظہ کیجئے خصوصاً انسان میں اور جس ترتیب سے کہ وہ رکھے گئے ہیں اس کو دیکھئے۔ سے اہل نظر کو تو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے چنانچہ کاٹنے والے دانت منہ میں سامنے کو رکھے گئے ہیں جو اپنی تیزی کی وجہ سے اُن چیزوں کو جن کو کہ کاٹنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے بخوبی کاٹ سکتے ہیں اُس کے پاس ہی نوکدار کچلیاں ہوتی ہیں جو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے لئے نہایت ہی موزوں ہیں۔ چنانچہ ان کی شکل ہی کہے دیتی ہے کیونکہ وہ بالکل کداری کے مثل ہوتے ہیں اور اُن سے ملی ہوئی داڑھیں واقع ہوتی ہیں جو کہ نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس وضع کی بنائی گئی ہیں جن سے باریک کرنے اور پیسنے کا بخوبی کام نکل سکے۔

پس اب دیکھئے کہ اگر اُن کی یہ ترتیب بدل جاتی داڑھیں منہ میں سامنے کو ہوتیں اور کاٹنے والے دانت پیچھے کو تو غذا کے کھانے میں کیسی دقت پڑتی اور نہ کیسی عجیب بدصورت نظر آتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بڑا ذی حکمت اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والا (خدا) بے مثل ہے۔ اُس میں ذرا بھی نقص نہیں۔ پھر اگر حیوانات کے آلات کے اختلاف پر نظر ڈالئے تو عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ پنجے، دانت، سینگ، سونڈ، ڈنک، زہر قاتل اور نہایت ہی ناگوار بُو جیسے کہ ظربان[1] میں دیکھی جاتی ہے پائے گئے ہیں۔ پھر حیوانات کے غذا حاصل کرنے کے مختلف طریقوں اور تدبیروں کو اگر دیکھا جائے تو سمجھنے والے کو عجب حیرت ہوتی ہے چنانچہ بعض تو اپنے بدن سے ایک مادہ نکالتے ہیں اور اُس کو جال کے مثل بنا کر مکھی وغیرہ کے پھانسنے کے لئے لگا دیتے ہیں اس طرح پر اُس کا شکار کر لیتے ہیں جیسے کہ مکڑی۔ بعض بالوں میں گڑھا کھود کر اُس کے نیچے چھپ رہتے ہیں اور جب اُن کے شکار کے اقسام میں سے کوئی جانور اس میں گر پڑتا ہے تو وہ فوراً شکار کر لیتے ہیں اور جب اُس میں کوئی ایسی چیز گر پڑتی ہے جو ان کی غذا کے قابل نہیں تو اُس کو عجب طرح کی حرکات سے گڑھے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس قسم کا ایک

---

[1] ظربان ایک جانور بلی کے برابر ہوتا ہے جس سے سخت بدبو آتی ہے ۱۲

چھوٹا جانور ہوتا ہے جو ریت میں پایا جاتا ہے اُس کو بعض لوگ اسد النمل کہتے ہیں۔ بعض مکھی کے مثل چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جو ہوا میں اُڑا کرتے ہیں جھپٹ لیتے ہیں جیسے کہ ابابیل بعض اپنی غذا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے زمین کھودتے ہیں بعض درخت پر چڑھ جاتے ہیں بعض پانی میں غوطہ لگاتے ہیں۔ بعض میدانوں میں چکر لگایا کرتے ہیں۔ بعض اپنے شکار کے مسکن کے در پر کھڑے رہتے ہیں۔ اور ایسی سخت، بد بو دار ہوا نکالتے ہیں جس سے کہ وہ مر جاتا ہے پھر اُسے کھا لیتے ہیں جیسے کہ ظربان کا گوہ کے ساتھ حال ہے پھر حیوانات کی غذا کے اختلافات کھانے اور جمع کرنے کی کیفیت کو دیکھئے تو نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض تو دانے کھاتے ہیں بعض پتے بعض پھل۔ بعض گوشت، بعض کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ بعض کی غذا نہایت ہی نفیس ہوتی ہے، بعض کو نہایت ہی خراب۔ گندی اور ناپاک غذا اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ سور کو، بعض اپنی غذا کو یوں ہی نگل جاتے ہیں بعض چباتے ہیں۔ بعض اپنی خوراک کو جمع کر کے نہیں رکھتے۔ بعض اپنی غذا کو یوں ہی نگل جاتے ہیں، بعض چباتے ہیں۔ اور پھر جمع بھی عجیب تدبیر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ شہد کی مکھی اور چیونٹی کا حال ہے۔ چیونٹی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اُس کی ذخیرہ کردہ اشیاء کو زمین کی رطوبت کا اثر پہنچ جاتا ہے تو وہ اُسے آفتاب کی روشنی میں نکال لاتی ہے یہاں تک کہ اُس کی رطوبت خشک ہو جاتی ہے اور وہ دانہ میں سوراخ کر دیتی ہے تاکہ رطوبت کے باعث سے جم کر وہ اُگ نہ آئے اور بعض بعض دانوں میں کئی کئی سوراخ کر دیتی ہے کیونکہ اُسے اتنا ادراک حاصل ہے کہ ایک آدھ سوراخ دانے کو اُگنے سے روک نہیں سکتا ہے۔ جیسے کہ دھنئے کا حال ہے۔

پس وہ پیدا کرنے والا بڑا ہی بے مثل ہے جس نے یہ امر کھلے طور پر سمجھا دیا۔ پھر اُن کے رنگوں کے اختلاف نظر کو بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں اور اُن سے عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ سفید، سرخ۔ زرد، نیلگوں، سیاہ اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش دیکھے جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم ایک نوع کو دیکھتے

ہیں کہ اُس کے تمام افراد ایک ہی رنگ یا ایک قسم کے نقش رکھنے کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں جیسے کوا۔ چکور اور عصفور کی ایک مختلف اقسام تو دوسری نوع کو کیا دیکھتے ہیں کہ رنگوں یا نقوش کے لحاظ سے اُس کے افراد تمام قسم کے ہوتے ہیں جیسے کہ گھوڑا اور مُرغی۔ بعض کے نقوش ایک ہی کیفیت پر انتظام کے ساتھ واقع ہوتے ہیں جیسے کہ چیتے اور طاؤس کا حال ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی جیسے مرغی کبوتر اور بلّی میں دیکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بات سے دوسری بات پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

چیتے کے منقش ہو جانے کی عجیب وجہ

چنانچہ اے اہلِ سائنس میں نے آپ ہی لوگوں میں سے بعض لوگوں کو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ یوں بیان کرتے سُنی ہے کہ وہ گزشتہ زمانے میں عرصہ تک درختوں کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا اور شاخوں میں سے گزر کر آفتاب کی شعاعیں اُس پر پڑا کرتی تھیں اس لئے اس کی جلد پر اس طرح کے نقش بن گئے۔ مجھے امید ہے کہ یہ معلل صاحب اس کی بھی کوئی وجہ بیان کریں گے کہ طاؤس کے پروں پر سنہری سبز نیلگوں سیاہ سرمئی وغیرہ رنگوں کی باقاعدہ شکلیں اور نہایت پائیدار لکیریں کیونکر بن گئیں اور اس کی کیا وجہ ہوئی کہ مرغی کے ہر ہر فرد کے نقش و نگار ایک نئے طرز کے نظر آتے ہیں جس کی نظیر اسی نوع کے بکثرت افراد کی دیکھ بھال سے بھی مشکل سے ملے گی۔ اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں۔ اس شخص نے جو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ بیان کی ہے میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتا کہ غلط ہے کیوں کہ شاید خدا تعالیٰ نے اسی سبب سے اُس میں یہ رنگ پیدا کر دیا ہو جیسے کہ اُس کی عادت ہے جاری ہو گئی ہے کہ وہ اسباب پر مسببات کو مرتب کر دیتا ہے لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام امور کو محض طبعی ہی نہ قرار دے لیا جائے اور پھر ان کے لئے واہی تباہی وجہیں تراشی جائیں بلکہ ہر علت کو خالق سبحانہٗ کے فعل کی طرف راجع کرنا چاہیئے ورنہ پھر میں اِن سب کی وجہیں پوچھتے پوچھتے ناک میں دم کر دوں گا اور آپ لوگوں کو اپنے عجز کا اقرار کرنا پڑے گا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ حیوان کے عجائبات میں سے اُس کی آواز اور صورت کا

مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کی آواز تو ایسی طرب انگیز ہوتی ہے جس کو سن کر دل بھر آتا ہے اور بعض کی ایسی ناگوار آواز ہوتی ہے جس کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔

بعض ایسے خوب صورت ہوتے ہیں کہ اُن پر نظر پڑتے ہی جم کر رہ جاتی ہے اور ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی جیسے کہ طاؤس۔ زرافہ۔ اور بعض بعض مرغ۔ سچ پوچھئے تو نوع انسان میں سے جو حسین ہیں وہ ان سب سے خوبصورت اور خوشنمائی میں بے نظیر ہوتے ہیں کیونکہ یہاں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نظر ہے وہ بھی حیران رہ جاتی ہے ہوش اُڑ جاتے اور دل قابو میں نہیں رہتے۔ بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں جواب دے دیتی ہیں۔ بڑے بڑے زبردست اور حکومت والوں کی شان وشوکت بھی کام نہیں آتی اُن پر بھی حسینوں کا رعب اپنا قبضہ کر لیتا ہے۔ بھلا بتلائیے تو سہی کہ بندروں میں بھی اس کا نام ونشان کہیں پایا جاتا ہے؟ قسم اس کے حق کی جس نے آنکھوں کو ایسا جادو بھرا بنایا اور پیشانی کو گیسوؤں سے زینت بخشی ہرگز نہیں۔ اب ان لوگوں کی عقلوں کو آفرین کیئے جو انسان اور بندر دونوں کو ایک ہی اصل سے بتاتے ہیں اور بعض حیوان تو ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر بدن کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپ جاتے ہیں جیسے کہ بھڑ، اژدہا اور جنگلی سور وغیرہ۔ بعض کو مادہ کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے بعض کو نہیں۔ بعض اپنی غذا تنہا رہ کر تلاش کر لیتے ہیں بعض کے گروہ کے گروہ مل کر جستجو کیا کرتے ہیں۔ بعض کا مجتمع ہونا بھی جمہوری انتظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض کا اجتماع کی حالت میں شاہانہ انتظام ہُوا کرتا ہے۔ اُن میں سے کچھ پہرے پر مقرر ہوتے ہیں کچھ راہبر اور جستجو کرنے والے پانی اور گھاس کی تلاش میں آگے آگے جاتے ہیں۔

حیوانات کے اخلاق اور عادات میں بھی عجب اختلاف پایا جاتا ہے اس بارے میں تو متعدد کتابیں بھی تالیف ہوئی ہیں۔ چنانچہ کوئی تو بڑا دلیر ہوتا ہے اور کوئی بودا۔ بعض انسان سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں بعضوں کے لئے تدبیریں درکار ہوتی ہیں ایسی ہی اور بہت سی باتیں ہیں۔ اسی طرح اُن میں قوت اور ضعف کے لحاظ سے اختلاف ہُوا کرتا ہے۔ بعض کو اگر غذا نہ ملے تو اس کو بھی برداشت کر لیتے ہیں

بعض ایسے نہیں ہوتے۔ بعض خارجی صدمات کا پورا مقابلہ کر سکتے ہیں بعض اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ اگر اُن کے حرام مغز میں ذرا سی سوئی بھی چبھودی جائے تو وہ فوراً مر جائیں اور زندگی رخصت ہو جائے جیسا کہ انسان کی نسبت کہا جاتا ہے۔

ہیڈرا جانور کا ذکر جو کاٹ ڈالنے کے بعد بھی نہیں مرتا بلکہ اُس کے ٹکڑے پورے جانور بنجاتے ہیں

اور کسی کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کے تین تین ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں۔ سر الگ، دھڑ الگ، دُم الگ۔ اور پھر چند روز تک اُسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سر میں دھڑ اور دُم نکل آئی ہے۔ دھڑ میں سر اور دُم اُگ آئے ہیں اور دُم میں سر اور دھڑ دونوں کے دونوں لگ گئے ہیں اور اُن میں ہر ایک ٹکڑا پورا جانور بن گیا ہے اور سب سے پہلے سر میں باقی چیزیں لگ کر پورا جانور بن جایا کرتا ہے اس قسم کا چھوٹے چھوٹے جانوروں میں ایک جانور ہوتا ہے جس کا نام ہیڈرا ہے۔

ساری بحث گزشتہ کا خلاصہ یعنی خدا پر کوئی قانون حاکم نہیں وہ فاعل مختار ہے

پس یہ سارے اختلافات اس بات کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں کہ اس حیوانی دنیا کے بنانے والے پر کوئی قدرتی قانون حکومت نہیں چلا سکتا اور نہ کوئی ضرورت اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی ایجاد میں کسی ایک طریقہ کا پابند ہو جائے بلکہ وہ نہایت ہی وسیع القدرت اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا اور بڑا ہی مدبر اور منتظم ہے۔ وہ اگر ایک نوع کو کسی کیفیت پر پیدا کرتا ہے جو اُس کی زندگی اور نظامِ حیات کے قائم رکھنے کے لئے کافی ہو اور اُس سے اُس کی صورت کی پوری زینت ہو گئی ہو تو وہ دوسری نوع کو ایسی کیفیت پر بناتا ہے جو پہلی کیفیت کے بالکل مخالف ہو اور پھر وہ اُس کی زندگی کے قائم رکھنے اور اُس کے مکمل بنانے کے لئے ویسی ہی کافی ہوتی ہے اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ عقلیں متنبہ ہو جائیں اور لوگوں کے افہام کو چونکا دیا جائے کہ یہ سمجھ لو کہ عالم کا بنانے والا فاعل مختار ہے اُسے

کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اُس کے کامل علم سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات چھپی رہ سکتی ہے۔ وہ تمام اُن بے جا باتوں سے جنہیں جاہل لوگ بکا کرتے ہیں بالکل پاک اور مُبّرا ہے۔

اناٹمی اور فزیالوجی یعنی علم تشریح اور علم افعال الاعضاء کے موافق حواس خمسہ میں سے آنکھ کی تشریح اور پھر خداوندی حکمت اور قدرت پر استدلال

پھر حیوان کی جو چیز دیکھئے اُس کی عجیب و غریب ترکیب اُس کے ظاہری اور باطنی حواس اور اعضاء کی ساخت ہر عضو کا ایک خاص فعل۔ اُس کے بناوٹ کے اختلافات۔ اُن کی باریکیاں اور پھر اُن کا بے شمار فوائد اور مصلحتوں پر مشتمل ہونا جو بالکل حکمت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ المختصر یہ سب ایسے امور ہیں جن سے عقل کو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے۔ افہام حیران و پریشان رہ جاتے ہیں اور ہر عاقل کو یہ بات واضح طور پر معلوم ہونے لگتی ہے کہ اس عالم کا ضرور کوئی ایسا بنانے والا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا مدبّر ذی حکمت اور صاحبِ قدرت ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے ایجاد کر دیتا ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر کروں جن پر کہ علم تشریح اور علم فزیالوجی جاننے والوں کو آگاہی ہوئی ہے جن کا کام یہ ہے کہ اعضاء حیوانات کی حقیقت اُن کی ساخت اُن کے افعال اور اُن کے فوائد و اغراض سے بحث کریں۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب تمام حیوانات خصوصًا انسان کے حواس خمسہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مضبوطی اور استحکام کے اعلیٰ درجوں پر پہنچے ہوئے ہیں جس وضع پر کہ وہ موجود ہیں اُس کے اعتبار سے وہ سراسر حکمتوں اور کھلے کھلے فائدوں پر مشتمل معلوم ہوتے ہیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ وہ اتفاقی طور پر یا علی وجہ الضرورت بن گئے ہوں بلکہ وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ جس نے حیوانات کو وہ حواس دیئے ہیں اُس نے اپنی مخلوقات پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

بصر اور اُس کے طبقات و رطوبات وغیرہ کی تشریح اور روشنی کے خواص

چنانچہ بصر ایک قوت ہے جو آنکھ کے ایک مجوف پٹھے میں رکھی ہوئی ہے اور وہ دماغ سے جاکر مل گیا ہے تاکہ جو چیزیں دیکھی جائیں اُن کی صورت وہاں تک پہنچا دے اور پھر نفس ان کا ادراک کرلے۔ پھر آنکھ کو دیکھئے وہ اس بات کا آلہ ہے جس میں روشنی کے ذریعہ سے صورتیں مرتسم ہوں وہ تمام آلات بصری سے مضبوطی اور صحیح ہونے میں زیادہ مکمل ہے کیونکہ وہ غلطیاں جو تمام آلاتِ بصری میں واقع ہُوا کرتی ہیں اس میں نہایت ندرت اور مشکل سے واقع ہوسکتی ہیں کسی چیز کے صاف طور پر دیکھ لئے جانے کا فیصلہ خود اسی سے ہوجاتا ہے وہ اُس ہڈی کے جوف میں رکھا ہوتا ہے جس کو حلقہ چشم کہتے ہیں۔ اُس کی ترکیب میں تین طبقے اور تین رطوبتیں شامل ہیں لیکن رباط اور ورید اور شریان کی رگیں جھلی اور عضلے جن کی اُس کو ضرورت ہے وہ اُن کے علاوہ ہیں۔

اب طبقات کا حال سنئے پہلے کا نام صلبہ ہے وہ ایک لچک دار مضبوط اور دھندلا پردہ ہے جس کے آر پار روشنی نہیں جاسکتی اور نہ اس کے اُدھر کی کوئی چیز نظر آسکتی ہے۔ وہ باقی طبقوں اور ساری رطوبتوں پر اس لئے محیط ہوتا ہے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اُن کی اوضاع اور ترتیب کے نظام کی حفاظت ہوتی رہے۔ ہاں اُس کے آگے کے حصہ میں ایک شفاف قطعہ ہُوا کرتا ہے جس کی شکل اس اعتبار سے کہ وہ باہر سے محدب اور اندر سے مقعر ہوتا ہے بالکل گھڑی کے شیشہ کی سی ہوتی ہے اور وہ اس پردہ میں اس طرح اُترا ہُوا ہوتا ہے جس طرح کہ گھڑی کا شیشہ پیتل کی چوڑی میں اُترا رہتا ہے۔ اس قطعہ کا نام قرنیہ ہے۔

دوسرے طبقہ کا نام مشیمیہ ہے وہ سیاہ رنگ کا مخمل کی طرح نرم پردہ ہوتا ہے، صلبہ اور شبکیہ کے بیچ میں رہتا ہے۔

تیسرا طبقہ شبکیہ کہلاتا ہے اُس کی ساخت آنکھ کے اُس پٹھے کے پھیل جانے سے حاصل ہوتی ہے جو کہ دماغ سے نکل کر آنکھ کے پچھلے حصے سے اس میں داخل

ہو جاتا ہے۔ اب رطوبتوں کو لیجئے۔ پہلی رطوبت کو رطوبت مائیہ کہتے ہیں وہ پتلی صاف اور شفاف ہوتی ہے اور قرینہ کے اُدھر ایک گڑھے میں بھری ہوئی ہوتی ہے اور اس گڑھے کو ادھر اُدھر سے ایک پردہ گھیرے ہوئے ہوتا ہے جس کے بیچ میں ایک سوراخ پایا جاتا ہے اور اس پردہ کا نام قزحیہ ہے اُس کا رنگ سیاہ یا نیلگوں ہوتا ہے یا کسی اور طرح کا ہوتا ہے اور اس سوراخ کو عربی میں بوبو، کہتے ہیں۔ دوسری کا نام رطوبت بلوریہ ہے وہ ایک لچک دار، چکنا اور مسور کی طرح دونوں طرف سے محدب جسم ہوتا ہے وہ کناروں کی بہ نسبت بیچ میں زیادہ کثیف ہوتا ہے اور قزحیہ کے اُدھر رکھا رہتا ہے۔

تیسری رطوبت کو رطوبت زجاجیہ کہتے ہیں وہ ایک انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف اور لیسدار جسم ہوتا ہے اور آنکھ کے اندر رطوبت بلوریہ کے اُدھر جس قدر خالی جگہ بچتی ہے اُس کو بھرتا ہوا شبکیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر جس چیز کی وجہ سے دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ میں مرتسم ہوتی ہیں وہ روشنی ہے جو کہ اُن چیزوں پر جنہیں کہ ہم دیکھتے ہیں گرتی ہے اور اُن سے منعکس ہو کر آنکھوں کے اندر پہنچتی ہے۔ روشنی میں فطری طور پر چند قوانین پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے روشنی صورتوں کو لے جاتی ہے اور پھر انہیں مرتسم کر دیتی ہے لیکن خداوندی حکمت آنکھ کے ترتیب دینے میں مختلف تدبیروں سے کام نہ لیتی تو روشنی کے بعض قوانین کے مقتضا کے موافق ہم پورے طور سے نہ دیکھ سکتے اور دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ پر پھیل کے رہ جاتیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ روشنی جب کسی کثیف اور کھُرکھُرے جسم پر گرتی ہے تو اُس سے منعکس ہو جاتی ہے اور اس کی صورت مقابل کی شے پر مرتسم کر دیتی ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ مقابل کا جسم جلا کردہ بھی ہو لیکن روشنی جب خطوط مستقیمہ میں حرکت کر کے مقابل کے جسم تک پہنچتی ہے تو صورت کو اُس پر غیر واضح طور پر مرتسم کرتی ہے کیونکہ روشنی کی شعاعیں جس قدر دراز ہوتی جاتی ہیں اسی قدر وہ پھیلتی جاتی ہیں اور خطوط شعاعیہ میں اتنی ہی دوری بڑھتی جاتی ہے اس لئے مقابل کے جلا کردہ جسم پر اُس کی صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ خطوط شعاعیہ وہاں

تک پہنچنے کے وقت مجتمع رہیں۔ پھر یہ سمجھئے کہ یہ نوری خطوط اسی وقت مجتمع ہوتے ہیں جب کہ کسی مسور کی شکل کے شفاف جسم سے گزریں یعنی مسور کی طرح اس کی دونوں جانب محدب اور ابھری ہوئی ہوں یا ایک جانب محدب اور دوسرا برابر ہو۔ یا ایک جانب محدب اور دوسرا مقعر ہو۔ پھر ایسی شکلوں میں گزرنے کی وجہ سے جو ان خطوط میں اجتماع آجاتا ہے وہ زیادہ تر وسط میں پایا جاتا ہے۔

ان اشکال کے کناروں پر اس درجہ کا اجتماع موجود نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ وسط کناروں سے زیادہ دبیز بھی ہو۔ اسی طرح یہ نوری خطوط اس وقت بھی مجتمع ہو جاتے ہیں جبکہ وہ کسی لطیف جسم میں سے گزرنے کے بعد کسی کثیف اور شفاف جسم پر سے گزریں اور یہ بات اُس وقت نہیں پائی جاتی جب کہ پہلے وہ کسی کثیف جسم سے گزر کر پھر ایسے جسم سے گزر جائیں کہ جس میں پہلے سے کسی قدر کم کثافت پائی جاتی ہو کیونکہ اس وقت یہ نوری خطوط پھیلنے لگتے ہیں اور باہم اُن میں دُوری آجاتی ہے۔ پھر یہ دیکھئے کہ سیاہ رنگ کے علاوہ جتنے رنگ ہیں سب سے نور منعکس ہوتا ہے ہاں سیاہ رنگ سے نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو پی جاتا ہے اور جذب کر لیتا ہے اس لئے اُس سے انعکاس نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ جسم جو سیاہ یا اُس کے قریب کوئی رنگ رکھتا ہو تو اُس کے آر پار نور نہیں جا سکتا ہے لیکن یہ سارے رنگ نور کو چُوستے اور اُس کو ہلکا کر دیتے ہیں جن میں سے سیاہ رنگ نور کے جذب کرنے اور چوس لینے میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ پھر نوری خطوط کے مجتمع ہونے کے بعد واضح طور پر اُس وقت صورت مرتسم ہو سکتی ہے جبکہ وہ جسم جس پر صورت مرتسم ہوتی ہے اُس جسم سے کہ نور منعکس ہو رہا ہے یا جس کے اندر سے وہ نفوذ کر رہا ہے ایک خاص دوری پر واقع ہو۔

دیکھنے کی کیفیت کی تشریح

جب یہ جملہ امور قرار پا چکے اور آپ نے روشنی کے قوانین مذکورہ سے واقفیت حاصل کر لی تو اب آئیے ہم دیکھنے کی کیفیت کی تشریح بیان کریں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جب روشنی اُن چیزوں پر پڑتی ہے جو کہ نظر آتی ہیں تو اُن سے منعکس

ہوتی ہے اور اُس کے خطوط آنکھوں میں جاکر طبقہ شبکیہ پر اُن کی صورتوں کو مرتسم کر دیتے ہیں اور وہ ان کو احساس کر کے دماغ تک پہنچا دیتا ہے لیکن شئے مرئی سے منعکس ہونے کی وجہ سے نوری خطوط مستقیم ہوا کرتے ہیں۔ پس اگر بغیر اجتماع کے اسی طرح پر شبکیہ تک پہنچتے تو ضرور۔ ہاں پہنچنے کے وقت منتشر اور پھیلے ہوئے ہوتے اور واضح طور پر اُس کی صورت کو مرتسم نہ کر سکتے اس لئے خداوندی حکمت نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ نور آنکھوں میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے قرنیہ سے ملتا ہے اور اُس سے نفوذ کر کے آگے جاتا ہے اور چونکہ اس کا بیرونی رخ محدب اور اندرونی مقعر ہوتا ہے اس لئے نوری خطوط میں کسی قدر اجتماع حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ نور رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے اس میں بھی چونکہ کثافت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں نفوذ کرتے وقت بھی نوری خطوط میں زیادہ اجتماع آجاتا ہے اور وہ باہم مل جاتے ہیں تاکہ صورت مرتسم کرنے کی اُن میں قابلیت آجائے۔ لیکن جب کہ طبقہ شبکیہ جس پر صورت مرتسم ہوا کرتی ہے مقعر ہوتا ہے۔ پس وہ سارے خطوط جو رطوبت مائیہ سے گزرے ہیں اگر اسی قدر اجتماع کے ساتھ شبکیہ تک پہنچتے تو ضرور تھا کہ وہ اُس کے وسط اور دونوں جانب صورت کو مرتسم کرتے۔

پس اس وقت وہ پھیلی ہوئی اور منتشر ہوتی خصوصًا اس حالت میں جبکہ نور بکثرت ہوتا اور اپنی کثرت کی وجہ سے نگاہ میں چکا چوند ڈال دیتا۔ اس لئے با حکمت خدائے پاک نے اس بات کا انتظام کیا اور رطوبت مائیہ کے پیچھے پردہ قزحیہ کو رکھ دیا جس کے وسط میں حلقہ کے مثل ایک سوراخ پایا جاتا ہے جس کو عربی اصطلاح میں بُو بُو کہتے ہیں اور اُس کے وسیع اور تنگ ہونے کو ان عضلات کے سبب سے جن کے ساتھ یہ پردہ لگا ہُوا ہے دیکھنے والے کے ارادہ کے تحت میں کر دیا ہے تاکہ دیکھنے والا اُس نور میں سے جو کہ رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے جس مقدار کی ضرورت ہو داخل کر سکے چنانچہ جب نور کم ہو تو اُسے وسیع کر لے اور پھیلا لے تاکہ کافی مقدار نور کی داخل ہو سکے اور جب نور بکثرت پایا جائے تو وہ اُسے تنگ کر لے تاکہ صورت پراگندہ نہ ہونے پائے پھر اطراف

قرنیہ کا رنگ کبھی سیاہ ہوتا ہے کبھی نیلگوں کبھی سیاہ مائل بسرخی یا اس کے علاوہ بہرحال وہ ایسا ہوا کرتا ہے جو نور کے نافذ ہونے کو روکے اور اس کو جذب کر کے خفیف بنا دے تاکہ وہ نوری خطوط جو ہُو بہو کے گرد اطراف قرنیہ پر واقع ہوں وہ نفوذ نہ کر سکیں کیونکہ اگر وہ اطراف شبکیہ تک پہنچ جائیں گے تو صورت پریشان ہو جائے گی جیساکہ ہم کہہ چکے ہیں۔ پھر یہ خطوط رطوبت بلوریہ میں سے جس کی دونوں جانب محدب ہوتی ہیں نفوذ کرتے ہیں اس کی وجہ سے بھی اُن میں پہلے سے اور زیادہ اجتماع آجاتا ہے خصوصاً وسط میں۔ کیونکہ بلوریہ کا وسط اُس کے اطراف سے زیادہ کثیف ہوتا ہے اور ذی حکمت اور خبیر خدا نے اس بلوریہ کو بھی دیکھنے والے کے ارادہ کے تابع بنایا ہے تاکہ اُس کے تحدب یعنی اُبھار کو بڑھا گھٹا سکے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس جسم سے کہ یہ خطوط نفوذ کرتے ہیں اُس کا تحدب جس قدر بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر ان نوری خطوط میں اجتماع آتا جاتا ہے اور جتنی کہ اُس کے تحدب میں کمی ہوتی جاتی ہے اُتنی ہی اُن کے اجتماع میں بھی کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔

پس دیکھنے والے کو جس قدر ضرورت پڑتی ہے اُتنا ہی اس میں تصرّف کر لیتا ہے کبھی اُس کے تحدّب کو بڑھا لیتا ہے کبھی کم کر لیتا ہے اس کے بعد یہ خطوط رطوبت زجاجیہ میں سے ہو کر گزرتے ہیں اس کی وجہ سے اُن میں اتنا زیادہ اجتماع آجاتا ہے جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے کافی ووافی ہے اور اس رطوبت کی دبازت کی مقدار اُس مسافت کے لئے جن میں کہ نور قرنیہ میں داخل ہونے اور اُس سے اور اُس کے بعد والی رطوبت وغیرہ سے لے کر شبکیہ تک پہنچنے کے وقت تک ممتد ہوتا ہے بالکل کافی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ خطوط ان اجتماعات کے بعد شبکیہ تک پہنچتے ہیں اور اس پر صورت کو مرتسم کرتے ہیں تو بباعث اس کی شفافیت کے اُس میں سے ان خطوں کی ایک مقدار نفوذ کر کے صلبیہ پر جا کر واقع ہوتی ہے اور اس غرض سے کہ وہ خطوط اُس سے منعکس ہو کر کہیں اُن شعاعوں سے متصادم نہ ہو جائیں جو کہ باہر سے آرہی ہیں اور اس طرح پر صورت پراگندہ ہو جائے۔ خدائے حکیم نے جس کی قدرت بہت بڑی ہے صلبیہ کے اندر کا رنگ سیاہ بنایا ہے تاکہ شبکیہ کے اندر سے نفوذ کرنے والے خطوں کی اس مقدار کو

وہ جذب کرے اور انہیں منعکس نہ ہونے دے۔ پھر ان وسائط و وسائل کا متعدد ہونا جنہوں نے کہ اپنے کثیف ہونے اپنی شکل کے محدب ہونے، شبکیہ اور اس جسم کے درمیان کی مسافت معین کرنے جس میں سے کہ نور نفوذ کرتا ہے اور شعاعوں کے گزرنے کے راستہ کو کشادہ اور تنگ کرنے پر اور نیز تحدب کے زیادہ اور کم کرنے پر ارادہ کے مسلط ہونے کے سبب سے نوری خطوط کو رفتہ رفتہ اجتماع کے ایسے درجہ پر پہنچا دیا جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے بالکل کافی ہو اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ہُوا کہ بذریعہ مختلف رنگوں کے پراگندگی بھی نہیں ہونے پائی اور یہ سب کچھ ایک نہایت عظیم حکمت پر مبنی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اس کے قائل بھی ہیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ نور جب کسی محدب اور شفاف جسم سے نفوذ کرتا ہے تو وہ اپنے مختلف رنگوں میں جو کہ فن طبعیات میں مشہور ہیں منحل ہو جاتا ہے اور وہ قوس قزح کے رنگ ہیں۔ پس وہ صورت جس کو کہ نور محدب جسم کے اندر سے نفوذ کر کے لے جاتا ہے انہیں رنگوں میں رنگی ہوئی معلوم ہونے لگتی ہے اس کو خطاء لونی یعنی رنگ کی غلطی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

۱۲ دیکھنے میں خطاء لونی کیونکر اُٹھ گئی

آلات بصری کے صناع پہلے جسم کے ساتھ ایک شفاف اور محدب جسم کو ملا کر کہ جو نور کو پہلے جسم کے خلاف منحل کر دیتا ہے اس غلطی کو رفع کر دیتے ہیں چنانچہ اس طرح پر وہ نور اپنے سفید رنگ کی طرف لوٹ آتا ہے اور صورت کو بغیر رنگے ہوئے پہنچا دیتا ہے اور خطاء لونی اُٹھ جاتی ہے۔ پس اُن بعض لوگوں کے قول کی بنا پر اس بات میں کہ وسائط و وسائل مذکورہ متعدد بنائے گئے ہیں اور ایک چیز پر اکتفا نہیں کیا گیا جو کہ نوری شعاعوں کو دفعتاً مجتمع کر دیتی۔ منجملہ باری تعالےٰ کی اور حکمتوں کے ایک یہ بھی حکمت ہے کہ یہ خطاء لونی اُٹھ جائے۔

پس جب نور مثلاً قرنیہ سے نافذ ہُوا اور اپنے مختلف رنگوں میں منحل ہو گیا تو باقی اور وسائط یعنی رطوبت مائیہ بلوریہ۔ اور زجاجیہ جو کہ نوری خطوط کو مجتمع کرتے ہیں قرنیہ کے خلاف اُس کو اُس کے ہی رنگ کی طرف منحل کر دیتے ہیں اس طرح

پر کہ وہ پھر اصلی رنگ کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جو چیز سفید ہوتی ہے وہ سفید ہی نظر آتی ہے اور یہ غلطی اُٹھ جاتی ہے ایسا ہی بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور یہ صحت کے قریب بھی معلوم ہوتا ہے۔

روشنی کے خواص کے موافق ہم کو چیزیں اُلٹی نظر آنی چاہئیں

اَب مَیں کہتا ہوں کہ حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ ان اجتماعات کا جو کہ نوری خطوط میں بذریعہ وسائط مذکورہ یعنی قرینہ مائیہ ، بلوریہ اور زجاجیہ کے حاصل ہوتے ہیں یہ مقتضا ہے کہ شعاعیں شبکیہ تک اس وقت تک پہنچیں جب کہ اُن میں تقاطع ہو چکے اور جو شئے کہ نظر آتی ہے اُس کے اُوپر کی جانب سے جو شعاعیں منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارہ پر واقع ہوں اور جو شعاعیں اس کے نیچے کے کنارہ سے منعکس ہوں وہ شبکیہ کے اوپر کے کنارہ پر پڑیں اور اس وقت جو شئے نظر آئے گی اُس کی صورت الٹی ہوگی ۔ لوگ اس کی وجہ بیان کرنے میں بڑے حیکرائے ہیں کہ باوجودیکہ شبکیہ میں صورت الٹی مرتسم ہوتی ہے لیکن پھر بھی جو چیز ہم کو نظر آتی ہے اُس کی صورت سیدھی ہی معلوم ہوتی ہے اور جتنی وجہیں کہ لوگوں نے بیان کی ہیں اُن سب میں مشہور وجہ یہ ہے کہ عقل کو تمام چیزوں کے سیدھے ہی دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے کیونکہ جتنی چیزیں نظر آتی ہیں اس اُلٹے ہوئے ہونے میں سب کی سب یکساں ہیں اور اس وجہ کے بیان کرنے میں جو تقریر انہوں نے کی وہ بالکل لچر ہے۔

اشیاء کے سیدھے نظر آنے کی قرینِ قیاس وجہ

میرے خیال میں جو اس کی وجہ آئی ہے وہ یہ ہے کہ نوری شعاعیں ہَوا سے ہو کر قرینہ مائیہ ، بلوریہ میں سے جو کہ وسط میں شدت کے ساتھ دبیز ہیں نفوذ کرنے کے بعد صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے متقاطع ہونے سے پہلے ہی کافی طور پر مجتمع ہو جاتی ہیں۔ پھر جب زجاجیہ سے نفوذ کرتی ہیں تو شاید اس وجہ سے کہ وہ بلوریہ سے کسی قدر کم دبیز ہے تو یہ شعاعیں اُس مُسافت میں جس میں کہ

انہیں زجاجیت کے اندر چلنا پڑتا ہے پھیلنے لگتی ہیں۔ جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ نور جب کسی لطیف جسم سے گزرنے کے بعد کسی دوسرے جسم سے جو کہ اُس سے زیادہ لطیف ہو نفوذ کرتا ہے تو اُس کی شعاعیں پھیل جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ اسی طرح شبکیہ تک جا پہنچتی ہیں۔ پس اُس پر سیدھی صورت مرتسم کر دیتی ہیں اس لئے کہ وہ شبکیہ تک اُسی کیفیت کے ساتھ پہنچتی ہیں جس پر کہ وہ قرینہ میں پہلے پہل داخل ہونے کے وقت تھیں یعنی جو چیز نظر آتی ہے اُس کے اُوپر کی جانب جو شعاعیں منعکس ہوئی تھیں وہ شبکیہ کے بھی اوپر کے کنارہ پر واقع ہوتی ہیں اور جو اس کے نیچے کی جانب سے منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارہ پر پڑتی ہیں اور چونکہ شعاعوں میں تقاطع نہیں واقع ہُوا اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت شبکیہ پر سیدھی ہی صورت مرتسم ہو۔

مَیں احتمالی طور پر ایسا خیال کرتا ہوں اور اس طرح پر اعتراض بھی اُٹھ جاتا ہے اور خارجیہ کا فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آیا ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے آنکھ کے پچھلے حصّہ کو چیر کر کے دیکھا تو شبکیہ پر اُلٹی ہوئی صورت مرتسم پائی گئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کا صحیح ہونا میرے نزدیک اب تک محقق نہیں ہُوا اور اگر یہ امر میرے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو اس وقت مَیں اُس میں گفتگو کر لوں گا۔

پس یہیں تک دیکھنے کی کیفیت سے بحث کرنے والوں کی رسائی ہوئی ہے اور اس میں انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ لوگ نظر آنے والی چیزوں کی صورت کا شبکیہ تک مرتسم ہونا دریافت کر سکے اور یہاں تک انہوں نے بحث کو پہنچا دیا اور پھر اس بات کے قائل ہو گئے کہ وہ شبکیہ صورتوں کو دماغ تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن یہی یہ بات کہ نفس ان صورتوں کا کیونکر ادراک کرتا ہے یا ان لوگوں کی رائے کے موافق جو نفس کے منکر ہیں عقل یا دماغ کو ان صورتوں کا کس طرح پر ادراک ہو جاتا ہے اس امر کی نسبت ہمیں اُن کی جانب سے کوئی شافی کلام نہیں ملا بلکہ ہم نے اہل سائنس میں سے بتہیروں کو دیکھا ہے کہ جب اس کی حقیقت کی تحقیق میں گفتگو کی گئی ہے تو وہ متحیر ہو کر رہ گئے۔

آنکھ اور دیکھنے کی کیفیت سے خدا پر استدلال اور یہ کہ دماغ کے ادراک کرنے کی حقیقت کے بیان کرنے سے اہل سائنس عاجز ہیں اور مادہ یا اس کی اضطراری حرکت کا انتظام رؤیت کے لئے محض ناکافی ہونا

پس جب ہم آنکھ کی ترکیبات عجیبہ اور تدابیر مختلفہ میں جن کی وجہ سے اُس کی بینائی اور بصارت کی تکمیل ہوتی ہے غور کریں تو کیا ادنیٰ سے ادنیٰ عقل کے لئے بھی اس بات کے یقین کر لینے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ آنکھ کی ایسی عجیب و غریب ساخت بغیر ارادہ اور بلا کسی حکمت اور تدبیر کے خود بخود ہوگئی ہے یا محض ضرورت اُس کو مقتضی ہو گئی اور اتفاق نے اُس کو ایجاد کر دیا اور انتخاب طبعی نے اس کو ضائع اور ہلاک ہونے سے روک رکھا؟ ہرگز نہیں۔ اس بات کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کر سکتا ہاں جن کی عقل کمزور ہو وہ جو چاہیں یقین کر لیں اور میرا تو یہ خیال ہے کہ جو شخص ذرا بھی غور کرنے کی قابلیت رکھتا ہو گا اور اُسے کچھ بھی سمجھ ہو گی تو وہ آنکھ کی اس عجیب و غریب ساخت کو دریافت کرنے کے وقت ضرور اسی بات کا یقین کرے گا کہ بے شک اس کا بنانے والا کوئی ذی ارادہ۔ صاحب علم و حکمت اور بہت ہی بڑا مدبر ہے جو کہ استحکام اور مضبوطی کا پورا انتظام کر سکتا ہے اور وہ خدا ہے۔ اُس کے منکر جن بے ہودہ باتوں کے قائل ہیں اُن سے بالکل مُنزّہ اور مُبرّا ہے اور پھر ہم اگر اس امر کی طرف نظر ڈالیں کہ باوجودیکہ آنکھ کا قطر ایک قیراط سے بھی کم ہے لیکن پھر بھی اُس کے شبکیہ پر اتنی بڑی زمین کی صورت سخت و نرم زمین، پہاڑوں، وادیوں، چٹانوں، دریاؤں، درختوں، مکانات اور حیوانات کی جملہ اقسام کے ساتھ مرتسم ہو جاتی ہے۔ پس گویا شبکیہ ایک دریا کا کنارہ ٹھہرا جس کی طرف نوری موجیں چاروں طرف سے چلی آتی ہیں اور کروڑوں کے کروڑوں ہی اُس کے پاس آکر ٹوٹتے جاتے ہیں اور اپنا اپنا نقش بناتے جاتے ہیں تو اس صورت کی باریکی کے سمجھنے میں جو کہ شبکیہ پر مرتسم ہوتی ہے ہماری عقلیں چکرا جاتی ہیں اور خوبی یہ کہ باوجود اس کے حجم کے اس قدر چھوٹے ہونے کے بھی اتنی بڑی زمین اور اُن تمام اشیاء کے ساتھ جو اُس میں

پائی جاتی ہیں پوری مشابہت موجود ہے حتیٰ کہ ذراسی شئے بھی اُس میں سے چھوٹنے نہیں پائی۔ اب اس موقع پر سمجھئے کہ اُس کی کتنی بڑی قدرت ہے جس نے کہ اُس کو ایجاد کیا اور اپنی حکمت سے اُس کی تدبیر کی۔ بے شک اُس خدا کی بہت بڑی شان ہے اور وہ تمام نقائص سے بالکل مبرا ہے اور جب ہم آنکھ کی تشریح کی طرف متوجہ ہوں اور اُن کے عضلات و اعصاب کو دیکھیں جو کہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور اُس کی شریانیں اور وریدوں سے واقف ہوں جن سے کہ اس کی پرورش ہوتی ہے اور اس کے علاوہ رباطات اور رطوبات وغیرہ سے آگاہی حاصل کریں تو ان سب سے ہمارا تعجب اور ہماری حیرت اور بڑھ جاتی ہے۔ پھر جب ہم آنکھ کے بارے تک پہنچتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالےٰ نے آنکھ کی حفاظت اور اُس کے کام کے بآسانی انجام پانے کے لئے جو تدبیریں کی ہیں وہ نہایت ہی مضبوط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی پر مبنی ہیں۔

مژگاں اور ابرو سے کیا فائدہ ہے؟

بیان اس کا یہ ہے کہ آنکھ جب کہ لطیف شئے تھی اور خارجی اجسام سے اگرچہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس کو صدمہ پہنچ جانے کا بہت اندیشہ تھا اس لئے اس کے بنانے والے نے سوائے اُس جہت کے جدھر سے کہ اس میں صورت کے مرتسم کرنے کے لئے نور داخل ہوتا ہے اور تمام اطراف سے محفوظ رکھنے کے لئے اُس کو استخوانی حلقہ کے اندر رکھ دیا ہے اور اُس کا پہلا طبقہ جسے کہ صلبہ کہتے ہیں مع قرنیہ کے لوچدار بنایا ہے تاکہ صدمات خارجیہ کا تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے۔

علاوہ بریں اس کو پپوٹوں سے بھی چھپا دیا ہے تاکہ وہ تمام اوقات خصوصًا سونے کے وقت محفوظ رہ سکے اور اُس سے زینت بھی حاصل ہو۔ پھر پپوٹوں کے کنارے پر اُس نے مژگان کو اُگا دیا ہے اور وہ سیاہ رنگ کے کسی قدر دبیز لوچدار اور کھڑے ہوئے بال ہوتے ہیں جن میں سے اوپر والے ذرا اوپر کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نیچے والے نیچے کی جانب کو اور اُن کے رنگ سیاہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ وہ اُس نور میں سے جو کہ باہر سے آنکھ پر آکر پڑتا ہے کسی قدر چوس لیں خصوصًا

جبکہ نور میں زیادہ قوت بھی پائی جائے دونوں بھنوئیں دونوں آنکھوں کے اُوپر سیاہ یا اُس کے مشابہ رنگ کی بغرض زینت رکھی گئی ہیں اور نیز اس لیئے کہ جو نور باہر سے آنکھ پر آکر پڑے اس میں سے کسی قدر چوس لیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی بھوؤں اور مژگان کے بالوں کا رنگ سفید ہوتا ہے اُس کی آنکھ چوندھیا جاتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں کو ذرا بند کر کے دیکھتا ہے۔

رہی یہ بات کہ نور کی مقدار کے کم کرنے اور ہلکا کرنے کا کام صرف سوراخ قزحیہ کے تنگ رکھنے ہی سے کیوں نہیں لیا گیا تو اُس کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ تنگ ہی رہتا تو ضرور دونوں آنکھیں ہمیشہ چندھی رہا کرتیں اور دیکھنے میں بھی بدنما معلوم ہوتیں اور پلک کے بالوں کے دبیز اور باوجود لوچدار ہونے کے قائم رکھے جانے میں یہ حکمت ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اجسام کا جو آنکھ پر گریں مقابلہ کر سکیں کیونکہ مثلاً آنکھ پر جب کوئی مٹی کا ریزہ گرتا ہے تو اکثر وہ مژگاں پر واقع ہوتا ہے اور وہ بال جو کہ تیروں کے مثل بلند رہتے ہیں اُس کو اندر جانے سے روکتے ہیں بلکہ اپنی لچک سے اُس کو دُور پھینک دیتے ہیں۔ اب یہ امر کہ اُوپر کی پلکوں کے بال اُوپر کی طرف اور نیچے کی پلکوں کے نیچے کی طرف کیوں مائل رکھے گئے ؟ اس کی یہ وجہ ہے کہ تا کہ جب پلکوں کا کھولنا منظور ہو تو آسانی سے کھل سکیں۔ کیونکہ بالفرض اگر مژگاں کے بال بالکل سیدھے ہوتے تو پلکوں کے بند کرنے کے وقت ایک دوسرے پر منطبق ہو جایا کرتے اور آنسو کی تری سے چپٹ کر رہ جاتے تو پھر اُن کے جُدا ہونے میں بڑی دقت پڑتی اور اگر کہیں وہ اس طرح پر قائم ہوتے کہ اوپر اور نیچے کے پلکوں کے بال ایک دوسرے میں داخل ہو جایا کرتے تب تو آنسوؤں کی رطوبت سے چمٹ جانے کی وجہ سے اُن کے جُدا کرنے میں اور بھی زیادہ دقت پڑا کرتی۔ علاوہ بریں اس طرح پر ہونے سے وہ نور کے طریق میں حائل ہو جاتے ہیں شبکیہ تک اُن کی بھی صورت منتقل ہوتی اور اس لئے جو چیزیں نظر آتیں اُن کی صورتوں میں پراگندگی واقع ہو جاتی۔

پس اُن دونوں کا اس طرح پر ہونا کہ کسی قدر اُوپر اور نیچے کی جانب اُن میں میلان پایا جاتا ہو عین حکمت اور غایت درجہ استحکام پر مبنی ہے اس کے

سوا اور کوئی صورت مناسب ہی نہیں ہو سکتی۔ ان سب فوائد سے اگر قطع نظر بھی کیا جائے تو مژگاں سے زینت حاصل ہونا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی کو ذوقِ سلیم ہی نصیب نہ ہو تو بات ہی دوسری ہے۔

پھر جب آنکھ سے غبار نہ تو حلقۂ چشم کی وجہ سے دفع ہو سکتا تھا اور نہ پپوٹوں ہی سے کیونکہ دیکھنے کے وقت اُن کے کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ مژگاں ہی اس کی دافع ہو سکتی تھیں اور غبار پڑنے کی وجہ سے قرنیہ کی شفافیت میں فتور پڑتا تھا اور جو غرض اُس کے شفاف رکھنے سے ہے وہ باطل ہوئی جاتی تھی علاوہ بریں آنکھ میں غبار کے جم جانے سے اُس کا ضرر بھی متصور تھا اسلئے خدائے حکیم نے اُس کے صاف کرنے کا یہ انتظام کر رکھا ہے کہ آنسو کی گلٹیوں سے جو کہ پلکوں کے اندر آنکھ کے ڈھیلے کے چاروں طرف پائی جاتی ہیں کسی قدر آنسو نکلا کرے اور اُس کی وجہ سے آنکھ میں تراوٹ باقی رہے اور پلکوں کو کھلنے اور بند ہونے کے اعتبار سے تو خدا نے ایسا سریع بنایا ہے کہ اُن کی سرعت ضرب المثل ہو رہی ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ دیکھنے میں حرج واقع نہ ہو اور پراگندگی نہ آنے پائے۔ پس آنسو تو اس غبار کو جو پتلی پر واقع ہوتا ہے دھو دیتا ہے اور پلکیں اپنی حرکت سے اُس کو صاف کرتی ہیں اور غبار آلود آنسو کو دفع کر دیتی ہیں۔ پھر یہ آنسو جو کہ غبار سے مل کر میلا ہو گیا ہے اُس کا آنکھ سے کسی مناسب طریقہ سے نکلنا بھی ضروری ہے۔ پس اگر وہ پلکوں کے باہر نکل کر گالوں پر بہا کرتا تو چہرہ نہایت بدنما معلوم ہوتا اور گویا کہ چہرے پر دو گندے نالے ہر وقت بہا کرتے اس لئے خدائے حکیم نے ایسے گرد آمیز آنسوؤں کے پتلی سے دور کرنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ اُس نے اندر سے پلکوں کے کنارے اس ڈھب سے بنائے ہیں جن سے یہ آنسو اس گوشۂ چشم کی طرف جو ناک سے ملا ہوا ہے بآسانی بہہ سکیں۔ پھر اس نے اس مقام پر ذرا اوپر کو سوراخ بنایا ہے جو کہ ناک کے اندر آر پار واقع ہے اُس کو قنات دمعیہ یا آنسو کے بہنے کی نالی کہتے ہیں۔ یہ آنسو اس کی راہ سے ہو کر ناک کے اندر پہنچتے ہیں اور اس کی رطوبت سے مل کر وہاں جم جاتے ہیں پھر حیوانات اس کو ناک چھنک کر یا کسی اور طریقہ سے نکال ڈالتے ہیں ۔:۔

قنات دمعیہ کے بننے کے لئے مادہ کی غیرارادی حرکت وغیرہ کافی نہیں اور پھر قدرتِ خداتعالیٰ پر استدلال

اب مَیں کہتا ہوں ان ساری تدابیر سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو فقط قنات دمعیہ یعنی آنسو کے بہنے کی نالی ایک ایسی چیز ہے جس کی نسبت میری عقل تو اس امر کو کسی طرح نہیں تسلیم کرسکتی کہ یہ اتفاقی طور پر یا علی وجہ الضرورت بن گئی ہو۔ بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ کون سی ضرورت اس کو مقتضی ہوگئی تھی۔ اس موقع پر بلیباختہ زبان سے نکلتا ہے کہ وہ ذی حکمت اور پوری واقفیت رکھنے والا خدا نہایت منزہ ہے جس کی قدرت کے یہ سارے کارخانے نظر آتے ہیں۔

بینائی کے اجمالی طور پر منافع

اگر ہم ان منافع کی طرف نظر ڈالیں جو حیوان کو آنکھ سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ اُس کے ذریعے سے اپنے معاش کے طریقے دریافت کرتا ہے خوفناک چیزوں سے نجات پاتا ہے خوش آئند چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اُس کے ذریعہ سے اُس کو لاکھوں میل کی دوری کی چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ قریب کی اور ایسے ہی اور فوائد کو سمجھ لیجئے۔

پس ان سب باتوں سے ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ جس نے آنکھ عنایت کی ہے اُس نے بہت ہی بڑا احسان کیا ہے اور بہت کچھ بخش دیا اور اپنی مخلوقات کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے سلوک سے پیش آیا ہے۔ وہ نہایت ہی مقدس، ذی شان اور بڑی قدرت والا ہے۔

پھر محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پیرو جب ان اوضاع اور ان قوانینِ قدرت کے ساتھ نظر آنے کی کیفیت کے انتظام کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں اور اسی بات کا انہیں یقین ہوتا ہے کہ نظر آنا تو محض خدا کے پیدا کرنے سے ہُوا کرتا ہے۔

٭

محض خدا کی رویت پیدا کرنے سے ہمیں نظر آتا ہے اور بصر کے منعلق تمام قوانین قدرت عادی شرائط ہیں کوئی قانون مؤثر بالذات نہیں اور اس کے ثبوت میں امریکہ کے واقعہ کا ذکر

ہاں یہ اوضاع اور یہ قوانین قدرت جن پر کہ دکھلائی دینا مشروط سمجھا جاتا ہے وہ عادی شروط ہیں۔ یعنی خدا نے یہ اپنی عادت جاری کر رکھی ہے کہ ان شرطوں کے پائے جانے کے وقت وہ نظر کو پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے چیزیں دکھلائی دینے لگتی ہیں اور اگر وہ اس کو بغیر ان شرطوں کے پیدا کرنا چاہے تو بھی پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ باوجود ان ساری شرطوں کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونے کے بھی اگر وہ اس کا پیدا کرنا نہ چاہے تو ہرگز اس کا وجود نہ ہو اور کوئی چیز بھی نظر نہ آئے اور اس امر کی ان کے پاس بہت سی قاطع اور یقینی دلیلیں موجود ہیں جو کہ اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کا اس موقع پر ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں اور خدائے عالم کے صفات کے ثابت کرنے کے مقام پر پیشتر ہمارا بیان گزر چکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم میں کوئی اثر بغیر خدائے پاک کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کے ہرگز نہیں پایا جا سکتا اور ظاہر ہے کہ نظر آنا بھی منجملہ آثار کے ہے تو اس کی بھی یہی حالت ہونا چاہیئے اور اے اہلِ سائنس! اور اے مادہ کے قدیم ماننے والو! تمہارے طرزِ استدلال کے موافق وہ دلیل جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ساری شرطیں عادی ہیں اور یہ کہ نظر آنے کی تمام شرائط کی اصل اصول اور سب سے قوی شرط یعنی روشنی کے معدوم ہونے کی حالت میں بھی نظر آنا ممکن ہے۔ وہ مشہور واقعہ ہے جو تمہارے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے اور جس کو کہ بڑے بڑے فلاسفروں کی جماعت کثیر نے ذکر کیا ہے چنانچہ اس زمانہ کے مصنفوں میں سے بھی بعض بعض نے اُس کو نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امریکہ میں ایک جوان عورت کو کوئی مرض ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سوتے میں جاگنے والوں کی طرح سے کام کیا کرتی

تھی۔ اٹھتی تھی اور باتیں کرتی رہتی تھی۔ پھر جب رفتہ رفتہ مرض کی یہاں تک شدت پہنچی کہ دن ورات وہ اُس میں مبتلا رہا کرتی تھی جب مرض کا اُس کو دورہ ہوتا تھا تو اُس کی آنکھ عجب قسم کی ہو جاتی تھی کہ اُس سے عجیب تر کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اُس وقت وہ بڑی شدید تاریکی میں نہایت ہی باریک حرفوں کو پڑھ لیتی تھی اور خوبی یہ کہ اُس کی دونوں آنکھیں اس حالت میں بند رہا کرتی تھیں۔

یہ واقعہ پیروانِ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کا بالکل مؤید ہے کہ نظر آنا محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے ہُوا کرتا ہے جیسا کہ دیگر احساسات کا بھی یہی حال ہے اور نظر آنے یا کسی دوسرے احساس کے لئے جتنی شرطیں کہ مقرر ہیں وہ سب عادی ہیں جیسا کہ ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں اور اگر ہم سننے سونگھنے چکھنے اور چھُو کر دریافت کرنے کے اعضاء سے بحث کرنے والوں کے تمام بیانات اس موقع پر ذکر کریں اور اُن عجیب وغریب تراکیب و انتظامات کو جو قوانینِ قدرت کے موافق ہر ایک کے مکمل ہونے کے لئے کئے گئے ہیں بیان کریں اور اُن کے ذریعے سے ادراک کرنے کی کیفیت سے بحث کریں اور یہ دکھائیں کہ اُن حواس سے حیوان کو کیا منافع حاصل ہوتے ہیں اور یہ کہ ہر ایک کو اُتنے ہی حواس دیئے گئے ہیں جن سے کہ اُسے اپنے محفوظ رہنے اور اپنی زندگی کے ضروریات دریافت کرنے کے لئے ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں صاف طور پر یہ معلوم ہونے لگے گا کہ مصنوعات میں کس کا مرتبہ بڑھا ہُوا ہے اور بلا تامل خلوصِ قلب سے ہم اس امر کی شہادت دینے لگیں کہ جس نے یہ حواس عنایت کئے ہیں وہ بے شک پوری قدرت، نہایت وسیع علم اور اعلےٰ درجے کی حکمت والا ہے۔ اُس کی عطیات بکثرت ہیں اور اُس کی نسبت جو کچھ ناواقف کہا کرتے ہیں وہ ان تمام خرافات سے بالکل مُبرّا اور منزہ ہے۔

لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان سب مباحث کے ذکر کرنے سے کلام میں نہایت طوالت آجائے گی اور عجب نہیں کہ ناظرین اُکتا جائیں اور اصل مقصود ہاتھ سے جاتا رہے۔ اس لئے میں اپنے قلم کو روکتا ہوں نمونہ کے طور پر میں نے کچھ بیان کر ہی دیا ہے۔

جسم حیوانی جن اعضاء پر مشتمل ہے اور جو اُن کے افعال ہیں اُن کا اجمالی بیان اور خدا کی حکمت کا اظہار

اگر ہم ساخت انسانی اور اُس کے بدن کے باقی اعضاء پر کریں اور اُن میں سے ہر ایک کے کام کو دیکھیں اور جتنی چیزیں کہ حیوانی بدن میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ بہنے والی ہوں خواہ بستہ ہوں اور اُن کے منافع کو لحاظ کریں تو ہمیں یہ امر کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگے گا کہ ان سب چیزوں کے لئے ضرور کوئی ذی حکمت منتظم اور اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا خالق ہے۔ اب مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو اشارۃً ذکر کر دوں۔

پس میں کہتا ہوں کہ کیا دیکھنے والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور کیا بحث کرنے والے غور و فکر سے ذرا بھی کام نہیں لیتے اور انہیں عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود کا یقین نہیں ہوتا۔ جب وہ اُن چیزوں کو جو انسانی جسم میں پائی جاتی ہیں جیسے کہ گودا۔ گودے دار ہڈی۔ پٹھے۔ دل دو پھیپھڑے۔ جگر۔ طحال۔ دو گردے معدہ۔ آنتیں۔ ورید۔ شرائیں۔ اوتار۔ عضلے۔ غدود، کری ہڈیاں۔ سخت ہڈیاں۔ جالی دار ہڈیاں۔ سائل اشیاء جیسے کہ خون۔ صفراء۔ لعاب۔ معدہ۔ آنتوں اور پنکریاس[1] گلٹی کے عرق۔ مختلف گیس وغیرہ دیکھتے ہیں اور ان چیزوں کے افعال۔ تحریکات اور وہ اعمال جو اُن سے بدن میں مثل ہضم کرنے۔ پرورش کرنے۔ سانس لینے اور اشیاء کو باہم جدا کرنے کے انجام پاتے ہیں اُن پر مطلع ہوتے ہیں اور اعضاء توالد اُن کے افعال اُن کا استحکام اور توالد و تناسل اور اُن انتظامات کی کیفیت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو کہ امر توالد کے انجام پانے۔ بچہ کے محفوظ رکھنے اُس کے نشو و نما وغیرہ کے لئے ضروری ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی تدبیر کے امور ہیں جن کی تفصیل سے جلدیں کی جلدیں بھری جاسکتی ہیں۔

---

[1] پنکریاس معدہ سے متصل ایک گلٹی ہوتی ہے جس سے عرق ہاضم نکلتا ہے جس کو لبلبہ کہتے ہیں۔ ۱۲

علم کائنات جاننے والے خدا کے وجود پر اس کے ذی قدرت ذی حکمت ہونے پر اس طرح اور اوصاف پر استدلال آنے کے زیادہ مستحق ہیں

وہ علماء جو ان مباحث پر تفصیل کے ساتھ واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اُن پر ان سب کی باریکیاں۔ اسرار اور حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اس بات کے مستحق ہیں کہ عالم کے لئے ذی علم مدبر باحکمت پیدا کرنے والے خدا کا تمام لوگوں سے اور بھی زیادہ قوی یقین کریں اور اگر ہم کہیں کہ یہ لوگ اُن علماء علم کلام سے بھی جو خدا کے وجود پر اجمالی دلیلیں قائم کرتے ہیں بڑھ کر خدا پر ایمان لانے اور اُس کے وجود کو ماننے کے مستحق ہیں تو کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ لوگ تو عالم کے پیدا کرنے والے کی مصنوعات میں سے عجیب سے عجیب اشیاء کے تفصیلی حالات پر واقف ہوتے ہیں اور کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ خدائے پاک کے وجود پر سوائے اس کے کہ اُس کی مصنوعات اور عجائبات قدرت سے اس پر استدلال کیا جائے اور بھی کوئی عقلی دلیل ہو سکتی ہے۔

پس جب کوئی انہی مصنوعات میں غور کرے گا اور اُن کی تفصیلی حالت پر اُسے اطلاع ہو گی اُن کا استحکام اور یہ امر کہ اُن کے بنانے میں ضرور ارادہ اور حکمت سے کام لیا گیا ہے اُس پر ظاہر ہو گا اور ضرورت اور اتفاق اُس کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائیں گے تو اُس وقت آپ دیکھیں گے کہ ایسے شخص کے دل میں ایمان نے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم جما لیا ہے اور آپ کو نظر آئے گا کہ ضلالت و گمراہی کی دست درازیوں سے وہ کوسوں دور جا پڑا ہے اُس پر اُس کا جادو ہرگز نہیں چل سکتا۔

کالجوں میں جن میں کہ سائنس و طبعیات وغیرہ علوم کائنات پڑھائے جاتے ہیں تعلیم پانے والوں کے عقائد بجائے قوت ایمان کے فاسد کیوں ہوتے ہیں اور اس کی اصلاح کی کیا تدبیر ہے

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ اُن کالجوں میں داخل ہوتے ہیں جن میں کہ علوم کائنات کی تعلیم ہوتی ہے خصوصاً جن میں کہ علم طب وغیرہ میں کام آنے کی غرض سے علم

نباتات یا علم حیوانات پڑھایا جاتا ہے تو اُن میں سے اکثر کی ہم یہ حالت دیکھتے ہیں
کہ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد وہ کالج سے کیا نکلتے ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ہی
دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ اُن کے عقائد اسلامی عقائد سے کوسوں
دور معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ موجد عالم کے اعتقاد کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔
وجود کائنات اور تمام موجودات کے آثار کو مادہ اجزاء، مادہ کی حرکات، طبیعت، قوانین
قدرت فطرت وغیرہ اشیاء کے حوالہ کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خدا کوئی چیز ہی
نہیں ہوتا۔ اگر کچھ ہے تو نیچر ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی بے شعور اور نا سمجھ نیچر
سے ہو جاتا ہے۔

پس جب انہوں نے اتنا بڑا اسلامی رکن منہدم کر دیا تو انہوں نے دین اسلام
میں سے اعتقاد ہی کس بات کا کیا ہے؟ اب اُن سے کس عبادت کی اُمید ہو سکتی
ہے؟ اور اُن کی کون سی خصلت کون سا ادب قابلِ ستائش ٹھہر سکتا ہے خصوصاً
جب وہ فن طبیعیات بھی پڑھ لیتے ہیں۔ جب انہیں کائنات کے قوانینِ قدرت پر
اطلاع حاصل ہو جاتی ہے اور جب وہ ان کے اثر کرنے کی کیفیت سے واقف ہو جاتے
ہیں تب تو اُن کے ملحدانہ خیالات کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔ پس جب ایسی کیفیت ہو تو
یہ کہنا کہاں رہا کہ جو لوگ ان علوم کو تفصیل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں وہ خالق کائنات
کے وجود کے یقین کرنے اور اُس کے وجود کے نہایت ہی قوی اعتقاد رکھنے کے
زیادہ مستحق ہیں۔

اس اشکال کا جواب مجھ سے سنئے ان شاء اللہ تعالےٰ میں اس اعتراض کا شافی
و کافی جواب دوں گا اور میں اپنے جواب سے اپنے اسلامی بھائیوں کو متنبہ کر کے اس
امر کی طرف متوجہ کروں گا کہ وہ اس بلائے بے درماں کے دور کرنے کی جانب راغب
ہو جائیں جو کہ اُن کی نسل کے نوجوانوں میں سرایت کرتی چلی جاتی ہے ورنہ آئندہ نسلوں
میں جا کر اس کا علاج قریب قریب ناممکن کے ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ اس
باوقعت اور قابلِ قدر دین کی حمایت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اس کے تدارک
کرنے کی طرف ابھی سے نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔

پس سنئے کہ یہ علوم مذکورہ یعنی علم نباتات و علم حیوانات اور اسی طرح علم فلکیات

علم کائنات جو ایسے ہی اور علوم طبعیہ جن میں کہ کائنات کے قوانین قدرت سے بحث کی جاتی ہے جن میں کہ روشنی، پانی، ہوا، قوت کہربائی وغیرہ کے خواص بیان کئے جاتے ہیں۔ اس میں تو ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ ان علوم کے مباحث خالق کائنات کے وجود پر جن کے احوال سے ان علوم میں بحث کی جاتی ہے نہایت قوی دلیلوں کے ساتھ دلالت کرتے ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بہت ہی بڑا صاحب قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت رکھنے والا ہے کیونکہ ساری کائنات اُسی خالق کے آثار ہیں اور موثر پر اُس کے آثار ہی کو دیکھ کر استدلال کیا جاتا ہے اور پھر چونکہ ان علوم کے مباحث میں عقل پر کائنات کے اسرار اور حکمتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور اُس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ضرور یہ چیزیں کسی ذی اختیار نے اپنے قصد اور ارادہ سے بنائی ہیں اور اُن کے بنانے میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انتظام سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے ان مباحث سے خدا پر بخوبی استدلال ہوسکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ موثر پر استدلال کرنا بالکل آسان امر نہیں ہے۔ اس استدلال کے طریقہ میں ایسا اوقات بڑی دشواری درپیش ہو جایا کرتی ہے۔ یہاں قدم ذرا مشکل سے جمنے پاتے ہیں۔ اس موقع پر عقل کا لغزش سے پاک رہنا بڑا کام رکھتا ہے اس لئے کہ انسانی عقل جب آثار کو دیکھتی ہے اور اُن کے اسباب کے دریافت کرنے کے درپے ہوتی ہے اُس وقت اگر اُس نے باریک بینی سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ظاہری سبب تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اُسی کو موثر حقیقی اور سبب واقعی گمان کرنے لگتی ہے اور پھر اپنی رفتار کو وہیں ختم کر دیتی ہے اس وجہ سے جو لوگ علوم طبعیہ میں مشغول ہوتے ہیں اُن میں سے بعضوں کو جب اُن آثار پر جن سے کہ ان علوم میں بحث کی جاتی ہے اطلاع حاصل ہوئی اور وہ بغیر اس کے کہ باریک بینی سے کام لیتے اور بحث میں غور و فکر کرتے اُن آثار کے اسباب سے بحث کرنے لگے اور چونکہ انہیں کسی سچے دین کا اعتقاد یا ایسا ہی کوئی اور امر جو اُن کی فکروں کو متنبہ کرتا اور موثر حقیقی اور سبب واقعی تک اُن کی رہنمائی کرتا حاصل نہ تھا اس لئے اُن کی عقلیں مادہ اور قوانین قدرت تک کہ جو اُن آثار کے ظاہری اسباب تھے پہنچ کر رہ گئیں اور انہوں نے فرض کر لیا کہ مادہ کے اجزاء بسیطہ کی حرکت ہی سب کچھ کرتی ہے۔ بس

وہ اُسی کے وجود کے معتقد ہو کر رہ گئے اور چونکہ ان کی نظریں باریک بینی سے قاصر تھیں اس لئے اُن کی عقلیں اس امر سے متنبہ نہ ہو سکیں اور انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ آیا مادہ اور ان قوانینِ قدرت میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ان تمام عجائبات عالم کے حقیقی سبب قرار پائیں یا ایسا نہیں ہے اور نہ انہوں نے اسی کو سوچا کہ دیکھیں مادہ میں یہ قابلیت موجود بھی ہے کہ اُسی سے ساری چیزیں صادر ہوں اور وہ مادہ کسی سے صادر نہ ہُوا ہو یا اس کو اس وجہ سے کہ اس کا حدوث لازمی امر ہے کسی دوسری شئے کی بھی ضرورت ہے جس سے کہ وہ صادر ہُوا ہو اس سبب سے یہیں پر وہ ٹھہر کر رہ گئے اور انہوں نے اپنی عقلوں سے اس سے آگے کچھ کام نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انہوں نے اس امر کا تو اعتقاد کر لیا کہ تمام کائنات کے صادر ہونے کا حقیقی سبب مادہ۔ قوانینِ قدرت اور اُس کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہی ہے اور خدائے عالم کے وجود کے منکر ہو گئے اور اس انکار کے ایسے علاوی ہوئے کہ عالم میں جس اثر کو انہوں نے دیکھا مادہ اس کی حرکت اور اُن قوانینِ قدرت کی جانب جو اس میں پائے جاتے ہیں منسوب کرنے لگے پھر اُس کو انہوں نے مختلف عنوانات سے تعبیر کرنا اختیار کیا جس سے وہ صرف اپنی من سمجھوتی کر لیتے ہیں۔ پس کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ اثر طبیعت کے فعل سے ہُوا کبھی کہتے ہیں قوانینِ قدرت کا فعل ہے۔ اسی طرح پر اور مختلف عنوانات بھی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اس ناتمام تحقیقات کے بڑے شدو مد سے معتقد بن گئے۔

پھر بعض کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہیں علوم کی رنگ آمیزیوں کی وجہ سے اُن مدارس میں سے جن میں کہ ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے کسی مدرسہ کے ٹیچر ہو گئے اور اُن کے پاس نوجوان ناواقف طالب علم ان علوم کے حاصل کرنے کے لئے آئے جنہیں اسلام کے سچے عقائد کی اطلاع تک نہیں اور نہ انہوں نے اس سے واقفیت حاصل کی کہ کائنات کے بننے اور ان آثار کے حادث ہونے کی کیفیت کی نسبت مسلمانوں کو کیا اعتقاد کرنا چاہیئے اور نہ انہوں نے اسی کو سمجھا کہ ساری کائنات زمین و آسمان کے موجد کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی ہے۔ اب ان علوم کے پڑھانے والوں کو موقع ملا کہ اپنے ان ناواقف شاگردوں میں اپنے باطل خیالات اور غلط اعتقادات

جو اُن کے دلوں میں ناتمام تحقیقات کی وجہ سے جم کر رہ گئے تھے علمی تحقیقات کے پیرایہ میں پھیلائیں۔

پس جب کبھی اُنہی عجائبات میں سے کسی عجیب چیز پر اطلاع ہوئی یا اسرارِ کائنات میں کوئی راز اُن کو معلوم ہُوا یا مصنوعات کی حکمتوں میں سے کسی حکمت پر اُن کو واقفیت حاصل ہوتی تو بجائے اس کے کہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتے کہ اس عجیب اثر کے ایجاد کرنے میں خدا کی حیرت انگیز صنعت کو دیکھو اور اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت میں غور کرو۔ اُنھوں نے اُن سے یہ کہا کہ تم نے دیکھا طبیعت کا کیسا تعجب خیز فعل ظاہر ہُوا اور فلاں قدرتی قانون کا کیسا عجیب و غریب اثر ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ایسی ہی اور مخرب عقائد باتیں کہنا شروع کیں۔ کاش اس موقع پر وہ یوں کہتے کہ تم نے فلاں قدرتی قانون کو دیکھا کیسا عجیب و غریب ہے۔ اب اس سے سمجھ لو کہ جس نے عالم میں ایسے قدرتی قوانین[لہ] جاری کئے ہیں وہ کیسا باحکمت اور قادرِ مطلق ہوگا

لہ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کو ظاہر کر دوں کہ قدرتی قانون نام کس چیز کا ہے۔ میرے نزدیک قانونِ فطرت کسی بااختیار کام کرنے والے کے طرزِ عمل کا نام ہے اور اس کی مثال ریل کی پٹڑی کی سی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریل جب چلتی ہے وہ اسی طرف کو جاتی ہے جدھر کہ اس کی پٹڑی بچھی ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم میں جو اثر ظاہر ہوتا ہے وہ قانونِ قدرت کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور جیسے کہ ریل کے چلنے کے لئے محض پٹڑی کا ہونا کافی نہیں بلکہ کسی ڈرائیور کی ضرورت ہے جو اس کو آگے لے چلے اسی طرح یہاں بھی کوئی ذی اختیار ہونا چاہیئے جو اپنے افعال قانونِ قدرت کے موافق کرے اور جیسے کہ ریل کی پٹڑی بچھانے والے کو اختیار ہے کہ وہ جدھر چاہے اس کا رخ بدل دے۔ اسی طرح خالقِ کائنات کو بھی اختیار ہے کہ جیسے کہ اُس نے اپنا طرزِ عمل ایک طور پر مقرر کر لیا تھا جس کو کہ قانونِ قدرت کہتے ہیں وہ بجائے اس کے کوئی دوسرا قانون مقرر کر دے۔ پس جیسے کہ ریل کے چلنے میں موثر اسٹیم یا ڈرائیور سمجھا جاتا ہے اور پٹڑی کو کوئی مؤثر نہیں کہتا اسی طرح اہلِ اسلام کے نزدیک حقیقت میں خدا مؤثر ہے اور قانونِ قدرت اس کا طرزِ عمل ہے جس کو کہ اُس نے اپنے اختیار سے مقرر کر رکھا ہے اس لئے قوانینِ قدرت حقیقی مؤثر نہیں ہو سکتے۔ اہلِ اسلام کے نزدیک قانونِ قدرت کا نام دعادت اللہ ہے۔ ۱۲

لیکن اُنھوں نے یہ تو کیا نہیں بلکہ قوانینِ فطرت تک پہنچ کر رہ گئے اور اُسی کی طرف تمام چیزوں کو مستند کیا گئے اور برابر اسی طریقہ کا اُن کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے یہاں تک کہ یہی کیفیت اُن کے دلوں میں بخوبی جاگزین ہوئی اور اسی قسم کے خیالات اُن کی عقلوں میں بھی منقوش ہوتے رہے۔

خلاصہ یہ کہ مدارس میں رہنے کا زمانہ ختم بھی نہیں ہونے پاتا کہ اُس سے پہلے ہی اُن کے دلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ عالم میں سوائے طبیعت مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت اور قوانینِ قدرت کے کوئی فاعل ہے ہی نہیں اور اُن کا یہ اعتقاد کہ عالم کا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ پس جس وقت وہ مدرسہ کو چھوڑتے ہیں تو اُن کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ ہی بلکہ اُس سے پہلے ہی اپنے آبائی دین کو بھی خیرباد کہہ چکتے ہیں اور اہلِ اسلام کو اُن سے یہ امید ہوتی ہے کہ جماعتِ اسلام میں تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد میں ترقی ہوئی یہ لوگ دین سے واقف ہوں گے ان سے اسلام کو نفع پہنچے گا۔ شریعتِ محمدیہ کی حمایت کریں گے اپنے ہم وطنوں کے کام آئیں گے اُن کے کامیاب ہونے کی تدابیر بتلائیں گے لیکن حقیقت میں اُن کی یہ ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اُن کی کوششیں بے سُود ثابت ہوتی ہیں اور اُن کو ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے جن کی نسبت وہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی ہمیں لوگوں میں سے ہیں ہمارے تعلیم یافتہ دینی بھائی ہیں اور واقع میں دیکھئے تو وہ دین، سلطنت اور وطن سب کے پکے دشمن ہوتے ہیں۔ عقائد ان کے اہلِ اسلام کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان کے طرز، رفتار، گفتار، برتاؤ وغیرہ جس میں دیکھئے کسی میں اسلامی بو تک نہیں پائی جاتی اُن کے مقاصد اور ارادے اسلامی شان کے بالکل خلاف ہوتے ہیں اُن کی حالت دیکھ کر تو بڑا جی دُکھتا ہے اور بے ساختہ منہ سے اناللہ وانا الیہ راجعون نکل جاتا ہے خدا ان کو ہدایت کرے۔

پس بہی خواہانِ اسلام کے ذمّہ یہ امر ضروری ہے کہ اس مصیبت عظیمہ کا تدارک کریں خصوصًا ان لوگوں کو تو اس کا پورا انتظام کرنا چاہیئے جو صاحبِ حکومت اور ذی اختیار بھی ہیں اُن کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ان مدارس کے لئے حتی المقدور صرف

ایسے ہی اشخاص معلم قرار دیئے جائیں جن کے عقیدے اسلام کے موافق صحیح صحیح ہوں طبعیت میں سلامت روی پائی جائے۔ اسلامی تعلیمات کے صدق دل سے معتقد ہوں صرف نام ہی کے مسلمان نہ ہوں بلکہ باوجود درستی عقائد کے شریعت محمدیہ کے آداب و اخلاق سے بھی آراستہ ہوں اور حتی الامکان شریعت کے پورے پابند ہوں اس لئے کہ شاگرد کی مثال اپنے اُستاد کے اعتبار سے بالکل آئینہ کی سی ہے۔

پس جیسے کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آتی ہے اسی کی صورت اس میں منقش ہو جاتی ہے اور نظر آنے لگتی ہے اسی طرح جو اُستاد کی حالت ہوتی ہے وہی شاگردوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے اُستاد کے خیالات کا شاگردوں پہ بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے اور دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ طالب علم ان مدارس (علوم طبعیہ کے مدارس) میں اُس وقت تک ہرگز داخل نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ پہلے ایک کافی زمانہ تک دینی مدارس میں قیام نہ کر چکے ہوں اور وہاں رہ کر انہوں نے اپنے اسلامی عقیدے پورے طور سے صحیح نہ کر لئے ہوں تاکہ اُس کے بعد شبہات لایعنی سے اُن میں تزلزل نہ آنے پائے اور لوگوں کی بے سروپا باتیں اور رنگ آمیزیاں اُن کو پس و پیش میں نہ ڈال سکیں آداب حسنہ سے اُن کی اصلاح ہو جائے اور عبادتوں کی بجاآوری کے عادی ہو جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ اس امر کے التزام کرنے سے وہ وقت جو ان) دنیوی علوم کی تحصیل کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا تو پھر یہ امر ضروری بلکہ نہایت ضروری ہے کہ انہیں مدارس میں ایسے علماء رکھے جائیں کہ ان کو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیا کریں اور اس ضرر کا مقابلہ کر سکیں۔

ان مدارس میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر اُن کے چھوڑنے کے وقت تک دینی عقائد اور احکام کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھا جاتے چاہے تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو لیکن ہو بلا ناغہ اور جب تک اُن کا ان مدارس میں قیام رہے۔ اُس زمانہ تک برابر یہ علماء اُن کے عقائد، آداب اور عبادات وغیرہ کے نگراں رہیں اور اُن کی اصلاح کرتے رہیں اور جہاں کہیں دینی احکام بظاہر ان عقلی علوم کے مخالف معلوم ہوں ان میں باہم تطبیق دیں اور دینی امور کو عقلی

دلائل سے طلباء کو ثابت کر دکھائیں۔

پس اگر ان دونوں شرطوں کی رعایت کی جائے گی جن میں کہ اوّل تو یہ کہ جو اساتذہ ان مدارس کے لئے انتخاب کئے جائیں وہ اسلام کے پابند ہوں اور ان کے عقائد اسلامی تعلیم کے موافق صحیح صحیح ہوں اور دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کی اسلامی احکام کی عموماً اور عقائد اسلام کی خصوصاً کافی نگرانی کے ساتھ تعلیم دی جائے۔ عام ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتظام کیا جائے یا عقلی علوم کے تحصیل کی ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو پھر یہ تعلیم یافتہ اشخاص کجروی سے ضرور محفوظ رہیں گے اُن کے دینی خصائل و آداب میں فتور نہ آنے پائے گا۔ عبادات میں اُن سے بے پرواہی ظاہر نہ ہوگی بلکہ اُن کے عقیدے پکے اور نہایت ہی پختہ ہوں گے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان عقلی علوم کی تحصیل کے زمانہ میں اُن کو خداوندی مصنوعات اُس کے حیرت انگیز افعال اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی حاصل ہوتا جائے گا کیونکہ اس تقدیر پر جب کبھی وہ کوئی عجیب صنعت یا عجائبات قدرت میں سے کوئی راز مشاہدہ کریں گے تو اپنے مسلمان اساتذہ کو یہی کہتے ہوئے سنیں گے کہ خداوندی صنعت کو دیکھو اور اس عجیب و غریب مصنوع میں جو اُس نے اپنی اعلیٰ درجہ کی پائدار اور محکم حکمت سے کام لیا ہے اُس میں غور کرو۔

پس اُس وقت بلا تامل اُن کی زبان سے خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا نکلے گی اُس کی تسبیح اور تنزیہ میں مشغول ہو جائیں گے اس طرح خداوندی عظمت اُن کے دلوں میں روز افزوں ترقی کرتی رہے گی اور اُس کی قدرت اُن کی نظروں میں نہایت ہی عظیم معلوم ہوگی۔ پس ان مدارس میں اُن کے قیام کا زمانہ گزرنے بھی نہ پائے گا کہ اس سے قبل ہی اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور موحدین میں سر بر آوردہ اور افضل شمار کئے جانے کے مستحق ہو جائیں گے اُس وقت بے شک مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ اشخاص پیدا ہو سکیں گے کہ اسلامی دین کی حمایت کریں اور اپنی قوم ملک اور سلطنت کے کام آویں۔ (اور[1] جب تک یہ کیفیت نہ ہوگی اسوقت تک ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ

---

[1] خط وحدانی کے اندر مترجم کی تقریر ہے ۱۲

علوم عقلیہ حاصل کر کے تعلیم یافتہ اشخاص میں شمار کئے جانے لگے اُن سے اسلام یا مسلمانوں کو کچھ بھی نفع پہنچ سکتا ہے کیونکہ جب اُن کے عقائد جو اسلام کا رکنِ اعظم ہے وہ ہی درست نہ ہوں گے تو اہلِ اسلام کو اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے جب وہ خود ہی اسلامی تعلیم سے ناآشنا ہو رہے ہیں تو اہلِ اسلام کو بحیثیت اسلام کے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔ رہے دنیاوی فوائد تو دین کے مقابل میں دنیاوی فوائد کی اُس شخص کی نظروں میں جو مسلمان ہے ہرگز وقعت نہیں ہو سکتی یہ امر اسلامی مقتضیٰ کے بالکل خلاف ہے۔ بفرضِ محال اگر اُن سے اس حالت میں دنیاوی نفع کی امید بھی کی جاوے تو دینی ضرر کے مقابلہ میں جو اُن سے پہنچے گا اُس کی کوئی قدر نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ بریں اس امر میں ان کی خصوصیت ہی کیا ہوئی دنیاوی نفع کے پہنچانے میں انسانی ہمدردی کے موافق تو غیر قومیں بھی برابر ہیں۔

میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرا مقصود اعتراض کرنا ہے میری اسلامی ہمدردی مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو ذرا متنبہ کر دوں۔ اب میں خدائے پاک سے اس امر کی التجا کرتا ہوں کہ ہمارے حکام کو ایسے امور کی توفیق دے جس میں اُمتِ محمدیہ کی بہتری ہو اور اُن کو اپنے فضل و کرم کی برکت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس کا اجر جزیل عنایت فرمائے۔ آمین

روح حیات، عقل وغیرہ کے مباحث میں خالق کائنات کے وجود پر نہایت ہی قوی دلائل موجود ہیں اور عقل اُن کی حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہے اور اس کا راز ۱۲

اے اہلِ سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو اب میں تم سے کہتا ہوں کہ محسوسات کے احوال میں تو ہم نظر کر چکے اس سے تو سابق میں بحث ہو چکی۔ اب اگر حیات، روح عقل، قوت متذکرہ وغیرہ نفس کی قوتوں میں ہم غور کریں تو ہم کو ایک بہت وسیع میدان نظر آئے گا جس کو دیکھ کر بجز متحیر رہ جانے کے اور کچھ نہ ہو گا اور بجائے اس کے کہ ان حقائق کی حقیقت اور اس امر سے ہم واقف ہو جائیں یعنی یہ کہ اشیا کی صورتیں انسان کے نزدیک کیونکر محفوظ رہتی ہیں بھولنے کے بعد اُسے کیونکر یاد آ جایا کرتی ہیں اُس کے صفحۂ فکر سے کس طرح پر چیزیں بالکل زائل ہو جایا کرتی ہیں

اور کس طور پر وہ معقولات کا تصور کرتا ہے کلی اور جزی کے احکام کیونکر اُس کے ذہن میں قائم رہتے ہیں تو ہم ایک بحر عمیق میں غوطہ کھاتے رہیں گے اور اس قسم کے جس مسئلہ کو آپ لیجئے گا اُس کی نسبت یہی دریافت ہو گا کہ علماء اور حکماء کی عقلیں اس کو حل نہ کر سکیں اُس کا راز کسی کی سمجھ میں پورے طور سے نہ آیا۔ یہ معمہ کسی پر نہ کھلا اور حقیقت حال تک شاید کسی کی بھی رسائی نہیں ہوئی۔ غایت سے غایت یہ ہوا کہ جو لوگ ان چیزوں کے حقائق کے دریافت کر لینے کے مدعی ہیں وہ چند ایسی دقیق اور مبہم باتیں کہہ دیتے ہیں کہ جس سے سننے والے کی ذرا بھی تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ کچھ سمجھ ہی سکتا ہے ۔

پس انسانی عقلوں سے ان حقائق کے مخفی رکھنے میں عجب نہیں کہ خداوند تعالیٰ کو ان کا عجز ظاہر کرنا مقصود ہو تا کہ اپنے کو ان اشیاء کے حقائق کے دریافت کر لینے سے عاجز پا کر اس امر پر متنبہ ہو جائیں کہ جب فکر انسانی اپنی اور اپنی قوتوں کی حقیقت پورے طور سے دریافت نہ کر سکے تو وہ اس کی حقیقت کے دریافت کر لینے پر کیونکر قدرت رکھ سکتی ہے کہ جس نے ان حقائق کو پیدا اور ایجاد کیا ہے ۔

اس موقع پر تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ انسان کہ جس نے اپنی عقل سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ افلاک اور سیارات کو دریافت کیا۔ جمادی، نباتی اور حیوانی دنیا پر اطلاع حاصل کی وہی اپنے نفس اور اپنی اور ان قوتوں کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہا اور تمام عقلاء سر ٹپک کر مر گئے اور آج تک اس بات کا فیصلہ نہ ہوا کہ ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے؟ ہر فلاسفر نے اپنی ایک نئی فلاسفی قائم کی جس سے کہ دوسروں نے انکار کیا۔ بہر حال قطعی فیصلہ ان امور میں سے کسی میں بھی نہ ہو سکا۔

اب اُس مبرّہ اور منزّہ خدا کی قدرت کو دیکھئے کہ جس نے تبلانے کو تو انسان کو عقل دے کر وہ وہ چیزیں تبلائیں کہ جن سے وہ بالکل ناواقف تھا لیکن پھر بھی اُس کو اُس کے نفس اور اس کی قوتوں کی حقیقت پر آگاہی نہیں بخشی۔ اس موقع پر پہنچ کر تو انسان کا ناطقہ بالکل بند ہو گیا اور تحیّر کی وجہ سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا اس کو چشم و گوش سے کچھ بہرہ ہی نہیں ملا ہے ۔

☆

اہلِ سائنس کو اس بات سے متنبہ کرنا کہ اُن کے عقائد کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ثابت ہو گا

پس اے مادہ کے قدیم ماننے والو اور اے میرے انسانی بھائیو! کیا جب مَیں تمام کائنات کے حادث ہونے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے واجب الوجود ہونے پر اتنے دلائل آپ لوگوں کے سامنے قائم کر چکا تو کیا اس کے بعد بھی آپ مادہ کے قدیم ہونے پر اصرار کریں گے اور یہی کہے جائیں گے کہ مادہ کے ذرّات بسیطہ کی حرکت ہی تمام کائنات کو بنانے والی ہے اور خدائے عالم کا جس نے کہ اپنے وجود پر روزِ روشن کے مثل کھلی کھلی دلیلیں قائم کر دی ہیں انکار ہی کرتے رہیں گے۔ مَیں آپ کے لئے اس امر کی دُعا کرتا ہوں کہ آپ کی عقلیں مختل ہونے سے محفوظ رہیں اور آپ تمام اشیاء کو انصاف کی نگاہ سے دیکھیں۔ میں بمقتضائے انسانی ہمدردی کے آپ لوگوں سے اس امر کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فکروں سے آزادانہ طور پر سوچیں اور غور کریں اور ان مغالطہ آمیز باتوں اور واہی تباہی شبہوں سے دھوکہ نہ کھائیں جن کی وجہ سے خدانخواستہ آپ کو سخت مصیبت اٹھانا پڑے کیونکہ زندگی کی مدت بہت تھوڑی ہے چند روز میں گزر جائے گی اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہتے ہیں اُس کے صحیح ہونے کی صورت میں آپ کو اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد سخت ہولناک چیزوں سے سامنا کرنا پڑے گا اُس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس کرنا پڑے گا اور عاقل کو تو چاہیئے کہ ایسا طریق اختیار کرے کہ جو زیادہ تر احتیاط پر مبنی ہو اور اس امر کا بھی لحاظ رکھے کہ جس کا واقع ہونا ذرا مشکل ہے کیوں نہ ہو چہ جائیکہ اگر کسی شئے کا وقوع بالکل آسان بھی ہو اور اس کے وجود میں آجانے کی امید بھی پائی جاتی ہو۔

اہلِ اسلام اور اہلِ سائنس کی حالت کو ایسے دو شخصوں کی مثال فرض کر کے دکھلانا جو ایک قصر میں داخل ہوئے اور ہر ایک نے جداگانہ رائے قائم کی

بھلا اپنے اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور تو کیجئے! اگر آپ ذرا بھی

غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ آپ کی مثال اُن کے ساتھ اُن دو شخصوں کی سی ہے
کہ جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے ہوں جس میں کہ
متعدد مستحکم کمرے اور نشست گاہیں پائی جاتی ہوں وہ دروازں اور جنگلوں سے
آراستہ ہو اُس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت اہتمام اور استحکام کے
ساتھ بنائی گئی ہوں اور ان کمروں میں اعلےٰ درجہ کے فرش بچھے ہوں بڑے بڑے
بلند تخت لگے ہوں۔ نہایت بیش قیمت برتن اُس کے چاروں طرف قرینہ سے
رکھے ہوں۔ مختلف گھڑیوں، متعدد مقیاس الحرارت اور مقیاس الہوا کے ذریعہ سے
اُس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو۔ اُس میں بود و باش کرنے کے لئے جتنے سامان
ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں اُس کے چاروں طرف نہایت خوب صورت
سیر گاہیں نظر آتی ہوں۔ گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جس میں درختوں کا صف
باندھ کر ایستادہ ہونا نگاہوں کو بہت خوش آئند معلوم ہوتا ہو۔ قسم قسم کے
پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُس کی نہروں اور جدولوں میں پانی
شوخی سے بہہ رہا ہو۔ اُس کی مستحکم بنی ہوئی حوضیں لبالب بھری ہوں۔

خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہوں کہ جو انہیں دیکھے یہی کہے
کہ فلاں چیز فلاں حکمت پر مبنی ہے۔ اس چیز سے یہ فائدہ ہے۔ اس کا بنانے والا
کیسا ذی اختیار اور مُدبّر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینہ سے بنائی اور جس
شَے کے لئے جو مقام تجویز کیا اُس کے لئے وہی مناسب تھا۔ اب ایسے مقام
پر پہنچ کر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ ساری صناعی خود بخود تو
ہو نہیں سکتی ضرور کسی بڑے صناع نے اس کو بنایا اور اُس کی تمام اشیاء کو مستحکم
کیا ہے صاحب اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری
صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا اُس کے تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی
بڑی واقفیت رکھتا تھا جب تو اُس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو
اس قدر مضبوط و مستحکم بنایا اور خوبی یہ کہ اُس کے تمام ہی لوازمات کامل طور پر
اُسے مہیا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور کما حقہ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو کوئی
امر آسائش میں مخل نہ ہونے پائے اس کا بنانے والا اگرچہ ہماری نظروں سے غائب ہے

ہم نے اُس کو دیکھا نہیں اور نہ ہماری عقل کی یہاں تک رسائی ہوئی کہ ہم اُس کی حقیقت دریافت کر لیتے لیکن تاہم اس بات میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ وہ ہے ضرور اور اُس میں علم، قدرت، تدبیر، حکمت وغیرہ ایسے اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑ سکتی ہے سب موجود ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ جس شئے کے وجود کا اور اُس کے اوصاف کا ہم یقین کرتے ہوں اُس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا ہو کیونکہ اگر کسی شئے کا کوئی اثر ہم کو معلوم ہو جائے تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ شئے بھی ضرور موجود ہے۔ چنانچہ اس موقع پر اس کوٹھی کے بنانے والے کے اثر کا (یعنی یہی کوٹھی اور جو جو صناعیاں اس میں پائی جاتی ہیں) دیکھ لینا اُس کے بنانے والے اور اُس کے خاص خاص اوصاف کے اعتقاد کے لئے بالکل کافی ہے اور عقل کی اس سے بخوبی تسکین ہو جاتی ہے پھر وہی شخص کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اُن میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہو گی اگرچہ میں اسکو دریافت نہیں کر سکا۔ کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اسی سے اس امر کو نہایت اطمینان کے ساتھ سمجھ لیا ہے کہ اس کے بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے بلا کسی حکمت کے اُس کو نہ بنایا ہو گا۔

دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کے بنانے والے کا تُو نے جو اعتقاد کر لیا میں نے تو اُس کو اپنی آنکھ سے اس کوٹھی کو بناتے ہوئے دیکھا نہیں پس میں تو اُس کے وجود کا ہرگز قائل نہیں اور نہ اُن صفات ہی کو مانوں گا جن کا کہ تو نے اس کوٹھی کو دیکھ کر اُس کی نسبت اعتقاد کر لیا ہے۔ لیکن ہاں اس کوٹھی کے اس استحکام کے ساتھ موجود ہونے کے لئے ضرور کوئی ایسی چیز ہونا چاہیئے کہ جس سے یہ تیار ہوئی ہو۔ یہ کہہ کر وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا اور اس کی نظر ایک پہاڑ پر جا پڑی جو اُس کوٹھی کے پاس ہی ایستادہ تھا اور اس کی جڑ سے پانی کا ایک چشمہ جاری تھا جس کا پانی اُس کوٹھی کی نہروں میں آتا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص کہنے لگا کہ میری عقل نے اُسے دریافت کر لیا جس سے کہ یہ کوٹھی واقع میں بنی ہے اور جو اس کی اور جتنی اشیاء کہ اس میں پائی جاتی ہیں اُن

سب کی حقیقی علت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے۔

پس لاکھوں ہی برس کا زمانہ گزرا جیسے کہ یہ ہوا مٹی پتھروں کو پہاڑ سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اُس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اُس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہوگئی اور کبھی کچھ اس طرح کبھی وہ سب چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور اُن کی اوضاع اور شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی گو کبھی یہ تبدیلی بدانتظامی کے ساتھ ہوتی اور کبھی انتظام کے ساتھ یہاں تک کہ کروڑوں ہی برس کے زمانہ کے گزرنے کے بعد اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کہ کمرے نشست گاہیں۔ دروازے۔ جنگلے۔ برآمدے۔ راستہ۔ حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں۔ مٹی کے ڈھیلے اور پتھر بارش کے پانی سے جو مٹی گیلی ہوگئی تھی اُس کی خاصیت کی وجہ سے جم گئے ہیں اس طرح پر اس قدر مستحکم اور مضبوط کوٹھی مع تمام صناعیوں کے تیار ہوگئی۔ رہا نہروں کا جاری ہونا اُس کی یہ صورت ہوئی کہ اسی چشمہ سے جو کہ اس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہہ بہہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا ہے کبھی بدانتظامی کے ساتھ اور کبھی باقاعدہ اس لئے کہ پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی۔ ہوا اور بارش کا اُس کے راستے میں اثر ہوتا رہا۔ شدہ شدہ لاکھوں ہی برس کے زمانہ کے گزرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں بن گئیں اور اُس میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔ اب اس کے برتن، فرش، گھڑیوں اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے اُن کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر یا اس زمین میں اُترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادھر ادھر منتقل کرتی رہی کبھی کوئی چیز نزدیک آگئی کبھی دور چلی گئی کبھی کوئی شئے کمرے کے اندر چلی آئی کبھی باہر ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ کروڑوں برس کے زمانہ کے بعد یہاں تک نوبت پہنچی کہ فرش بھی باقاعدہ بچھ گئے، برتن قطاروں میں آراستہ ہو گئے۔ گھڑیاں اور مختلف قسم کے

مقیاس دیوار پر آویزاں ہو گئے۔ یہی حالت اُن درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیر گاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں۔ اُن کے بیج ہوائیں اُڑا کر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پر جم کر اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادھر ادھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہو گئے حتیٰ کہ وہ موجودہ حالت پر نظر آنے لگے۔

خلاصہ یہ کہ ہواؤں کی آمد و رفت اور بارش کے اثر سے کبھی کوئی چیز ادھر ہوئی کبھی اُدھر۔ کبھی اس کی صورت مناسب وضع پر ہوئی کبھی اُس کے خلاف۔ اس طرح سے مختلف صورتیں بدلا کیں۔ یہاں تک کہ ان اسباب نے اس کو موجودہ ساخت پر پہنچا دیا اور جب وہ (کوٹھی) استحکام اور باقاعدگی کے اس مرتبہ کو پہنچے گی تو اب اُس میں ہوا اور بارش کے مقابلہ کرنے کی پوری قوت آگئی اس کی وجہ سے ان سب چیزوں میں جو تبدیلیاں اس سے پہلے واقع ہوا کرتی تھیں اب نہیں ہوتیں اور اُس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے کی شکلوں میں اس قدر استحکام نہیں آیا تھا جتنا کہ اب موجود ہے اور میرے نزدیک اس کوٹھی کا مع سارے ساز و سامان کے انہی اسباب مذکورہ کی وجہ سے موجود اور مرتب ہو جانا کچھ مستبعد نہیں ہے۔ کیونکہ ہوا اور بارش میں اگرچہ نہ کچھ عقل ہے اور نہ علم اور نہ وہ دونوں کوئی کام اپنے قصد و ارادہ سے کرتے ہیں لیکن اُن کی حرکات اور تصرفات کا بکثرت واقع ہونا اور اُن میں فرق کا لگاتار پایا جانا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے کہ اس کوٹھی اور اس کے سارے ساز و سامان کو حالت موجودہ پر پہنچا دیا اور اس میں اس قدر استحکام آگیا اور میرے نزدیک اس بات کی دلیل کہ یہ کوٹھی کسی نے اپنے قصد سے نہیں بنائی اور نہ کسی حکمت کی اس میں رعایت کی گئی ہے یہ ہے کہ اُس میں بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جن میں ارادہ اور حکمت کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا۔

پس اے اہلِ سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو! ان دونوں شخصوں میں سے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو پہلے شخص کی سی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ تمام کائنات ایجاد کی ہے وہ صاحب ارادہ، ذی قدرت، علم اور حکمت رکھنے والا خدا ہے اگرچہ یہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی کہ خدا کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے لیکن اُس کی مصنوعات کو دیکھ کر انہوں نے اس کے وجود اور اس کی صفات

پر استدلال کر لیا اور اگر کہیں اُس کی کسی مصنوعات کی حکمت اُن کی سمجھ میں نہیں آئی
تب بھی انہوں نے اس امر کو تسلیم کیا کہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے جو ہم پر
پوشیدہ رہی ہے اور کیونکر نہ تسلیم کرتے وہ اس کی باقی مصنوعات میں بے انتہا حکمتیں
مشاہدہ کر ہی چکے تھے اور دوسرے شخص کی مثال آپ لوگوں کی سی ہے جو اس بات
کے قائل ہیں کہ مادہ کی حرکت ہی نے تمام کائنات کو زمانہ دراز میں اس طرح پر بنایا ہے
کہ وہ حرکت اجزاء مادہ کی طرح طرح کی صورتیں بدلتی رہی حتیٰ کہ تمام کائنات موجودہ
حالت پر پہنچ گئی اور انتخاب طبعی کے قانون کے موافق وہ ایسے درجہ پر جا پہنچی
جس پر کہ اُس کو قرار ہو سکے اور یہی قانون کائنات کے نظام کا حافظ ہے اور یہی نہایت
عمدہ اشیاء کو باقی رکھتا ہے۔ اس عالم میں حکمت اور قصد کے نہ پائے جانے پر
آپ کا استدلال یہ ہے کہ بعض چیزیں عالم میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن میں حکمت اور
قصد کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا اور آپ لوگ ہزاروں لاکھوں حکمتوں سے جو
اس امر کی کھلی کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کائنات کا بنانے والا بڑا ہی ذی حکمت
ہے غافل رہے۔

پس ذرا غور تو کرو کہ ان دونوں شخصوں میں سے کون اس امر کا مستحق ٹھہر سکتا ہے
کہ عقول سلیمہ اُس کی بات مانیں اور نفسانی تعصبات اور شیطانی خواہشات سے
آزاد عقلیں اُسے تسلیم کریں۔ اے عقلمندو! ایسا اندھیر کہ حق کے واضح ہو جانے کے
بعد بھی اُس کے ساتھ روگردانی سے کام لیا جائے اور امر محسوس کے ظاہر ہو جانے
کے بعد بھی اپنی ہٹ دھرمی کی جائے۔ شرم! شرم! ہم سب کی ہدایت کا خدا ہی
مالک ہے جسے چاہے وہ ہدایت کرے۔

ذات خداوندی تمام عالم کو اُس کا عدم محض سے پیدا کر دینا اور اس کی مخلوقات میں اس کا حکم جاری ہونا وغیرہ جو امور پہلے ثابت کئے گئے اہل سائنس کے اُن پر اعتراضات اور اُنکے جوابات

اب جبکہ میں صانع عالم کے وجود پر اُس کے تمام صفات کمال کی ساتھ متصف ہونے

پر تمام نقائص سے منزہ ہونے پر اور اس امر پر کہ مادہ مادیات اور جمیع کائنات کا پیدا کرنے والا وہی خدا ہے۔ آپ لوگوں کے لئے ایسے دلائل قائم کر چکا جن سے مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ آپ کی عقلوں کی تسکین ہو جائے گی اور وہ دلائل آپ لوگوں کے لئے راہ ہدایت میں چلنے کا باعث ہو جائیں گی تو اس کے بعد مجھے آپ لوگوں سے کچھ اور عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں چند شبہے دیکھے ہیں کہ اگر آپ ان کو قطعی دلائل سے دفع نہ کریں تو وہ آپ کے ایمان میں ضرور رخنہ اندازی کا باعث واقع ہوں اور ان کا نتیجہ نہایت بُرا ہو۔ لیکن ہاں اگر آپ لوگ اہتمام کے ساتھ حق تک پہنچنے کے طالب ہو جائیں۔ اُن دلائل کو جو میں نے آپ لوگوں کے لئے قائم کی ہیں اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ اس خدا کی عظمت کو پیش نظر کر لیں۔ طریق معرفت میں اپنے عجز کا اعتراف کریں اور تسلیم کر لیں کہ خدائے پاک اور اُس کے تمام اعمال کے احاطہ کرنے سے ضرور ہم لوگ قاصر ہیں تو پھر یہ سارے شبہے ساقط ہو جائیں اور اس امر کا اعتقاد کر لینا کہ خدا موجود ہے اور اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے آپ لوگوں پر بالکل آسان ہو جائے اور ذرا بھی دقت نہ پڑے۔ اب اُن شبہوں میں سے جو آپ لوگوں کی (یعنی اہلِ سائنس کی) کتابوں میں مذکور ہیں نہایت ہی مشہور شبہوں کا ذکر کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالےٰ ثابت کر دوں گا کہ وہ بالکل ہی لچر ہیں۔ پس سُنئے۔

پہلا[1] شبہ۔ آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شئے موجود تو ہو لیکن نہ وہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو نہ جسم کی صورت ہو، نہ کوئی ایسا مادہ ہو کہ کسی معقول صورت میں سمجھ میں آسکے نہ اُس کی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے حقیقے ہو سکتے ہوں۔ اس کا فعل تو اسی سے صادر ہوتا ہو لیکن اُس کے ساتھ متصل نہ ہو اور اس سے آپ کا مقصود خدائے پاک کی ذات ہے۔

دُوسرا[2] شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شئے عدم محض سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو اور پھر موجود ہو جائے اور اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ مادہ کا عدم سے وجود میں آجانا ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی۔

تیسرا[3] شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نظامِ کائنات میں قصد اور حکمت کی

رعایت ہوتی تو ہر شے میں قصد اور حکمت کے پورے پورے آثار موجود ہونا ضروری امر تھا۔ حالانکہ عالم میں ایسی اشیاء بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قصد اور حکمت پر وہ منطبق نہیں ہوتیں بلکہ قصد اور حکمت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اس لئے علی وجہ الضرورت ہی ان کا انطباق ہو گا۔ یعنی تمام اشیاء میں جب قصد اور حکمت کے آثار ہماری سمجھ میں نہیں آئے تو بس یہی کہنا چاہیئے کہ تمام چیزیں علی وجہ الضرورت ہو گئیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ سابق کی تمام بحث سے آپ اس بات کو جان چکے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو خدائے عالم اور اُس کی تمام صفات پر اسی کائنات سے استدلال کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ کائنات کے حادث ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کا خود بخود پایا جانا محال ہے اور یہ کائنات، عظمت، عجیب صنعت، استحکام اور مضبوطی کے اعتبار سے ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئی ہے کہ اُن سب پر حاوی ہو جانا اور سب کو احاطہ کر لینا انسانی عقل کا کام نہیں وہ اس سے بالکل عاجز ہے۔ پس اس وقت یہ کائنات اپنے پیدا کرنے والے کی صفات اور خود اس کی ذات کی عظمت پر اور اُس کی حکمت کے نہایت ہی عالی ہونے پر کہ جس کا حصر کر لینا ممکن ہی نہیں اور نہ افکار اُس کو حاوی ہو سکتے ہیں بہت اچھی طرح سے دلالت کرتی ہے اور انسانی عقل کا یہی خاصہ ہے کہ آثار کی عظمت سے موثر کی عظمت پر استدلال کیا کرتی ہے اور جس قدر کہ آثار عظیم ہُوا کرتے ہیں اسی قدر مُوثر کی عظمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہم اور آپ گزشتہ قوموں کی قدر و منزلت پر اُن کے آثار کی عظمت دیکھ کر استدلال کیا کرتے ہیں۔

اہلِ سائنس کی کتب میں بکثرت ایسی اشیاء کے مذکور ہونے سے جن کی حقیقت نامعلوم ہے اُن کے ادراک حقیقت سے قاصر و عاجز ہونے پر استدلال

پھر اگر آپ علمی تحقیقات میں غور کریں اور جتنی چیزیں کہ آپ کو دریافت ہو چکی ہیں اُن اشیاء سے اُن کا مقابلہ کریں کہ جو اَب تک معلوم نہیں ہو سکیں اور جن پر کہ

اب تک پردہ پڑا ہُوا ہے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کائنات میں آپ کی معلومات بہت ہی کم ہیں حتیٰ کہ جو نسبت ایک قطرہ کو سمندر کے ساتھ یا ایک ذرہ کو ریگستان کے ساتھ ہوتی ہے وہ بھی مشکل سے نکل سکے گی اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے ورنہ علم طب، علم کیمیا، علم تشریح، علم فزیالوجی (وہ علم جس میں اعضاء حیوانات وغیرہ کے افعال اور حکم سے بحث ہوتی ہے) علم باتلوجی، علم جیالوجی (علم طبقات الارض) علم فلکیات، علم کائنات جو اور جو اس کے علاوہ اور علوم ہیں جن ہیں کہ آپ لوگوں کو خوب مہارت ہے اور جن کی کہ بڑی بڑی ضخیم جلدیں کی جلدیں آپ لوگوں نے تالیف کر ڈالی ہیں اور ان کے بیان میں آپ نے بڑی طوالت سے کام لیا ہے۔ ان سب علوم کو لیجئے ان کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے قریب قریب کوئی صفحہ ایسا نہ ہو گا کہ جس میں آپ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے نہ پاتے ہوں کہ فلاں امر کی حقیقت ہمیشہ نامعلوم رہی یا اُس شئے کی حقیقت کے کافی طور پر بیان کرنے تک علماء کی رسائی نہ ہو سکی اس میں انہوں نے بڑا اختلاف کیا۔ فلاں شئے کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہ ہو سکی۔ فلاں شئے کا فعل ہمیشہ مخفی رہا۔ فلاں شئے کے فائدے کی اطلاع ہی نہ ہوئی۔

علاوہ اس کے اسی طرح کی اور عبارتیں پکار پکار کہہ رہی ہیں کہ کائنات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی حقیقت سے ناواقفیت کے آپ لوگ خود قائل ہیں اور آپ لوگ تو ہمیشہ ہی اسی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں کہ کسی طرح اشیاء عالم کی حقیقتوں کو دریافت کریں۔ چنانچہ آپ علمی مجالس میں برابر اشیاء کائنات کی نسبت اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور بہیروں کو اپنی رائے کی غلطی بھی جو اُنہوں نے ایک زمانہ صرف کر کے حقائق اشیاء کی نسبت قائم کی تھی واضح ہو جایا کرتی ہے اور یہ ایک ایسی ظاہر بات ہے جس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا۔ کیا آپ اور کیا علماء جو اس زمانہ میں تحقیقات علمیہ کے درپے رہتے ہیں اس امر سے خوب واقف ہیں۔ اس کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ اگر شاید آپ لوگ اس امر سے انکار کریں اور بکثرت اشیاء سے اپنی ناواقفی اور اپنے علم کی قلت کا ہٹ دھرمی سے اقرار نہ کریں تو میں آپ سے کہوں گا کہ اس بات کی بہت ہی بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ لوگ

مادہ کی حقیقت سے جسے کہ آپ رات دن دیکھتے اور چھوتے رہتے ہیں اب تک ناواقف ہیں اور آج تک فلسفی دنیا کی مادہ کی حقیقت کی نسبت کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوئی حالانکہ مادہ ہی آپ لوگوں کے نزدیک تمام کائنات کی اصل ہے۔

اہلِ سائنس کا مادہ کی حقیقت کافی طور پر نہ بتلا سکنا اور نیز حواسِ خمسہ سے ادراک کرنے کی جو حقیقت ہے اُس سے ناواقف ہونا

اسی طرح دیکھنے، سُننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے سے جن اشیاء کا ہم کو ادراک ہُوا کرتا ہے آج تک اس کی حقیقت دریافت نہ ہو سکی کہ دماغ ان چیزوں کا کیونکر ادراک کر لیتا ہے۔ غایت سے غایت آپ اس بارہ میں یہ کہیں گے کہ پٹھا اشیاء کی صورتوں کو دماغ تک پہنچا دیا کرتا ہے اور وہ ادراک کر لیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس ادراک کی حقیقت کیا ہے اور اس کا کافی و وافی بیان تو وہ آج تک پورے طور سے آپ لوگوں سے نہیں ہو سکا (اور نہ کبھی ہوگا)۔

روشنی کے قوانین کے موافق ہم کو اشیاء معکوس نظر آنی چاہئیں لیکن پھر بھی سیدھی دکھائی دیتی ہیں اور اس کی کوئی قطعی وجہ اہلِ سائنس نہیں بیان کر سکتے

منجملہ اور مسائل کے ایک جزئی مسئلہ کو دیکھئے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی تحقیق کے موافق روشنی اپنی رفتار اور آنکھ کے مختلف طبقوں میں نفوذ کرنے کے لحاظ سے قوانین فطرت کے موافق دیکھی ہوئی چیزوں کی شبکیہ پر الٹی صورت مرتسم کرتی ہے۔ اب آپ لوگ اس امر کی تحقیق نہ کر سکے کہ عقل اس کو سیدھا کیوں دیکھتی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت بیشتر میں ایک احتمال بیان کر چکا ہوں شاید اس سے یہ اعتراض دفع ہو جائے۔
جس امر میں کہ میں گفتگو کر رہا ہوں اس میں بہت بڑی گنجائش ہے۔ اگر میں اُن تمام اشیاء کو جن سے کہ آپ اپنے علمی مباحث میں ناواقفی کا اظہار کرتے ہیں شمار کرنا شروع کر دوں تو کلام میں ضرورت سے زیادہ طوالت ہو جائے۔ میں اتنے مختصر

بیسا ان کو بھی منصف کے لئے کافی خیال کرتا ہوں اور ٹھکانے کی بات تو یہی ہے کہ موجودات
عالم کی نسبت آپ لوگوں کی ناواقفی اعلیٰ درجہ پر ہے اور بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ جب
یہ حالت ہو اور پھر اُس وقت آپ خدائے عالم کی عظمت کا اُس کے آثار قدرت سے
استدلال کر کے خیال باندھیں اور حقائق اشیاء کی نسبت اپنی ناواقفی کے مرتبہ کو بھی پیش نظر
رکھیں تو اُس وقت حق اور انصاف کی بات تو یہی ہے کہ اس خدائے عظیم کی حقیقت دریافت
کرنے کی ڈینگ سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ اگر انصاف اور شرم بھی کوئی چیز ہے تو کس
منہ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خداوند عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت رکھتے
ہیں جب کہ اُس کی مصنوعات میں سے ادنےٰ سے ادنےٰ چیزوں کی حقیقت سے
آپ ناواقف ہیں بقول شخصے کہ ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی — کہ با آسماں نیز پرداختی

وجہ یہ ہے کہ جو شخص فرض کیجئے کہ ایک گھڑی کی تمام چیزوں کی حقیقت کے دریافت
کرنے سے بھی عاجز رہے اور اس کا عجز ظاہر ہو گیا ہو تو اُس کو کس طرح سزا وار ہو سکتا ہے
کہ وہ محض اُس گھڑی کو دیکھ کر جس سے کہ صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے
والا ہے اُس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کر لینے کی ڈینگ مارنے لگے
اور یہ کہنے لگے کہ میں گھڑی ہی کو دیکھ کر بتلا سکتا ہوں کہ اُس کے بنانے والے کی کیسی
شکل و صورت ہے۔ وہ سفید ہے یا سیاہ، دراز قد ہے یا پستہ قد، موٹا ہے یا دُبلا۔
اسی طرح اور چیزیں بھی۔ جو کوئی ایسے شخص کو محض گھڑی دیکھ کر اُس کے بنانے والے
کی حقیقت دریافت کر لینے کی ڈینگ مارتے ہوئے سُنے گا یہی کہے گا کہ کیا تیری عقل
جاتی رہی ہے جو ایسی بے ہودہ باتیں بکتا ہے۔ عقل کے پورے ذرا سمجھ تو سہی کہ اس
گھڑی کے دیکھنے سے صرف یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کو کسی ایسے بنانے والے
نے بنایا ہے جو اُس کا بنانا جانتا ہے اور اُس کے بنانے پر اُس کو قدرت بھی حاصل
ہے۔ رہی یہ بات کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کے بنانے
والے کی حقیقت کیا ہے اور اس کی شکل و صورت کیسی ہے محض گھڑی کے دیکھ لینے کا تو
ہرگز یہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ اُس سے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے اور یہ کیونکر ہو سکتا
ہے جب کہ تو اُس کے تمام پرزوں کی بھی پورے طور سے حقیقت نہ جان سکا۔ حالانکہ

وہ تیرے سامنے موجود ہیں تو پھر اُس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کر لینے کے لئے جو کہ تیری نظروں سے غائب ہے ناحق اپنے نفس کو تکلیف دیتا ہے۔ یہ امر نہایت بے جا اور سراسر بے انصافی پر مبنی ہے اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم محض کائنات کو دیکھ کر اُس کے بنانے والے خدا کی حقیقت دریافت کر لیں گے بلکہ اس بات کو تو ہم بھی جانتے ہیں کہ محض کائنات کا دیکھ لینا اس خدا کی حقیقت پر دلالت نہیں کر سکتا اور نہ اُس سے اس کی حقیقت ہمیں معلوم ہو سکتی ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو خواص آپ نے ذکر کئے ہماری عقلوں میں یہ نہیں آتا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہو سکے جو اُن کے ساتھ موصوف ہو کر پائی جائے۔ بلکہ ہماری عقلوں کو تو اس بات کا یقین ہے کہ ایسی کوئی شئے نہیں پائی جا سکتی کہ جو اُن خواص مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو کر پائی جائے بلکہ ہماری عقلوں کو تو اس بات کا یقین ہے جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں۔

تو اُس کے جواب میں میں کہوں گا کہ اگر آپ کی عقلوں کو اس کے خیال کرنے کی قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ شئے واقع میں بھی موجود نہ ہو کیونکہ بکثرت ایسے حقائق ہیں کہ جن کو آپ پورے طور سے خیال نہیں کر سکتے اور پھر بھی وہ نفس الامر میں موجود ہیں اور صرف اس لئے کہ اُن کے وجود پر دلیل تام ہے اُن کا وجود مانا جاتا ہے اور آپ لوگوں کا یہ یقین کر لینا کہ ایسی شئے کا جو ان خواص کے ساتھ موصوف ہو پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ قیاس تمثیل[1] سے ناشی اور اُسی پر مبنی ہے جیسا کہ آپ کے اس قول سے (کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ بس آپ لوگوں نے جتنی اشیاء کہ مشاہدہ کیں اُن پر قیاس کر کے یہ گمان کر لیا کہ ہر شئے موجود کا ان خواص مذکورہ سے اضداد کے ساتھ موصوف ہونا

---

[1] ایک جزئی پر دوسری جزئی کو قیاس کر کے اس کا حکم دریافت کرنا قیاس تمثیل کہلاتا ہے ۱۲ مترجم

لازمی ہے اور یہ قیاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ محض دھوکہ کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات یہ دلیل انسان کو دھوکہ دے کر غلطی میں ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک شئے کے احکام کو دوسری شئے پر جاری کرنے لگتا ہے حالانکہ وہ احکام اُس دوسری شئے پر بوجہ کسی امر فارق کے کہ جس کی اطلاع مستدل کو نہیں ہوئی جاری نہیں ہوسکتے اس وقت آپ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسا خدا جو نہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو یہاں تک کہ تمام مادی خواص سے منزہ ہو اگر موجود مانا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے اور اُس کے ماننے سے کون سا امر مانع ہے۔ آپ لوگوں کا اس کی حقیقت کے تصور کرنے پر قادر نہ ہونا یہ کوئی استحالہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح ان چیزوں پر جو مادی عالم میں آپ لوگوں نے مشاہدہ کیں اُس خدا کو قیاس کرنا کہ جس کی وجہ سے آپ نے یہ یقین کر لیا کہ ایسے خدا کا وجود ناممکن ہے محض مغالطی قیاس ہے کیونکہ ان دونوں میں فرق کی وجہ موجود ہے اور وہ دونوں ہرگز یکساں نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ ایک کے احکام دوسرے پر جاری کرنا صحیح ٹھہر سکے اور اگر آپ کہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت کیا ہے اور کون سی شئے ہمارے ذمے اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ہم اُس خدا کے وجود کو مان ہی لیں تو اُس کا جواب ہم سے سُنئے کہ وہ شئے اُس کے آثار قدرت ہیں کہ جو اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور اگر آپ کہیں کہ اچھا اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس خدا کو جسم مادۂ جسم اور مادہ کے تمام خواص سے منزہ مانیں تو ہم کہیں گے کہ اس کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس بات پر دلائل قائم ہوچکے ہیں کہ مادہ اور مادہ کے آثار و خواص سب کے سب حادث ہیں قدیم نہیں ہوسکتے اور خدائے سبحانہٗ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ہو کیونکہ اگر مادہ یا مادی ہوگا یا اُس میں مادہ کے خواص پائے جائیں گے تو وہ بھی مادہ ہی کی طرح حادث ٹھہرے گا اور یہ محال ہے چنانچہ شروع بحث میں پیشتر اس کا بیان آچکا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی دلیل مل جائے جس کے ذریعہ سے ہم اُس خدا کی حقیقت تک پہنچ جائیں تو ہم آپ سے کہیں گے کہ پیروان محمدؐ کے نزدیک غایت درجہ کی بحث و تدقیق سے یہ بات ظاہر ہوچکی ہے کہ خدا کی حقیقت تک پہنچ جانا اور اُس کو دریافت کر لینا انسانی عقل کی طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ

شریعتِ محمدیہ کی تصریحات سے بھی صاف صاف یہی ظاہر ہوتا ہے اور وجہ یہی ہے کہ خدائے سبحانہٗ غایت درجہ کی عظمت والا ہے اور انسانی عقلوں کا ادراک اُس کی عظمت کے لحاظ سے انتہا درجہ کی پستی میں واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ادراک کی حیثیت سے پستی میں پڑا ہو ایسی حقیقت کے دریافت کرنے تک کہ جو انتہا درجہ عالی اور باعظمت ہو اُس کی رسائی ہونا ناممکن ہے اور اُن کی شریعت نے اُن کو سمجھا دیا ہے کہ اُس خدا کی جانب سے اُن کو اُسی قدر اُس کی معرفت کی تکلیف دی گئی ہے جہاں تک کہ اُس کے آثارِ قدرت سے پتہ چل سکتا ہے اور وہ اس امر کا یقین کر لینا کہ وہ موجود ہے زندہ ہے، ذی قدرت ہے، صاحب ارادہ ہے۔ اسی طرح تمام اُن صفات کے ساتھ موصوف ہے جن کا کہ پیشتر ہم ثبوت دے چکے ہیں اور اُن کی نسبت سابق میں ہم سے اور آپ سے گفتگو ہو چکی ہے اور اُن کی شریعت نے خدا تعالےٰ کے لئے بعض ایسی صفات کے اعتقاد کرنے کی بھی تکلیف دی ہے کہ نہ جن کے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم ہے اور نہ اُن کی نفی پر۔ اس لئے شریعت محمدیہ نے خود وہ صفات اُن کو بتلا دیئے ہیں۔

پس انہوں نے اس کا اعتقاد کر لیا اور ذاتِ خدا کی حقیقت میں خوض و بحث کرنے سے شریعت نے انہیں منع کر دیا ہے اس لئے کہ وہ اُس کے ادراک سے عاجز ہیں اور نیز اس خوف سے کہ کہیں اُس کو وہ اپنی عقلوں میں جیسا کہ وہ واقع میں ہے اُس کے خلاف نہ خیال کر لیں اور پھر قابلِ مذمت جہل میں جا پڑیں اور خلاف واقع کا اعتقاد کرنے لگیں۔ چنانچہ بعض پیروانِ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس بحث و تفتیش سے بچانے کو یوں کہا ہے (کہ جو چیز[1] تیرے (یعنی انسانی) دل میں آسکے وہ ضرور ہلاک ہونے والی ہے اور اللہ اُس کے خلاف ہے)۔

پھر سُنیئے جیسے کہ یہ خدا انتہا درجہ کی عظمت رکھنے والا ہے اُسی طرح اُس کے اعمال بھی غایت درجہ کے عظیم ہوتے ہیں۔ اور یہ بات اسی کائنات اور اُن عجائب و

---

[1] کل ما خطر ببالک فھو ھالک واللہ اجل من ذالک

غرائب میں جو اس میں پائے جاتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ اُن عجائب میں سے قدرے قلیل ہم بھی پیشتر بیان کر چکے ہیں اور اس میں تو کچھ شک نہیں کہ آپ لوگ اُس کی مصنوعات میں سے بکثرت اشیاء کے سمجھنے اور اُن کی حقیقت دریافت کر لینے سے عاجز ہیں گو اس کو پہلے بھی ہم نے بیان کیا ہے لیکن یہاں پر کچھ اور بھی بیان کئے دیتے ہیں چنانچہ آپ لوگ اپنی تحقیقات جدیدہ میں یہ کہتے ہیں کہ حرکت قوتِ کہربائی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور قوت کہربائی حرارت کی جانب اور حرارت روشنی کی جانب۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تصور کر لینا اور سمجھنا آپ کی وسعت میں ہے کہ اشیاء مذکورہ بعض بعض کی جانب کیونکر منتقل ہو جاتی ہیں اور پھر سمجھ کر کیا آپ کسی عبارت سے جس کو آپ نے سمجھا ہے بیان کر سکتے ہیں کہ انتقالات کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہو جائے میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس میں سے کچھ بھی آپ کی وسعت میں ہو غایت سے غایت آپ یہ کہیں گے کہ یہ انتقالات ذرات مادّہ کی حرکات اور اوضاع کے تغیر سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس تغیر کا واضح کر دینا اور اذہان کا اس کی حقیقت کو دریافت کر لینا پھر پہلے اور دوسرے انتقال میں اسی طرح دوسرے اور تیسرے وغیرہ انتقالات میں فرق بیان کر دینا ذرا کام رکھتا ہے کچھ آسان نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ اُس کے تصور کرنے اور حقیقت بیان کرنے سے آپ بالکل عاجز ہیں۔

پس جب اس خدا کی مصنوعات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں کہ جن کی نسبت آپ لوگوں کا عجز ظاہر ہو چکا ہے تو پھر اس میں آپ کو تعجب ہی کیا ہوتا ہے۔ اگر آپ اس بات کو تصور نہ کر سکیں کہ اُس خدا نے عالم کو عدم محض سے کیونکر پیدا کر دیا۔ حالانکہ آپ لوگوں کا کسی واقعی شئے کو تصور نہ کر سکنا اُس شئے کے فی نفسہ معدوم ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہماری عقلیں اس امر کو محال سمجھتی ہیں کہ کوئی شئے عدم محض سے وجود میں آ جائے یعنی یہ ہماری عقل میں نہیں آتا کہ کوئی شئے پہلے تو بالکل نیست و نابود ہو پھر وہ کسی وجہ سے موجود ہو جائے کیونکہ جتنی چیزیں ہم نے مشاہدہ کیں اُن میں سے کوئی

بھی ایسی نہیں دیکھی جو عدم محض سے پیدا ہوگئی ہو اور نہ کوئی ہم میں سے کسی شئے کو عدم محض سے پیدا کر سکا۔ اسی واسطے ہم اُس کے محال ہونے کا حکم کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ لوگوں کے کسی شئے کو عدم محض سے پیدا ہوتے ہُوئے مشاہدہ نہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ محال ہو۔ اسی طرح آپ لوگوں میں سے اگر کسی کو عدم محض سے کسی شئے کے پیدا کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ خدا بھی اس کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

پس آپ لوگوں کا اس امر کے محال ہونے کی نسبت حکم لگانا بھی قیاس تمثیل ہی پر مبنی ہے جو کہ قطعی الدلالت نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات سخت غلطی میں ڈال دیا کرتا ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور آپ لوگوں نے تو خدا کی قدرت کو اپنی قدرت پر خدا کے علم کو اپنے علم پر۔ خدا کے اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس کر لیا ہے۔ اس قیاس کا ضعیف ہونا تو جُدا رہا۔ یہ تو دیکھ لیجئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کیسا ظاہر فرق پایا جاتا ہے۔ بھلا کہاں آپ لوگ اور کہاں وہ خدا جس نے تمام کائنات کو اس استحکام کے ساتھ بنایا ہے اس فرق کا کچھ ٹھکانا ہے۔ اگر کچھ انصاف ہو تو زمین و آسمان کا فرق صاف صاف نظر آتا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا بات ہے آپ لوگ باوجودیکہ علم کیمیا میں بڑے فضل و کمال کی ہانکتے ہیں لیکن آج تک آپ کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ عناصر[1] کی تحلیل کر لیتے۔ یا کسی جسم کو ترکیب دے کر جاندار نہ بنا لیتے جس میں کہ زندگی کے تمام خواص پائے جاتے اور جان داروں کی سی اُس کی صورت ہوتی۔ ان دونوں بسیط امروں کے بنانے سے آپ لوگوں کا عاجز رہنا اسی طرح اور خداوندی اعمال میں سے بکثرت اعمال پر آپ کا قدرت نہ رکھنا ایسا امر ہے جس کی دلیل بیان کرنے میں کلام کو طوالت دینے کی حاجت نہیں تو کیا اس کے بعد بھی آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ آپ اپنے نفسوں کو اس خدائے قادر کی ذات پاک پر اور اپنے اعمال کو اُس کے اعمال پر قیاس کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔

---

[1] یعنی ہر عنصر کی تحلیل کر کے اُس کے ذرات بسیطہ نکال لیتے ہیں۔ مثلاً آکسیجن کو تحلیل کر کے اُس کے ذرات بسیطہ نکال لیتے ۱۲

علاوہ بریں اگر آپ غور سے کام لیں اور اپنے اعمال کو سوچیں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں بھی آپ کا حقیقی فعل نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ آپ مثلاً فلاں معدن کی جو اُس کے عناصر کی جانب تحلیل کرتے ہیں یا فلاں مرکب کو دو یا زیادہ عنصروں سے ترکیب دیتے ہیں تو اس کو دیکھئے ۔ آپ کو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ آپ نے تحلیل یا ترکیب میں اُنہیں اسباب سے کام لیا جو خدا کے پیدا کردہ ہیں اور انہیں کو جاری کر دیا۔ جن پر کہ آپ کو اطلاع حاصل ہو گئی کہ فلاں چیز کے لئے فلاں شئے سبب ہے ۔ مثلاً ایک شئے کو دوسرے میں ملا دینا یا گرم کرنا یا بجھا دینا وغیرہ۔ یہاں تک کہ اس طرح پر تحلیل یا ترکیب حاصل ہو گئی ۔ باقی رہی عناصر کے متمیز ہو جانے کی حقیقت اور یہ کہ کیونکر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یا ذرات مادہ کے خاص طور پر مل جانے کی کیا حقیقت ہے کہ جس سے شئے مطلوب حاصل ہوتی ہے ۔ واقعی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ ان سب باتوں کو پورے طور پر تصوّر کرنے سے عاجز ہیں اور نہ ان کا صاف صاف بیان ہی کر سکتے ہیں ۔ چہ جائیکہ آپ ان سب کے عمل کرنے پر بھی قادر ہوں اور یہ کر سکیں کہ دوسرے عناصر کے ذرات بسیطہ سے ہر عنصر کے ذرّات بسیطہ کو تحلیل کر کے بالکل جُدا کر لیں یا ہر عنصر کے ذرات بسیطہ کو دوسرے کے ذرات بسیطہ کے ساتھ خاص اوضاع پر کہ جو لازمی ہیں ملا کر ترکیب دے لیں ۔ اس سے آپ لوگوں کا صناعت اور عمل میں بھی عجز ظاہر ہو گیا جیسے کہ ادراک اور معرفت میں ظاہر ہو چکا ہے ۔

پس اے عقلمندو ! کیا اس کے بعد بھی اس خدا کے اعمال کو اپنے اعمال پر اور اُس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنے کی ڈینگ مارتے رہو گے اور یہی حکم لگائے جاؤ گے کہ جب تم کسی شئے کو عدم محض سے پیدا نہ کر سکے تو وہ خدا بھی اس سے عاجز رہے گا ۔ آپ لوگوں کی غلط فہمی سے خدا کی پناہ ! باوجودیکہ علم اور عمل دونوں میں آپ کا عجز ظاہر ہو چکا پھر بھی آپ دھوکے میں پڑے ہُوئے ہیں اور اپنی زبردستی سے باز نہیں آتے ۔ اگر دنیا میں انصاف بھی کوئی چیز ہے تو آپ لوگوں کو تو لازمی طور پر وہ طرز و روش اختیار کرنا چاہیئے تھا جس پر کہ پیروان محمد صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم چل رہے ہیں کیونکہ یہ طریق بالکل سیدھا

بے انصافی سے خالی اور سراسر انصاف پر مبنی ہے اس طرز کے اختیار کرنے میں انھوں نے دور اندیشی بیدار مغزی اور انتہا درجہ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک خدائے عالم کے وجود پر۔ اس کی قدرت کے عجیب و غریب اور باعظمت آثار کے مشاہدہ کرنے سے قطعی دلیل قائم ہو چکی اور اُن پر بحث و تدقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اس خدائے پاک کی عظمت کے مقابلہ میں اُن کے قوائے ادراکیہ بالکل قاصر ہیں اس وجہ سے اُس کی حقیقت کا سمجھنا اور تصور کر لینا اُن کے امکان سے باہر ہے اور اس سے وہ سراسر عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے خدا کا وجود جو آثار قدرت کی دلالت سے اُن کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے منتفی نہیں ہو سکتا اور نہ یہ خدا کے وجود پر جو قطعی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے ایمان لے آنے کے منافی ٹھہر سکتا ہے۔

یہ اُن کے نزدیک دلائل سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ عالم پہلے بالکل نیست تھا اور اُس کے بعد حادث ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم سے اُس کو حادث کرنے کے لئے کسی نہ کسی محدث کا ہونا لازمی ہے اور اُسی کو وہ خدا کہتے ہیں لیکن وہ اس احداث اور پیدا کرنے کی کیفیت کے تصور کرنے سے عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے اس کا محال ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ عاجز رہنا عالم کے اسی طور پر پیدا ہونے کے یقین کے منافی ہے کہ جو قطعی طور پر دلیل سے اُن کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس موقع سے آپ لوگوں میں سے بعض کا وہ قول بھی ساقط ہو گیا کہ جو ایسے موقع پر وہ کیا کرتے ہیں جبکہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد کرنا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو نہ جسم ہے اور نہ اس کے لئے اجسام کے صفات ہی ثابت ہیں اور نیز یہ اعتقاد کہ اُس خدائے پاک نے عالم کو محض عدم محض سے پیدا کیا ہے اور وہ قول یہ ہے (کہ صاحب اس اعتقاد میں تو بہت ہی قوی ایمان کی ضرورت ہے اس میں علم کو کوئی بھی دخل نہیں)۔

٭

یہ کہنا غلط ہے کہ ایمان علم نہیں ہے کیونکہ ایمان تو علم کے اعلے درجہ (یقین) کا نام ہوتا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کے کہنے والوں نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان کسی شئے کے محض سیدھے سادھے طور پر یقین کر لینے اور بلا کسی قطعی دلیل کے اندھا دھند کسی بات کے مان لینے کا نام ہے اور ان بھولے بھالے عقلمندوں کو یہ پتہ نہ لگا کہ شریعت محمدیہ میں ایمان جب تک کہ کسی قطعی دلیل سے نہ ہو کامل ہو ہی نہیں سکتا اور اس شریعت میں ایمان کامل کے یہ معنی ہیں کہ قطعی دلیل کے ذریعہ سے اُن ساری چیزوں کا یقینی علم حاصل ہو جن کی نسبت یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی شریعت کا اپنے آپ کو مطیع اور منقاد بھی بنا دیا جائے۔

پس ان لوگوں کا خدائے عالم کے وجود کے ساتھ اور اس بات کے ساتھ کہ اُس نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اسی قسم کا ایمان ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے لیکن وہ ذات خداوندی کی حقیقت اور نیز اس امر کے ادراک سے کہ اُس نے عدم محض سے عالم کو کیونکر پیدا کیا عجز کا اقرار کرتے ہیں اور کسی شئے کی حقیقت کے تصور کرنے سے عاجز رہنا جبس سے کہ نفس الامر کی وجود پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ اُس شئے کے وجود کے اعتقاد جازم کے منافی نہیں ہو سکتا۔ پس اُن بعض لوگوں کا کیسا لچر خیال ہے۔ حق بات کے بیان کرنے میں انہوں نے کیسی اپنی جہالت ظاہر کی ہے اور علم اور ایمان کے درمیان فرق کرنے میں کیسی غلطی کھائی ہے۔ یہ نہ سمجھ سکے کہ علم کی تمام انواع میں سے سب سے کامل نوع کو ایمان کہتے ہیں۔ ناواقفی بھی کیا بری چیز ہے۔ خدا اس ناواقفی اور جہل کا ستیاناس کرے۔

اور سنئے کہ پھر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعات خداوندی میں طرح طرح کے اسرار اور ایک سے ایک بڑھکر بے شمار حکمتیں مشاہدہ کیں اور روز بروز جو حکمتیں برسوں تک اُن پر مخفی رہی تھیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اس سے

ان کے نزدیک یہ بات اور بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ خدائے پاک بہت ہی بڑی حکمت والا ہے۔ لوگوں کی عقلیں اُس کی حکمتوں کو ہرگز حاوی نہیں ہوسکتیں اس کے بعد کائنات میں سے جب اُنھوں نے کسی شئے کا مشاہدہ کیا کہ جس کی حکمت اُن کو ظاہر نہ ہوئی تو انھوں نے اُس کی نسبت یہ اعتقاد نہیں کیا کہ وہ شئے محض عبث اور بلا کسی حکمت کے پائی گئی بلکہ یہی کہنے لگے کہ اس کا پیدا کرنے والا حکمت والا ہے۔ اس دلیل سے کہ ہم نے اُس کی کائنات میں اتنی حکمتیں مشاہدہ کی ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا اور ان میں سے بہت سی ایسی حکمتیں ہیں کہ جو ہم پر مدتوں تک مخفی رہیں اور پھر اُس کے بعد ظاہر ہوئیں۔

پس اس شئے کی نسبت بھی جس کی کہ ہمارے نزدیک حکمت ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے ہمیں یہی کہنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے جو ہم پر مخفی رہ گئی ہے نہ یہ کہ وہ شئے بلا کسی حکمت کے پائی گئی اور اس بارہ میں جس امر سے کہ ہماری عقلوں کی تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خالق نہایت ہی عظمت والا ہے۔ چنانچہ ہم اُس کے صفات، اسرار اور حکمتوں کی عظمت اُس کی خلق میں دیکھتے ہی ہیں اور انسانی عقلیں ہیں کتنی ہی وسعت کیوں نہ ہوجائے لیکن وہ اُس کی نسبت نہایت ہی حقیر ہیں اور اُس کی عظمت پر ہم قیاس کرکے کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ادراک کی اُس کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں ہے۔

پس اے اہلِ سائنس! آپ لوگوں کے حق میں امر صواب بدیہی ہے کہ آپ بھی اسی سرتاپا منصفانہ طریق پر جس پر کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہیں چلنا اختیار کریں۔ پس آپ لوگوں کی عقلیں اُن بے شمار حکمتوں کی وجہ سے کہ جو آپ کے نزدیک ظاہر ہوچکی ہیں اور نیز اُن کی وجہ سے کہ جو برسوں تک آپ لوگوں پر مخفی رہنے کے بعد وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں گی اس بات کو مان لیں گی کہ تمام کائنات حکمت پر مبنی ہے اور کوئی شئے بھی حکمت سے خالی نہیں اور یہیں سے آپ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں گے اور سمجھنے لگیں گے کہ عالم کے لئے ضرور کوئی ذی حکمت صانع ہے اور عالم میں کوئی شئے اندھادھند ضرورت کی وجہ سے بلا ارادہ موجود نہیں ہوئی اور جب آپ کسی ایسی چیز کو دیکھیں گے کہ جس کی حکمت آپ کو

ظاہر نہ ہو تو بجائے اس کے کہ آپ اس کو تمام کائنات کی بلا حکمت اور بغیر کسی ارادہ کے پیدا ہونے کی دلیل ٹھہرائیں اور اس کو خالق عالم کے وجود سے انکار کرنے کا ذریعہ بنانے کے درپے ہوں۔ آپ یہ کہیں گے کہ اتنی بے شمار حکمتیں جو ہم کو ظاہر ہو چکی ہیں ان پر قیاس کر کے ہم کو یہی حکم لگانا چاہیئے کہ اس شئے میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے کہ جو ہم سے مخفی رہ گئی اور اس بارے میں جو شئے آپ لوگوں کی عقلوں کو تسکین بخش سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس خدا کی عظمت اور کائنات میں جو اُس کے بڑے بڑے اعمال ہیں ان کی عظمت کا تصور کریں اور ان بے شمار حکمتوں کے علو قدر کو دیکھیں کہ جن پر آپ کو اطلاع حاصل ہو چکی ہے اس کے بعد یہ بھی لحاظ رکھیں کہ انسانی عقلیں خدائے تعالےٰ کے اُس کے اعمال اور حکمتوں کے اعتبار سے نہایت ہی قاصر ہیں اور ان کا ادراک اُس کے مقابل میں کسی شمار میں نہیں اور نہ کچھ ہستی رکھتا ہے۔

اب بعد اس کے میں آپ لوگوں کے ان تینوں شبہوں کو باطل کر چکا ہوں چاہتا ہوں کہ ایک مثال ذکر کروں جس سے کہ ان شبہوں کی طرف ذہن منتقل ہونے میں جو آپ کو دھوکہ ہو گیا ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے۔

خدا کی عظمت کے مقابل میں انسان کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ہمارے مقابل میں خوردبین سے پانی میں نظر آنیوالے کیڑوں کی

پس اے اہل سائنس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا تکلیف فرما کر اُن کیڑوں میں جو کہ بذریعہ مائی کراسکوب (خوردبین) پانی کے ایک ذرا سے قطرہ میں ہزاروں اور لاکھوں ہی نظر آتے ہیں۔ غور کریں کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ کیڑے باوجودیکہ اُن کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے جس قدر ادراک کی ضرورت پڑ سکتی ہے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی حقیقت کا تصوّر کر سکتے ہیں؟ اور کیا اس ساری تفصیل سے سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے اعضاء کیسے ہوتے ہیں اُن کے کیا افعال ہیں؟ اُس کے سننے، دیکھنے، سونگھنے چکھنے اور چھو کر دریافت کرنے کی کیا کیفیت ہے۔ وہ غذا کیونکر حاصل کرتا ہے

اُس کے اعضاء غذا کیا کیا افعال کیا کرتے ہیں؟ دورانِ خون کیونکر انجام پاتا ہے؟ اُس کے خیالات اور ادراکات کے بارہ میں دماغ سے کیا افعال سرزد ہوتے ہیں اسی طرح یہ کیڑے کیا انسانی مصنوعات اور اعمال کو جان سکتے ہیں یعنی یہ کہ دخانی کلیں کن اصول پر بنتی ہیں کیونکر اپنا کام انجام دیتی ہیں؟

مختلف قسم کے کپڑے انسان کس طرح بُنا کرتا ہے اُس کی اشیاء خورد و نوش اور ادویہ کیسی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اس کی تالیفات اور مطبوعات میں کیا ہے۔ ٹیلیگراف فوٹو گراف، ٹیلیفون فونو گراف وغیرہ کے آلات کس قسم کے ہُوا کرتے ہیں اُس نے اُن کو کیونکر ایجاد کیا؟ کس چیز سے بنایا۔ لوہے اور باقی معدنیات کو اُس نے زمین کے اندر سے کیسے نکال لیا اور اُس سے ایسے عجیب و غریب آلات کیونکر بنائے اور یہ کہ انسان کے بنائے ہوئے آلات اور کلوں کے ہر ہر پُرزے میں کیا حکمت مدنظر رکھی گئی ہے اور وہ اسی طرح کیوں بنایا گیا۔ مثلاً جب یہ کیڑے ٹیلیگراف کی بلیوں کو دیکھیں جن پر کہ تار لگا ہُوا ہے تو کیا اب وہ اس کی حکمت کے جان لینے پر قادر ہو سکتے ہیں اور اس پر کہ وہ اسی طرح کیوں لگایا گیا ہے اور کیا وہ ٹیلی گراف کی اور دوسری کلوں کو سمجھ سکتے ہیں جس حالت میں کہ انھوں نے سوائے اُن بلیوں اور لوہے کے تاروں کے جو اُن پر لگے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

پس جب فرض کر لیا جائے کہ انسان کے اعمالِ عظیمہ پر اُن کو اطلاع ہو گئی اور یہ کہ اس سے انھوں نے انسان کے وجود اور اُس کی عظمت پر استدلال کر لیا کہ وہ نہایت کامل حکمت والا ہے۔ پس کیا ان کیڑوں میں سے ہر ایک کو یہ کہنا کہ انھوں نے اُس کی مصنوعات کی بہت سی حکمتیں بھی دریافت کر لیں اور اس سے انھوں نے اس بات پر استدلال کر لیا کہ وہ نہایت حکمت والا ہے۔

پس کیا ان کیڑوں میں سے ہر ایک کو یہ کہنا ضروری نہ ہو گا کہ میں اتنے سے ادراک کو بکر جس کا کہ انسان اور اُس کے اعمال کے عظمت اور اس کی حکمت کی وسعت کے مقابل میں ذکر کرنا بھی نامناسب ہے۔ اُس کی حقیقت کے ادراک کر لینے کا دعوےٰ کر سکتا ہوں مجھے اس کی حقیقت کے دریافت کرنے سے

سراسر عجز کا اقرار ہے غایت سے غایت مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ میں اُس کے وجود اُس کی قدرت اُس کی حکمت کا یقین کر لوں اس لئے کہ میں نے اُس کے اعمال مشاہدہ کئے ہیں اور اس کی مصنوعات کے بنانے کی جو کیفیت ہو اُس کے ایک بہت بڑے حصّہ کے سمجھنے سے اپنے عجز کا اقرار کردوں اور محض اس وجہ سے کہ میری عاجز فکر اُس کا تدارک نہ کر سکی اُس کے وجود سے انکار نہ کردوں اور جب میں اُس کی مصنوعات میں سے کسی ایسی شئے کا مشاہدہ کروں جس کی حکمت مجھ پر ظاہر نہ ہو تو میرے اوپر یہ بات لازم ہے کہ اُس کی حکمت دریافت کرنے سے اپنے عاجز رہنے کا اقرار کر لوں۔ کیونکہ اُس کے اعمال کی بکثرت حکمتوں سے اُس کا ذی حکمت ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے۔ لیکن وہ میری فہم قاصر پر مخفی رہ گئی ہے۔ پس یہ کیڑے جب مثلاً ٹیلیگراف کی بلیوں کو دیکھیں گے اور نیز یہ کہ اُن کے اوپر تار لگے ہوئے ہیں تو وہ یہ نہ کہیں گے کہ یہ سب راستوں میں بغیر کسی حکمت اور فائدے کے بارش اور آفتاب کی گرمی سے تلف ہو جانے کے لئے لگے ہیں بلکہ کہیں گے کہ ضرور ان میں کوئی حکمت مدنظر رکھی گئی ہو گی اگرچہ وہ ہم پر مخفی ہے۔

پس اے اہلِ سائنس! آپ لوگوں کے علوم اور ادراکات اُس خدا کی عظمت اُس کے اعمال کی عظمت اور اُس کے علم اور حکمت کی وسعت میں ایسے ہی ہیں جیسے کہ ان مائیکرو اسکوپی کیڑوں کے ادراکات کو انسانی عظمت کے ساتھ اور نیز اُس کے اعمال میں جو قدرت علم اور حکمت پائی جاتی ہے اس کے ساتھ نسبت ہے۔ بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے انسانی ادراک کی خداوندی عظمت کے سامنے کوئی ہستی ہی نہیں ہے۔ جب یہ حالت ہو تو آپ لوگوں کا اپنے آپ کو نہایت عظیم خیال کرنا اور اپنے معلومات اور معارف کی کثرت پر ناز کرنا کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔

اہلِ سائنس کی مثال معتزلہ کی سی ہے

میں اپنے خیال میں آپ لوگوں کو اسلامی گروہ میں سے ایک گمراہ اور

مبتدع فرقہ (معتزلہ) کے بالکل مشابہ پاتا ہوں۔ انہوں نے خدائے تعالےٰ کے سامنے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ عظیم سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ خدا پر بھی اُس کے خلق کے بارہ میں اپنی جانب سے طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے اور اُس پر بھی مختلف احکام کی تعمیل کو واجب ٹھہرانے لگے۔ چنانچہ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسان کے حق میں جو امر بہتر ہو خدا کے ذمے اس کا کرنا واجب ہے اور اس سے وہ بالکل غافل رہے کہ خدا کے سامنے وہ ایسے ہیں جیسے کہ مائیکرا سکوپی کیڑے انسان کے سامنے بلکہ اس سے بھی انتہا درجہ حقیر اور ذلیل ہیں۔ اس امر سے بھی انہوں نے غفلت کی کہ خدائے پاک وہی ہے جس نے کہ اُنہیں عدم سے پیدا کیا ہے وہ اُن کا اور اُن کی جانوں کا علی الاطلاق مالک ہے اور وہ فاعل مختار ہے۔ اپنی مملوک چیز میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی مملوک میں کیسا ہی کیوں نہ تصرف کرے لیکن اس کی طرف ظلم کی ہرگز نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بہت ہی بڑا بادشاہ پانی میں سے جس کا کہ وہ مالک ہو ایک قطرہ لے حالانکہ اُس میں ان مائیکرا سکوپی کیڑوں میں سے ہزاروں ہی موجود ہوں اور پھر وہ اُسے آگ میں ڈال دے جس سے کہ وہ قطرہ اور سارے کیڑے جو کہ ایک قطرہ میں بسا اوقات اتنے ہوتے ہیں جتنے کہ تمام روئے زمین پر آدمی آباد ہوں گے سب کے سب بالکل نیست و نابود اور ہلاک ہو جائیں تو کیا اس موقع پر کسی کے دل میں یہ بات گزر سکتی ہے کہ اس بادشاہ نے کسی امر ممنوع کا ارتکاب کیا اور اپنے اس فعل سے ان بے چارے حیوانات پر ظلم کیا اور کیا کوئی اس بادشاہ سے اس بارے میں منازعت کر سکتا ہے حالانکہ وہ بادشاہ اس قطرہ کا اور نیز اُن تمام جان داروں کا جو کہ اس قطرہ میں تھے مالک تھا۔

میرے نزدیک تو اس بارہ میں بادشاہ سے سوائے اُس شخص کے جو کہ خبطی اور ایسے امور سے ناحق تعرض کرنے کا عادی ہو جس میں کہ اُس کا کوئی بھی ساتھ نہ دے اور کوئی منازعت نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس خدا نے محض اپنی رحمت اور فضل سے اپنی تمام مخلوق کو بے شمار نعمتیں دے کر مالا مال کر دیا ہے۔ لیکن خدا کا یہ نعمتیں دینا بطور وجوب کے نہیں ہے بلکہ محض اُس کی مہربانی اور احسان ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ یہ نعمتیں نہ دیتا اور بجائے اس کے طرح طرح کی مصیبتیں اُن پر مسلط کر دیتا تو یہ فعل بھی

اُس کی جانب سے مستحسن ہی شمار ہوتا اس لئے کہ وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا اُس سے منازعت کرنے کا کسی کو حق نہیں وہ جو چاہے سو کرے اور جو اس کا ارادہ ہو وہ حکم کرے۔

پس اے اہلِ سائنس! بعد اس کے کہ حق آپ پر ظاہر ہو گیا اور آپ کے واہی تباہی شبہے ساقط ہو گئے تو آپ کو چاہیئے کہ جب آپ کے نفوس آپ سے خدا کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے منازعت کریں۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہماری انسانی عقلیں اس امر سے بالکل قاصر ہیں۔ ہم کو اُس کی اسی قدر معرفت کافی ہے جس پر کہ اُس کے آثار قدرت دلالت کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ موجود ہے اور نیز تمام اُن صفات کے ساتھ موصوف ہے جو کہ اُس کے آثار قدرت سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب آپ کے نفوس اس بات کو دریافت کرنا چاہیں کہ اُس نے عالم کو عدم سے کیسے پیدا کر دیا تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہم نے خدا کے تمام اعمال کو تو جانا نہیں اور نہ یہ کہ وہ اُن اعمال کو کیونکر کرتا ہے تو جہاں اور بہت سی چیزوں کو ہم نہیں سمجھ سکے وہاں یہ بھی سہی اور ہم لوگوں کا اُس کو تصوّر نہ کر سکنا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ ہم اُس کا انکار کر دیں اور جب آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز آئے کہ جس کی حکمت آپ نہ سمجھ سکیں تو آپ کو یہ کہہ دینا چاہیئے کہ عالم کا بنانے والا حکیم ہے۔ کیونکہ اُس کی مصنوعات میں بکثرت حکمتیں ہم دیکھ چکے ہیں۔

پس اگر اس شئے کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں کوئی حکمت ہی نہ پائی جاتی ہو۔ کیونکہ ہمارا نہ سمجھ سکنا حکمت کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ ہم عالم میں حکمتوں کے پائے جانے سے ایک سرے سے انکار کر دیں اور اندھا دھند ضرورت کو مان لیں کہ اُسی سے سب چیزیں ہو جاتی ہیں۔ خدا تعالےٰ ہماری اور آپ کی ایسے طریق کی رہنمائی کرے جس سے آخرت میں نجات ملے۔ آمین ۔

اہلِ سائنس اگر اسلامی دین کے معتقد ہو جائیں تو وہ عالم کے پیدا ہونے کی کیفیت اپنے خیال کے موافق اسلامی طرز پر بھی بیان کر سکتے ہیں اگرچہ وہ صرف بعض علمائ ہی کے قول کے موافق ہو اور اتنا بھی ان کی نجات کے لئے کافی ہو سکتا ہے

اے اہلِ سائنس! یہاں تک تو میں نے آپ کے ساتھ عالم اور اس کے تمام تنوعات

کے حدوث ثابت کرنے میں گفتگو کی اور اس پر دلائل قائم کئے کہ کوئی خدا بھی ہے کہ جس نے عالم کو عدم سے ایجاد کیا اور یہ کہ وہ تمام اُن صفات کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایانِ شان ہیں موصوف ہے اور نیز آپ کے بہت ہی مشہور شبہوں کا جواب دیا اب آپ کے بیان کردہ مذہب میں سے چند چیزوں میں اور گفتگو باقی ہے اور وہ گفتگو چار مہم مسئلوں پر مشتمل ہو گی ۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عالم میں سے خواہ سماوی ہوں یا ارضی تمام اشیاء کے حادث ہونے کا طریقہ نشو ہے یعنی پہلے تھر کے اجزاء[1] سے ایک بہت چھوٹے چھوٹے غیر قابل قسمت ذرے بنے۔ پھر اُن سے آفتاب بن گیا اس کے بعد آفتاب سے تمام ستارے جدا ہونے لگے۔ چنانچہ منجملہ اس کے ہماری زمین بھی ہے۔ پھر اُس زمین میں عناصر بنے اُس کے بعد معدنیات پیدا ہوئیں اور مکون اول یعنی برٹو بلاسم[2] بنا۔ پھر یہ ترقی کرنے لگا اور اس میں توالد و تناسل شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ادنیٰ درجے کی نبات یا حیوان تک پہنچ گیا۔ پھر حیوان اور نبات اُن چار قوانینِ قدرت یعنی قانون تباینات، قانون وراثت، قانون تنازع بقا (جس کے موافق قوی ضعیف کو ہلاک کر ڈالتا ہے وغیرہ) اور قانون انتخاب طبعی کے موافق برابر ترقی کرنے لگے اور طرح طرح کی انواع میں منقسم ہوتے رہے۔ پھر اُن انواع سے اور انواع نکلنے اور پیدا ہونے لگیں یہاں تک کہ وہ دونوں (یعنی نبات۔ حیوان) حالتِ موجودہ تک پہنچ گئے اور یہ سب کچھ ذرات مادہ کی اضطراری حرکت اور ان ہی قوانینِ قدرت کی وجہ سے ہوتا رہا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان بھی منجملہ اور حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہے بطریق نشو کے پیدا ہوا ہے خوبی اور عمدگی میں قانون انتخاب طبعی کے موافق ترقی

---

[1] اجزاء دیمقراطیسیہ [2] برٹو بلاسم ایک قسم کا زلالی مادہ ہے جو متعدد عناصر سے مل کر بنتا ہے اُس میں غذا حاصل کرنے، منقسم ہونے اور توالد و تناسل کی غذا موجود ہوتی ہے اُسی سے وہ خول تیار ہوتے ہیں جن سے کہ عضوی جسم کی ساخت حاصل ہوتی ہے۔ فلسفہ قدیمہ کی اصطلاح میں اس کو نفس نباتی کے فیضان کا محل قابل کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲

کر کے حالتِ موجودہ تک پہنچ گیا اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ وہ اور بندر دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر ترقی کر کے اپنی اصل پر فوقیت لے گیا ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیات اور انسانی عقل صرف مادہ کے ذرّات متحرکہ اور اس کے عناصر ممتزجہ کے باہم تاثیر اور تاثر کے آثار میں سے ایک خاص قسم کے ظہور کا نام ہے اگرچہ اصل مادہ حیات سے اور ادراک سے دونوں سے خالی تھا اور یہ کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں کے ساتھ صرف مقدار میں مخالفت رکھتی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے اس میں اور دیگر حیوانات کی عقل میں کوئی فرق نہیں۔ ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آپ لوگ شریعت کے باقی مسئلوں سے جیسے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا، آسمانوں کا موجود ہونا وغیرہ انکار کرتے ہیں اور آپ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ آپ کے علوم میں اس قسم کے مسائل کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ بعض کو تو آپکے علوم رد کرتے ہیں اور ان کے محال ہونے پر دال ہیں۔

اہلِ سائنس کے مذہب پر گفتگو کرنے کے لئے دو مقدّمے بیان کرنا

اب انشاء اللہ میں آپ کے ساتھ ان مسائل میں بتوفیقِ خداوندی گفتگو کرتا ہوں۔ سنئے ان مسائل میں آپ سے گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے میں دو مقدمے بیان کرلوں۔

پہلا مقدّمہ اس امر کے بیان میں کہ اہلِ اسلام متواتر اور مشہور نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کرتے ہیں اور نیز یہ کہ کس قسم کی نصوص پر بلا تاویل اعتماد کرنا فرض ہے اور کس قسم میں دلیل عقلی کی موافقت کے لئے تاویل کرنا جائز ہے

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جو نصوص اور اقوال شریعت میں وارد ہوتے ہیں اور جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں بھروسہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اُن پر اعمال اور احکام کے بارہ میں بھی بھروسہ ہوتا ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہیں ایک متواتر۔ دوسرے مشہور متواتر

اُسے کہتے ہیں جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے جن سے کہ اُس کے شریعت میں وارد ہونے کا یقینی طور پر علم حاصل ہوتا ہو قطعی طور پر ثابت ہو۔

اور مشہور وہ ہے جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے جن سے کہ قلب کو اُس کے وارد ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہو، قریب قریب یقینی کے ہو اور اس کا مرتبہ گمان غالب سے بڑھا ہُوا اور یقین سے کچھ گھٹا ہُوا ہے۔ پھر متواتر اور مشہور میں سے ہر ایک یا تو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہوگا جس کے سوا کسی اور معنی پر دلالت کرنے کا اس میں احتمال ہی نہ ہو۔

پس وہ کسی دوسرے معنی کی طرف نہیں پھیرا جا سکتا اور اُس میں تاویل نہیں ہو سکتی۔ یہ قسم شریعت میں جتنے مقامات پر کہ وارد ہوئی ہے اُن میں سے کہیں بھی کوئی قطعی دلیل عقلی اُس کے معنی کے مناقض نہیں واقع ہوئی اس قسم کا نام ہم متعین المعنی رکھے لیتے ہیں اور یا مشہور اور متواتر ایسا ہوگا کہ اوّل نظر میں گو ایک خاص معنی پر اُس کی دلالت ہو لیکن اُس میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو اگرچہ وہ کسی قدر بعید ہو۔ یہ قسم شریعت محمدیہ میں کہیں کہیں اس طور پر بھی واقع ہوئی ہے کہ قطعی دلیل عقلی اُس کے ظاہری معنے کی مناقض ہے ان کا نام ہم ظاہر المعنی رکھے لیتے ہیں۔ پھر سنئے کہ شریعتِ محمدیہ میں نص متعین المعنی کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُس کے وارد ہونے اور اسے معنی متعین کی تصدیق کرنا ضروری ہے اور اس کے وارد ہونے کا انکار کرنا یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنا موجب کفر ہے۔ یعنی اسلامی دین سے خارج ہو جانے کو مستلزم ہے۔ اُس کی تاویل کرنا اور کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں تاویل کا احتمال ہی نہیں اور نہ کوئی قطعی دلیل عقلی اس کی مناقض ہے یہاں تک کہ اُس کی تاویل کرنے کی ضرورت پڑے اور اگر وہ نص متعین المعنی مشہور ہے تب بھی اُس کے وارد ہونے اور اُس کے معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔ اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنا گمراہی اور نافرمانی میں شمار ہوتا ہے۔ اُس کی تاویل کرنا اور اُس کو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا اُسی دلیل سے ناجائز ہے جس سے کہ متواتر

متعین المعنی کا تاویل کرنا ناجائز ہے۔

اور نص ظاہر المعنی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُس کے وارد ہونے اور اُس کے ظاہری معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنی کی بلا کسی تاویل کے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے ظاہری معنی کے خلاف پر دلالت نہ کرتی ہو۔ اُس کی تاویل کرنا بھی جائز نہیں اور کسی قطعی دلیل کے مناقض ہونے کی صُورت میں اُس کے ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی جانب احتمالی طور پر پھیریں گے اور اُس کی تاویل کریں گے اس طرح پر کہ اُس میں اور اُس امر میں جس پر کہ قطعی دلیل عقلی دال ہے موافقت ہو جائے اور اگر نص ظاہر المعنی مشہور ہے تو اُس کا حکم بھی نص ظاہر المعنی متواتر کا سا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اُس کے وارد ہونے کے انکار کرنے سے یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنے سے کفر نہیں لازم آتا بلکہ گمراہی اور نافرمانی ہی سمجھی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نص متعین المعنی متواتر اور مشہور دونوں میں سے شریعت میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کے مناقض عقل میں کوئی امر پایا جائے اور نہ اُس کی تاویل ہی جائز ہے اور نص ظاہر المعنی خواہ متواتر ہو یا مشہور اُن میں سے بھی کسی کی تاویل کرنا اور اُس کے ظاہری اور متبادر معنی سے کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرنا جائز نہیں البتہ جس حالت میں کہ عقل کے نزدیک کوئی قطعی دلیل اس کے ظاہری معنی کے خلاف قائم ہو جائے اُس وقت بے شک اُس کی تاویل جائز ہے۔ کیونکہ اُس کے متبادر معنی کے اعتقاد پر جمے رہنا اور اُس امر پر جس پر کہ قطعی عقلی دلیل دلالت کرتی ہے چھوڑ دینا اصل اور بنیاد ہی کو گرا دینا ہے اور وہ اصل عقل ہے جس سے کہ اُس رسولؐ کی جس نے کہ یہ تمام نصوص شرعیہ بتلائی ہیں رسالت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو ہم اُس رسولؐ کے دعوے رسالت میں صادق ہونے پر استدلال نہ کر سکتے۔

پس جب یہ اصل ہی منہدم ہو جائے گی تو فرع کا بھی لامحالہ انہدام ہو جائے گا۔ پس عقلی دلائل کو چھوڑ دینا نقلی دلائل کو بالکل برہم کرنا ہے اور یہ خلاف مقصود ہے اس لئے ہر نص ظاہر المعنی کا جبکہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے مناقض ہو یہی حکم ہے یعنی اس میں تاویل کی جائے گی اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ کلیہ قاعدہ

ہے (ایسا ہی بکثرت اسلامی کتب میں موجود ہے جیسے کہ تفسیر رازی میں آیت لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی تفسیر میں مذکور ہے۔ اسی طرح مقاصد اور مواقف میں بھی ہے)۔

حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ

کی تاویل بوجہ اس کے کہ اُس کے ظاہری معنی عقلی قطعی دلیل کے معارض ہیں

مثلاً قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں واقع ہوا ہے "حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ" یعنی یہاں تک کہ جب (سکندر ذوالقرنین) آفتاب کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو اُس نے اُسے ایک دلدل والے چشمہ میں ڈوبتا پایا۔ پس اس نص متواتر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ آفتاب زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبا کرتا ہے۔ پس اگر عقلی قطعی دلیل اس ظاہری معنی کے خلاف اور مناقض نہ قائم ہوتی تو شریعت محمدیہ میں اسی متبادر اور ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا ضروری ہوتا اور اُس کی تاویل جائز نہیں ہوتی اور اُس وقت یہ کہا جاتا کہ ایک سچے شخص کی خبر نے اپنے ظاہری معنی سے اس بات پر دلالت کی کہ آفتاب زمین کے چشموں سے کسی چشمہ میں غروب ہوا کرتا ہے اس لئے اس کا اعتقاد کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عقلی قطعی دلیل اس بات پر قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب زمین سے بہت بڑا ہے اور بڑے جسم کا چھوٹے جسم میں سما جانا باوجودیکہ وہ دونوں اپنی مقدار ہی پر باقی بھی رہیں محال ہے اور علاوہ اس کے اس بات پر بھی عقلی قطعی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب خود زمین ہی میں نہیں ڈوبتا۔

پس اس وقت اس نص کی احتمالی طور پر تاویل کرنا اور اُس کو اُس کے ظاہری معنے سے پھیر دینا واجب ہے۔ یوں تو اللہ تعالےٰ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے لیکن مثلاً یوں کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا یہ مطلب ہو کہ ذوالقرنین جب مغرب کے شہروں میں سے اُس مقام پر پہنچا تو اُسے دیکھنے میں ایسا معلوم ہوا جیسے آفتاب ایک دلدل والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص مغربی بلاد کے سواحل پر آفتاب کی جانب نظر کرے گا تو اس کے خیال میں یہی آئے گا کہ آفتاب مغربی سمندر میں جو اُن

بلاد کو گھیرے ہوئے ہے ڈوب رہا ہے اور اس سمندر میں سیاہ رنگ کی کیچڑ اور تاریکی بھی بکثرت پائی جاتی ہے اور وہاں گرمی بھی بہت ہے اور یہ اُس جانب اشارہ ہے کہ زمین کے مغربی کنارہ کو سیاہ سمندر گھیرے ہوئے ہے خواہ ہم اس کو مغربی افریقہ کا کنارہ کہیں یا مغربی امریکہ کا اور یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ آفتاب حقیقۃً زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں غروب ہوتا ہے (یہ تاویل تفسیر رازی، جلالین اور تفسیر کواشی سے ماخوذ ہے جیسا کہ اس کو شیخ مرعی الحنبلی نے کتاب عجائب المخلوقات میں نقل کیا ہے۔ بعض اہل قصص نے جو یہ کہہ دیا ہے کہ آفتاب حقیقۃً چشمہ ہی میں غروب ہوتا ہے یہ بالکل بے ٹھکانے بات ہے اور امر یقینی کے بالکل خلاف اور خدا کا کلام ایسی تہمتوں سے بالکل مبرّا ہے۔ پس سوائے تاویل کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہی ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) اور اس طرح پر تو لوگ بول چال میں کہا ہی کرتے ہیں کہ میں نے فلاں مقام پر آفتاب کو دریا میں ڈوبتے ہوئے پایا اور فلاں مقام پر آفتاب کو پہاڑ کے پیچھے یا فلاں وادی میں ڈوبتے ہوئے دیکھا حالانکہ قائل کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں ہوتا کہ ان مواقع مذکورہ میں سے کسی میں بھی آفتاب ڈوبتا ہو بلکہ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے میں جیسا معلوم ہوتا ہے اسی کو بیان کر دیا جائے۔ لیکن جب کوئی عقلی غیر قطعی یعنی ظنی دلیل شریعت کی کسی نص کے متبادر معنی کے مناقض واقع ہو تو اُس نص کی تاویل کرنا اور اُس کو متبادر معنی کے علاوہ کسی دوسری معنی کی طرف راجع کر دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ اُس کے ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا اور اس کو اپنی حالت پر باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ دلیل خود ضعیف ہے اُس کی وجہ سے ہم کو کوئی مجبوری نہیں ہے اور یہ امر تو واضح ہے کہ قطعی دلیل عقلی وہی ہو سکتی ہے جو اپنے مدلول پر یقینی طور پر دلالت کرے اور اس میں اپنے مدلول کی نقیض کا احتمال بھی نہ ہو۔

اور ظنی دلیل عقلی اُسے کہتے ہیں جو اپنے مدلول پر رجحان کے ساتھ دال ہو اور اس میں مدلول کی نقیض کا بھی احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ اسی احتمال کے باعث سے یقینی کے درجہ سے گھٹ جاتی ہے اور اسلامی اعتقادات میں اُس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اسی لئے ظنی دلیل شریعت کی کسی متواتر

یا مشہور نص کے ظاہری معنی کے معارض بھی نہیں ٹھہر سکتی اور نہ اس دلیل ظنی کی وجہ سے نص کو اُس کے ظاہری معنی سے پھیرنا ہی جائز ہے۔

پھر شریعت محمدیہ میں بعض ایسی نص بھی موجود ہے جن کے لئے وہ شرائط جن سے کہ وہ متواتر یا مشہور کے درجہ کو پہنچ جاتیں کامل طور پر نہیں پائی جاتیں اس لئے اُن کے وارد ہونے کا ثبوت یقینی نہیں ہے اور اس قسم کا نام آحاد ہے۔ یہ بھی متعین المعنی اور ظاہر المعنی کی طرف منقسم ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں اس کا یہ حکم ہے کہ شرعی اعمال میں اُس پر وجوباً اعتماد کر لیا جائے کیونکہ اعمال کے حق میں فقط ظن کافی ہوتا ہے۔ لیکن اسلامی معتقدات کے بارے میں اُن پر استقلالاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُس کے وارد ہونے کا ثبوت ظنی ہے یقینی تو ہے ہی نہیں اس لئے اس کے شریعت میں وارد ہونے یا اُس کے معنی کا منکر کافر نہیں سمجھا جاتا[1] (چنانچہ اصول کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن ہاں آحاد کو جب قابل اعتماد اشخاص نقل کریں اور مجتہدین نے عبادات کے بارے میں اُن پر اعتماد کر لیا ہو تو پھر جب تک کہ کوئی قطعی دلیل عقلی اُس کے معارض نہ ہو اُس کا انکار کرنا ہرگز جائز نہیں تاکہ کہیں اس طرح پر متواتر اور مشہور کے انکار کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ خدا پناہ میں رکھے) ہاں جب خبر آحاد کے ساتھ بھی ایسے ہی امور پائے جائیں جن سے اُن کی تقویت ہو جائے اور یقینی علم اُس سے حاصل ہو سکے اُس وقت البتہ اسلامی معتقدات میں بھی اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اعتقادات کے بارے میں متواتر اور مشہور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

دُوسرا مقدمہ جس میں یہ بیان ہے کہ شرائع کا مقصود خلق کو خدا کی جانب رہنمائی کرنا ہے علوم طبعیہ کا بیان کرنا اُن کے مقاصد میں داخل نہیں ہاں صرف ایسے امور بیان کر دیئے جاتے ہیں جن سے صانع عالم پر استدلال ہو سکتا ہے

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت محمدیہ بلکہ تمام شریعتوں کا مقصود ایسے امور کا بیان کرنا

[1] البتہ بلا دلیل شرعی یہ انکار یا یہ ترک واجب کے موجب معصیت ہو گا ۱۲

ہُوا کرتا ہے جن سے کہ خلق خدا کو خدا کی معرفت کی جانب ہدایت ہو۔ اُس کے موجود ہونے اُس کے صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے کا اعتقاد حاصل ہو اُس کی عبادت کرنے کا طریق معلوم ہو اُس کے شکر ادا کرنے کی کیفیت سے آگاہی ہو اور ایسے احکام پر واقفیت حاصل ہو جائے جن سے کہ معاش کا انتظام درست ہو معاد اور عاقبت کی خوبی حاصل ہو جائے۔ رہے علوم کائنات (طبعیات وغیرہ) کے مباحث اور ان کا بتلانا جن سے کہ عالم کے پیدا ہونے کی کیفیت اور وہ قوانینِ قدرت جو ارضی یا سماوی اشیاء میں قائم ہیں اور اسی طرح کے اور امور۔

پس اس قسم کی چیزیں شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ سارے مباحث اس قسم کے معلومات ہیں جن کو سمجھدار لوگ اپنی عقلوں سے دریافت کر سکتے ہیں۔ پس کبھی تو اُن سے دنیاوی مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کبھی محض اُن کا دریافت کر لینا ہی اپنی خوش قسمتی شمار کرتے ہیں اور شریعتیں اُن امور کی جانب اول تو مقصودیت کی حیثیت سے التفات ہی نہیں کرتیں اور نہ اُن کی تفاصیل ہی کا کچھ خیال کرتی ہیں۔ ہاں کبھی اجمالی طور پر اُن میں سے بعض چیزوں کو اس قدر ذکر کر دیا کرتی ہیں جتنے کہ ان کے مقاصد میں دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ اُن میں مثلاً مختلف آسمان و زمین کی پیدائش کا اُن کو عدم سے وجود میں لانے کا تنوعات کے لحاظ سے انواع مخلوقات کے مختلف ہونے کا۔ کائنات کی تدبیر کا اُس کے انتظام کی کیفیت کا اجمالی طور پر ذکر موجود ہے تاکہ یہ لوگوں کے لئے خدائے عالم کے وجود پر اُس کے علم قدرت اور حکمت وغیرہ صفات کے ساتھ متصف ہونے پر عقلی دلیل بن جائے اور کبھی کسی مقتضا کی وجہ سے کہ جس کا مرجع اُن کے مقاصد ہی کی جانب ہوتا ہے۔ بعض مباحث کی تفصیلات بھی بیان کر دیا کرتے ہیں۔

تحقیق عالم کے بارہ میں جو نصوص شرعیہ وارد ہیں اُن کا بیان اور نیز یہ کہ علماء نے اُن کے کیا معانی بیان کئے ہیں اور کس قدر اعتقاد کافی ہے

جب آپ نے ان دونوں مقدموں کو سمجھ لیا تو اب سُنئے کہ شریعت محمدیہ میں جو نصوص متواترہ یا مشہورہ اس قبیل کی وارد ہوئی ہیں جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں خصوصاً کائنات

کی پیدائش اور اُس کے انواع انواع میں متنوع ہونے کے بارے میں اعتماد کیا جاتا ہے وہ صرف ایسی نصوص ہیں جن میں کہ پیدائش اور اس کی کیفیات کے تفصیلی حالات کا بیان نہیں اور وجہ اس کی وہی ہے جو ہم نے آپ سے بیان کی کہ اس قسم کی اشیاء شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہوا کرتیں۔ لیکن ان مباحث میں سے شریعت میں اسی قدر مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ آسمان کی جانب اُس حالت میں متوجّہ ہوا جب کہ وہ دھواں تھا۔ پس اُس نے اُس کے سات آسمان بنا دیئے (یعنی اللہ تعالےٰ نے آسمان کی جانب اُس حالت میں قصد کیا جب کہ وہ پانی کا بخار تھا جیسے کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے)۔

اب پیروانِ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ان چھ دنوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور ہر شخص شرعی دلائل میں سے کسی نہ کسی دلیل کے ساتھ تمسک کرتا ہے۔ پس اکثر علماء اسلام نے تو یہی کہا ہے کہ یہ دن ہمارے ہی دنوں کی طرح ہیں یعنی وہ مدّت زمانی مقدار ہیں ہمارے چھ ایّام کے برابر تھی۔ کیونکہ اس وقت تو نہ آفتاب ہی تھا اور نہ آسمان۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان دنوں سے آخرت کے دن مراد ہیں کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ آخرت کا ایک دن ہمارے یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے (ایک دن کے ہزار برس کے ساتھ تفسیر ابن عباسؓ سے مروی ہے جیسا کہ وراق کی مباہج الفکر میں موجود ہے) اور بعضوں نے کہا ہے کہ دن کا اطلاق شرعی اصطلاح میں پچاس ہزار برس پر بھی آتا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے وہ سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ آسمان اور زمین اور اُن کے اندر کی تمام چیزوں کو ایک لحظہ سے بھی کم میں پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کے عظیم ہونے کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور اُس نے جو صرف چھ ہی دن میں تمام عالم کو پیدا کیا اسمیں بھی ضرور کوئی حکمت ہے جسے وہی خوب جانتا ہے۔ اور بعضوں نے اپنی سمجھ کے موافق اس کی حکمت بیان بھی کی ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی پیدائش کی کیفیت رسولوں کے ذریعے سے اپنے بندوں کو پہنچا کر انہیں سکھادے کہ جلدی کرنے سے ٹھہر کر کام کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اگرچہ کام کرنیوالے کو یہ بھی کیوں نہ معلوم ہو کہ جلدی کرنے سے بھی وہ غلطی سے محفوظ رہے گا۔

انہی نصوص میں سے ایک نص میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آسمان اور زمین پہلے پیوستہ تھے پھر اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو شگافتہ کر دیا۔ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض نے اس نص کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ وہ دونوں بالکل ایک شئے متصل واحد کی طرح تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو جدا جدا کر دیا اور آسمانوں کو وہاں تک بلند کیا جہاں کہ وہ اب ہیں اور زمین کو اس کی جگہ پر رہنے دیا (اس کو عکرمہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ ایسے ہی عطاء وضحاک اور حسن سے بھی منقول ہے اور یہی سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔ جیسے کہ جلالین کے حاشیۂ جمل اور کلام رازی سے ماخوذ ہوتا ہے اور رازی نے اس کو وجوہ تاویل میں سب سے اولیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر انبیاء میں انہوں نے بیان کیا) اور بعضوں نے اس کی دوسری بھی تفسیر کی ہے۔

اور بعض پیروانِ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نصوص شریعت سے یہ سمجھے ہیں کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی لیکن وہ بچھی ہوئی یعنی پھیلی ہوئی اور بودو باش کے قابل نہ تھی۔ پھر اللہ تعالےٰ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور وہ اس وقت تک ایک دھواں تھا جو اس کے قبل پیدا ہو چکا تھا۔ پھر اس کے سات آسمان بنا دیئے اس کے بعد زمین کو بچھا دیا یعنی پھیلا کر بودو باش کے قابل بنا دیا اور جو اس امر کا قائل ہوا اُس نے اس نص کی جس کا ظاہر اس کے خلاف تھا تاویل کر دی اور بعض یہ سمجھے کہ سب آسمان زمین سے پہلے پیدا کر دیئے اور جس نص کا ظاہر اس کے خلاف معلوم ہوا اس کی انہوں نے تاویل کر دی۔ سورۂ فُصِّلَتْ کی تفسیر میں جمل نے اس کو خطیب سے اور خطیب نے رازی سے نقل کیا ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے (مصنف حمیدیہ نے) اُس میں اُس کو دیکھ بھی لیا اور اس بارہ میں ہر ایک نے ایسا طرز اختیار کیا ہے جو شریعتِ محمدیہ کے اصول کے موافق ہے۔

شریعت کی نصوص مذکورہ میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ستاروں کو

لہ قرآن شریف میں اس مضمون کو یہ آیت ادا کرتی ہے:۔ اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ ۲

پیدا کیا اور انہیں آسمان دنیا (یعنی اُس آسمان کے لئے جو زمین سے بہ نسبت اوروں کے قریب ہے) زینت بنادیا۔

پس بعض نے تو یہ کہا کہ وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں (یہ جمہور مفسرین کا قول ہے جیسا کہ وراق کی مباہج الفکر میں منقول ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ آسمان سے نیچے زمین و آسمان کے درمیان میں ہیں (اس کو سورہ تکویر کی تفسیر میں قاضی صنہاجی نے اپنی تفسیر کنز الاسرار میں مکی سے نقل کیا ہے اور بہجۃ النفس کے مصنف نے وہب سے نقل کیا ہے اور قرمانی نے اپنی کتاب مختصر الہیئۃ السنیہ میں مفسرین اور اُن کے علاوہ اور علماء کی کثیر تعداد سے نقل کیا اور ایسا ہی شیخ مرعی الحنبلی مقدسی نے اپنی کتاب عجائب المخلوقات میں بیان کیا اور ایک احادی حدیث بھی نقل کی ہے جو اس امر پر دال ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو ابوجعفر محمد بن عبداللہ کسائی نے کتاب الملکوت میں ذکر کیا اور رازی نے تو کعب سے نقل کر کے سورۃ القدر کی تفسیر میں اس امر کو تصریحاً بیان کر دیا کہ آفتاب آسمان دنیا سے نیچے ہی ہے) اور اُن کا (ستاروں کا) آسمان دنیا کے لئے زینت ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ آسمان میں گڑے ہی ہوئے ہوں کیونکہ جائز ہے کہ اُس کی زینت ہم لوگوں کے دیکھنے کے اعتبار سے ہو اگرچہ ستارے نیچے ہی کیوں نہ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ شاید وہ لوگ اللہ تعالٰے کے اس قول کی کہ (اللہ نے) چاند کو اُن میں (یعنی آسمانوں میں) نور بنا دیا ایسی تاویل کریں۔

بعضوں نے اُس کو جسم[1] بتایا ہے جو کہ ان کا حامل ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد ستاروں کی حرکت کا مدار ہے یعنی وہ خلا جس میں کہ وہ چلتے ہیں (یہ ضحاک کا قول ہے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور نصوص اس امر پر دال ہیں کہ آسمان موجود ہیں اور یہ کہ وہ ستاروں کے علاوہ ہیں جیسا کہ گذشتہ نصوص سے سمجھا جاتا ہے اور آگے بھی اس موقع پر جہاں کہ آپ سے ان چیزوں کے بارے میں گفتگو ہو گی جو شریعت محمدیہ

---

[1] پس ان لوگوں نے افلاک اور سمٰوات کو ایک سمجھا ہے اور جسمانی مانا ہے ۱۲

یں وارد ہوئی ہیں اور آپ اُن سے انکار کرتے ہیں اس کا بیان آتا ہے۔ اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور تو اسی بات پر متفق ہیں کہ آسمان ہم کو نظر آتے ہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ نہیں دکھلائی دیتے اور جو کچھ کہ نظر آتا ہے وہ ہُوا ہے (عجائب المخلوقات میں قاضی ابو بکر بن عربی سے یہی نقل کیا ہے اور شاید وہ اس نص کی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظر آتے ہیں کوئی مناسب تاویل کریں[۱]) ۔

آسمان و زمین اور ستاروں کی پیدائش کے اعتقاد کے بارے میں جن نصوص شرعیہ پر کہ اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُن نصوص کے معانی کے سمجھنے میں جو علماء کے اقوال ہیں ان سب کا یہ خلاصہ ہے ۔ باقی رہی اُن کی پیدائش کی تفصیل یا آفتاب ، ستاروں اور زمین کے رفتہ رفتہ بننے کی کیفیات جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے کہ سب کی اصل مادہ کے غیر منقسم ذرات ہیں ۔ پھر اُن سے آفتاب بنا اُس کے بعد اُس سے ستارے جدا ہونے شروع ہوئے ۔ چنانچہ اُن ہی میں سے ہماری زمین ہے جس میں کہ متعدد قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جن کا کہ آپ لوگ اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں یا کسی دوسرے طریق پر اُن کی پیدائش ہوئی ۔

اس کی نسبت شریعتِ محمدیہ نے کچھ تصریح نہیں کی اور نہ اُس کی نصوص میں سے کسی نصوص سے آپ کی تحقیق کا نفیاً یا اثباتاً پتہ چلتا ہے ۔ لیکن ہاں ! قرآن شریف کی عبارت سے اشارتاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بحث کرنا کچھ اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے آسمان[۲] و زمین کے پیدا کرنے کے وقت ان کو حاضر نہیں کر لیا تھا ۔

---

[۱] مثلاً یہ تاویل کر سکتے کہ نظر آنے سے مراد غور کرنا لیا جاوے یعنی جہاں یہ وارد ہُوا ہے "کیا تم آسمانوں کو دیکھتے نہیں ۔ اس کے معنی یہ کئے جائیں کہ کیا تم آسمانوں میں غور نہیں کرتے ۱۲ مترجم ۔

[۲] وہ آیت یہ ہے :- ما اشھدتھم خلق السمٰوٰت والارض ۔

علوم طبعیہ میں کائنات کے بننے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے محض تخمینی ہے لہٰذا اہلِ اسلام جب تک قطعی دلیلیں اس پر قائم نہ ہو جائیں انہیں نہیں مان سکتے ہاں اگر قطعیۃً ثابت ہو جائے تو اُس وقت تک اگر کہیں اُن کی نصوص سے مخالفت ہو گی تو تاویل کر کے تطبیق دیں گے

اور جب ہم اُن تفصیلوں میں جنہیں آپ لوگ آفتاب۔ ستاروں اور زمین کے تدریجی طور پر بننے کے بارے میں ذکر کیا کرتے ہیں انصاف کی نظر سے غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں آپ کے بیانات کو تامل کی نگاہ سے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسی طریق سے جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں عالم کو پیدا کیا ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریقہ سے پیدا کر دیا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ تخمینی باتیں گمان کے درجہ پر ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے اعتقاد میں ان کا ہرگز یقین نہیں کر سکتے اور اُن کے لئے اسی قدر کافی ہے جتنا کہ اُن کی شریعت میں اس بارے میں وارد ہوا ہے اور اس سے جو کچھ اُن کی شریعت کے علماء سمجھے ہیں۔ ہاں جب تخمینی امور قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں جن میں کہ نقیض کا احتمال نہ ہو اور عقل کو اُن کے ترک کرنے کی گنجائش نہ رہے (لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے) اور یہ وان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلیں اُن کو مان لیں تو اُس وقت بے شک یہ لوگ اس کے قائل ہو جاتے ہیں یعنی اس اعتقاد کے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو ایجاد کیا پھر اُس سے ستاروں اور زمین کو۔ اُسی کیفیت سے جس کو کہ آپ بیان کرتے ہیں جدا کیا اور قوانینِ قدرت جن کے کہ آپ لوگ عالم کی پیدائش کے بارے میں قائل ہیں وہ محض ان کے نزدیک اسباب عادی ہیں ذاتی طور پر اُن میں کوئی بھی تاثیر نہیں جیسا کہ وہ قوانینِ قدرت جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر کائنات کی پیدائش کے لئے مقرر کیا ہے۔

پس نبات مثلاً بذریعہ پانی اور روشنی اور مٹی کی بن جاتی ہے اور نبات کے

پیدا کر دینے میں اُن کو ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہاں اُس کی عادت جاری ہو گئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت اُن کے مسببات کو بھی پیدا کر دیا کرتا ہے اور اس وقت یہ امر بخوبی واضح ہے کہ سابق میں جو نصوص مذکور ہوئیں اُن میں سے کوئی بھی اُس طریقہ پیدائش کے منافی نہیں جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں ۔ بہر حال ہر تقدیر پر ہمارا مقصود حاصل ہے اور وہ آثار کو دیکھ کر اُن کے مؤثر پر استدلال کرنا ہے ۔

اہلِ سائنس اگر اسلامی دین کے معتقد ہو جائیں تو وہ عالم کے پیدا ہونے کی کیفیت اپنے خیال کے موافق اسلامی طرز پر بھی بیان کر سکتے ہیں اگرچہ وہ صرف بعض علماء ہی کے قول کے موافق ہو اور اتنا بھی اُن کی نجات کیلئے کافی ہو سکتا ہے

اے اہلِ سائنس ! جب آپ اسلامی دین کو قبول کریں اور اس امر کے معتقد ہو جائیں کہ اللہ تعالےٰ کے پیدا کرنے سے مادہ حادث ہوا ہے ۔ جیسا کہ میں نے بیان سابق میں آپ لوگوں کے لئے اس امر پر دلیل قائم کر دی ہے اور نیز اس امر کا اعتقاد کر لیں کہ سات آسمان موجود ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کے لئے اس کا بیان آئندہ آتا ہے اور آپ لوگوں کے نزدیک آفتاب کا بننا اور پھر اس سے ستاروں اور زمین کا جدا ہونا اُس طریقہ پر جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائے تب بھی آپ لوگوں کو ممکن ہے کہ شریعت محمدیہ کی اُن نصوص کے موافق جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُس کے موافق جیسا کہ اُسے شریعت کے بعض علماء سمجھے ہیں اپنے اعتقاد کی تقریر کریں ۔

پس اُس وقت آپ لوگ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے عالم کا مادہ پیدا کیا اُسی کو مادۂ آسمان کے ذکر کرنے کے وقت اُس نے دخان یعنی دھوئیں سے موسوم کیا ہے جس کی تفسیر علماء نے پانی کے بخار کے ساتھ کی اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے غیر منقسم ذرے ہیں جو خلاء میں منتشر ہیں ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کو علیحدہ کیا یعنی مادۂ آسمان کو اُس مادہ سے متمیز کر لیا جس سے کہ اُس کا ارادہ آفتاب، ستارے

اور زمین بنانے کا تھا۔ (رتق اور فتق کی تفسیر میں ابن عباسؓ اور اُن کے ساتھیوں سے جو کچھ منقول ہے اُسی کے موافق یہ تقریر چل سکتی ہے جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے)۔ اس کے بعد مادۂ آسمان کو اُس نے اشیاء مذکورہ کے مادہ کے اُوپر اٹھایا پھر اُس نے آفتاب بنایا اُس سے ستاروں اور زمین کو جُدا کیا (یہ تقریر اُن کے قول کے موافق ہو سکتی ہے جو فلک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ وہ کواکب کے مدار کا نام ہے یعنی اُس خلاء کا جس میں کہ وہ کواکب (ستارے) دورہ کرتے ہیں) لیکن زمین جس وقت جُدا ہوئی تھی وہ اس وقت پھیلی ہوئی نہ تھی۔ یعنی اس صورت پر نہ تھی کہ بود و باش کے قابل ہوتی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے آسمان کی جانب قصد کیا اور ابھی وہ دھواں ہی تھا یعنی پانی کا بخار تھا اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو تمام خلاء میں منتشر پائے گئے ہیں۔ پھر اُس نے اُس کے سات آسمان بنا دیئے اور آسمان دکھلائی نہیں دیتا اور جو کچھ نظر آتا ہے وہ کرۂ ہَوا ہے (یہ تقریر ابوبکر بن عربی کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے) پھر اُس کے بعد اُس نے زمین کو پھیلا دیا۔ یعنی اُس کو بود و باش کے قابل بنا دیا اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ نے خاص خاص قوانین قدرت کے موافق کیا اور وہ سب عادی اسباب ہیں اور اس میں ایک طویل زمانہ صرف ہُوا جس کو اللہ تعالےٰ نے چھ دن کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ وہ خدا قادر ہے کہ وہ بغیر ان قوانینِ قدرت کے بھی اور ایک لحظہ سے بھی کم میں تمام چیزوں کو پیدا کر دے۔

پس اس تقریر پر آفتاب، ستارے اور زمین آسمان کے نیچے قدرتی قانون کشش کے ذریعہ سے جس کو اللہ تعالےٰ نے اُس میں رکھ دیا ہے قائم ہیں اور یہ بھی عادی سبب ہے اور فاعل حقیقی خدا تعالےٰ ہی ہے۔ پس اس تقریر سے آپ لوگوں کا مذہب شریعت محمدیہ کی نصوص سابقہ پر اور نیز بعض علماء شریعت کے اقوال پر جو کہ آفتاب، ستاروں اور زمین کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئی ہیں پورے طور سے منطبق ہو گیا اور اس طرح پر آپ کے مذہب اور اسلامی دین کے مابین کوئی ایسی مخالفت باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے آپ لوگوں کا اہل اسلام میں شمار نہ ہو سکے اور اسلامی دین سے آپ لوگوں کا خارج ہونا لازمی قرار پائے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جب تک کہ یہ تفصیل

جس کے کہ آپ لوگ آفتاب کے بلنے اور ستاروں اور زمین کے اُس سے جُدا ہونے کے بارے میں قائل ہیں قطعی دلائل سے اُن کے نزدیک ثابت نہ ہو جائے ہرگز اس کا التزام نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر قطعی ثبوت مل گیا تو بے شک اس کا التزام کر لیں گے ورنہ اعتقاد کے بارے میں اُنہی نصوص سابقہ پر جو شریعت محمدیہ میں اس بارے میں واقع ہوئی ہیں اقتصار کریں گے اور اجمالی طور پر سمجھنے کے لئے اپنے یہاں کے جمہور علماء کی رائے کا اتباع کریں گے اور اس تفصیل کو خدا تعالےٰ کے حوالے کریں گے۔ کیونکہ اس تفصیل سے بحث کرنے کی انہیں تکلیف نہیں دی گئی ہے اور جب اُن سے ایسے امر یا اسی کے مثل اور امور کی نسبت جن کی کہ اُن کی شریعت میں تصریح نہ وارد ہوئی ہو اور نہ اُن پر قطعی دلیلیں قائم ہو چکی ہوں بلکہ اُن کے دلائل ظنی ہوں، سوال کیا جائے گا تو وہ دیکھیں گے کہ وہ امور اُن کی شریعت کے منافی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ منافی ہوئے تو وہ ان کو ترک کر دیں گے اور ہرگز اُن کے قائل نہ ہوں گے اور اگر وہ منافی نہ ہوئے تو وہ کہیں گے کہ ہاں ممکن ہے کہ یہ صحیح ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کے خلاف ہوں کیونکہ یہ امر مظنون ہے۔

پھر کائنات کے بارے میں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یقینی اعتقاد اس قدر ہے کہ تمام کائنات حادث ہے اور اس لئے اس کے واسطے ضرور کسی محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ تعالےٰ ہے جس نے اُسے حادث کیا اور عدم سے ایجاد کر دیا اور اُس کو اُن انواع پر منقسم کر دیا جو کہ بالفعل مشاہدہ کی جاتی ہیں اور یہ سب کچھ طبیعت یا کسی قدرتی قانون کی ذاتی تاثیر سے نہیں ہوا۔ ہاں جو قوانینِ قدرت کائنات میں سے بعض کے بننے میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں وہ صرف عادی اسباب ہیں جن کو کہ اللہ تعالےٰ نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہے تاہم خدا اُن قوانین قدرت سے بالکل بے نیاز ہے۔ وہ بغیر ان قوانینِ قدرت کے بھی کائنات کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے اور اسی قدر یہ یقینی علم خدا کے وجود پر۔ اُس کی قدرت، علم اور تمام اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر جن پر کہ اُس کے آثار دلالت کرتے ہیں استدلال کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔

پس اس اعتقاد کے مقتضا کے موافق جب وہ خاص کر زمین کے تین عالم یعنی

معدنیات، نباتات اور حیوانات کے بننے کی جانب التفات کریں گے تو ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک یہ دونوں صورتیں تحت قدرت ہونے میں برابر ہیں۔

ایک صورت یہ کہ اللہ تعالےٰ نے ان تینوں عالموں کو بطریق خلق کے ایجاد کیا ہے یعنی اُس نے اُن میں سے ہر نوع کو دوسرے سے جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا کوئی نوع دوسری سے مشتق اور نکلی ہوئی نہیں۔ عام اس سے کہ اُس نے اس کو دفعۃً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ اس طرح پر بنایا ہو کہ اُس نے مادہ کو اُس کی ابسط حالت سے ترقی دیتے دیتے حالت موجودہ تک پہنچا دیا ہو اور دفعۃً بنانا یا رفتہ رفتہ پیدا کرنا ان میں سے ہر ایک عقلی ممکنات میں سے ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ خدائے پاک فاعل مختار ہے جو طریق چاہے اختیار کرسکتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان تینوں عالموں کے انواع کے بطریق نشو کے ایجاد کیا ہو یعنی اُس نے بسیط مادہ کو ایجاد کر دیا ہو پھر اُس کو عناصر تک ترقی دی ہو۔ پھر معادن یا سب سے بسیط ذی حیات جسم (پرٹوپلاسم) تک پھر ادنیٰ درجے کی نبات یا حیوان تک ترقی دے کر پہنچا دیا ہو پھر اُس پر باقی انواع کو متفرع کیا ہو اور ایک کو دوسرے سے نکالا ہو اور بعض کو باقی رکھا ہو اور بعض کو نیست و نابود کر دیا ہو اور یہ سب اُن قوانینِ قدرت کے موافق انجام پایا ہو۔ جنہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مادہ میں رکھ دیا ہے اور انہی کی وجہ سے ترقی ہونے لگی اور مختلف انواع بننے لگیں حتیٰ کہ یہ تینوں عالم موجودہ انواع تک پہنچ گئے۔

پس یہ دونوں صورتیں یعنی طریق خلق اور طریق نشو جس حالت میں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی تاثیر قدرت کی جانب نسبت کیا جاوے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خدا تعالےٰ کے وجود و صفات کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی ہیں اسی کو دوسری عبارت میں یوں سمجھیے کہ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت مانی جاوے یعنی خواہ انواع ہی کو ابتدائی مخلوق مانا جائے۔ جس میں جنس کا وجود محض ذہنی و انتزاعی ٹھہرے گا اور خواہ جنس کے مادہ کو اولاً موجود مانا جاوے اور انواع کو انہی سے متفرع ہوتا ہُوا کہا جاوے اور ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچتا ہُوا کہا جاوے دونوں صورتیں

اللہ تعالیٰ کے وجود و صفاتِ کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی ہیں لیکن وہ نصوص جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ کائناتِ ارض کی پیدائش کے بارے میں جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات شئے کو پانی سے بنایا اور یہ کہ اُس نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اُس نے پراگندہ کیا یعنی اُس نے زمین میں جانداروں کو پھیلا دیا۔ اور یہ کہ اُس نے ہر ایک سے جوڑا جوڑا پیدا کیا اور یہ کہ اُس نے چوپایوں سے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی نر اور مادہ جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑوں کو پیدا کیا ہے (یعنی تمام اصناف واقسام کو جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی دو صنف یا دو قسمیں جیسا کہ تفسیر میں ہے) نر اور مادہ۔ اور یہ کہ اُس نے زمین میں ہر ایک ثمرات جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی ہر قسم کے جیسا کہ تفسیر میں ہے) پس اول کی دونوں نصوص میں فی نفسہ یہ احتمال ہے کہ اُن کی تفسیر طریقہ خلق کے موافق کی جائے یا طریقۂ نشو کے۔

اور اے اہلِ سائنس! پہلے کی دونوں نصوص کے تو آپ لوگوں کا جدید قول کہ ذی حیات مادہ پانی سے حاصل ہوتا ہے بالکل موافق ہے۔ اب رہیں باقی نصوص مذکورہ ان کے متبادر اور ظاہری معانی یہی ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ان تینوں عالموں (معدنیات، نباتات، حیوانات) کی انواع کو بطریق خلق کے ایجاد کیا۔ یعنی اُس نے ہر نوع کو جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا ہے دوسرے سے نہیں نکالا ہے۔ عام ہے کہ اُس نے دفعتہً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ جیسا کہ یہ امر اُس شخص پر مخفی نہیں جو عربی کلام کے طرز سے واقف ہے کیونکہ مثلاً جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مہمانوں کے سامنے کھانے کی مختلف انواع کو پیش کیا تو اُس کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ہر نوع کو مستقل طور پر تیار کیا اور اسے اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

رہا یہ امر کہ اُس نے پہلے سارا کھانا ایک ہی جنس کا تیار کیا ہو پھر طباخی کی صنعت کے موافق اُس کو ترقی دے کر اُس سے اور انواع کو نکال لیا ہو۔ یہ معنی ارادہ سے دور ہیں اس کا دل میں خیال بھی نہیں گزرتا اگرچہ یہ ممکن الوقوع ہے اور بعض آحادی

نصوص کہ جو مدار اعتقاد نہیں قرار پاسکتیں۔ ان نصوص کے ظاہری معانی کی تائید کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو مستقل طور پر ایجاد کیا ہے خواہ دفعتہً ایجاد کیا ہو یا دفعتہ رفتہ۔ ہاں بعض آحادی نصوص میں (مسلم کی حدیث میں) یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں سے جن میں کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ درخت کو فلاں دن پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد حیوانات کو فلاں دن پیدا کیا لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ حیوان کی پیدائش درخت کے بعد ہے۔ رہا یہ امر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نوع کو دفعتہً ایجاد کیا یا رفتہ رفتہ اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔

پس بنا بر نصوص مذکورہ کے بوجہ اس قاعدۂ سابق الذکر کے کہ بدوں ضرورت معارضۂ دلیل عقلی قطعی کے نصوص مشہورہ و متواترہ کے معانی متعینہ و ظاہرہ کو چھوڑنا جائز نہیں۔ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہی اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارض کے تینوں عالموں (معدنیات، نباتات، حیوانات) میں سے ہر نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ ایک نوع کو دوسرے سے نکالا اگرچہ وہ دونوں صورتوں پر بخوبی قادر ہے۔

رہا یہ امر کہ ہر نوع کو اس نے دفعتہً پیدا کیا ہے یا رفتہ رفتہ موافق اُن قوانینِ قدرت کے جنہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے تو ان دونوں امروں میں سے وہ کسی کی نسبت قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ توقف کریں گے کیونکہ اُن کی شریعت میں کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس سے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک خاص طریقہ کا یقین ہوجائے اور حکم شریعت کے مقتضا کے موافق اُن کو یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس ظاہری معنی (طریق خلق) کے اعتقاد سے عدول کرکے اُس کے خلاف ایک نوع کے دوسرے نوع سے نکلنے اور بطریق نشو کے پیدا ہونے کا اعتقاد کرلیں جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کیونکہ یہ امر نصوص سابق الذکر کے ظاہری اور متبادر معنی کے خلاف ہے اور کوئی قطعی دلیل جو اُن کو ان کی تاویل کرنے پر مضطر کردے قائم نہیں ہوئی اور جو دلیلیں آپ لوگ طریقِ نشو پر اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں وہ محض ظنی اور فرضی ہیں احتمال کے دائرے سے جس سے کہ استدلال یقینی ساقط ہو

جایا کرتا ہے) خارج نہیں ہیں جیسا کہ خود غرضی کو چھوڑ کر اُن دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے اور جب تک یہ کیفیت رہے گی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیردان نصوص کو اُن کے ظاہری معانی سے ہرگز نہیں پھیریں گے۔ اگرچہ یہی اعتقاد کیوں نہ رکھنا پڑے کہ طریق نشو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے بلکہ جب تک یہ حالت رہے اُن کو تاویل کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر عقلی قطعی دلیل ان نصوص کے ظاہری معانی کے خلاف قائم ہو جاتی اُس وقت اُن کے ذمہ سابق الذکر قاعدہ کی بنا پر ان نصوص کو عقلی قطعی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے اور دونوں میں موافقت ثابت کرنے کے لئے تاویل کر دینا واجب ہوتا اور میرے خیال میں یہ امر ناممکن ہے)۔

پس اے اہلِ سائنس! اگر فرض کر لیا جاوے کہ آپ لوگوں نے جو طریق نشو پر دلیلیں بیان کی ہیں وہ یقین کے درجہ کو پہنچ گئیں اور آپ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اعتقاد کرنے کی جس کی بنیاد اس پر ہے کہ کسی شئے کے لئے سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی خالق نہیں ہے ہدایت ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ لوگ ان نصوص کی تاویل کر لیں ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیر دیں اور اس طرح اُن کو طریق نشو کے جس پر کہ قطعی دلیلیں (بالفرض) قائم ہو چکی ہیں موافق بنالیں اور اس کے ساتھ یہ بھی اعتقاد رہے کہ یہ اللہ تعالےٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو اس میں کوئی منافات نہیں کہ آپ کا شمار بھی اہلِ اسلام میں کیا جائے اور اس طرح پر اس کائنات کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے وجود اور اس کی قدرت، علم اور حکمت کے کامل ہونے پر استدلال کرنے میں آپ لوگوں سے کوئی چیز رہ بھی نہیں سکتی۔

لیکن میں آپ کو اس غلطی سے ڈرائے دیتا ہوں کہ آپ ظنی دلیل کو جو آپ کے نزدیک قائم ہوں کہیں یقینی نہ گمان کرنے لگیں اس لئے آپ کو اس بارے میں بڑی باریک بینی سے کام لینا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ ہی ہم سب کا ہادی ہے۔ کائنات ارض کی پیدائش کے نسبت جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ انسان سے قطع نظر کر کے تحریر کیا ہے۔ اُس کی پیدائش کی نسبت میں مستقل طور پر گفتگو کرتا ہوں۔

ان نصوص کا بیان جن سے بظاہر نوع انسان کا بطریق خلق کے مستقل طور پر پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل اسلام کو ان نصوص کی تاویل کرنا ضروری نہیں جب تک کہ طریق نشو پر قطعی دلیل نہ ہو جائیں

پس میں کہتا ہوں کہ شریعت محمدیہ کی ان نصوص میں سے جن پر کہ انسان کی پیدائش کی نسبت اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ وارد ہوا ہے کہ[1] اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا اور یہ کہ اُس[2] نے اُسی مٹی سے چپکتے[3] ہوئے گارے سے، نتھرے[4] ہوئے گارے سے، سڑی[5] ہوئی سیاہ مٹی سے، ٹھیکرے[6] کے مثل مٹی سے، اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اُس نے اُسے پانی[7] سے پیدا کیا۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء (امام رازی) نے یہ کہا ہے کہ انسان کی اصل مٹی اور پانی ہے۔ یعنی خدا نے اس کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے نصوص میں کہیں پانی کا ذکر ہے کہیں مٹی کا اور وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ[8] نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی پیدائش تمام کائنات سے ایک ممتاز صورت پر ہوئی ہے۔ اور وارد ہوا ہے کہ خدائے[9] پاک نے آدمی کو نفس (آدم) سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کی زوجہ (حوا) کو بنایا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ ان نصوص سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ اس کو کسی دوسری نوع سے نکالا جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں۔ خصوصاً وہ نص جس کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] آیت یہ ہے :۔ بدأ خلق الانسان من طین [2] آیت یہ ہے من تراب [3] انا خلقنا ہم من طین لازب [4] ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین [5] لقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون [6] خلق الانسان من صلصال کالفخار [7] واللہ خلق کل دابۃ من ماء [8] ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔ [9] یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساء۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی ہے اور بعض آحادی نصوص میں تو اس کی بخوبی تصریح موجود ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی وہ کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آحادی نصوص گو بانفرادہا مدار اعتقاد نہیں ہیں لیکن اس سے بھی گئی گذری نہیں کہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی جو کہ مدار اعتقاد ہیں تائید وتقویت کر دیں۔

علاوہ بریں یہ امر غایت درجہ مستبعد ہے کہ انسان کی اصل مادہ بسیطہ ہے۔ پھر اُس نے عناصر تک ترقی کی ہو۔ پھر جاندار مادہ تک اور وہ برٹوبلاسم ہے۔ پھر ادنیٰ حیوان تک پھر اس کے بعد ترقی کر کے بندر تک پہنچا ہو۔ پھر بندر سے انسانی بندر تک اور پھر اُس سے ترقی کر کے انسان بن گیا ہو۔ جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اور پھر بھی اللہ تعالےٰ نے ان سب کا بیان چھوڑ دیا ہو اور صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کر لیا ہو کہ انسان کی پیدائش کو اُس نے مٹی سے شروع کیا ہے بلکہ اُس کی حکمت کا تو مقتضا یہ تھا کہ ان تطورات اور ترقیات کی تشریح کرنا اور اس کی تفصیل بیان کرنا جیسے کہ اُس نے نسل انسان کی پیدائش کی تفصیل بیان کی ہے۔ چنانچہ نصوص شرعیہ میں اُس نے اس تفصیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (یعنی اس لئے کہ اُن کے باپوں کی غذا جس سے منی بنتی ہے اُس کی اصل مٹی ہی ہے۔ ایسا ہی تفسیر رازی سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری تفسیر میں خدا کے اس قول کے معنی کہ اُس نے (خدا نے) انہیں مٹی سے پیدا کیا یہ لکھے ہیں کہ اُن کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اوروں کو اُن کے نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے، پھر اُس کے بعد اُن کو بچہ بنا کر نکالا۔ پس بے شک نفس کے بارے میں یہ تفصیل خالق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے کے لئے عقل کے نزدیک بہت باوقعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں مادہ کے طرح طرح کے انتقالات پائے جاتے ہیں۔

پس نصوص مذکورہ کا طریق نشو اور انسان کے دوسری نوع سے نکلنے کے بیان سے ساکت رہنا اور محض بیان سابق پر اکتفا کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان مستقل نوع بنا کر پیدا کیا گیا ہے کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا جیسا کہ

آپ لوگ قائل ہیں اگرچہ دونوں امر عقلاً ممکن ہیں جس پر کہ خدا تعالےٰ کو پوری قوت حاصل ہے۔ ہاں ان نصوص میں یہ امر صراحتہً مذکور نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو مٹی سے دفعتاً پیدا کیا یا رفتہ رفتہ بنایا اُس لیے ان نصوص کے موافق جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں۔ ان دونوں امروں میں سے کسی کے ساتھ یقین نہیں کیا جا سکتا بلکہ محل توقف ہے۔ اگرچہ بعض آحادی نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انسان (آدم) کی رفتہ رفتہ پیدائش ہوئی ہے اور اس پر ایک طویل زمانہ گزرا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے اور بعض علماء اسلام (امام رازی) نے اللہ تعالےٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہ تم کو اُس نے مٹی سے پیدا کیا پھر ناگاہ تم آدمی ہو کر پھیلنا شروع ہوئے[۱]۔ یہ تصریح کی ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی ادنیٰ حالت سے حالت موجودہ تک ترقی کر کے نہیں پہنچا ہے اور اس بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ عربی میں کلمہ (اذا) جس کا ترجمہ ناگاہ اور فوراً ہے کسی امر کے اچانک اور دفعتاً واقع ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ عربی محاورہ ہے، خرجتُ فاذا الاسد بالباب۔ یعنی میں نکلا پس ناگاہ شیر دروازہ پر تھا اور یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قالب انسانی کو مٹی سے بنانے کے بعد لفظ کُن (ہو جا) کہہ کر انسان ہی بنا دیا اور وہ فوراً پیدا ہو گیا۔ یہ نہیں ہُوا کہ وہ معدن بنا، پھر نبات ہُوا، پھر حیوان، پھر اس کے بعد انسان بنا اور یہ ایک فلسفہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اوّل ہی سے بنایا ہے۔ اور وہ انسان بننے کے ساتھ ہی حیوان اور نامی[۲] سب کچھ بن گیا۔

یہ نہیں کہ اول اس کو نامی بنایا ہو پھر حیوان بنایا ہو پھر انسان بنایا ہو۔ سو حقیقتاً مقصود اوّل انواع کا پیدا ہے۔ پھر اُن انواع میں اُسی ایک ہی قصد اور ارادہ سے اجناس بھی ہو جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالےٰ نے مرتبہ اخیرہ ہی کو مقصود ٹھہرایا ہے جو جنسِ عالی سے نہایت ہی بعید ہے۔ یہ نہیں کیا کہ اوپر سے درجہ

---

[۱] خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۱۲

[۲] نامی سے مراد وہ جسم ہے جس میں نشوونما ہوتا ہو ۱۲ مترجم

بدرجہ منتقل کرتے ہوئے اخیر مرتبہ (نوع حقیقی) پر لائے ہوں۔ (ختم ہوئی تقریر علامہ رازی کی۔)

پس یہ اس امر کی تصریح ہے کہ اس نص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش بطریق خلق کے مستقل طور پر ہے بطریق نشو کے نہیں ہوئی جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے اور باقی نصوص سے بھی بظاہر طریق خلق ہی کا پتہ چلتا ہے۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد کے بارے میں طریق خلق ہی پر اعتماد ہے طریق نشو پر نہیں اور نہ اُن کو ان نصوص کی تاویل کرنا اور اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیرنا ہی جائز ہے۔ مگر ہاں جب کوئی عقلی قطعی دلیل قائم ہو جائے جو اس بات پر دال ہو کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو بطریق نشو ہی کے پیدا کیا ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے (اور یہ امر کوسوں دور ہے) تو اُس وقت البتہ وہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی تاویل کرنے پر مضطر ہو جائیں گے جیسا کہ اُن کے نزدیک ثابت بھی ہو جائے تو وہ نشو وہ نہیں ہو سکتا جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں اس لئے کہ اگر اُن کے نزدیک نشو ثابت ہو گا تو وہ یہی کہیں گے کہ نشو اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ سوائے خدا کے نہ کوئی خالق ہے اور نہ مؤثر ہے۔ قوانین قدرت جن سے کہ وہ کام لیتا ہے وہ محض عادی اسباب ہیں۔ اُن میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں اور جو نشو آپ مانتے ہیں وہ آپ کے زعم کے اعتبار سے انہیں قوانین قدرت کی ذاتی تاثیر سے ہونا ہے پس ان دونوں معنوں میں زمین و آسمان کا فرق نکل آیا۔

اگر اہل سائنس اسلام قبول کرلیں اور اُن کے پاس طریق نشو پر قطعی دلیل قائم ہو جائے تو نصوص مذکورہ کو طریق نشو پر منطبق کر سکتے ہیں اور اگر وہ اس مقام کے بارہ میں جہاں کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور جہاں کہ وہ مع اپنی زوجہ کے رہے علمائے اسلام میں سے بعض کے قول پر اعتماد کرلیں جب بھی اسلامی دین سے خارج نہ ہونگے

یہ بھی سُن لیجئے کہ جو دلیلیں آپ اپنی کتابوں میں نشو پر ذکر کیا کرتے ہیں اگر نظر

انصاف سے دیکھا جائے تو وہ ایسی دلیلیں نہیں ہیں جن کی وجہ سے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نصوص کی تاویل کرنے پر مضطر ہوں اور انہیں نشو کا قائل ہونا پڑے کیونکہ وہ سب ظنی دلیلیں ہیں جن کی بنیاد چند تخمینی چیزوں پر ہے اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ کوئی یقینی دلیل معارض نہ ہو تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہوتے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

پس اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان کے بطریق نشو پیدا ہونے پر یقینی و قطعی دلیلوں تک آپ لوگوں کی رسائی ہو گئی اور آپ نے اسلامی دین کا بھی اعتقاد کر لیا جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اُس کے سوا کسی کی کچھ ذاتی تاثیر نہیں تو آپ لوگوں کے لئے بغرض تطبیق ان نصوص کی تاویل کرنے اور اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیر دینے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا اور اس طریقہ کو اختیار کرنے سے آپ اسلامی دین سے بھی خارج نہ رہیں گے لیکن میں آپ کو اس غلطی میں پڑنے سے ڈرائے دیتا ہوں کہ کہیں آپ ظنی دلیلوں کو یقینی نہ سمجھ لیجئے گا بلکہ مناسب ہے کہ غور و فکر کر کے دلیلوں کو خوب جانچ لیجئے اور پھر آگے قدم بڑھائیے لیکن اس وقت پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور کا یہ قول کہ پہلا انسان (آدم) جنت عدن میں کہ وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے پیدا کیا گیا ہے یا بعضوں کا (اور وہ سُدّی ہیں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے) یہ قول کہ وہ سماءِ دنیا میں پیدا کیا گیا ہے آپ کے خیال کے معارض پیدا ہوگا اس لئے کہ یہ دونوں قول طریق نشو کے موافق نہیں ہیں جس کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ اسی زمین میں ہُوا ہے۔

پس آپ اُن میں سے بعض علماء (اور وہ منذر بن سعید بلاطی اور ایک بڑی جماعت کے لوگ ہیں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے) کے قول کے موافق اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی جنتوں میں سے کسی جنت (باغ) میں پیدا کیا گیا ہے اور اس طور پر پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے موافق تو آپ ہو جائیں گے جس کی وجہ سے اسلامی دین کی مخالفت آپ سے دور ہو جائے گی اور آپ کے خیال کے یہ قول بھی معارض ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اُس سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا اور اُن

دونوں کو جنت میں ٹھہرایا اور یہ جنت وہی مقام ہے جہاں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے
ایمان دار بندوں کو مرنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد جزا دینے کا وعدہ کیا ہے اور
وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے اور یہی جمہور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ۔
پس آپ اُن میں سے بعض (اور وہ ابوالقاسم بلخی اور ایک بہت بڑے مفسّر
ابومسلم اصفہانی ہیں جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے) کے قول کو اختیار کر کے اس
سے بھی خلاصی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ یہ جنت زمین ہی میں تھی اور
ان دونوں کا اُس سے اہباط یعنی اُتارنا ایک حصہ زمین سے دوسرے حصّہ کی جانب
منتقل ہونے پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں (دوسرے مقام پر
بنی اسرائیل کو خطاب کرنے میں) واقع ہوا ہے کہ تم سب[1] شہر میں اُتر جاؤ، یعنی
شہر میں چلے جاؤ۔ اور اگر آپ کو پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر کا یہ قول مشکل
معلوم ہو (حالانکہ وہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عقلاً ممکن ہے جو کہ خداوندی قدرت
کے تصرف میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حیوان ہیڈرکو دیکھئے اس کے تین حصے کر
دیئے جاتے ہیں اور اُن میں سے ہر حصّہ ایک مستقل حیوان بن جاتا ہے جیسا کہ پیشتر
گزر چکا ہے۔ لیکن ہم اپنے مقابل کی آسانی کی غرض سے اسی کے خیال کے موافق گفتگو
کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اُس سے اُس
کی زوجہ (حوّا) کو پیدا کیا۔ یعنی اُس کی بائیں جانب کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے
کیونکہ اُن کی شریعت کی بعض آحادی نصوص میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی
سے پیدا ہوئی ہے اور نیز بعض جلیل القدر صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے
(اور وہ ابن مسعود اور ابن عباس اور بعض دوسرے صحابہؓ ہیں جیسا کہ تفسیر ابی السعود
میں ہے) پس آپ اس سے بھی خلاصی حاصل کرنے کے لئے اس قول کو مان سکتے ہیں
جیسے کہ اُن میں سے بعض نے (ابومسلم اصفہانی نے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اختیار کیا
ہے اور اس نص کی تاویل کر دی ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان
اوّل سے اُسکی زوجہ کو پیدا کیا اور وہ تاویل یہ ہے کہ اُسکی زوجہ کو اس سے پیدا کرنے

---

[1] وہ آیت یہ ہے اهبطوا مصرًا ۱۲ ۔

سے مقصود یہ ہے کہ اُس کی نفس سے پیدا کیا جیسا کہ اُس نے (خدا نے) دوسری نص میں کہا ہے (خدا نے) تمہارے نفسوں سے تمہاری ازواج کو بنایا اور اس طریقہ سے آپ ایک قسم کی تاویل کر کے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء کے ساتھ موافق ہو سکتے ہیں اور اس سے آپ کی اسلامی دین کے ساتھ ایسی مخالفت نہ ہوگی جس سے آپ اس کی پیروی کرنے والوں کے شمار سے خارج کر دیئے جائیں اس لئے کہ آپ نے کسی ایسی نص کی تکذیب نہیں کی جو کہ مدار اعتقاد ہو اور نہ آپ نے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اجماع کی مخالفت کی جو کسی ایسے امر پر جس کا دین میں بالضرورت ہونا معلوم ہو چکا ہو منعقد ہوا تھا۔ غایت سے غایت آپ نے یہ روش اختیار کی اس میں آپ نے اکثروں کی مخالفت کی اور بعض کے موافق ہوتے اور عقلی و نقلی دلیل میں تطبیق دینے کے لئے آپ نے نصوص میں تاویل کر لی۔ ہم سب کو خدا ہی سیدھا راستہ دکھلانے والا ہے۔

ظنی دلیلوں کی وجہ سے نصوص شرعیہ میں تاویل جائز نہیں ورنہ دین کھیل ہو جائے گا

پھر سنئے کہ ہماری تقریر سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں اپنی شریعت کی ان نصوص کے ظاہری معانی پر جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں اعتماد کرتے ہیں کیونکہ شریعت میں ان کا وارد ہونا قطعی ہے اور اگر عقلی ظنی دلیل ان کے معارض واقع ہو تو ان کی تاویل نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیرتے ہیں بلکہ جب عقلی قطعی دلیل ان کے معارض واقع ہوتی ہے اس وقت اُن کی تاویل کرنے پر مضطر ہوتے ہیں۔

اس تقریر سے دل میں یہ شبہ گزرتا ہے کہ آپ لوگوں کو اے اہل سائنس! یہ کہنے کی شاید گنجائش نکلے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصوص متعین المعنی کے معانی کے اعتقاد کا ترک کرنا جائز نہیں لیکن نصوص ظاہر المعنی جب

لہ جعل لکم من انفسکم ازواجا۔ ۱۲

تک کہ اُن میں غیر ظاہری معنی کا احتمال پایا جاتا ہو۔ اگرچہ یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو اپنے ظاہری معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہیں گو شریعت میں اُن کا وارد ہونا قطعی ہو۔ پس دلالت کے اعتبار سے اُن ظنی دلیلوں کے مساوی ہو گئیں کہ جو ہمارے نزدیک قائم ہو چکی ہیں۔

پس کیا وجہ ہے کہ وہ اُن نصوص کے ظاہری معانی کو ہماری دلیلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں مَیں یہ کہوں گا کہ اگرچہ نصوص ظاہر المعنی کی اپنے ظاہری معنی پر دلالت ظنی ہے۔ کیونکہ اُن میں بعید اور غیر ظاہری معنی مراد لینے کا احتمال پایا جاتا ہے لیکن تخاطب اور بول چال میں اصل یہی ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی ہی مراد لئے جائیں نہ کہ غیر ظاہری سوائے اُس حالت کے جب کہ کوئی ضرورت اُس کی جانب داعی ہو۔ پس بلا کسی ضرورت کے بعید معنی کے ارادہ کرنے سے بول چال میں افادہ اور استفادہ کے اعتبار سے خلل لازم آئے گا اور اصل کو چھوڑنا پڑے گا اور اس میں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔

پس اسی وجہ سے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ ظاہری معنی ہی پر اعتماد کرنا ضرور ہے اور غیر ظاہری معنی کی طرف التفات کرنا جائز نہیں سوائے اُس صورت کے جب کوئی ضرورت اُس کی طرف داعی ہو اور وہ ضرورت عقلی قطعی دلیل کا معارض واقع ہونا ہے اور یہ امر داعی لفظ سے غیر ظاہر معنی مراد لینے کے لئے مثل قرینہ کے ہو جاتا ہے اور اس داعی کی وجہ سے ہی دوسرے معنی ظاہر بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اُن کو اُن کی شریعت کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری معنی ہی پر اعتماد کریں اور اس کے خلاف سوائے اُس صورت کے کہ کوئی داعی و مقتضی موجود ہو التفات نہ کریں۔

پس اگر فرض کیا جائے کہ قبل وقوع ایسی ضرورت کے جس سے اُن کو ظاہری معنی کو چھوڑنا ہی پڑے کسی لفظ کے ظاہری معنی ہی کے معتقد رہیں تو وہ اس امر کو بجا لائے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر فرض کیا جائے کہ اس کے بعد ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لئے کوئی مقتضی و داعی ظاہر ہو گیا اور انہوں نے اُس نص کو اُس کے ظاہری معنی سے پھیر دیا تب بھی

وہ ظاہر امر کے بجالانے والے ہوئے جس کی انہیں تکلیف دی گئی تھی اور اُن پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہی اُن کی شریعت کا حکم ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لئے مقتضی و داعی کا انحصار صرف عقلی قطعی دلیل ہی میں کیوں ہو گیا۔ اُس کی یہ وجہ ہے کہ اس دلیل کے چھوڑ دینے سے اس اصل کا چھوڑنا لازم آتا ہے جس کے ذریعہ سے اُن کے رسول کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل عقل ہے جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے اور عقل کا چھوڑنا شرع کے چھوڑنے کو مستلزم ہے۔ رہا دلیل ظنی کا معارضہ وہ ظاہری معنی کے چھوڑنے کے لئے اس وجہ سے مقتضی و داعی نہیں قرار پا سکتا کہ دلیل ظنی کے چھوڑنے سے عقل کا چھوڑنا نہیں لازم آتا جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں غلطی کا بھی احتمال موجود ہے۔

پس اگر وہ ظاہری معنی کو چھوڑ دیں اور اُس کے معتقد ہو جائیں جس پر کہ دلیل ظنی دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں اُن کے اعتقاد کے غلط ہونے کا احتمال ہے اور اس وقت اُن کو شریعت اس امر میں معذور نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ اس وقت ان کو ظاہری معنی سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ اُس وقت اُن کو ضرورت درپیش تھی جب کہ عقلی قطعی دلیل معارض واقع ہوئی تھی۔

علاوہ بریں اگر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم دلیل ظنی کا اتباع کر کے اپنی نصوص کے ظاہری معانی کو چھوڑنے لگیں تو اعتقاد میں بے انتہا خبط لازم آئے اور بڑی گڑبڑ مچ جائے کیونکہ لوگوں کے ظنون اور گمان بکثرت ہیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ ظن اور تخمین کرتا ہے اور اعتقاد کے بارے میں یقین پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

پس امر صواب یہی ٹھہرا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی اُن نصوص کے (کہ جن کا وارد ہونا یقینی ہے) ظاہری معانی کے ساتھ تمسک کریں اور محض ظنی اور تخمینی باتوں کی وجہ سے اُن کو ظاہری معانی سے نہ پھیریں۔ نہ اسی ہدایت کرنیوالی ہے۔

جو دلائل اہل سائنس نے طریق نشو پر قائم کی ہیں وہ ظنی ہیں اور ان کی مشہور دلیلوں کا بیان کر کے اُن کی منصفانہ جانچ

اب اس بات کا وقت آ پہنچا کہ میں آپ کے لئے اس امر کو بیان کر دوں کہ جو

دلیلیں اور توجیہات آپ نے طریق نشو پر اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں وہ سب کی سب ظنی ہیں اُن کی وجہ سے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی نصوص کی جن کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہوسکتے۔

میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کے ثابت کرنے میں جو تقریریں کی ہیں میں اُن سب کے باطل کرنے اور رد کرنے کے درپے ہو جاؤں۔ کیونکہ اس طرح بات بہت بڑھ جائے گی اور ہمیں اپنی بحث کے موضوع سے جس کے کہ درپے ہم ہو رہے ہیں نکلنا پڑے گا اور اس کے لئے تو ایک جدا کتاب بننا چاہیئے خدا اس کے تصنیف کرنے میں میری مدد کرے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے۔ لئے اس امر کو بیان کردوں کہ نشو کے بارے میں دلیلوں اور توجیہوں کا جس امر پر مدار ہے تو ظن وتخمین اور اٹکل سے اس کا درجہ نہیں بڑھا اور صرف اسی سے ہماری غرض حاصل ہو جائے گی۔

پس میں کہتا ہوں کہ طریق نشو یعنی انواع کے ایک اصل سے نکل کر ترقی کرنے پر استدلال کے بارے میں سب سے بڑی چیز جس پر آپ لوگوں کا اعتماد اور آپ کے استدلال کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ اعضاء کے نشانات بعض حیوانات میں مشاہدہ کئے کل یا اکثر میں بھی نہیں اور وہ ایسے اعضا کے آثار رہتے جو کہ حیوان میں پائے جاتے ہیں مثلاً پیروں کے غیر مکمل نشانات۔ پس آپ لوگ کہنے لگے کہ یہ اگر مانا جائے گا کہ ہر نوع مستقل طور پر جدا ہوئی جیسا کہ طریق خلق کے ماننے والوں کا مذہب ہے تو لازم آئے گا کہ ان آثار کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو کیونکہ مذہب خلق کا یہ مقتضا ہے کہ ہر نوع کے لئے جتنے اعضا کی ضرورت ہے اُس میں اتنے ہی اعضا موجود ہوں کچھ کمی و بیشی نہ ہو اور سب کے سب کام کے ہوں اور ان ناتمام آثار میں حالت موجودہ کے اعتبار سے کوئی بھی فائدہ نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ان اعضاء کے آثار رہ گئے جو اس سے پیشتر کی نوع میں تھے اور اُن کے لئے ضروری تھے۔ پھر جب اس نوع پر ایسے تغیرات طاری ہوئے جن کا یہ مقتضا تھا کہ اُن اعضا کی ضرورت نہ رہے تو وہ نابود ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اب ان کا

صرف نشان باقی رہ گیا یا یہ نوع ان اعضاء سے خالی تھی پھر اُس پر ایسے تغیرات طاری ہوئے کہ جو اس کو اس قابل بنادیں کہ وہ دوسری نوع بن جائے جس میں ان اعضاء کی جن کے کہ یہ نشانات ہیں ضرورت ہو۔ پس اس میں یہ آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ آثار یا تو ان اعضاء کے آثار ہیں جو کہ پیشتر تھے اور اب معدوم ہونے لگے ہیں۔ اور یا اُن اعضاء کے مبادی ہیں جو آئندہ مکمل ہو جائیں گے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں انواع میں تبدیلی واقع ہونا اور ایک نوع کا دوسری نوع کی جانب منتقل ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہی امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طریق نشو اور انواع کا ترقی کرنا صحیح ہے ورنہ پھر یہ آثار کس کام کے۔ طریق نشو اور اس ترقی کے صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے بارے میں جس پر کہ آپ نے اعتماد کیا ہے اس میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے علم جیالوجی کی تحقیقات میں طبقات ارض میں سے سب سے پہلے اور نیچے کے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کے نبات اور ادنیٰ درجہ کے حیوان کے آثار پائے۔ پھر اُس کے بعد کچھ ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر ترقی یافتہ وہ نبات اور حیوان ہو گا جس کا وجود سب کے بعد ہُوا اور طبقات ارض میں سے سب سے اوپر کا طبقہ اُس کی پیدائش کی جگہ ہے اور ادنیٰ درجہ والے نبات اور حیوان اپنی ترقی یافتہ نوع کے وجود کے بعد نابود ہو گئے۔

پس اگر مذہب خلق ہی صحیح ہوتا تو چاہیئے تھا کہ ہر نوع خواہ ادنیٰ درجہ کی ہوتی یا ترقی یافتہ جیالوجی کے پہلے، درمیانی اور آخری سب، زمانوں میں پائی جاتی اور زمین کے طبقوں میں سے خواہ نیچے کا ہوتا یا درمیانی یا اوپر کا، سب میں اُس کے آثار پائے جاتے لیکن ایسا نہیں ہے۔

پس اگر یہ مانا جائے کہ موجودہ انواع ایک دوسرے سے ترقی کر کے بنی ہیں جس بنا پر اصل موجودات ادنیٰ طبقہ کی انواع قرار پا دیں گی۔ پھر وہی ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچ گئیں اور ترقی یافتہ انواع ادنیٰ درجہ کی انواع کو تنازع بقا کے قانون کے موافق نابود کرتی رہیں تو یہ حالت ہر گز نہ ہوتی جیسا کہ ہماری تحقیقات ہے۔

ادنیٰ درجہ کی نوع کا اعلےٰ درجہ کی نوع کی جانب ترقی کرنا چار قدرتی قوانین کے موافق ہے اور اُن کا بیان

پھر آپ نے اس ترقی کرنے، انواع کے ایک دوسرے کی جانب منقلب ہونے اور ادنیٰ درجہ کی انواع کو ترقی یافتہ انواع کی نیست و نابود کرنے کو چار قدرتی قوانین کے حوالہ کیا ہے۔ پہلا قانون وراثت ہے یعنی فرع اپنی اصل کی صفات کو وراثتاً حاصل کرتی ہے۔ دوسرا قانون تبائنات ہے۔ یعنی ہر فرع کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اصل کی صفات وراثتاً حاصل کرنے کے ساتھ ہی اپنی اصل سے دوسری صفات میں مختلف اور مبائن بھی ہو۔ تیسرا قانون تنازع بقا ہے یعنی انواع میں باہم زندگی بسر کرنے کے اسباب تیں سبقت حاصل کرنے کے لئے منازعت واقع ہوتی ہے اور اُن پر خارجی صدمات جیسے کہ گرمی وسردی طاری ہوتے ہیں اور ضعیف بباعث قوی کے غالب ہونے کے یا بہ سبب صدمات کے ہلاک ہو جاتا ہے اور قوی جو ان صدمات کو برداشت کر سکتا ہے باقی رہتا ہے۔ چوتھا قانون انتخاب طبعی ہے یعنی قوی اور زیادہ مناسب ہی باقی رہتا ہے۔ ضعیف اور غیر مناسب نابود ہو جاتا ہے۔

پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ طبیعت نے انواع موجودہ کو انتخاب کیا ہے اور آپ انہی قوانین کے موافق نشو اور اس ترقی کی تقریر کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ جاندار اجسام میں سے جو شے سب سے پہلے موجود ہوئی وہ مکون اول یعنی برلڈ بلاسم ہے جو ذرات مادہ کی حرکت کے باعث سے بعض عناصر کے اجتماع سے بنا پھر اُس میں توالد ہونے لگا۔

پس اس کے فروع وراثتاً اُس کے صفات حاصل کرنے لگے اور دوسرے صفات میں اس سے مبائن اور مختلف ہونے لگے اور اسی طرح سے فروع کا یہ معاملہ اصول کے ساتھ جاری رہا اور اس سبب سے ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ ادنیٰ درجہ کی نبات اور حیوان تک نوبت پہنچ گئی اور یہی حالت ہمیشہ رہی پس زمانۂ دراز تک فروع کی صفات اصول کو وراثتاً حاصل کرنے اور دوسری صفات

ہیں اُن سے مختلف ہونے اور اُن تباینات کے جو کہ وراثتاً حاصل کیئے گئے بکثرت پائے
جانے کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ انواع بننے اور ایک دوسرے سے نکلنے
لگیں اور تنازع بقا کے قاعدہ سے ضعیف ہلاک ہوتا رہا اور قوی باقی رہا اور طویل
زمانہ گزرنے پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتخاب طبعی حاصل ہوگیا اور ان سب امور سے
انواع حالتِ موجودہ تک پہنچ گئیں حالانکہ سب کی اصل ایک ہی ہے اور جب
آپ نے دیکھا کہ انسان بندر کے مشابہ ہے صورت اور بعض اعمال کے اعتبار سے
اُسی کے قریب قریب ہے تو آپ اس کے قائل ہو گئے کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں
ہوسکتا کہ وہ دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور انسان ترقی کر کے حالتِ
موجودہ تک پہنچ گیا ہو اور میں نے آپ کے بعض مقابلین کو جو اس مذہب کو نہیں
مانتے دیکھا ہے کہ انہوں نے بڑی لمبی چوڑی تقریروں سے ان امور کو باطل کیا ہے
جن پر کہ آپ کی دلیلوں کا اس بارہ میں مدار ہے اور آپ حیلہ اور حوالہ کر کے ان
اُن سے جان بچاتے ہیں اور اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لئے دلائل بیان کرتے
ہیں ۔ اس بارہ میں آپ کا اُن سے بہت ہی طول طویل مناظرہ ہوا ہے اور اس
بارہ میں بہت سی کتابیں اور رسالے تالیف ہوتے ہیں اور میں بخوف طوالت
اس امر کے درپے نہیں ہونا چاہتا جس کے درپے آپ کے یہ مقابلین ہوئے، لیکن میں
صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے اس امر کو بیان کر دوں کہ طریق نشو اور انواع
کے ترقی کرنے کے بارہ میں جن امور پر آپ کے استدلال کا مدار ہے وہ محض ظنی امور
ہیں جن پر کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعتقاد کے بارے میں اعتماد نہیں
کیا جاسکتا اور نہ یہ امور اُن کی شریعت کے ظاہری نصوص کے مقابل قرار پاسکتے ہیں
کہ جس کی وجہ سے وہ انکی تاویل کرنے پر مضطر ہوں کیونکہ تاویل کرنے پر اُن کو سوائے امر یقینی
کے معارضہ کی اور کوئی چیز مضطر نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں ۔

بعض حیوانات میں اعضاء کے غیر مکمل نشانات پائے جانے سے طریقہ نشو پر استدلال نہیں ہو سکتا

پس میں کہتا ہوں کہ جب دلیل میں احتمال نکل سکتا ہو خواہ وہ احتمال بعید ہی

کیوں نہ ہو تو اس دلیل سے استدلال یقینی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا اور نہ میں آپ کی نسبت ایسا گمان کرتا ہوں کہ آپ اس سے انکار کریں گے۔

پس جب یہ امر قرار پا چکا تو اب سنئے کہ آپ کا نشو پر اعضاء کے نشانات سے یہ استدلال کرنا کہ وہ انواع کی متغیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ تغیر مذہب نشو کے موافق اور مذہب خلق کے خلاف ہے۔ یہ ایسا استدلال ہے کہ جس کا نتیجہ سوائے ظن کے اور کچھ نہیں نکلتا اور یقین تو کسی طرح پر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس میں اور بھی احتمال پایا جاتا ہے کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان اعضاء کے نشانات میں ممکن ہے کہ کوئی فائدہ اور کوئی ایسی حکمت ہو جو آپ پر مخفی ہو جیسے کہ اجسام نباتات اور حیوانات میں بکثرت چیزوں کے ایسے فوائد ہیں جو آپ پر مخفی رہے ہیں جیسا کہ فزیالوجی کی کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً حیوان کے بدن میں اسی رنگین مادہ کو لے لیجئے اس کا فائدہ اکثر اجزا بدن میں کچھ بھی نہیں معلوم ہوا۔ ہاں صرف آنکھ کی پتلی میں اس کے فائدہ کا پتہ لگا ہے۔ چنانچہ رنگین مادہ کی آنکھ کی پتلی میں یہ حکمت ہے کہ جو نوری شعاعیں زائد ہوں انہیں وہ چوس لے اور ایسے ہی اور بہت سی اشیاء ہیں۔

پس آپ کائنات میں سے ہر شئے کے فائدہ پر حاوی نہیں ہیں یہاں تک کہ آپ یہ یقین کر لیں کہ ان اعضاء کے نشانات میں کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اچھا مانا کہ اُن میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ وہ نوع کے متغیر ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف بعض انواع میں موجود ہیں کُل میں تو یہ آثار نہیں پائے جاتے یہاں تک کہ آپ کُلی حکم لگا سکیں۔ کل کیا معنی اکثر انواع میں بھی تو اُن کا وجود نہیں۔ پس اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ تغیر صرف بعض انواع میں ہوا ہو اور یہ وہی انواع ہوں گی جن میں ان اعضاء کے نشانات دیکھے گئے۔ پس اُن میں سے بعض انواع بعض کی جانب خدا کے مقرر کردہ اسباب کی وجہ سے بدل گئے ہوں باقی رہیں وہ انواع کہ جن میں یہ اعضاء نہیں پائے گئے وہ مستقل طور پر پیدا ہوئی ہوں اور اُن پر یہ تغیر طاری نہ ہوا ہو۔ پس مذہب نشو جس کے آپ

لوگ عموماً ہر نوع میں قائل ہیں وہ ثابت نہ ہُوا۔ مثلاً ممکن ہے کہ اس قسم کا تغیر سانپوں کی نوع میں جن میں آپ نے اعضار کے نشانات پائے ہیں واقع ہُوا ہو۔

پس وہ ابتدا میں حرزوںؔ کی طرح پیروں والا ہو۔ پھر جب انسان یا کسی اور حیوان کو اُس سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ اس کے قتل پر مسلّط ہو گیا ہو۔ پس اس وجہ سے وہ زمین کے سوراخوں میں اس سے ڈرا ڈرا پھرتا رہا ہو اور زمین میں گھلا کرتا ہو اور اس حالت میں ضرورت نہ پڑنے کی وجہ سے اس نے پیروں کا استعمال بالکل چھوڑ دیا ہو۔ پس زمانہ دراز گزرنے کے بعد خدا نے اس عادی سبب سے اُس کی خلقت کو بدل دیا ہو اور یہ تبدیلی اُس کی فروع میں منتقل ہونے لگی اور اُس کے پیر بالکل معدوم ہونے لگے ہوں یہاں تک کہ حالت موجودہ تک وہ پہنچ گیا ہو اور صرف پیروں کے نشانات باقی رہ گئے ہوں (یہاں پر کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعض آحادی اخبار میں ابن عباس اور ابن وہب اور اُن کے علاوہ اور مفسرین سے یہ منقول ہے کہ سانپ پہلے جنت کے حیوانات میں سے تھا لیکن چونکہ شیطان کے جنت میں داخل ہو جانے کا یہ ذریعہ بنا تاکہ وہ آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُس کو زمین پر اُتار دیا اور اُس کی صورت بگاڑ دی ورنہ وہ بڑا خوب صورت چار پیروں والا جانور تھا (اس کو کنز الاسرار میں نقل کیا ہے) اسی طرح باقی جانوروں کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے جن میں کہ اعضار کے یہ نشانات پائے جاتے ہیں۔ باقی رہیں اور انواع اور وہی تعداد بیں زیادہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اُن میں اس قسم کی ذرا بھی تبدیلی نہ واقع ہوئی ہو بلکہ وہ جیسی پیدا ہوئی تھیں ویسی ہی ہوں۔

پس اس تقریر کی بنا پر آپ لوگوں کا جملہ انواع پر تغیر اور نشو سے پیدا ہونے کا حکم لگانا محض ظن پر مبنی ٹھہرے گا جو کہ استقرار ناقص کا نتیجہ ہے (اور ظاہر ہے کہ استقرار ناقص سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کچھ آدمی سمندروں اور دریاؤں سے دور کے میدانوں میں رہنے والے مانے جائیں اور اُنہوں

لہ حرزوں سوسمار نر یا جانوریست مشابہ بحر باد آں در نواحی مصر خیزد ۱۲ منتہی الارب۔

نے سوائے خشکی کے جانوروں کے جو کہ پانی میں نہیں رہتے اور جانور نہ دیکھے ہوں اور وہ اُنہی جانوروں کو دیکھ کر اور اپنے اسی استقرار سے یہ حکم لگانے لگیں کہ کوئی جاندار پانی میں رہتا ہی نہیں تو اُن کا یہ استقرار محض ناقص ہوگا اور اُن کا یہ حکم لگانا غلط ٹھہرے گا۔ چنانچہ جب وہ سمندروں اور دریاؤں کے کنارے پر آکر دریائی جانوروں کو دیکھیں گے تو اُن کو اپنے پہلے حکم کی غلطی بخوبی معلوم ہو جائے گی)۔

علم جیالوجی سے بھی طریق نشو پر استدلال نہیں ہو سکتا ہے

پھر علم جیالوجی کی تحقیقات میں آپ کا یہ مشاہدہ کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کی نبات اور ادنیٰ درجہ کے حیوان کے آثار پائے جاتے ہیں۔ پھر اُس کے بعد اُس سے ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ حتیٰ کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان و نبات طبقات ارض میں سے سب سے آخری طبقہ میں ہے اور اُس کا وجود کا زمانہ بھی سب سے متاخر ہے اور یہ کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا پہلے معدوم ہوا پھر اُس کے بعد اب جو ادنیٰ درجہ کا تھا۔ اسی طرح آپ کی کل سابق الذکر تقریر اور اس سے آپ کا ترقی اور نشو پر استدلال کرنا اور یہ کہ یہ تحقیق مذہب خلق کے موافق نہیں ہو سکتی۔ ان سب امور کی نسبت میں کہتا ہوں کہ جیالوجی کی تحقیقات میں اس کیفیت کی دلالت اگر نشو اور ترقی انواع پر تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی وہ ظنی ہو گی۔ کیونکہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کی نبات اور ادنیٰ درجہ کا حیوان پایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس سے اعلیٰ درجہ کی نبات اور حیوان کو مستقل طور پر پیدا کر دیا اور اپنے سے ادنیٰ درجہ کی کسی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی پھر ادنےٰ درجہ والی نوع کو دنیاوی اسباب کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ مثلاً اسی وجہ سے کہ زمانہ کا وہ دور اُس نوع کے مناسب نہیں باقی رہا بلکہ صرف اُس کے بعد والی نوع کے مناسب رہ گیا ہے یا اعلیٰ درجہ کی نوع کو اُس ادنیٰ درجہ کی نوع پر غلبہ حاصل ہو گیا یا اس کے سوا اور کچھ اسباب پائے گئے۔ پھر زمانہ کے دوسرے دَور میں اُس نوع سے اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا وہ بھی اپنے سے ادنیٰ درجہ کی نوع سے

نہیں بنی۔ پھر اُس کو بھی اور دنیاوی اسباب کی وجہ سے نابود کر دیا جیسا کہ پیشتر گزرا پھر اُس کے بعد والے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پہ پیدا کیا۔ پھر اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ اسی طرح سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچی کہ نبات اور حیوان کی موجودہ انواع مستقل طور پر بن گئیں۔ اپنے سے کم درجے کی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی اور خدا نے موجودہ انواع سے پیشتر کی انواع کو اس قسم کے دنیاوی اسباب سے نابود کر دیا۔ صرف طبقات ارض میں اُن کے نشانات اور آثار باقی رہ گئے۔

پس جب تک یہ احتمال قائم ہے تو تحقیقات جیالوجی سے ترقی اور نشو پر آپ لوگوں کا استدلال کدھر سے یقینی ہو سکتا ہے اور اس احتمال کی رو سے علم جیالوجی کی تحقیقات مذہب خلق کے مخالف بھی نہیں رہتیں اور اس بات کی نظیر کہ جیالوجی کے زمانوں میں انواع حیوانات اور نباتات کا مستقل طور پر وجود ہُوا ایک دوسرے سے یہ نہیں بنیں بلکہ ہر درجہ کی انواع اپنے زمانہ کے مناسب پائی گئیں۔ یہ امر ہے جس کا کہ ہم ہر سال مشاہدہ کرتے ہیں کہ نباتات اور حیوانات میں سے بتھیرے جب کہ جاڑے کی فصل ختم ہوتی ہے اور فصلِ ربیع اور گرمی کی آمد آمد ہوتی ہے پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ اس وقت جو شئے سب سے پہلے پیدا ہوتی ہے وہ ادنیٰ درجہ کی نبات ہے۔ جیسے کہ کائی اور گھاس۔ پھر جوں جوں گرمی (ایک درجۂ خاص تک) زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ اعلیٰ درجہ کی نباتات پیدا ہوتی جاتی ہیں۔

اسی طرح حیوانات میں سے جو سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا انڈے سے اس کا بچہ نکلتا ہے وہ ادنیٰ درجہ کا حیوان ہے جیسے وہ حیوانات جو بدبو سے پیدا ہوتے ہیں اور مچھر اور مکھی وغیرہ۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ اعلیٰ درجہ کی نباتات اور حیوانات کی پیدائش کا زمانہ آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان انواع میں سے کوئی ایک دوسرے سے نہیں بنی ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس مدت میں جو انواع پہلے بنتی ہیں جوں جوں گرمی اُس خاص درجہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اُن میں سے بہت سی انواع دنیاوی اسباب سے

ہلاک ہوتی جاتی ہیں جیسے کہ اُن میں گرمی کا تاثیر کرنا یا اُن انواع کا اُن پر غلبہ حاصل کرنا جو بعد میں ہونے والی ہیں اور جب گرمی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو غالباً سوائے اُن اعلیٰ درجہ کی انواع کے کہ جو اس مدت کی پیدا شدہ انواع میں منتخب شمار ہوتی ہیں اور سب ہلاک ہوجاتی ہیں اور جو ہلاک ہوتی ہیں زمین میں اُن کے آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ پس یہ سالانہ کیفیت علم جیالوجی کی اُس حالت کے مشابہ اور مماثل ہے جسے کہ آپ نے اپنی تحقیقات سے دریافت کیا ہے یعنی پہلے ادنیٰ درجہ والی نوع کا وجود ہُوا۔ پھر اُس سے اعلیٰ درجہ کی نوع کا پھر اس سے بھی اعلیٰ کا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ انواع موجودہ تک پہنچ گیا اور اُن کے پیشتر کی ساری انواع ہلاک ہو گئیں۔ پس نشو پر علم جیالوجی کی تحقیقات سے آپ لوگوں کا استدلال بالکل ساقط ہو گیا جیسا کہ مصنف کے نزدیک واضح ہے۔

چاروں قوانینِ قدرت طریقِ خلق پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں اور نیز باہم تبائنات کے پیدا کئے جانیکی حکمت

پھر چاروں قدرتی قوانین۔ جن پر آپ نے اس ترقی اور نشو کو حوالہ کیا ہے دلیلیں نہیں ہیں جو اِن دونوں امر پر قائم کی گئی ہوں بلکہ عالم نبات اور حیوان میں جس ترقی اور نشو کا واقع ہونا مانا گیا ہے اُس کی توجیہ کے لئے آپ لوگوں نے ان قوانین کو ذریعہ ٹھہرایا ہے اس لئے میں آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں اُس روش کو نہیں اختیار کرتا جسے کہ آپ کے مخالفوں نے اختیار کیا ہے اور اُن قوانین کے ابطال کے درپے ہوگئے اور آپ اُن کے مقابلہ میں اُن کو ثابت کرنے میں مصروف ہوئے بلکہ میں آپ کے سامنے صرف یہ بیان کروں گا کہ دیکھئے تو یہ قوانین کس درجہ تک پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں اور بر تقدیر ثابت ہونے کے اُن سے کس مرتبہ کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ اصول کی صفات کو فروع کا وراثتاً حاصل کرنا تو ایک دیکھی ہوئی بات ہے جس کا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز انکار نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اس کا حاصل ہونا ہر طرح ممکن ہے خواہ بذریعۂ

اسباب عادیہ کے ہو یا نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس تنازع بقا کا قانون وہ بھی ایسا ہے جس کے ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کے اس نتیجہ سے انکار ہو سکتا ہے کہ بعض انواع باقی رہتی ہیں اور بعض ہلاک ہو جاتی ہیں گو ہر حالت میں اس کا مرجع اللہ تعالےٰ ہی کی طرف ہے ۔ علاوہ بریں ہم اس قانون کو مخلوقات میں حتیٰ کہ انسان کے اصناف میں بھی آج تک مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں لیکن یہ دونوں قانون تو ایسے ہیں کہ خواہ نشو کے ساتھ پائے جائیں یا خلق کے ساتھ کوئی خرابی نہیں لازم آتی دونوں امر ممکن ہیں۔ اور جب یہ بات ٹھہری تو اس سے کون سی شئے مانع ہو سکتی ہے کہ تمام انواع مستقل طور پر بنی ہوں۔ اور باوجود اس کے فروع اپنے اصول کی صفات کو وراثتًہ حاصل کریں اور باقی رہنے کے لئے باہم انواع میں منازعت واقع ہو۔

پس قوی باقی رہے اور ضعیف ہلاک ہو جائے اور پھر بھی ہر نوع اُن میں سے مستقل طور پر پیدا ہوئی ہو کسی دوسری نوع سے نہ بنی ہو۔ اب رہا قانون تبائنات اور وہ یہ ہے کہ ہر فرع گو اپنی اصل کی صفات وراثتًہ حاصل کرے گی۔ لیکن تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ دوسری صفات میں اپنی اصل کے ساتھ مبائن بھی ہو یہ وہ قانون ہے جس میں آپ کے مخالفوں نے آپ سے یہ منازعت کی ہے کہ جو تبائنات فروع میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ عرضی ہیں جوہری نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ نوع بدل جائے اور دوسری نوع بن جاتے اور آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ لاکھوں برس کے گزرنے کے بعد یہ تبائنات بار بار اور پے در پے ہوتے ہوتے جوہری بن جاتے ہیں اور پھر اُن سے نوع کا بدل جانا اور دوسری نوع بن جانا لازم ہو جاتا ہے اور آپ اُن سے اس مبحث میں بہت کچھ اُلجھے ہیں اور محض تطویل لا طائل کر کے رائی کا پہاڑ بنا رکھا ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ قانون تبائنات یعنی یہ کہ فرع اُن صفات کے اعتبار سے جو اُس کی اصل میں نہیں ہیں اپنی اصل سے مبائن ہوتی ہے۔ نبات اور حیوان میں مشاہدہ کیا گیا ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے اس قانون کو مخلوقات میں مقرر کیا ہے تاکہ باہم اُن میں تمائز پایا جائے کیونکہ اگر

تمام انواع کے افراد میں سے ہر نوع کے تمام افراد ایک ہی صورت پر ہوتے تو باہم اُن میں بڑا اشتباہ پڑتا اور نظام عالم میں خلل عظیم واقع ہو جاتا اور کہ جس کی انتہا ہی نہیں۔ کوئی شخص نہ اپنے بیٹے کو پہچانتا نہ اپنی زوجہ کو اور نہ وہ دونوں اس کی شناخت کر سکتے۔ اسی طرح اُسے اپنے اور غیر کے گھوڑے میں بھی تمیز نہ ہوتی اور اس کی وجہ سے معاملات میں جو خرابی آتی اور لوگوں کے جو حقوق تلف ہوتے وہ کسی پر مخفی نہیں اور یہ قانون تو نباتات یا حیوان کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ اُس کو اصول و فروع کے ساتھ کوئی خصوصیت حاصل ہے بلکہ دنیا کی تمام موجودات میں یہ قانون عام طور پر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کوئی ایسی شے نہ دیکھیں گے جو دوسری شے کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتی ہو چاہے وہ اُس کی فرع ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ انسانی مصنوعات میں بھی اس قانون کا وجود ہے۔ چنانچہ آپ کسی کتاب کو دوسری کتاب کے ساتھ ساتھ پورا مشابہ ہرگز نہ پائیں گے اگرچہ اُن دونوں کے بنانے والے نے اُن کے پورے طور سے مشابہ بنانے میں کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو ایک ہی طرح کے ورق لگائے ہوں ایک ہی مطبع میں چھاپا ہو۔

اسی طرح آپ کسی پیالہ کو دوسرے پیالہ کے بالکل مشابہ نہ دیکھیں گے بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ فرق و تبائن موجود ہو گا گو وہ کتنا ہی خفی کیوں نہ ہو اور بغیر باریک بینی سے کام لئے ہوئے نہ معلوم ہو سکتا ہو اور یہ امر محض لطف خداوندی ہے جو اس نے باہم تمیز کرنے کے لئے مقرر کر دیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔

پس تمام موجودات میں تبائن کا ہونا اور فرق کا پایا جانا پیدا کرنے والے کی جانب سے عطا کیا ہوا ایک وہبی قانون ہے طبعی قانون نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کیونکہ اگر فرع اور اصول کو طبعی نظر سے دیکھا جاوے تو فرع کا یہی حق اور اس کے لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل کے پوری پوری موافق ہو اور اس کی ساری صفات کو وراثتاً حاصل کرے اور کسی شے میں بھی اُس کے ساتھ مبائن نہ ہو۔ ہاں جب اُس کا کوئی عارضی سبب پایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن جب ایسا اتفاق ہو کہ مشابہت پیدا کرنے کے تمام اسباب متحد ہوں جیسے کہ وہ جڑواں بچے جو کہ ایک ہی تھیلی اور ایک ہی جھلی میں پیدا

ہوئے ہوں۔ پھر اُن کی پرورش کرنے کے تمام اسباب بھی یکساں رکھنے میں انتہا درجہ کی باریک بینی سے کام لیا گیا ہو تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ اُن دونوں میں ضرور فرق و تبائن پایا ہی جاتا ہے اور اس وقت فرق اور تبائن کے لئے وہی اسباب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالنا جیسا کہ میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو سنا ہے اور نرا تکلّف ہی تکلّف ہے اور انصاف کے دائرہ سے بالکل خارج ہے۔

قانون تبائنات پر ایک منصفانہ بحث اور اس پر مذہب نشو کا مبنی نہ ہو سکنا

جب آپ یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ فروع کا اپنے اصول سے متبائن ہونا جس پر کہ آپ لوگوں نے زمانۂ دراز میں نوع کے بدل جانے اور بدل کر دوسری نوع بن جانے کے بارے میں اعتماد کیا ہے ایک معین حد تک ہو جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع کی جانب نہ نکل سکے اور اتنی مقدار سے باہم افراد میں تمائز قائم رہنے کا فائدہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔

پس ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کسی نوع کے پہلے فرد کی فروع کو اُس سے چند صفات میں مبائن بنایا ہو اور علیٰ ہذا القیاس ان فروع کی فروع کو بھی اسی طرح یہ تبائن سلسلہ نسبی میں لاکھوں ہی افراد اور صورتوں میں جاری ہوتا ہوا ایسی حد تک چلا جائے جس سے ایک نوع دوسری نوع کی جانب نہ نکلے اور پھر خدا تعالیٰ فروع میں اس سلسلہ کو از سر نو شروع کرے اور ان کے اجداد پیشین کی صورتیں اُن کو عطا کرنے لگے۔

اسی طرح اس وجہ سے کہ فروع نے اپنے اجداد کی صورتیں پورے طور سے حاصل کر لیں دوسرا دور بھی ختم ہو جائے پھر اس کے بعد آنے والی فروع میں بھی یہی کارروائی ہوتی رہے یہاں تک کہ اس نوع کا یا اس عالم کا خاتمہ ہو جائے اور کیا عجب ہے کہ یہ امر ہمارے بعد کی آئندہ نسلوں کے نزدیک بخوبی مدلل ہو جائے کیونکہ زمانہ حال کے لوگوں کی عکسی تصاویر اُن کے ہاتھ لگ جائیں پھر جب وہ ان تصویروں کا اُن فروع کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھیں جو اُن کے زمانہ میں ہوں تو اُن پر ظاہر ہو جائے کہ اُن کے اجداد پیشین کی صورتیں اُن کے زمانہ کی موجودہ

نسل میں پائی جاتی ہیں۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اصول اور فروع میں ادنےٰ سے تغیر کی وجہ سے صورتیں اور شکلیں اس قدر کثرت سے ہو جاتی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کیفیت کی صورتیں جن کو ہم نے بیان کیا تھا نہایت کثیر تعداد میں ہو سکتی ہیں اور پھر بھی اُن کی وجہ سے ایک نوع کا دوسری نوع کی جانب نکل جانا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ وہ محدود صورتیں ہیں جیسا کہ ہم نے فرض کیا ہے۔ اسی نوع انسانی کو دیکھئے کہ روئے زمین پر لاکھوں ہی افراد پائے جاتے ہیں اور پھر اُن میں کیسا وسیع فرق اور تباین پایا جاتا ہے جیسے درمیان زنگی اور رومی کے۔ کیا اس تباین اور فرق نے کسی صنف کو اُس کی نوع سے خارج کر دیا اور خارج کر کے اُسے دوسری نوع بنا دیا؟ ہرگز نہیں۔ اور آپ لوگ اس سے تعجب نہ کریں کہ فروع اپنے اجداد پیشین کی صورتیں کیسے پھر حاصل کر لیں گی کیونکہ آپ ایسے ہی قدرتی قانون کے قائل ہو چکے ہیں اور وہ قانون (اٹافیسم) ہے یعنی دادا کی جانب راجع ہونا۔ اور بعض اہل سائنس اس کا نام دور وارثی یا رجعت کہتے ہیں۔

پس آپ لوگ کہتے ہیں کہ بعض صفات کبھی بعض اقوام میں مخفی رہتی ہیں پھر اس کے بعد اُن کی اولاد میں ظاہر ہو پڑتی ہیں، مثلاً جب کوئی حبشی کسی رومی عورت سے شادی کرے تو بعض اوقات اُس کی اولاد عورت کی طرح گوری ہوتی ہے پھر کچھ نسلیں گزرنے کے بعد کبھی کبھی بعض اولاد میں اُن کے اُس حبشی دادا کی صفات اور ساخت ظاہر ہو پڑتی ہیں اور اسی طرح یہ قانون عادات۔ اخلاق اور امراض میں بھی جاری ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فروع اور اصول میں تباینات کا محدود ہو کر پایا جانا اور پھر انہی کا مکرر ہونا ہم نے جو فرض کیا ہے ایک ممکن الوقوع امر ہے جس کو عقول جائز رکھتی ہیں قابل ترک نہیں خیال کرتیں اور شریعت محمدیہ میں بھی ایسا مضمون وارد ہوا ہے جس سے اس امر کی جانب اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اجداد کی صورتیں فروع کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو مخاطب کر کے یہ قول (فی ای صورۃ ماشاء رکبک یعنی جس صورت میں چاہا خدا نے تجھے ترکیب دے دیا) ارشاد فرمایا ہے اس کی تفسیر میں صاحب شریعت (رسول اللہ م

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں قرار پاتا ہے تو اُس کے اور آدم کے مابین جتنے لوگ سلسلۂ نسب میں ہیں خدا سب کی صورتوں کو وہاں حاضر کردیتا ہے اور جس شبیہ میں چاہتا ہے اُس کی صورت بنادیتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے) پس جب تک قانون تباثنات میں یہ احتمال قائم ہے کہ وہ تباثنات ہر نوع میں ایسے درجہ تک محدود ہوں کہ وہ نوع کو دوسری نوع کی جانب خارج نہ ہونے دیں اور اصول کے تباثنات فروع میں پھر از سر نوع جاری کئے جائیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہے اُس وقت تک نوع کا ایسے درجہ تک جا پہنچنا کہ اس کا تغیر جوہری بن جائے اور اُس کو وہ ایک دوسری نوع بنادے محض ایک ظنی امر ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

پس آپ نے اس قانون کی تقریر میں جو زور و شور دکھایا ہے اور نیز لاکھوں برس کے گزرنے پر جو آپ نے انواع کی تبدیلی کو اس قانون کے حوالہ کیا ہے یہ سب باطل ہوگیا۔ خلاصہ یہ کہ یہ قانون یعنی تباثن آپ لوگوں کے زعم کے موافق غیر محدود ہے اور یہ امر اگرچہ عقلاً ممکن ہے اور اس سے تبدیلی کا واقع ہونا بھی جائز ہے اور یہ سب کچھ خداوندی قدرت کے تحت تصرف میں داخل ہے لیکن اس قانون کا وقوع محض ایک ظنی امر ہے اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ پس اس کا نتیجہ بھی (اور وہ انواع کا بدل کر دوسری نوع بن جانا ہے) ظنی ہوگا اور جب یہ حالت ہے تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور نہ اس کو وہ نشو کا منتج اعتبار کر سکتے ہیں اس لئے وہ اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کی جو طریق خلق اور انواع کے مستقل طور سے بننے پر دلالت کرتی ہیں تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ اپنے اسی اعتقاد پر کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی ہے برابر قائم رہیں گے۔

ہاں! جب یہ بات مان لی جائے گی کہ یقینی قطعی دلیل اس کے خلاف پر قائم ہوگئی (اور یہ امر کوسوں دُور ہے) تو اس وقت وہ اپنے سابق الذکر قاعدہ پر عمل درآمد کر کے دلیل عقلی اور نقلی میں تطبیق دینے کی غرض سے تاویل کردیں گے۔

قانون انتخاب طبعی سے مذہب نشو لازمی نتیجہ نہیں نکلتا

اب رہا قانون انتخاب طبعی وہ تو آپ لوگوں کے نزدیک تینوں قوانین مذکورۃ الصدر کے لئے بمنزلہ نتیجہ کے ہے اس لئے وہ بھی ظنی ہی ہوگا اور اگر اس کا واقع ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے یہ قانون انواع کے بطریق خلق پائے جانے کے ساتھ بھی پایا جائے اس طرح پر کہ اُن میں سے پہلے ادنیٰ درجہ کی نوع موجود ہوئی۔ پھر اُس سے اعلیٰ درجہ کی بغیر اس کے کہ اپنے سے ادنیٰ سے بنی مستقل طور پر پیدا ہوئی ہو اُس کے بعد اُس نے اپنے سے ادنیٰ کے ساتھ باقی رہنے میں منازعت کر کے اُسے ہلاک کر دیا ہو۔ پھر اس دوسری نوع سے بھی اعلےٰ درجہ کی نوع مستقل طور پر موجود ہوئی ہو اور اُس نے بھی اپنے سے ادنیٰ نوع کو منازعت کر کے ہلاک کر دیا ہو۔ پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا ہو یہاں تک کہ انواع موجودہ تک نوبت پہنچ گئی ہو اور کوئی نوع بھی دوسری نوع سے نہ بنی ہو اور سب کی سب مستقل طور پر پائی گئی ہوں۔

پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ زمانۂ موجودہ میں سب سے عمدہ اور انسب انواع کا پایا جانا ثبوت نشو کو مستلزم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کو مان کر بھی ان قوانین اربعہ کی تقریر کرنا ممکن، یوں کہا جائے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ادنیٰ درجہ کی انواع کو پیدا کیا ہو پھر اُن سے اعلیٰ درجہ کی انواع کو بغیر اس کے کہ وہ اپنے سے ادنیٰ درجہ سے بنتیں مستقل طور پر پیدا کر دیا ہو پھر اُس نے پہلی انواع کو دنیاوی اسباب اور دوسری انواع سے باقی رہنے میں منازعت کرنے کی وجہ سے یعنی تنازع بقاء کے قاعدہ کے موافق ہلاک کر دیا ہو پھر اسی طرح ہوتا رہا ہو یہاں تک کہ انواع موجودہ تک نوبت پہنچ گئی ہو اور یہی وہ انواع ہیں جو اپنے سے سابق کی تمام انواع سے بہتر اور انسب ہیں۔

پس یہ کیفیت قانون تنازع اور قانون بقاء احسن پر مشتمل ہے اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے فروع کی صفات اصول کو وراثتاً حاصل کرنے اور نیز

فروع کے کچھ دوسرے صفات میں اپنے اصول سے مبائن ہونے کے قانون کو بھی جاری کیا ہے لیکن یہ تبائن ایک معین حد تک ہے جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع نہ بننے پائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ باہم تمیز قائم رہے جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں اور اس کیفیت نے دونوں باقی قانون کو شامل کر لیا اور وہ قانون ارث اور قانون تبائن ہیں جن کا مشاہدہ کیا بھی جاتا ہے باوجودیکہ انواع کا بطریق خلق اور مستقل طور پر بننا مانا گیا ہے اور آپ لوگوں کے علم جیالوجی کی تحقیقات بھی اس توجیہ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ پس کیا آپ اس توجیہ کے محال ہونے پر کوئی دلیل بیان کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور بعد ساری سابق الذکر تقریر کے عقلی نظر میں طریق نشو طریق خلق پر راجح بھی نہیں معلوم ہوتا بلکہ دونوں امر برابر نظر آتے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کا احتمال ہے اور ہر ایک ممکن اور خداوندی قدرت کے تحت میں داخل ہے۔

اب ظاہر ہو گیا کہ عقلی نظر میں نشو کو خلق پر ترجیح بھی نہیں اور نشو کا احتمال عقل کے نزدیک ظنی (یعنی راجح) بھی نہیں قرار پا سکتا بلکہ نشو اور خلق دونوں میں عقلی طور پر شک اور مساوات کا ہی درجہ پایا جاتا ہے لیکن پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور چونکہ اُن کی شریعت کی ظاہری نصوص سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ اسی کو مانتے ہیں اور آپ لوگوں کے پاس نشو کو ترجیح دینا اور اُن کو ماننے کی جبکہ میں نے اُس کا جس مرتبہ کا ثبوت تھا ظاہر کر دیا کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

بندر سے ترقی کرتے کرتے انسان بن جانا ایک لچر خیال ہے اور اُس کے خلاف ایک عقلی دلیل موجود ہے

یہ تو ہو چکا اب سابق الذکر تقریر کے بعد جب نشو ہی پورے طور سے ثابت نہ ہو سکا تو اُس پر انسان اور بندر کا ایک ہی اصل سے نکلنا بھی جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں مبنی نہیں ہو سکتا اور آپ لوگوں کا یہ قول کہ انسان کے بندر کے ساتھ مشابہت رکھنے کے مقتضا کے موافق کچھ بعید نہیں ہے کہ انسان اور بندر

ایک ہی اصل سے بنے ہوں محض ایک انتہادرجہ کا ساقط الاعتبار شُبہ ہے کیونکہ محض صوری مشابہت کا یہ مقتضا نہیں ہو سکتا اور نہ اُس سے یہ امر لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہاں اس سے لازم تو نہیں آتا لیکن کم سے کم اتنا تو ہے کہ اُس سے اس کا ظن اور گمان غالب پیدا ہو جاتا ہے تو مَیں کہوں گا کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں ظن پر اعتماد نہیں کر سکتے اور نہ اس کو اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کے لئے معارض اعتبار کر سکتے ہیں ۔

علاوہ بریں اس مشابہت سے جو آپ کے نزدیک ظن پیدا ہُوا تھا اُس کے لئے ایک امر واقع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائے پیدائش میں عقل اور بدن دونوں میں نہایت کمزور ہوتا ہے۔ چلنے اور آپ سے بیٹھنے پر بھی قادر نہیں ہوتا اور نہ ذراسی حرکت ہی کر سکتا ہے جو باقاعدہ ہو اور باوجود اس کے وہ نہایت کند اور نادان بھی ہوتا ہے کہ اپنے اردگرد کی اشیاء کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ اُسے زمین اور آسمان کی تمیز ہوتی ہے نہ آگ اور پانی میں فرق کر سکتا ہے اسی لئے نہ وہ کسی ایذا رساں چیز سے بچتا ہے نہ کسی نافع چیز کو اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اُسے اتنا بھی تمیز نہیں ہوتا کہ اپنی ماں کی چھاتی کیسے مُنہ میں لے۔ چنانچہ وہ کئی روز تک اس کو سکھلانے کی کوشش کرتی ہے۔ جب آسے دُودھ پینا آتا ہے پھر اس ساری کمزوری اور نادانی کے بعد ہم اُسے دیکھتے ہیں کہ قوت اور ادراک میں ترقی کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اگر بقیہ حیوانات پر قیاس کیا جائے کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت اُس سے کہیں توانا اور سمجھدار ہوتے ہیں تو اُس درجہ تک اُس کے پہنچنے کی امید نہیں ہوسکتی اور انسان کی یہ حالت خداوندی اعمال میں سے نہایت عجیب تر اور اُس کی قدرت کی عظمت پر دلیل روشن ہے کہ اُس نے اتنے کمزور اور اس قدر نادان حیوان کو ایسے درجہ تک کیسے پہنچا دیا جہاں تک کہ اور حیوانات نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ وہ نہایت قوی اور صاحب غلبہ بن جاتا ہے کہ پتھروں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کرتا ہے حالانکہ پہلے وہ نہایت ہی کمزور اور عاجز تھا۔ اسی طرح وہ مدقق عالم اور محقق فلاسفر بن جاتا ہے۔ بعد اس کے کہ وہ نری نادانی میں غرق تھا، اپنی قوت اور عقل

کے ذریعے سے بحر و بر کے حیوانات پر تسلط حاصل کرتا ہے۔ پرندوں کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے۔ نظام شمسی و قمری کا انضباط کرتا ہے اور پھر بھی یا تو اپنے پیدا کرنے والے خدائے واحد کا اقرار کرتا ہے یا اُس سے پرلے درجہ کا منکرین جاتا ہے۔ رہا بندر وہ اور اکثر حیوانات کی طرح ایک قسم کی قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت کافی حرکت کرنے پر قادر ہوتا ہے تاکہ اُس کی ماں جو پرورش کرنا چاہے اُس میں وہ اُس کی کچھ مدد کر سکے اور اُس وقت اس کو اس قدر سمجھ ہوتی ہے کہ انسان کے بچے کے پاس اُس کا نشان بھی نہیں پایا جاتا چنانچہ جو غذا اُس کے لئے مہیا ہوتی ہے اُسے جان لیتا ہے اور بغیر اُس کوشش و تدبیر کے جو انسان کی ماں کو اپنے بچہ کے لئے کرنا پڑتی ہے وہ (بندر کا بچہ) اپنی ماں کی چھاتی مُنہ میں لے لیتا ہے ایذا رساں چیزوں سے بچتا ہے نافع چیز کو اختیار کرتا ہے اور نہایت ہی تھوڑی مدت میں جس میں کہ انسان کا بچہ اپنے سرین پر بیٹھنے کے بھی قابل نہیں ہوتا وہ اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے دوڑنے لگتا ہے اور اس کو اس قدر سمجھ بھی ہے جو اُس کے امور زندگی کی انجام دہی کے لئے کافی ہو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی نوع کے بڑے بڑوں کے قائم مقام بن جاتا ہے اور حالانکہ وہ دیکھنے میں بچہ ہی رہتا ہے۔

پس بندر اور انسان میں کہیں فرق موجود ہے سو اگر انسان اور بندر ایک ہی اصل سے نکلے ہوتے اور انسان اُس سے ترقی کر گیا ہوتا تو اُس کا یہ مقتضا تھا کہ وہ اس حالت میں نہ ہوتا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا بلکہ اپنی پیدائش کے وقت بندر سے تو کم نہ ہوتا جس سے وہ ترقی کر کے بن گیا تھا۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کیا وجہ ہے کہ انسان کا بچہ قوت اور سمجھ میں اتنی پستی کی حالت میں ہو باوجودیکہ اس کا ساتھی جو اُس کے ساتھ ایک ہی اصل میں نکلنے میں شریک ہے اور جس سے کہ وہ ترقی کر کے بن گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں اُس سے کہیں کامل ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ انسان اپنے شریک (بندر) سے صورت کی عمدگی میں تو ترقی کر گیا ہے لیکن بعض اسباب کی وجہ سے قوت اور سمجھ میں اُس سے گھٹا ہُوا رہ گیا تو ہم کہیں گے پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے ہونے پر یہ باتیں اُس

میں کامل ہو جاتی ہیں اور وہ بندر پران دونوں (قوت اور سمجھ) میں کہیں زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔ پس حق اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ امر آپ کے اس قول کو کہ انسان اور بندر ایک ہی اصل سے نکلتے ہیں بالکل ہی بودا اور کمزور ثابت کرتا ہے اگرچہ ہم اپنی زبان سے اس کو باطل نہ بھی کہیں۔

اور اے اہلِ سائنس! اگر آپ نظر انصاف سے غور کریں تو آپ کو یہ امر بخوبی ظاہر ہو جائے کہ انسان اور بندر کی صرف صوری مشابہت اتنے بڑے عظیم فرق کا جو اُن دونوں میں پایا جاتا ہے جس کا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی خدا تعالیٰ ہمیں اور آپ دونوں کو امر صواب کی ہدایت کرے۔ یہ وہ تقریر تھی جس کو مَیں نے اس موقع پر آپ کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا اور میرے نزدیک اگر آپ انصاف کریں گے تو یہ تقریر اس بات کے لئے کہ نشو کے بارہ میں آپ کے دلائل اور معتمدات محض ظنی ہیں اور کسی طرح شرعی نصوص کا معارضہ نہیں کر سکتیں۔ کافی ثابت ہو گی اور مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ کے مخالف آپ کے ساتھ مختلف بحثوں میں اُلجھے ہیں جس کی مَیں کچھ ضرورت نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اُنہوں نے انواع کے بدل جانے کا آپ کے مقابلہ میں انکار کیا اور آپ اُس پر دلائل قائم کرنے کے درپے ہو گئے اور اس کا ثبوت دینے لگے یہاں تک کہ صناعی تبدیلی سے بھی اور اُنہوں نے مابین ایک اور دوسری نوع کے جس سے کہ وہ آپ کے خیال کے موافق بنی ہے حلقوں کے وجود سے قطعی انکار کیا اور آپ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ یہ حلقے بعض میں تو پائے گئے ہیں اور اپنے جی کو یوں خوش کر لیا کہ جیالوجی کی تحقیقات میں عنقریب باقی انواع میں بھی حلقے دریافت ہو جائیں گے۔ یہ ساری باتیں جملہ خبریہ ہیں جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال موجود ہے۔ بھلا بتلائیے تو ہم میں سے اس وقت کون بیٹھا رہے گا جو آپ کے دعوے کی تصدیق اور مشاہدہ کرے گا۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانے علاوہ بریں اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ احتمال برابر قائم رہے گا کہ انواع مستقل طور پر پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا۔ پس آپ کی دلیلیں ظنی ہی رہیں۔ مختصر یہ کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم آپ لوگوں سے آپ کے مخالفوں کی طرح اُلجھیں اور چونکہ ہمارا اعتماد شریعت کی ظاہری

نصوص پر ہے اس لئے ہمارے لئے تقریر سابق ہی کافی ہے وگرنہ اگر ہم آپ سے
اس بحث میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں کہ آپ کی دلیلوں کی جن پر
اعتماد کئے بیٹھے ہیں کیا قدر و قیمت ہے اور آپ کے سامنے اس بات کو ظاہر کر دیں کہ
اُن کی بنیاد وہم اور محض تخمینی اور فرضی باتوں سے ہے۔ اگر خدائے پاک نے
توفیق دی تو میں اس مبحث میں ضرور کچھ تحریر کروں گا جس سے طالبین تحقیق کی
تشنگی بجھ جائے گی۔

حیات اور عقل کے بارے میں شریعت میں جو وارد ہُوا ہے اُس میں اور اہل سائنس کے قول کے مابین تطبیق دینا

یہ بحث تو ہو چکی پھر آپ لوگوں کا یہ قول کہ حیات اور عقل انسانی دونوں محض
مادہ کے اجزا متحرکہ اور اُس کے عناصر ممتزجہ کی باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے
ایک قسم کے ظہور کے نام ہیں اگرچہ اصل مادہ حیات اور ادراک دونوں سے بالکل
خالی تھا اور یہ کہ انسان کی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے صرف مقدار میں اختلاف رکھتی
ہے حقیقت اور ذات میں اُن سے مختلف نہیں۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا اسلامی
شریعت پر انطباق ممکن ہے۔ چنانچہ حیات کی تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
تعریف کی ہے کہ وہ ایک ایسی وجودی صفت ہے جو نفس ذات پر زائد اور
علم و قدرت کے مغائر ہے جس کی وجہ سے ذات کا ان دونوں کے ساتھ موصوف
ہونا صحیح ہو جاتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے اور اُسی کے مثل تفسیر
رازی میں بھی موجود ہے)

پس جب اُن کے سامنے حیات کے بارے میں آپ کا یہ قول پیش کیا جائے
کہ وہ اجزاء مادہ کے باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک ظہور کا نام ہے الخ
تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ ہمارے نزدیک حیات ایک عرضی صفت ہے مادہ نہیں ہے
اور یہ ظہور جس کو آپ حیات کہتے ہیں وہ بھی عرضی صفت ہے اس لئے اس سے کوئی
مانع نہیں کہ حیات بھی ظہور ہو لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیوان میں خدا کے
پیدا کرنے سے اُس کے حدوث کے قائل ہیں نہ جیسے کہ آپ لوگ اجزاء مادہ کی

حرکت سے اُس کے حدوث کا بلا دلیل گمان کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر گزرا۔ اگرچہ ممکن ہے کہ یہ حرکت بھی محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے موجود ہوئی ہو اور اس ظہور کا جسے آپ حیات کہتے ہیں سبب بن گئی ہو ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ اسباب سے مسببات کو پیدا کرنے کی خدا کی عادت جاری ہوگئی ہے۔ باقی رہی عقل اُس کے بارے میں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کیا ہے۔ بعضوں نے تو اُس کی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ کہہ کر توقف ہی اختیار کر لیا کہ وہ مغیبات میں سے ہے جسے شریعت نے ہمارے لئے نہیں بیان کیا۔ پس انسب اور ادب کی بات یہی ہے کہ اُس میں گفتگو نہ کی جائے۔

پس اس بنا پر جب آپ لوگ اُن کے سامنے عقل کی ایسی تفسیر بیان کریں گے جو اُن کی شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ آپ سے یہی کہہ دیں گے کہ ہاں آپ کو تفسیر میں صحت کا احتمال ہے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہی تفسیر صحیح ہو لیکن یہ ظہور خدا کے پیدا کرنے سے حادث ہوا نہ جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ وہ محض اسی حرکت سے حادث ہو گیا ہے اور بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل کی تفسیر میں خوض کیا ہے اور جتنے اقوال ہیں سب اس بات میں متفق ہیں کہ وہ عرض ہے اور سب کا ماحصل یہی ہے کہ وہ علوم کے قبیل سے ہے یعنی وہ ایک قسم کا ملکہ ہے جس کے ذریعہ سے نظری علوم ادراک کر لئے جاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک قسم کا نور ہے اور ایسا ہی بعض آحادی آثار میں بھی وارد ہوا ہے (جیسا کہ ماوردی زبان کی کتاب الدین میں ہے) اور مراد اُس سے یہ ہے کہ وہ ایک باطنی نور ہے۔ پس اس امر کے اعتبار سے کوئی مخالفت نہیں کہ وہ علوم کی جنس سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوہر ہے لیکن یہ قول رد کر دیا گیا ہے (عبداللہ اور اُس کے [illegible] شیرا سیر سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)

عقل کی تقسیم غریزی اور عقل مکتسب کی طرف [۱۲]

یہ سب کچھ غریزی یا طبعی عقل کی نسبت کہا گیا ہے۔ رہی عقل مکتسب جو اسی غریزی عقل کا نتیجہ ہے۔ پس وہ کامل تمیز صحیح سیاست اور رائے کے صائب ہونے کا

نام ہے (ماوردی کی کتاب ادب الدین میں بھی ایسا ہی ہے) پس اس بنا پر یہ امر واضح ہے کہ آپ کے اور ان لوگوں کے قول میں جنہوں نے عقل عزیزی کی تفسیر میں خوض کیا ہے کوئی منافات نہیں کیونکہ دونوں قول اس بات میں متفق ہیں کہ وہ عرض ہے تو پھر اس بناء پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ کہا جائے گا کہ یہ عرض اجزاء مادہ کی باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک ظہور ہے تو یہ کہنے سے انہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی کہ ہاں ممکن ہے کہ یہی ہو اور اسی ظہور سے علوم کا ادراک حاصل ہوتا ہو لیکن اس کا اور ادراک دونوں کا وجود محض خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے ہی سے ہے اس طرح پر یہ قول ہمارے عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتا۔ اب اُن میں اور آپ لوگوں میں صرف اسی بات پر فیصلہ کا دار و مدار آ رہے گا کہ آپ اس کے قائل ہو جائیں کہ یہ ظہور خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہے۔ باقی رہا آپ کا یہ قول کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے صرف مقدار میں اختلاف رکھتی ہے حقیقت اور ذات میں اُن سے مختلف نہیں تو یہ قول بھی شرعی نصوص میں سے جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کیا جاتا ہے کسی کے بھی خلاف نہیں کیونکہ ان نصوص سے غایت سے غایت جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ خدا نے انسان کو عقل دے کر باقی حیوانات سے ممتاز کیا ہے اور اسی وجہ سے بخلاف اور حیوانات کے اُس کو شرائع کی تکلیف دی گئی ہے۔

رہا ادراک حیوانی سے حقیقت اور ذات میں اُس کا متغائر ہونا یا نہ ہونا تو شرعی نصوص میں ان دونوں میں سے کسی کی بھی تصریح نہیں کی گئی اس لئے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے بارہ میں سوال کیا جائے گا تو وہ کہہ دیں گے اس سے کوئی امر مانع نہیں کہ ضروریاتِ زندگی کی تدبیر کرنے کے لئے حیوانات کو جو ادراک ملا ہے وہ اور انسانی عقل دونوں ایک ہی مقولہ سے ہوں جو کہ منجملہ اعراض کے ایک عرض ہو اور خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے حاصل ہو گیا ہو لیکن وہ انسان میں زیادہ ہو کر ایسے مرتبہ پر پہنچے گا جس نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ طرح طرح کے علوم استنباط کرنے لگا اخلاق حمیدہ اور غیر حمیدہ میں اُسے تمیز ہو گئی اور وہ وہ چیزیں حاصل کر لینے کے لائق ہو گیا جن کی وجہ سے وہ اور

حیوانات سے ممتاز ہے اور ادراک کے اسی مرتبہ پر پہنچ کر وہ شرعی تکلیف کے قابل بن جاتا ہے اسی کو ہم عقل کہتے ہیں اس لئے کہ لغت میں عقل باندھنے اور روکنے کو کہتے ہیں اور وہ بھی اُس کو امر ناصواب کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

پس اس کا قائل ہونا کہ عقل انسانی حیوانات کے ادراک سے صرف مقدار کا اختلاف رکھتی ہے اسلامی دین کے منافی نہیں بلکہ یہ قول اُس پر منطبق ہو سکتا ہے اس بناء پر انسانی عقل کی نسبت شریعت میں جو تعظیمی الفاظ جیسے کہ وہ نور ہے مدار تکلیف ہے وغیرہ واقع ہوئے ہیں وہ صرف ادراک کے اسی عالی مرتبہ کی تعظیم کے لئے ہیں کسی دوسری شئے کے لئے جو ادراک حیوانات سے اصل حقیقت میں مغائر ہو نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان باقی شرعی مسائل کا بیان جن سے اہل سائنس انکار کرتے ہیں یعنی آسمان عرش کرسی لوح قلم وغیرہ حالانکہ عقل اور تحقیقات فلکی کے خلاف نہیں اور مسلمان ان کو کیوں مانتے ہیں

باقی رہا آپ لوگوں کا باقی مسائل سے انکار کرنا جن کو آپ نے شریعت محمدی میں تو پایا لیکن آپ کے علوم میں اُن کی کوئی دلیل موجود نہیں یا اُن کی رُو سے وہ قابل ترک ہیں اُن کی نسبت سُنئے۔ ہم سے اور آپ سے جو بحثیں ہو چکی ہیں بعض مسائل کی تو پوری تحقیق ہو چکی تاہم آئندہ موقع بہ موقع ہم تنبیہ کرتے جائیں گے اور جو مسائل باقی ہیں بعون اللہ تعالیٰ اُن کی تحقیق کے لئے میں ابھی گفتگو کرتا ہوں اور آپ لوگوں کو دکھائے دیتا ہوں کہ اُن میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کو عقلیں متروک خیال کرتی ہوں بلکہ سب کے سب عقلی قواعد پر منطبق ہیں بشرطیکہ عقل سلیم سے کام لیا جائے۔ چنانچہ سُنئے میں بیان کرتا ہوں یہ سب باتیں تو پہلے معلوم ہو چکی ہیں کہ مادۂ عالم پہلے نہ تھا اور پھر حادث ہُوا اور یہ کہ جس نے اس کو عدم سے پیدا کیا اور اُس سے انواع کائنات کو اس انتظام خاص پر بنا دیا وہ ہی خدا ہے اور یہ کہ وہ ان سب چیزوں کو نیست و نابود اور معدوم کرنے پر بخوبی قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی حیوانات سے علیٰحدہ اور مستقل طور پر پیدا کیا اُس سے اُس کی عورت کو بنایا اور دونوں کو ایک مکان میں

جس کا نام جنت ہے سکونت پذیر کیا پھر جس چیز سے انہیں منع کیا تھا اُس کی مخالفت
کی وجہ سے دونوں کو زمین پر اُتار دیا اور یہ کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ سب
خدا ہی کے قضا و قدر سے ہوتا ہے یعنی وہ اُسے جانتا ہے اُس کا ارادہ کرتا ہے
اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دیتا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ قضا (حکم) کرتا ہے
وہ سب اُسی کے پیدا کرنے سے پایا جاتا ہے اُس کے سوائے کوئی خالق نہیں اگرچہ
اُس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے مسببات کو اسباب سے
پیدا کر دیتا ہے اور تمام اشیاء میں جو تاثیر مشاہدہ کی جاتی ہے وہ خدا ہی کے پیدا کرنے
اور ایجاد کرنے سے ہے کوئی شئے حقیقت میں طبیعت یا اُس کی وجہ سے جو اُس میں
رکھی گئی ہو اثر نہیں کرتی اور یہ کہ خدائے سبحانہٗ موجود ہے، قدیم ہے، ہمیشہ رہے گا۔
اُس کا معدوم ہونا محال ہے۔ ایک ہے۔ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ علاوہ اس
کے عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب سے غنی ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری چیزیں
اُسی کی محتاج ہیں۔ موجودات میں سے وہ کسی شئے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اُس کے
مشابہ ہے۔ کامل درجہ کا ارادہ کرنے والا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ تمام چیزوں کو جو موجود
ہیں خواہ گزر چکیں یا آئندہ ہوں گی سب کو جانتا ہے اُس کے علم سے کوئی شئے باہر
نہیں جتنی چیزیں عقلاً ممکن ہیں سب پر قادر ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ زندہ
ہے۔ تمام صفات کمال کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایان ہے موصوف ہے تمام
صفاتِ نقصان سے منزہ ہے۔

پس یہ وہ مسائل ہیں جن پر سابق کے مباحث میں کافی طور پر گفتگو ہو چکی ہے اب
کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ بعض کے تحقق اور ثبوت پر تو میں نے یقینی دلائل قائم کر دی
ہے جیسے کہ مادہ کا حادث ہونا۔ خدا کا موجود ہونا اور اُس کا اپنی صفات کے ساتھ
متصف ہونا اور بعض کو میں نے آپ کے علوم کے ساتھ جن کے وہ معارض معلوم ہوتی
تھیں تطبیق دے دی اور اُس کے لئے کوئی توجیہ ذکر کر دی یا میں نے آپ کو ایسا طریق
بتا دیا جس پر چلنے سے اسلامی دین کے ساتھ آپ کی ایسی مخالفت نہیں ہوتی کہ اس
سے آپ اسلام کے اعتقاد نہ رکھنے والوں میں شمار ہونے لگیں اور جس چیز کی میں نے
تصریح نہیں بھی کی ہے وہ ادنیٰ غور کرنے سے گزشتہ مباحث سے سمجھی جا سکتی ہے اور

تفصیلی گفتگو بکثرت اسلامی کتابوں میں موجود ہے جس کا جی چاہے اُس کی جانب رجوع کرے۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ان آسمانوں کے اوپر ایک بہت بڑا جسم جس کا نام کرسی ہے اور اُس کے اُوپر اُس سے بھی بڑا جسم جس کا نام عرش ہے پیدا کیا۔ اور یہ کہ ہمارے اور اُن اجسام کے مابین بہت ہی بڑی مسافت حائل ہے اور یہ کہ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جس کا نام لوح ہے اور ایک دُوسرا جسم جسے قلم کہتے ہیں اس لئے پیدا کیا تاکہ جتنی ہونے والی چیزیں ہیں ثبت رہیں اور لکھی جائیں گو وہ اس کا محتاج نہ تھا اور یہ کہ انسان کو خدا کی نعمتیں اُس کے ایک بنائے ہوئے مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور دوسرے مکان میں اُس کا عذاب ہوگا جسے جہنم کہتے ہیں۔ زمین۔ آسمان اور عالم کے تباہ ہونے کے بعد جب لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے تو خدا اِن لوگوں کو ان دونوں مکانوں میں داخل کرے گا۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلاء[1] ممتد کے تو قائل ہی ہیں اور اس سے مراد بہت ہی دُور دراز بُعد ہے جس کی وسعت کو سوچ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ آفتاب اور ستارے اس خلاء دُور و دراز میں قانون کشش کے ذریعہ سے قائم ہیں اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کا قول بھی آپ کے قول کے موافق اور مؤید معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آفتاب اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خلاء میں قائم ہیں اور اُس خلاء میں جو اُن کا مدار حرکت ہے وہی اُن کا فلک ہے جیسا کہ پیشتر گزر چکا۔

پس اس سے کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے کہ اسی خلاء دُور دراز میں ان ستاروں کے اُدھر ان اجسام مذکورہ کو بھی خدا نے پیدا کیا ہو اور وہ ساتوں آسمان (اور اُن کا نظر آنا پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر گزرا اور

---

[1] خلاء سے یہاں زمین کے اوپر کی وہ فضاء مراد ہے جو دیکھنے میں بے حد معلوم ہوتی ہے اور اس سے حقیقی خلاء مراد نہیں۔ کیونکہ اہلِ سائنس کہتے ہیں کہ اس تمام فضاء میں ایتھر پھیلا ہوا ہے۔ ۱۲ مترجم

وہ ابوبکر بن العربی ہیں) عرش، کرسی، لوح وقلم جنت اور دوزخ ہیں اور خدا نے اُن کو وہاں اپنی قدرت سے قائم کر رکھا ہے چاہے اُس نے قدرتی قوانین میں سے جنہیں کہ وہ اپنی مخلوقات میں رکھ دیا کرتا ہے کسی قانون سے کام لیا ہو یا بلا کسی طبعی قانون کے محض اپنی قدرت سے اُنہیں روک رکھا ہو کیونکہ وہ اس بات پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کے موافق پورے طور سے قادر ہے کہ قوانین قدرت محض عادی اسباب ہیں جیسا کہ اُس نے آفتاب اور ستاروں کو اُس خلاء میں جس میں کہ وہ پائے جاتے ہیں قائم کر رکھا ہے پھر یہ سب ہم سے نہایت ہی دور و دراز مسافت پر واقع ہیں جیسے کہ باہم خود اُن کے مابین بہت ہی بڑی مسافتیں حائل ہیں اور خدا کی اور اُس کی قدرت کی جو عظمت ہم اس کے مصنوعات میں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں دریافت کر چکے ہیں اس کے لحاظ سے تو ان میں سے کوئی امر بھی بعید نہیں معلوم ہوتا۔ پس یہ سب چیزیں ممکن ہیں اور ہو سکتی ہیں عقل ان کو محال نہیں سمجھتی اور خدا کی قدرت ممکن کے ساتھ ایجاد کرنے کے لئے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

رہا اُن کے ادراک تک آپ لوگوں کی رسائی نہ ہونا خواہ بذریعۂ حواس ہو یا بواسطۂ دیگر ذریعوں کے اُن کے معدوم ہونے کو مقتضی نہیں ہے اور اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ساتوں زمینوں کے موجود ہونے سے بھی جیسا کہ بعض شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اسی خلاء میں جس میں کہ ہماری زمین اور تمام ستارے قائم ہیں چھ زمینیں اور بھی قائم ہوں اور اُن میں مخلوقات بھی پائی جاتی ہو جیسا کہ آپ لوگ ستاروں میں مخلوقات کے موجود ہونے کا گمان کرتے ہیں اور اگر آپ کہیں کہ ہم نے تو ان کو بڑی بڑی دوربینوں سے بھی نہیں دیکھا تو میں کہوں گا ممکن ہے کہ روشن ہی نہ ہوں جو نظر آسکیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اُن کو دیکھا ہو اور اُنہی ستاروں میں جو کہ خلاء میں قائم ہیں انہیں بھی شمار کر لیا ہو۔ اگر آپ کہیں ہم نے مانا کہ یہ سب کچھ ممکن اور ہو سکتا ہے لیکن اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں بالفعل موجود ہیں اور کون سا امر باعث ہوا کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قائل ہی ہو جائیں تو میں کہوں گا کہ اس کا باعث اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جو ان اجسام کے موجود ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور یہی

اُن کے وجود پر اُن کی دلیل ہے اور یہ وہ نصوص ہیں جن کا اُن کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور وہ جتنی چیزوں کی خبردیں سب میں سچے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ سے معصوم اور محفوظ ہیں اس لئے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خدا کے پاس سے اُن کا رسول بن کر آنا قطعی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اگر آپ پوچھیں تو پھر اللہ تعالےٰ نے ان اجسام کو پیدا کیوں کیا تو میں جواب دوں گا کہ جیسے اُس نے ستاروں، زمین اور باقی عالموں کو جن کا آپ مشاہدہ کرتے ہیں پیدا کیا وہی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کی خوب حکمت جانتا ہے اور وہ تو فاعل مختار ہے جو چاہے سو کرے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور سابق میں اس امر پر دلیل قائم کر چکا ہوں کہ اعمالِ خداوندی کے جمیع اسرار کو عقلِ انسانی احاطہ نہیں کر سکتی۔ پس اس کو یاد کیجئے اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجسام کے پیدا کرنے کے بہت کچھ اسرار اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں کہ اگر ہم اُن کو بیان کرنا شروع کریں تو بہت طوالت ہو جائے۔

فرشتوں اور جنوں کا موجود ہونا اور اُن کا شکل بدل لینے پر قادر ہونا اور نظر نہ آنا عقل کے خلاف نہیں اور طبعیات میں سے اُس کے نظائر پیش کرنا

اب رہا یہ امر کہ اُس خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں جن کا نام ملائکہ (فرشتے) ہے اور جو اپنی شکل کے بدل لینے پر قادر ہوتے ہیں اور یہ کہ آسمان اور زمین کے مابین جس قدر مسافت ہے وہ اُس کو ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے سامنے سے اس طرح گذر سکتے ہیں کہ ہم انہیں نہ دیکھیں اور یہ کہ وہ ایسے ایسے افعال کر سکتے ہیں جن سے انسانی قوتیں عاجز ہیں اور یہ کہ آسمان فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جیسے کہ اُس نے کچھ دوسرے اجسام بھی جو ملائکہ مذکورہ کے ساتھ بعض خواص میں (جیسے کہ شکل بدل لینے پر قادر ہونا، نظروں سے پوشیدہ رہ سکنا بڑے بڑے افعال پر قدرت رکھنا) مشابہ ہیں پیدا کئے ہیں لیکن وہ ملائکہ سے اس امر میں مختلف ہیں کہ وہ اُن کی طرح نورانی نہیں۔ اسی طرح بعض اور باتوں میں بھی اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور ان اجسام کا نام جن ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اجسام انہی خواص کے ساتھ موصوف بنائے ہوں جنہیں کہ ملائکہ کہتے ہیں اور کچھ دوسرے اجسام بھی جو امور مذکورہ میں ان کی نظیر ہوں پیدا کئے ہوں جن کا کہ نام جن ہو اور ممکن ہے کہ اُن کا مادہ مادۂ ایتھر کی طرح ہو جس کی نسبت آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ تمام عالم میں بھرا ہُوا ہے حالانکہ آپ نے اُسے دیکھا نہیں یا اُن کا مادہ مادّہ ہوا کی طرح ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بنا کر اُس کے ذرّوں کو ایسی کیفیت پر مجتمع کیا ہو جس کی وجہ سے اُس میں خواص مذکورہ کی صلاحیت آگئی ہو جیسے کہ اُس نے حیوان کو جمادی عناصر سے ایسی کیفیت پر بنایا جس سے کہ اُس نے حیات ادراک اور حرکت وغیرہ ساری قوتیں حاصل کر لیں حالانکہ پہلے عناصر میں اُن میں سے کوئی شے بھی موجود نہ تھی۔ پس ممکن ہے کہ ہمارا اُن کے دیکھنے پر قادر نہ ہونا اُن کی شفافیت اور لطافت کے باعث سے ہو جیسے کہ ہَوا اور ایتھر کا حال ہے۔

علاوہ بریں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتقاد کی بنا پر کہ دکھلائی دینا محض خدا کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے جیسے کہ سابق میں اس کی تقریر گزر چکی یہ امر بالکل ظاہر ہے اور اُن کے اپنی شکل بدل لینے پر قادر ہونے کی توجیہہ باوجودیکہ وہ عقلاً ممکن ہونے کی وجہ سے خدا کی قدرت کے تحت میں داخل ہے اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کو ایسی کیفیت پر بنایا ہو جس کی وجہ سے وہ ہوا، ایتھر یا اسی کے مثل کسی اور شئے سے کچھ مقدار لے لینے پر قدرت رکھتے ہوں اور اس کو کثیف کر کے جس صورت کا چاہیں خول بنا سکتے ہوں پھر اُسے پہن لیتے ہوں اور اس طرح نظروں میں اُسی صورت کے معلوم ہونے لگتے ہوں اور کیمیاوی اعمال میں جو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام کو بعض کی جانب منقلب کرنے پر جیسے کہ کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنا دینے وغیرہ پر انسان کو قادر کر دیا ہے۔ اس سے ہماری تقریر کا سمجھنا عقلوں کو بہت ہی آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ اجسام کا مختلف شکلوں پر ہو جانا کیسے ہی کیوں نہ ہو خداوندی قدرت کی عظمت کی جانب منسوب ہوتا ہے جس کے وہ اعمال عقلوں کو مدہوش کئے دیتے ہیں جو حیوان اور نبات کو مختلف خواص عطا کرنے کے بارہ میں ہوتے ہیں اس لئے اس میں ذرا بھی تعجب

نہ کرنا چاہیئے۔

رہا یہ امر کہ وہ باوجودیکہ لطیف اجسام ہیں لیکن ایسے ایسے اعمال کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جن سے انسانی قوتیں بالکل عاجز ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ہواؤں کے یہ کام کہ وہ کیسے بڑے بڑے درختوں کو اکھیڑ کر پھینک دیتی ہیں اور نیز قوت کہربائی کے کرشمے کہ وہ کس طرح بڑی بڑی گراں بار اشیاء کو جن کو ہزاروں آدمی مل کر حرکت بھی نہیں دے سکتے کھینچ لیتی ہے، دیکھ کر ملائکہ اور جنوں کے اعمال میں کچھ بھی تعجب نہیں معلوم ہوتا خصوصاً جب کہ اس کا بھی خیال کیا جائے کہ ان کو ان اعمال کی قوت بخشنے والا وہی خدا ہے جس کی قدرت کی عظمت کے سامنے یہ ذرا بھی مشکل کام نہیں اور جب ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی قوت سے لوہے کو توڑ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی ہاتھ کی قوت محض اُن کے پٹھوں کا عمل ہے جن کی انتہا ایک نہایت ہی نازک اور پتلے گودے (مبدا اعصاب) جو دماغ کا ایک حصہ ہے) تک ہوتی ہے جو کہ حرکت کا مدار ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور خارجی جسم کے ادنیٰ صدمہ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس مقدار سے جو اُس کے لئے ضروری ہے خون کا ایک زیادہ قطرہ بھی اُس کے نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہے جس کے بعد پھر انسان بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو یہ دیکھ کر ہمیں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ لے شئے نازک و لطیف کو ایسی قوت عطا کرنے پر بخوبی قادر ہے کہ جو کثیف اور سخت شئے میں موجود نہ ہو کیوں نہ ہو اُس خدائے پاک کی عجیب قدرت ہے۔

رہا ملائکہ کا اتنی بڑی مسافت کا جو ان سماوی اجسام کے مابین حائل ہے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر لینا تو میں کہتا ہوں کہ عقلاً اُس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اس لئے کہ حرکت کی تیزی کسی حد کے ساتھ محصور نہیں اسی روشنی ہی کو دیکھئے کہ آفتاب سے کہ جو ہم سے نو کروڑ میل سے بھی کچھ زائد فاصلہ پر ہے آٹھ منٹ اور کچھ کسر کی مدت میں ہم تک پہنچ جاتی ہے اور اگر آپ کہیں کہ روشنی تو ہمارے نزدیک حرکت اور عرض ہے اور یہ اجسام ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ کے طبعی علوم (سائنس) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو جسم زمین پر گرتا ہے پہلے سکنڈ میں اُس کے گرنے

کی تیزی سولہ قدم اور کچھ کسر ہوتی ہے اور جب وہ آفتاب کی جانب گرے تو اُس کی تیزی پہلے سکنڈ میں چار سو پچاس قدم اور کچھ کسر ہو گی۔ پھر اس کے مابعد کی تیزی دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جسم کے ساقط ہونے کی تیزی پہلے سکنڈ میں جس قدر تھی اُس کو اُس عدد کے مربع کے ساتھ ضرب دے دیں جس عدد کے لحاظ سے آپ کو تیزی دریافت کرنا ہے مثلاً دوسرے، تیسرے، چوتھے سکنڈوں کی تیزی دریافت کرنے کے لئے ۲۔۳۔۴ وغیرہ عددوں کے مربع کو علیحدہ علیحدہ پہلے سکنڈ کی چال میں ضرب دے دیں تو یہی حاصل ضرب جواب[ف] ہو گا۔

پس اس قانون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکتِ اجسام کی تیزی اس قدر زیادہ ہو سکتی ہے کہ عقل کو سخت حیرت ہو۔ اس ستارۂ مشتری کو دیکھئے جس کی نسبت آپ لوگوں کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل اُس کی چال ہے یعنی توپ کے گولہ سے بھی اسّی درجہ تیز۔ چنانچہ جتنی دیر میں انسان سانس لیتا ہے اُتنے عرصہ میں نو میل چل جاتا ہے اور اُس کی محوری گردش میں اُس کی سطحی اجزاء کی تیزی چار سو سرسٹھ میل فی منٹ کے حساب سے ہے۔ حالانکہ وہ ہماری زمین سے بقول آپ کے یہاں کے ہیئت دانوں کے جن کے ساتھ دوسرے ہیئت داں بھی متفق ہیں ایک ہزار چار سو گیارہ گنا بڑا ہے۔

پس وہ خدا جس نے اتنے بڑے اور کثیف جسم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اتنی دور دراز مسافت کو اس قدر تھوڑی مدت میں قطع کر سکے تو اُس خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ فرشتوں کو بھی بہت ہی تھوڑی مدت میں بہت کچھ مسافت کے قطع کرنے پر قادر کر دے اگرچہ یہ مسافت اُس مسافت سے جیسے کہ ستارۂ مشتری قطع کرتا ہے بہت ہی کچھ زیادہ کیوں نہ ہو لیکن تاہم اس ستارہ کی رفتار صحیح طور پر نظر کرنے سے اس بات پر عقل کی کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے کہ جس

[ف] مثلاً ہم کو چوتھے سکنڈ میں اُسی جسم کی تیزی دریافت کرنا ہے جس کی پہلے سکنڈ میں سولہ قدم چال تھی تو سولہ کو چار کے مربع یعنی سولہ میں ضرب دیں گے تو حاصل ضرب یعنی ۲۵۶ جواب ہو گا۔ صورت یہ ہے ۱۶ × (۴)^۲ = ۱۶ × ۱۶ = ۲۵۶ جواب ۱۲ مترجم ::

خدا نے اس ستارہ کو اس قدر تیزی سے چلا رکھا ہے اس جنس کے بڑے سے بڑے عمل پر بھی وہ قادر ہے خصوصاً جبکہ گرنے والے اجسام کے قانون نے حرکت اجسام کی تیزی کی بحلاظ زیادتی اور بھی صاف طور پر ظاہر کر دی ہو اور اگر آپ کہیں کہ مشتری کی رفتار تو بذریعۂ قوت کشش کے ہے جیسا کہ ہمارے علوم میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اسی طرح گرنے والے اجسام کی تیزی بھی اسی کشش کا نتیجہ ہے تو میں کہوں گا کہ پھر وہ قوت کشش ہے کیا چیز جس کا نام لے کر آپ ہمیشہ ڈینگ مارا کرتے ہیں اور اس کی جانب کائنات میں بڑے بڑے اعمال کو منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کو نہ اس کی حقیقت معلوم ہے اور نہ آپ یہی بتا سکتے ہیں کہ وہ اجسام میں کیوں قائم ہے اور اس کا کیا سبب ہے؟ غایت سے غایت آپ ان حوادث کائنات کی وجہ بتلانے کے لئے جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے جیسے کہ نظام شمسی وغیرہ اس کے قائل ہو گئے ہیں اور اس کے ثبوت کے تسلیم کر لینے کی تقدیر پر بتلائے تو سہی کہ اسے ایجاد کس نے کیا۔ اجسام کا خاصہ کس نے بنا دیا اور کائنات میں اتنے اتنے بڑے اعمال اس سے کس نے لئے کیا اس خدا کے علاوہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے جس نے کائنات کو عدم سے ایجاد کر دیا اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور کامل انتظام پر بنایا۔

پس جب یہ خدا قوت کشش کی ایسی چیز کے ایجاد کرنے اور اس سے ایسے ایسے اعمال کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ اس سے کب عاجز رہ سکتا ہے کہ ملائکہ (فرشتوں) کو اتنی بڑی مسافت کے بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کرنے پر قادر کر دے خواہ کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے جو ان میں اس نے رکھا ہو یا بلا کسی قانون کے کیونکہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے اور اس کی قدرت عظیمہ کچھ ہی کیوں نہ ہو سب کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رہا آسمانوں کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا تو اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ بھی منجملہ مخلوقات خداوندی کے ہیں جن کو اس نے انہی آسمانوں ہی میں سکونت پذیر کر دیا ہے جیسے کہ کائنات ارض کو زمین میں ساکن کر رکھا ہے اور جیسے کہ کروڑوں ہی حیوانات جو خوردبین سے معلوم ہوتے ہیں ایک قطرہ پانی میں ساکن بنائے ہیں اور اس کی قدرت بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز سب کے ساتھ مساوی نسبت رکھتی ہے کسی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور آپ

سے کے علاوہ اور لوگوں میں سے بہتیرے ہیئت دانوں کا یہ گمان ہے کہ ان ستاروں میں انسان کی طرح بڑے بڑے کام کرنے والی کائنات موجود ہے جن کے وجود پر اُن کے اعمال کے آثار سے جو بذریعہ بڑی بڑی خوردبینوں کے خیال میں آئے ہیں استدلال کرتے ہیں وہ آثار یہ ہیں جیسے راستوں کا مفتوح ہونا اُس میں کچھ گڑھے سے معلوم ہونا وغیرہ۔

پس اس بیان کے بعد آسمانوں میں ملائکہ کے موجود ہونے اور ان سے آسمانوں کے پُر ہونے سے تعجب ہی کا کونسا موقع ہے اور اگر آپ یہاں بھی یہی کہیں کہ جملہ گذشتہ امور یعنی ملائکہ" اور جن" کے ثابت ہونے۔ اُن میں اُن خواص کے پائے جانے اور آسمانوں کے فرشتوں سے پُر ہونے پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا دلیل ہے؟ تو یہاں بھی میں یہی کہوں گا کہ ان سب چیزوں پر اُن کی دلیل اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق ہوئے ہیں اور وہ سچے ہیں اور اُن کے سچے ہونے کی تصدیق اُن کی رسالت کے قطعی دلائل سے ثابت ہو جانے سے ہو چکی ہے، یہی امر ہے جس نے انہیں اس کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا ہے اور یہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے جس کے ماننے سے کوئی محال نہیں لازم آتا اس لئے وہ بلا کسی تاویل کے اُس کے ساتھ ایمان لے آئے۔

رُوح کا موجود ہونا، قیامت کا قائم ہونا، جنت و دوزخ میں داخل ہونا وغیرہ عقل کے خلاف نہیں

رہا یہ امر کہ انسان میں ایک جان ہے جسے روح کہتے ہیں اور وہ اُس کے بدن کے علاوہ ہے اور اُس کو بدن سے ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے اُس میں حیات پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اُس سے جُدا ہو جاتی ہے تو اُس کو موت آ جاتی ہے اور یہ کہ یہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اُسے ادراک ہوتا ہے اور الم حاصل کر سکتی ہے اور یہ کہ انسان کو مرنے اور فنا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ پھر لوٹائے گا اور اُس کے ساتھ دوبارہ روح کا تعلق پیدا کر دے گا اور اُس نے جو اپنی زندگی کی مدت میں اچھے عمل کئے ہوں گے اُن کی جزا دے گا اور بُرے عمل پر ان کو سزا دیگا۔

اور جس وقت بدن کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور اُس میں حیات قائم ہوتی ہے اُس وقت لذت اور الم مجموعہ روح اور بدن کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور یہ کہ باقی حیات کی بھی انسان ہی کی طرح ارواح ہوتی ہیں اور انہیں اتنا ادراک حاصل ہوتا ہے جتنا کہ انہیں اپنی زندگی بنانے کے لئے کافی ہو۔ البتہ اتنا ادراک اور اتنی عقل اُن کو نہیں حاصل ہوتی جتنی کہ انسان کو ہوتی ہے چنانچہ اسی لئے خدائی عبادت کی تکلیف انسان کو دی گئی ہے نہ باقی حیوانات کو۔ پس میں کہتا ہوں جب آپ نے امور مذکورہ کی تصدیق سے اس بنا پر انکار کیا کہ آپ کے علوم سے محض شکل انسانی کا ہی پتہ لگ سکا اور اُس کے سوا کسی چیز کو جیسے کہ روح آپ نہ جا سکے۔ علی ہذا القیاس حیوانات میں بھی آپ ارواح کو نہ دریافت کر سکے تو سنئے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ایک روح ہوتی ہے جسے کہ اُس کے بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن ہاں اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن بعضوں نے تو اس میں خوض ہی نہیں کیا اس لئے کہ صاحب شریعت سے اُس پر کوئی دلیل نہیں وارد ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے طریق پر اُن شرعی نصوص کے تصدیق کرنے کے لئے جو روح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں صرف یہی اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ ہر انسان کے رُوح ہوتی ہے اور وہ ایک موجود شے ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور اُس کے وجود کے قائل ہو جانے سے عقل کے ذرا بھی خلاف نہیں لازم آتا۔

رہا اس کا محسوس نہ ہونا یہ اُس کے عدم کو مقتضی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہم اُس کو اُس کی لطافت کی وجہ سے محسوس نہ کرتے ہوں جیسے کہ ایتھر جس کے آپ لوگ قائل ہیں حالانکہ آپ نے کبھی اُسے محسوس نہیں کیا یا اُس کے بہت باریک اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہم اُس کا ادراک نہ کر سکتے ہوں جیسے کہ وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین (مائکراسکوپ) کے نظر آتے ہیں یا کسی اور وجہ سے اور ان میں سے بعض لوگوں نے اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں خوض کیا ہے۔ چنانچہ بعض محققین نے کہا ہے (اور وہ شیخ نوویؒ ہیں جیسا جوہرہ کے حاشیہ امیر میں ہے) کہ روح کے بارہ میں جتنے اقوال ہیں سب میں زیادہ صحیح بعض محققین (وہ امام الحرمین ہیں) کا یہ قول ہے کہ روح

ایک لطیف، شفاف، بالذات زندہ جسم ہے جو اجسام کثیفہ میں اُسی طرح رگ و پے میں سرایت کئے رہتا ہے جیسے کہ سبز شاخ میں پانی۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بدن میں اُس کی جائے قرار معلوم نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کا مقر پیٹ ہے۔ بعض کہتے ہیں قلب کے قریب ہے، بعض کہتے ہیں قلب ہی ہے۔ پھر انہوں نے نفس حقیقت اور ان میں اختلاف کیا ہے۔

پس بعض کہتے ہیں اور وہ جمہور متکلمین ہیں جیسا کہ رازی وغیرہ ہیں، ہے کہ انسان بدن ہی ہے لیکن ہاں اُس کے روح ہوتی ہے (جیسا کہ پیشتر گزر چکا) جو اُس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور روح کے متعلق ہونے سے خدا کے پیدا کرنے کے باعث سے بدن کو حیات حاصل ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان مجموعہ روح اور بدن کا نام ہے اور بعض قائل ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے کہ انسان فقط روح ہی ہے اور بدن صرف اُس کا قالب ہے۔ لیکن بعد اس کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے اور اُن کے بدنوں کے فنا اور منتشر ہو جانے کے بعد اُن کے بدنوں کو دوبارہ بنا کر انہیں ضرور زندہ کرے گا اور اُن کی ارواح کا اُن کے بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کر دے گا اور اُن سے حساب لے گا۔ پھر اُن میں سے بعض کو جنت یعنی جزا کے مکان میں داخل کر دے گا اور بعض کو جہنم یعنی سزا کے مکان میں داخل کریگا اور یہ دوبارہ زندہ کیا جانا اور جو اُس کے توابع ہیں سب کچھ اسلامی دین کے قطعی اصولوں میں سے ہے جس پر اُن سب کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ دین کے ضروری معلومات میں سے ہے یہاں تک کہ جو اُس کے ممکن ہونے یا اُس کے واقع ہونے سے انکار کرے وہ اسلامی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ شرعی نصوص میں بکثرت مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے اس پر دلائل قائم کئے گئے ہیں[1] اور ان نصوص کی تصدیق کرنے اور بعث مذکور (دوبارہ زندہ کئے جانے) کے اعتقاد رکھنے

---

[1] تمام عالم کے فنا ہو جانے کے متعلق ایک مضمون :- مترجم کہتا ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ اس مقام پر پہنچ کر ناظرین کو خیال پیدا ہو کہ قبل ثبوت بعث کے تمام عالم کے فنا ہو جانے کو جس کو قیامت کہتے ہیں ذکر کرنا مناسب یا واجب ہے تو سمجھنا چاہئے کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس بات کا اعتقاد کر لیا جائے کہ حساب کے لئے بدن کو اس کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور ارواح کا اُن کے ساتھ مکرر تعلق پیدا کرنے کے ذریعہ سے بعث اور اس کے توابع ضرور واقع ہوں گے اور یہ اعتقاد ایسے طریق پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۱ سے آگے) اس فناء کا امکان چونکہ نہایت بدیہی تھا کیونکہ عالم کے ہزاروں کائنات ہمارے مشاہدہ میں فنا ہوتے چلے جاتے ہیں سوان کائنات ذائیہ اور دیگر کائنات میں فرق ہی کیا ہے ممکن ہے کہ اسی طرح سب ایک روز فنا ہو جاویں اس لئے اس کو بالاستقلال بیان کرنا مصنف نے ضروری نہیں سمجھا بخلاف بعث بعد الموت کے کہ اس میں کسی قدر خفا تھا اس میں گفتگو شروع کر دی مگر زمانہ حال کے خیالات کے موافق ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بحث سے بھی یہ کتاب خالی نہ رہے۔ اس لئے اس کے متعلق ہم ایک مفید مضمون بطور حاشیہ کے نقل کرتے ہیں جس کو ہم نے فاضل حکیم محمد علی صاحب اڈیٹر "مرقع عالم" کی تقریر دلپذیر سے خلاصہ کیا ہے جس میں امکان سے گزر کر وقوع کو قریب بفہم کر دکھلایا ہے۔ اب قیامت و بعث کا مضمون مکمل و مرتب ہو جاوے گا وہ مضمون مفید یہ ہے "آپ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ انرجی (یعنی کسی کام کرنے کی قوت یا مدمقابل پر غالب آنے کی قوت جس کو قدیم فلاسفہ کی اصطلاح میں میل کہہ سکتے ہیں) کبھی ضائع نہیں جاتی اور جو چیز حرکت کر رہی ہے اگر اس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے تو وہ ہمیشہ اسی طرح حرکت کئے جائیں گے۔ چنانچہ پروفیسر بل فورٹ نے بھی کتاب کنسر ویشن آف انرجی (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) میں اس کو خوب ثابت کیا ہے۔ اس لئے زمین اور دیگر سیارے جس طرح اب حرکت کر رہے ہیں اسی طرح برابر حرکت کئے جائیں گے اور اسی کے بھروسہ پر آپ بڑے دعویٰ سے کہا کرتے ہیں کہ جب انرجی ضائع نہیں جاتی اور حرکت میں رہنے والی چیز ساکن نہیں ہو سکتی تو پھر کیونکر دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں آپ مانتے ہیں کہ زمین میں دو حرکتیں ہیں ایک محوری[1] یعنی روزانہ جس سے وہ چوبیس گھنٹہ کے اندر ایک مرتبہ اپنے محور پر گھوم جاتی ہے اور دوسری حرکت دوری یا سالانہ جس میں وہ سال بھر میں آفتاب کے گرد گردش (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۴۲۳ پر)

---

[1] محوری حرکت وضعی ہے اور دوری حرکت اینی ہے ۱۲ مترجم

ہونا چاہیئے جس میں کوئی عقلی محال لازم نہ آئے بلکہ امکان عقلی کے دائرہ ہی میں رہے
اور ظاہر ہے کہ جو شئے عقلاً ممکن ہے وہ ضرور خدا کی تحت میں داخل ہے اُن کے لئے
یہ ضروری نہیں کہ اس دوبارہ پیدا کئے جانے کی تفصیل اور اُس کی کوئی کیفیت بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۲ سے آگے) کر جاتی ہے اور یہ دونوں حرکتیں بوجہ رگڑ کے حرارت میں
تبدیل ہوتی جاتی ہیں اور زمین کی تیز رفتاری میں کمی آتی جاتی ہے۔ روزانہ حرکت میں
کمی ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ مدّ و جزر (جو ماہتاب کی کشش سے ہوتا ہے) کی
حرکت یا رفتار زمین کی حرکت سے (جو اپنے محور کے گرد ہے) خلاف ہے۔ اس وجہ سے
زمین اور پانی میں۔ بے انتہا رگڑ پیدا ہوتی ہے جس سے پانی بانسوں اونچا ہو جاتا
ہے اور یہ رگڑ اگرچہ زور میں گھومنے والی زمین کی رفتار کو فوراً روک یا کم تو نہیں کر سکتی
مگر ہاں رفتہ رفتہ اُس کے زور کو کم اور رفتار کو سست کرتی جاتی ہے ہمارے اس
دعویٰ کا ثبوت اُن منجموں کی تحریرات سے آپ کو مل سکتا ہے جنہوں نے گزشتہ زمانہ
کے کسوف و خسوف کو اپنے حساب سے دریافت کیا اور اُس کا مقابلہ اگلی تاریخی کتابوں
سے کیا کہ وہ کب پڑے تھے اور ان دونوں مقابلوں سے یہ بات اُن کو معلوم ہوئی کہ
گزشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف اور حال کے کسوف و خسوف میں فرق ہے جس سے بدیہی
نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین کی روزانہ حرکت میں بہ نسبت سابق کے اب کمی ہے اور آخری
نتیجہ اس رگڑ کا یہ ہوگا کہ اب چوبیس گھنٹہ میں اپنے محور کے گرد دورہ کر جانے والی
زمین آئندہ کبھی اس قدر زمانہ میں حرکت کر سکے گی جس قدر عرصہ میں کہ ماہتاب حرکت کرتا
ہے یعنی انتیس [۲۹] دن بارہ [۱۲] ساعت چوبیس [۴۴] دقیقہ اور تین [۳] ثانیہ اور پھر رگڑ موقوف
ہو جائے گی۔ سالانہ حرکت کی قوت میں کمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلاء محال ہونے کا مسئلہ فلسفہ
میں اچھی طرح مدلل ہو چکا ہے اور یہ امر بھی سائنس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ زمین
اور آفتاب کے مابین کوئی مادی چیز ضرور ہے جس کو ایتھر سے تعبیر کرتے ہیں اور جب ایسی مادی
چیز موجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اُس میں اور گھومتی ہوئی زمین میں رگڑ پیدا ہو جس کے
اثر سے زمین کی سالانہ حرکت میں بھی ضرور فرق واقع ہوگا۔ ایک دُم دار ستارہ جسکو انکیز کمٹ
کہتے ہیں جبکہ وہ غائب ہوتا ہے اور پھر جب وہ طلوع ہوگا ہم کو حساب سے اچھی طرح
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۴ پر)

جو عقلاً ممکن ہو اُنہیں معلوم ہو کیونکہ اُن کی شریعت کی جانب سے اُنہیں اُس کی
تکلیف نہیں دی گئی لیکن جب اُن پر اُن کے مخالفین نے جو بعث کے منکر ہیں اس
قسم کے اشکالات وارد کئے جن سے بدن کے دوبارہ پیدا کرنے میں بظاہر عقلی محالات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۳ سے آگے) معلوم ہے لیکن آبزرویشن (مشاہدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ
اُس کی حرکت گھٹتی جاتی ہے جس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ یہ حیرت انگیز کمی اسی
مادہ کی رگڑ کی وجہ سے ہے جو ہوا کی طرح سیاروں کے مابین میں واقع ہے یا وہ سیارے
اُس کے اندر اُسی طرح حرکت کر رہے ہیں جس طرح پانی کے اندر مچھلیاں۔ یہ رگڑ زمین کی
حرکت کے مقابلہ میں گو بہت کم ہے یہ کہنا چاہیئے کہ کوئی چیز نہیں لیکن دق کی حرارت
کی طرح آہستہ آہستہ اپنا اثر کرے گی اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ کل سیاروں کی
حرکت میں فرق آجائے گا اور حرکت کرنے کی انرجی (قوت) حرارت میں تبدیل ہو جائے
گی۔ گو اس موقع پر پروفیسر بل فورٹ اسٹورٹ کی کتاب کنسرویشن آف انرجی (انرجی کبھی
ضائع نہیں ہوتی) ہمارے ساکت کرنے کے لئے کھول کر رکھ دی جائے گی مگر ہمارے
دعویٰ کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ زمین کے حرکت کرنے کی انرجی
ضائع ہو جائے گی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُس کی انرجی حرارت کے قالب میں بدل جائے
گی اور پھر اس وسیع اور پُرفضا میدان یعنی دنیا میں ایسی آگ برسنے لگے گی کہ کوئی
جاندار جانبر نہ ہو سکے گا۔

انرجی کا حرارت کی صورت میں تبدیل ہو جانا گو نیوٹن[1] کی آنکھ سے ضرور چھپا ہوا تھا
اور اس کے بعد بھی کچھ دنوں اس امر میں پس و پیش رہا کہ متحرک جسم کے رُک جانے پر انرجی کیا
ہوئی کہاں گئی۔ لیکن بعض بعض فلاسفروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ نیوٹن سے پہلے بھی
بعض بعض کو اس امر کا شبہ تھا کہ شاید انرجی حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر تو
یورپ کے محققین میں سے سر ہمفری ڈیوی، ہنجمن، ٹامسن، کاؤنٹ، کرمفرڈ، سی کوئین
میر، کولڈنگ اور ہیرن کی تحقیقات نے اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح ثابت کر دیا ہے
کہ انرجی واقعی حرارت کے قالب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۴۲۵ پر)

---

[1] دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔

لازم آتے ہوئے معلوم ہوئے تو اُن کو ضرورت پڑی کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے اور اُس کی ممکن کیفیت کے بارہ میں اپنے مخالفین کی تسکین کرنے کے لئے اُس کی تفصیل میں خوض کریں اور غور کر کے کوئی ایسی ممکن کیفیت بیان کریں جس سے عقلوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۴ سے آگے) پس اسی بنا پر ہم بھی اس کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ انرجی جس پر خدا کی جاندار مخلوق کی حیات مبنی ہے اب خراب ہوتی جاتی ہے۔ حرارت تمام عالم میں پھیلتی جاتی ہے اور سال بسال اس کو ترقی ہوتی جاتی ہے گو اس کا بڑھنا ابھی ہم کو محسوس نہیں ہوتا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آگے چل کر ایک ایسا وقت نہ آئے گا کہ اُس کے بڑھنے سے ہم اچھی طرح واقف نہ ہو جائیں گے۔ سرڈبلو ٹامسن کہتے ہیں "کل یونیورس (عالم) ایک سسٹم (منتظم) ہے جس کی ابتدا تھی اور ختم ہو گا اس لئے کہ زوال کی حالت ہمیشہ ایک حال پر اور ایک ہی حد پر نہیں ٹھہر سکتی"۔ ہمارے زمانہ حال کے محققین سائنس میں سے پروفیسر گال اور ابرٹسن صاحب نے کیا خوب کہا ہے "اگر ہم یونیورس کو ایک ایسا لیمپ فرض کریں جو نہیں جلا ہے تو شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے لیکن اگر اس کو مثل ایسے لیمپ کے خیال کریں کہ جو جلایا گیا ہے تو ہم کو اس کا پورا یقین ہے کہ وہ ازل سے نہیں جلتا ہے اور ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ وہ گل ہو جائے گا۔

دنیا کے مختلف مقاموں کی آبادی اور اس کے کل کاموں کا مدار حرارت کے مختلف درجوں (ٹمپریچر) پر ہے جس کا اعتدال اس رقیق مادے پر منحصر ہے جو آفتاب زمین اور سیاروں کے مابین بھرا ہوا ہے اور جو سیاروں کی مختلف حرکتوں کو دگڑ کر برابر کر رہا ہے مگر انرجی کے حرارت میں تبدیل ہونے سے جب اس ایتھر کا ٹمپریچر اپنی حد سے تجاوز کر جائے گا تو یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں رہے گی۔ نباتات کا زمین پر کہیں نام نہ رہے گا۔ کنوئیں سوکھ جائیں گے دریاؤں میں خاک اڑے گی اور پھر کل جاندار کیا چرند کیا پرند کیا انسان کیا حیوان سب مر کر رہ جائیں گے۔ سیاروں کے حرکت کرنے کی قوت (انرجی) جب حرارت میں تبدیل ہوتے ہوتے بہت کم رہ جائے گی تو اس کمی کا آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ سب سیارے کسی وقت میں آفتاب سے لڑ جائیں گے، حشر برپا ہو جائیگا زمین پھٹ جائے گی، پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑیں گے۔ ہستی کا یہ سارا طلسم ٹوٹ جائے گا اور یہی دنیا کا خاتمہ ہے۔ مترجم

تسکین ہو جائے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشان نہ ہوں۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اس کی نسبت مسلمان کیا اعتقاد کرتے ہیں اور اُن اعتراضات کا جواب جو فلاسفہ وارد کرتے ہیں

چنانچہ جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر مخالفین کی جانب سے اُن پر وارد کئے گئے ہیں اُن میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ "انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اُس سے صرف اُس کی صورت ہی کے پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ مادہ سے جب اُس کی صورت باطل ہو جائے گی اور وہ اپنے اصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئے گا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو جائے گا۔ پھر جب اُسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائے گی تو اُس سے دوسرا انسان پیدا ہوگا نہ یہ کہ پہلا۔ کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اُس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے۔ پس لازم آتا ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائے گا وہ نیکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اس کا شریک ہے اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اُس کی غذا بن جانے کی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں گے۔

پس بعث کے وقت دو روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گی اور نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمین پر پُرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزا ہیں اور اُن میں بہت کچھ کاشت کاری کی گئی، درخت لگائے گئے اور اُن سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بن کر اُن کے بدن کا بھی جز ہو گئی۔ پس ایک اصل اور ایک وہ اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کے لئے کیونکر ہو سکے گا فقط"۔

ان اشکالات کے مقابلے میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفع کرنے کے لئے اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور اس کی عظمت قدرت جن دونوں پر کہ اُس کے مصنوعات کے عجائب اُس کے اعمال کے غرائب و دقائق

کے ذریعہ سے یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے۔ ان دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کئے گئے ہیں لازم نہ آئیں ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کسی ایسے طریق پر واقع ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے ہمارے لئے بالکل کافی ہے۔ اپنے ایمان کے صحیح کرنے کے لئے ہمیں یہ ضروری نہیں کہ ہم اُس کی اُس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کرے گا۔ ہمیں اس کا تفصیلی علم خدا کے حوالہ کرنا چاہیئے لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کرنے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشانی سے بچانے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزا رلوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزار ہوں گے یعنی وہ اجزار جو اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں۔ نہ زائد اجزار۔ ایسا ہی اُس شبہ کے جواب دینے کے لئے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کو کھاجانے کی بنا پر کیا گیا ہے جمع الجوامع اور اُس کے حاشیہ کمال سے نقل کر کے یواقیت میں اصلی[ل] اجزار اور زائد اجزا کا ماننا مذکور ہے اور اسی امر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں ابھی اُس کی تقریر کرتا ہوں۔ بس کون امر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالےٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے انسان کے ان اصلی اجزار کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل

[ل] ظاہر بات ہے کہ کیا انسان اور کیا دیگر حیوانات زمانۂ حیات میں سب کے بدن سے اجزار تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور بجائے اُن کے بذریعہ غذا کے دوسرے اجزار جزو بدن بنتے رہتے ہیں۔ اب یہ تبدیلی یا تو تمام اجزار میں ہوتی ہے یا صرف بعض میں تبدیلی ہوگی اور بعض اجزار اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہوں گے۔ اول تقدیر پر تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اگر کسی انسان کے سارے اجزار بدل جائیں جب بھی وہ انسان دوسرا انسان نہیں بنتا بلکہ اُس میں صرف اُس کی روح کا اعتبار ہے اور ثانی تقدیر پر اصلی اور زائد اجزار ثابت ہو جائیں گے۔ بہرحال دونوں تقدیر پر انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا بلا تکلف ثابت ہوتا ہے۔ ۱۲

مترجم

کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزار کی ترکیب میں نہ داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزار کی ترکیب میں داخل ہو جائیں۔ اس طرح پر اصلی اجزار اُن کے منتشر ہونے کے وقت اُن سے جُدا ہو جائیں گے۔ پھر بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت روح کا تعلق خدا انہیں اصلی اجزار کے ساتھ کر دے گا اور اُن کے ساتھ کچھ زائد اجزار بھی ملا دے گا۔

انسان کے دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اصلیہ وفضلیہ اور مرنے کے بعد زندہ ہو جانے کی اس بنا پر توجیہ

عام ہے کہ یہ بعینہ وہی اجزار ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزار کے ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت، وعذاب کا احساس صرف روح اور ان ہی اجزار اصلیہ کو ہو گا۔ اس کیفیت پر یہ امر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ روح کا اصلی اجزار کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اس کے کہ اُن اجزار سے روح کا تعلق جدا ہو گیا تھا اور انہی اصلی اجزار میں حیات لوٹائی گئی ہے اور اُن کے ساتھ زائد اجزار ملا دیئے گئے ہیں جن کے بعینہٖ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ زندہ کیا جانا موقوف نہیں۔ پس اب نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا عذاب دیا جائے گا وہ اُس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو روحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم ہے اور نہ یہی کہ بہت سے آدمیوں کے لئے صرف ایک ہی مادہ ہو گا بلکہ اصلی اجزار کے ساتھ کسی روح کے متعلق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ وہ قبل موت کوئی انسان تھا اُسی طرح بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت بھی اُسی روح کے انہی اصلی اجزار کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے بعینہٖ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اُس کی قدرت اس کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کے لئے جس سے کوئی بھی محال نہ لازم آئے کافی ہے۔ چاہے یہ امر کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے انجام پائے یا بلا کسی قانون کے اور ہمارا اُن کو نہ دیکھنا اُن کے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزار کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزار خواہ اپنے

باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے مشاہدہ میں نہ آسکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ہماری شریعت کی نصوص بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ناطق ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمارے ذمہ اُس کی تفصیلی کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں اور اگر اس کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے خیال میں ایسی ہی کیفیت جس کی ہم نے تقریر کی عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کے لئے بالکل کافی و وافی ہے۔ زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں مدار ہے اُن میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں امتِ محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اس کے پیشتر ذکر کروں تاکہ اُس کے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔[1]

امام رازی کا اس بات پر استدلال کہ انسان بدن کا نام نہیں کچھ اور شئے ہے اور اُس کا مقر قلب ہے

پس سنئے کہ شریعتِ محمدیہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچہ کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے (امام رازی ہیں اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں) چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "اس بات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہونے میں اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ متبدل اور متغیر ہونے

---

[1] مقصود اس تقریر سے اپنے مقابل کو الزام دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھلانا ہے کہ علماء امتِ محمدیہ کی کیا رائے ہے تاکہ آگے چل کر جو احتمالات ممکنہ بیان کئے جائیں اس میں شبہ مخالفت رائے علماء امت کا نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲

والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغائر ہے اور ان دونوں باتوں کے ملانے سے اس کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ انسان اس مجموعی بدن کا نام نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا ہے کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے باوجودیکہ بدن مردہ ہو جاتا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اُس کے صحیح ہونے کی دلیل خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے:۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون۔ یعنی اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ نہ خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے"۔

پس یہ نص اس بارہ میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ بذریعۂ حسن بدن مُردہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "۔ انبیاء اللہ تعالیٰ لایموتون ولکن ینقلون من دار الی دار" یعنی خدا تعالےٰ کے نبی نہیں مرتے لیکن ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیئے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول " القبر روضۃ من ریاض الجنۃ اوحفرۃ من حفر النار"، یعنی قبر یا تو باغاتِ جنت میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا آگ یعنی دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق "۔

پس یہ جملہ نصوص اس بات پر دال ہیں کہ انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مرتا ہے اور اگر ہم اس کی اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اسی طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی اور یہ بڑا دھوکہ ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان زندہ ہے اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان بدن نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔ پھر انہوں نے کہا ہے کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہو جانا معلوم ہوا ہے اُن کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ حالت مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اُس انسان کو مار ڈالنا اور اُس حیوان کو جس کی جانب وہ مسخ ہوا تھا از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہو جانے کی حالت میں بھی وہی انسان زندہ ہے۔ تو اس تقدیر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ

وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی۔ پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر کوئی شئے ہو۔

پھر انہوں نے کہا ہے واجب ہے کہ انسان کے لئے صاحب ادراک عقلی ہونا ضروری ہو اور ادراک عقلی قلب ہی میں حاصل ہوتا ہے نہ کہ بدن میں۔ پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہئے جو قلب میں موجود ہو اور جب یہ ثابت ہوا تو اس بات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس پر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اس پر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

جن آیات میں اولاد آدمؑ سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کی تفسیر و توجیہ اور علم فزیالوجی وغیرہ کے موافق اس کا ثبوت

پھر جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے:۔ (واذا خذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علی انفسہم۔ الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا) جس کا ترجمہ یہ ہے "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر انہی کو شاہد بنا کر کہا "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بے شک (تو ہمارا پروردگار) ہم اس کی شہادت دیتے ہیں"۔ اور اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی کل اولاد کو ذرّہ کی ہیئت پر ان کی پشت سے نکالا"۔

پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے (جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیۂ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے آدمؑ کی اولاد ذرہ کے مانند ان کی پشت سے نکالی پھر ان ذرّوں سے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے تھے۔ ان کی اولاد کو ذرّوں کے مانند نکال لیا پھر ان ذرّوں میں سے بھی ان کی اولاد کو ذرّوں کے مانند نکالا۔ پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوع انسانی کی انتہا تک چلا گیا۔ پھر ان سب میں عقل، فہم، حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے

انہیں اپنے قول " الست بربکم " کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلیٰ (بیشک) یعنی تو ہمارا رب ہے کہا اس کے بعد سب کو آدمؑ کی پشت میں پھر داخل کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں ۔ ایکؔ یہ کہ وہ ذرے خود منی بن گئے ہوں ۔ دوسؔرا یہ کہ وہ ذرّے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادۂ منویہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اُس مادہ میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہوں اور حقیقت حال کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے (ایسا ہی جمل میں بالاختصار مذکور ہے) اور بعض نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شعرانی سے منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان سب کو اُن کی یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت سے بالوں کے مسامات کی راہ سے نکال لیا پھر یہ کہا ہے کہ انہوں نے گویائی کے ذریعہ سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحب عقل اور زندہ تھے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ امر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دے دی ہو (میں کہتا ہوں کہ جس نے وہ حیوانات جو بذریعۂ مائیکراسکوپ (خوردبین) کے نظر آتے ہیں دیکھے ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک انہیں حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں اُن میں توالد و تناسل ہوتا ہے ۔ ایذا رساں چیزوں سے بچتے ہیں اُن کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں ۔ تو اُسے تو اس امر میں کچھ بھی تعجب نہ ہو گا اور خدا کے علم و قدرت کو لحاظ کر کے اس کو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھا جائے گا) اور یہی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ذرّیت کا لفظ فرمایا ہے ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور ذرّیت کا اطلاق اُنہی پر آیا کرتا ہے جن کی صورت بھی بن چکی ہو ۔ پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو زندہ نکالا ہے کیونکہ اُن کو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں ۔ اس لئے احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے باپوں کی پشت کی تاریکی میں اُن میں ارواح داخل کر دی ہوں اور دوسری مرتبہ اُن کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں اُن میں ارواح پیدا کریگا اور تیسری مرتبہ اُس حالت میں جبکہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہوں گے یہی خدا کے اس قول " خلقا من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث " کا مطلب ہے (یعنی تین تاریکیوں میں

یکے بعد دیگرے پیدا کرنا) خدا کی عادت اسی طرح جاری ہوئی ہے پھر کیا ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو اُن کی روحوں کو قبض کر لیا کیونکہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانے کے وقت کیا کرتا ہے اُس کا قیاس اُسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ اُن کی روحوں کو قبض کر لیا کرتا ہے اور زمین میں اُن کو لوٹا دیتا ہے۔ انتہے باختصار (شعرانی کا قول باختصار تمام ہوا) اور مشہور اماموں میں سے بعض نے (امام ابوطاہر اپنی کتاب سراج العقول میں لکھتے ہیں جیسا کہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے معلوم ہوتا ہے کہ) سابق الزکر شبہوں کے جواب میں جو بعث پر وارد ہوتے ہیں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا اور وہی جزو ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے کہ عہد لیا گیا تھا (یعنی جیسا کہ ذروں کے خطاب کرنے کی آیت میں ہے جو بیشتر گزری) اور قبر میں اُسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے اس طرح کہ اُس میں رُوح لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر اُسی کے ساتھ باقی اجزا، جہاں جہاں ہوں گے خداوند قدرت سے مل جاویں گے یہاں تک کہ پورا آدمی بن جاوے گا جیسا کہ دُنیا میں تھا۔ یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اُس کی مخالف ہے نہ شرع۔ انتہی ببعض اختصار (امام ابوطاہر کا قول کسی قدر اختصار کے ساتھ تمام ہُوا)۔

پس یہ دلائل جنہیں کہ اس عالم (رازی) نے اس بات پر قائم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور مَیں نے انہیں نقل کیا اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اس بارے میں بعض علماء اسلام (خازن اور شعرانی جیسا کہ بل سے پیشتر منقول ہو چکا) کی جانب سے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اس اسلامی عالم (ابوطاہر) نے اُن شبہوں کے رد کرنے کے لئے جو بعث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جس کی نسبت یہ ذکر کیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کر کے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے کہ ان اجزاء اصلیہ کی تفسیر انہی ذرات کو ٹھہرائیں جن کی نسبت پیشتر گزر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام

کی پشت سے نکالے گئے تھے اور اُن سے عہد لیا گیا سو اُن کو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ ذرّے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزاء کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں، پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلف ہے اور جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جسے نعمت ملے گی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرّے مع روح کے ہیں جو اُن میں حلول کرتی ہے اور انسانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ زائد اجزاء ہیں اور اعادہ اور دوبارہ پیدائش کے متحقق ہونے کے باب میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ وہ بعینہٖ اعادہ کیے جائیں یا اُن کے مثل اور اجزاء ملا دیئے جائیں بلکہ اعادہ کی تحقیق میں جن کا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزاء ہیں جن پر سوائے اس کے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ رُوح اُن سے نکل جاتی ہے اور زائد اجزاء اُن سے جدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں انہی کی جانب روح لوٹا دی جاتے گی اور زائد اجزاء اُن ہی کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔

اور پیشتر گزر چکا ہے کہ بعض لوگ روح کے بیان کرنے میں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شئے ہے اُس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی پانی میں۔

اہلِ سائنس کے علوم کے موافق بعث اور نشر کی تقریر اور علم فزیالوجی کی عبارات سے اُس کا قریب الفہم ثابت کرنا

پس جملہ امور مذکورہ کی بنا پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث، سوال قبر اور اسی کے مثل اور شرعی امور پر جو شبے وارد ہوتے ہیں سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جا سکیں۔ پس یوں کہا جائے کہ اس سے کون سی شے مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو لطیف مادہ کے اجزاء فردہ سے جیسے کہ ایتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب

اور ایسی کیفیت و وضع پر بنایا ہو جس سے رُوح کی نسبت جتنے خواص ذکر کئے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب اصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ (روح) بنفسہ اور خود زندہ ہے یعنی اُس کے ساتھ کسی دوسری شئے کے ملنے کی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جائے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اُسے بھی حیات، ادراک اور زندہ شئے کے اور باقی صفات سے موصوف کر دیتی ہے اور اس میں یہ سب خواص آجاتے ہیں۔

روح کی مثال مقناطیس کی سی ہے جب کسی بدن سے متعلق ہوتی ہے وہ زندہ ہو جاتا ہے جیسے کہ مقناطیس جب فولاد سے متصل ہوتا ہے تو اُس میں قوت کشش آجاتی ہے

جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اُس میں لوہے کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ (روح) باوجود ان سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرہ ہے جس کو ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے۔ پھر اور اجزاء فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرے ایسی کیفیت پر بناتے ہوں جو اپنے ساتھ روح کے متعلق ہونے کے وقت حیات اور ادراک وغیرہ اُس کے باقی خواص کو حاصل کر لیتے ہوں اور اُن ذرات کے لئے خدا نے انسانی اعضاء بھی بنا دیئے ہوں جیسے کہ اُن حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو مائیکراسکوب (خورد بین) سے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جن کا پیشتر ذکر ہو چکا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو زائد اجزا سے بنایا ہو اور اُن کی ران میں کہیں پر اُن کے اس ذرہ جزاصلی کو بھی رکھ دیا ہو۔ احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ (اور علم فزیالوجی جاننے والوں کی عبارت عنقریب آتی ہے جس سے اُس کے لئے قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب ہو جاتا ہے) پھر اُن کی (آدم کی) ساری اولاد کے ذروں کو اُنکی ہیکل کی پشت میں رکھ دیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذروں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں کیونکہ پانی کے ایک چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات مائیکراسکوپ

(خوردبین) سے نظر آتے ہیں جن کا شمار روئے زمین پر کہ سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہوگا جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں۔

پس اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ اُن کی پُشت میں جمیع بنی آدم کے ذرّے جو دنیا کی مدت میں پائے جائیں گے سما گئے ہوں۔ پھر خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح کو اُن کے ذرہ (جزاءِ اصلی) میں جو اُن کی ہیکل کے اندر تھا داخل کر دیا ہو اور وہ اس میں حلول کر گئی ہو اور عجب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول سے (ونفخت فیہ من روحی یعنی میں نے اُس میں اپنی روح پھونک دی) اسی کی طرف اشارہ ہو اور اس قول میں روحی (اپنی روح) سے مراد وہ روح ہو جس کے نئی طرح پر پیدا کرنے اور اُس کی پیدائش کی حقیقت کے شناخت کے لحاظ سے خدا تعالےٰ منفرد ہے۔ پس اس ذرہ (جزاصلی) میں اُس روح کے حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہو گئی ہو اور پھر ساری ہیکل میں سرایت کر گئی ہو کیونکہ خدا تعالےٰ نے اس ہیکل کو اس استعداد کے ساتھ پیدا کر دیا تھا پھر اُس کی پُشت سے بنی آدم کے سارے ذرّوں کو نکالا ہو اور اُن میں اُن کی روحیں داخل کر دی ہوں جس کی وجہ سے وہ زندہ صاحب ادراک بن گئے ہوں اس کے بعد اُن سے خطاب کیا ہو اور عہد لے لیا ہو پھر اُن کی روحوں کو اُن سے جُدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اُس میں داخل کر دیا ہو جس طرح اُن سے نکالا تھا اور اسی طرح تو امراض کے کیڑے بدن میں داخل ہو جاتے ہیں اور انہی سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ قائل ہیں پھر ان روحوں کو عالم میں جہاں چاہا وہاں محفوظ رکھا۔ پھر یہ ذرے حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ منویہ میں جماع کے وقت اُن کی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور اُن کی زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے۔

پس اُن کی ہیکلیں اُن تخموں سے منی کے ساتھ مل کر بننے لگیں اور خدا اس کو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیکل انسانی کی صورت بن گئی اور حضرت آدمؑ کی اولاد کا پہلا ذرّہ جو اُن کی زوجہ کے جانب منتقل ہوا تھا اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرّے بھی منتقل ہو کر چلے آئے ہوں جن کا سلسلہ توالد اس ذرہ سے چلنے والا ہوگا پھر اس پہلے ذرّہ کی ہیکل سے جو منی نکلی اُس کے ساتھ بھی یہ ذرے اسی طرح منتقل

ہوتے رہے اور یہی کیفیت اٰللہ کی اور اُن ذرّوں کی باقی اولاد میں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہے گی اور شاید اللہ تعالےٰ کے اس قول (وتقلبک[1] فی الساجدین) میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے بعض کی تفسیر کے موافق اسی جانب اشارہ ہو پس اس قول کا یہ مطلب ہو جائے گا۔آپ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے رہے اور ہر ہیکل جب ایک محدود حد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ روح کو بھیج دیتا ہے۔پس وہ اپنے ذرہ میں حلول کرتی ہے اور اُس میں اور ہیکل میں حیات اور حرکت کا سریان ہو جاتا ہے۔پس انسان روح اور اس ذرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرّہ کو پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزا کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے روح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جن سے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزاء ہیں جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔پس جب اللہ تعالےٰ کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے ذرّہ سے اُس کی روح کو جدا کر دیتا ہے۔اس طرح پر اُس سے اور نیز اُس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل ہو جاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کو موت آجاتی ہے اس کے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اس کا پراگندہ ہو جانا اور کسی دوسرے کی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے جیسے کہ سونے کے ذرے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے تو وہ صرف اُس کی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنتی ہے داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور جب یہ ہیکل منحل ہو جاتی ہے تو وہ ذرہ پھر اس کی علیحدہ ہو کر زمین کی تہوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا۔غایت سے غایت اس ذرّہ پر موت کی وجہ سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اُس کی روح کا اُس سے جدا ہو جانا اور اُس کی

---

[1] اور دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں ۱۲ مترجم

ہیکل کا منحل ہو جانا ہے اور جب خدا اُس ذرّہ کو زندہ کرنا چاہے گا تو اُس کی رُوح کو زندہ کرے گا پس اُس میں حیات اور روح کے باقی خواص آ جائیں گے اگرچہ اِس کی ہیکل منحل کیوں نہ ہو گئی ہو۔ اور اِس موقع سے قبر میں سوال ہونے نعمت اور عذاب کے دیئے جانے اور اسی کے مثل اور اُن برزخی امور پر جن کی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں جو شبہے کئے جاتے تھے سب حل ہو گئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور قبل بعث ہوتے ہیں اُس کی صورت بھی سمجھ میں آ گئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب کے لئے ساری خلق کو اٹھائے گا تو ان انسانی ذرّوں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزاء سے بنی تھیں دوبارہ بنائے گا خواہ یہ ہیکل انہی اجزاء سے بنے جن سے کہ موت کے پہلے بنی تھی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دارومدار تو ان اصلی ذروں کے نہ بدلنے پر ہے زائد اجزاء چاہے بدلیں یا نہ بدلیں اور ان ذروں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دے گا اور چونکہ ان ذرّوں کے ساتھ روح متعلق ہو چکی ہو گی اس لئے اس میں اور ان ہیکلوں میں حیات قائم ہو جائے گی اور آخرت وقیامت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے کہ اس دنیا میں تھے اور ساری مذکورہ باتیں ممکن ہے کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل سے واقع ہوں اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور عظمت قدرت اور کائنات میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی شئے بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کارروائی اُن قوانین قدرت کے ذریعہ سے جن کو اللہ تعالےٰ نے اُن میں سے اسی غرض سے رکھ دیا ہو اور جن کے موافق یہ سارے اتصالات و انفصالات اور زائد اجزاء کے تکونات حاصل ہوئے ہوں انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔

اور اے اہلِ سائنس! جب آپ اُن باتوں میں جن کے کہ آپ حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے، قطرہ بھر پانی میں اُن کے بکثرت پائے جانے، اُن کی حیات، حرکت اور اپنی ضروریات زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارہ میں مائیکرو اسکوپ (خورد بین) کے ذریعہ سے تحقیقات کر کے قائل ہیں غور کریں گے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ اس میں کوئی تعجب اور کسی قسم

کا استحالہ نہیں کہ انسان کے ذرّوں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں اور
یہ کہ جتنے خواص روح کی نسبت بیان کئے گئے ہیں وہ سب اُس میں پائے جائیں
اور جب آپ اس بات میں تامل کریں گے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے
مسامات موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت میں چالیس لاکھ مسامات
پائے جاتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت سے ان ذرّوں کے نکلنے اور اس
میں اُن کے دوبارہ داخل کئے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا اور امراض کے
کیڑوں کا (جیسے کہ ملیریا میں) بدن میں داخل ہونا اور ایک بدن سے دوسرے
بدن میں متعدی ہو کر منتقل ہو جانا اور اُن کا دورانِ خون میں سرایت کر جانا یہ ایسے
امور ہیں جو ہمارے بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے
ہیں اور حقائق مذکورہ کی امثال جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں آپ کے علوم ڈاکٹری
کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دونوں خصیوں
سے نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے غایت درجہ چھوٹے
ہوتے ہیں اور مائیکرا اسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں
قیراط کے پانچ سو حصوں میں سے ایک حصہ سے لے کر چھ سو حصوں میں سے ایک حصہ
تک کا ہوتا ہے اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچ ہزار حصوں میں سے
ایک حصہ سے لے کر چھ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی
دموں کو اس طرح پر ہلا کر جس سے اُن کا سر مختلف سمتوں میں چلے منی میں حرکت کرتے
رہتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی حرکت مستقل ہے خارجی کیفیات کے
ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی بشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ آنے
پائے اور مادہ کے بدن کے اندر اُن کی حرکت سات یا آٹھ دن تک قائم رہتی ہے
اور باہر چوبیس گھنٹہ تک اور اُن کی حرکت کا کوئی سمت معلوم ہی نہیں ہوتا اور بعض
علم فزیالوجی جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ تیرہ منٹ میں ایک قیراط مسافت قطع کرتے
ہیں اُن کا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات کی منی میں پائے
جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے ان کا چھو جانا حاملہ کرنے کے لئے اشد

ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے۔

پس اس سے کون سا امر مانع ہوسکتا ہے کہ خالق سبحانہٗ نے منی کے ان ہی کیڑوں کو بنی آدم کے ذروں کا جوکہ اُن سے بھی چھوٹے ہوں حامل بنایا ہو اور وہ انہیں منی میں لئے پھرتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں اُن کو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو زائد اجزاء سے بنتی ہے مادہ کے تخم کے نشوونما پانے سے بننے لگتی ہو اور حقیقی انسان جس میں کہ روح حلول کرتی ہے اور اُس میں اوّل حیات آتی ہے پھر اُس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جس کے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جسے کہ انہوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے بھی داخل ہو جاتے ہیں جو اُس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں اور اس کی ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتیٰ کہ اُس کی منی میں نکلے ہوں اور اُس کی فروع کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں تو پیروانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام بلکہ بکثرت عقلاء کا یہ قول متحقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے بخلاف اُس بات کے جس کے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنی ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لئے ضرورت پڑتی ہے۔

پس چونکہ آپ لوگوں نے نقد انسانی ہیکل کو دیکھ لیا ہے اور اس کے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اس لئے آپ صرف اسی کی قائل ہو گئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شئے کی طرف بھی ہوئی اس لئے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے باپ سے جدا ہو کر آتا ہے اور ماں سے صرف اس کو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ سے جدا ہو کر آنا ایسا امر ہے جس کو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اس قدر شفقت و میلان جو اپنی اولاد پر دیکھا جاتا ہے اس سے اس کی کسی قدر تائید ہوسکتی ہے۔

پھر علماء علم فزیالوجی نے علم فزیالوجی نظام یعنی اُس کی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اُس کی واہی تباہی وجہیں بتائی ہیں اور پھر خود ہی اُن کو توڑا ہے آخر کار

جس امر پر آکر قرار ہؤا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے
پھر انہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی حرکت کا نظام اُن عصبی گانٹھوں سے
پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں۔ پس اس نظامِ عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک
اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں دائمی عمل کیوں نہیں کرتے
یعنی اُن کی حرکت باقاعدہ اور رُک رُک کر کیوں ہوتی ہے برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر انہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ
جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دورانِ خون کے لئے کافی ہے
یہاں تک اُن کا کلام ختم ہؤا۔

پس جب آپ اس قول میں غور کریں گے تو یہ بات آپ کے نزدیک ظاہر اور
آپ کی عقلوں کے قریب تر ہو جائے گی کہ انسانی ذرّہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے
قلب ہی ہے اور جب اُس میں روح حلول کرتی ہے تو اُس میں وہ حیات پیدا کر دیتی
ہے اور وہ یہ منتظم حرکت کرنے لگتا ہے اور اس سے دورانِ خون پیدا ہوتا ہے پھر
اس سے تمام ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے اور اس ذرّہ اور روح کا چھوٹا ہونا
اس امر سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اُس کے اعصاب و
عضلات کے اعمال کے لئے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بتہیرے ایسے نہایت ہی
چھوٹے آلات ہیں کہ جب ان کو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اُس سے ایسی حرکت
پیدا ہو جاتی ہے جو بہت ہی بڑے آلہ کے گھمانے کے لئے کافی ہو اور اُس سے
بڑے بڑے اعمال پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے کرنے کے لئے نہایت ہی عظیم
قوت کی ضرورت ہے اور یہ بات تو انسان کے عمل میں پائی جاتی ہے تو پھر
بھلا خیال تو کیجئے کہ خدا تعالےٰ کے عمل میں آپ کے نزدیک کون سا استبعاد
باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم اور کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات
کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جن کے خواص کو دیکھ کر فکروں کو حیرت سی ہو جاتی ہے
اور عقلیں اپنے آپے میں نہیں رہتیں۔

❊

خلاصہ اس تقریر کا جو انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں مذکور ہوئی ہے ۱۲

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرّہ ہی ہے جو قلب میں حلول کئے رہتا ہے اور جس میں کہ روح حلول کرتی ہے پس اُس میں حیات پیدا کر دیتی ہے۔ پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے۔ پھر یہ ہیکل محض اس بات کا آلہ ہے کہ اس عالم میں یہ ذرّہ اپنے اعمال پورے کرے اور اس کے ذریعہ سے علوم و معارف حاصل کرلے اور یہی ذرّہ مع اس روح کے جو اس میں حلول کئے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اسی کا اعادہ کیا جائے گا اسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ جتنے امور انسان کے حق میں وارد ہوئے ہیں سب اسی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس تقریر کی بنا پر جتنے شبہات کہ شرعی اخبار جیسے کہ بعث۔ قبر میں سوال ہونے۔ اس میں نعمت یا عذاب کے دیئے جانے۔ اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد کئے جاتے تھے سب کے سب ایک سرے سے ساقط ہو گئے جیسا کہ پسے طور پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کچھ ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اُس کے بعض اجزاء کے اعادہ کی اُن میں تصریح موجود ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے (من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاءھا اول مرۃ) یعنی (لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں) ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ گل چکی ہوں گی؟ (تو اے پیغمبر اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پس یہ مضمون بعث اور اعادہ کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہو گا جس کو آپ نے ذکر کیا۔ تو میں کہوں گا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کے لئے کہ یہی انسانی ذرّے ہیں بعث ہو گا جس کی کیفیت میں پیشتر بیان کر چکا ہوں اسی طرح انسانی ہیکل کے لئے بھی جو زائد اجزاء سے بنتی ہے بعث ہو گا لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر

وارد کئے گئے تھے وہ میری تقریر سے اصلی اجزاء یعنی ذرات انسانی کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے۔ پھر بعد اس کے کہ اصلی اجزاء کی اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پر بیان کرنے کی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کئے جانے پر جو زائد اجزاء سے بنتی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء بعینہ اعادہ کئے جائیں یا اُن کے مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں وارد نہیں ہو سکتے اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کئے جانے کی تصریح کی ہے اُس سے اس کے سوا اور اشکالات کا دفع کرنا مقصود ہے جو اہلِ جاہلیت کے خیال کے موافق اُن کے اعادہ کئے جانے پر وارد ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت اُن کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب جس کا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہڈیوں میں گل جانے کے بعد حیات کیسے عود کر آئے گی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے کیسے مجتمع ہو جائیں گے۔ پس نصوص نے اُن کے انہی اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا۔ پس وہ ان ہڈیوں کو اُسی طرح زندہ کر دے گا جیسے کہ اُس نے پہلی مرتبہ اُن کو پیدا کیا تھا اُس کا علم تمام موجودات کو محیط اور اُس کی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اُن کے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں۔ اور یہ امر اُس توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کے لئے اصلی اجزاء یعنی انسانی ذرّوں کے اعادہ کئے جانے کے بارہ میں پیشتر بیان کی گئی ہے پس چاہیئے کہ ذرا غور کر لیا جائے۔

بعث و نشر وغیرہ کا اجمالی اعتقاد جس قدر کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کیلئے کافی ہے اور تفصیل محض اس غرض سے کی جاتی ہے تاکہ لوگ ان امور کو محال نہ سمجھیں اور جو شبہات تھے دفع ہو جائیں

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اُس کے بعد ذرا یہ بھی سُن لیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اصلی اجزاء کے ذرّوں کے ساتھ

اور زائد اجزار کی ہیکل کے ساتھ تفسیر اور اس کے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر بیان کی ہے وہ سب پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا اُن کے ذمہ بعث کا اسی تفصیل و بیان کے موافق اعتقاد کرنا ضروری ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اصلی اور زائد دو قسم کے اجزار ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے سے انہوں نے اُن شبہوں کو دفع کیا ہے جو بعث وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں اور میں آپ سے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے بڑے بڑے جلیل القدر کثیر علماء (جیسے کہ امام رازی، ابوطاہر مصنف سراج العقول، شعرانی، خازن اور ایسے ہی اور علماء) کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔ اگر اصلی اجزار سے جنہیں انہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کے لئے ذکر کیا ہے یہی ذرّے مراد ہوں جو اُس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کے اولاد سے عہد کیا گیا ہے کا بیان ہے اور یہ کہ رُوحیں اُنہی ذرّوں کے ساتھ مل کر حقیقی انسان کے افراد ہوں اور یہ کہ زائد اجزار سے انسانی ہیکلیں مراد ہوں اور اُنہی علماء شریعت کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی انسان کا مقر تمام ہیکل میں سے صرف قلب ہی ہے۔ پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کے لئے اس عالم میں اُس کے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ قرار پائے گا اور یہ ایسی بات ہے جس سے بعث پر جو بیشتر اشکالات وارد کئے گئے تھے اُن کا مندفع ہونا آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور اس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت بھی نہیں لازم آتی اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کے لئے ان کے قائل ہوسکتے ہیں۔ ورنہ انہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کے لئے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان کی روح ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی اور خدا انسان کو اُس کے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔ اُن سے حساب لے گا۔ پھر اُسے نعمت یا عذاب دے گا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمیں اُس کی تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اُس کو خدا ہی خوب جانتا ہے

کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور خدا تعالےٰ کے علم و قدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شے کا ہو جانا کوئی محال نہیں ۔

پس اے اہلِ سائنس ! اس مقام میں ذرا غور کیجئے اور باریک بینی سے کام لیجئے کیونکہ آپ کو اپنے علوم میں کوئی شے ایسی نہ ملی گی جس سے تفصیل سابق میں کی ساری چیزوں میں سے کوئی بھی ناممکن ثابت ہوتی ہو جیسے انسان کے لئے روح کا ہونا وغیرہ ۔ ہاں اگر میرے بیان کے بعد بھی کوئی شئے کسی چیز کے ناممکن ثابت کرنے میں آپ کی مدد کر سکے گی تو سمجھ لیجئے کہ یہ وہی شئے ہے جسے کہ عناد اور انصاف کا ترک کر دینا کہتے ہیں ۔ سو اس کا کوئی علاج نہیں اور اگر آپ کہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پیشتر کی جملہ باتیں عقلاً ممکن تو ہیں لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن کے واقع ہونے کے معتقد ہو گئے ہیں اس کا کیا باعث ہے تو میں کہوں گا کہ میرا وہی پیشتر والا جواب یاد کر لیجئے جسے کہ میں اسی کی نظیر میں بیان کر چکا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا باعث اُن کے لئے وہ شرعی نصوص ہیں جو اُن کے سچے رسول کی زبانی معلوم ہوئیں جن میں ان امور کی تصریح موجود ہے اور وہ سب مِل کر تاویل کو بھی متحمل نہیں ہو سکتیں ۔ پس جب تک یہ امور عقل پر منطبق اور اُس کے حکم کی رُو سے ممکن ہیں اس وقت تک اُن کے لئے اپنی ظاہری نصوص کو چھوڑنا اور کسی قسم کی تاویل کی جانب مائل ہونا ہرگز جائز نہیں ۔ علاوہ بریں خاص کر بعث و حشر کو اُس کی نسبت مشہور ہے کہ اُس کے امکان کی دلیل عقلی ہے جیسے اُس کی نظروں کی اور اُس کے وقوع خارجی کی دلیل نقلی اور وہ بھی شرعی نصوص ہیں ۔

بعث وحشر کے واقع ہونے پر عقلی دلائل جو ہر منصف کے لئے اطمینان بخش ہیں

لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اُس کے واقع ہونے کی بھی عقلی دلیلیں ظاہر ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ قطعی اور برہانی نہ سہی لیکن اطمینان بخش تو ضرور ہیں جنہیں عقلیں مان جاتی ہیں اور اُن سے دلوں کو تسکین ہو جاتی ہے اور اگر اُن سب کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو عقل کے نزدیک بعث کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہتا اور اُس کے واقع ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے ۔ پس بعض اسلامی علماء کے افادات میں سے جو کچھ میں اس موقع پر بیان کرتا ہوں اُس کو سُنئے جس میں میں نے بغرض

توضیح کہیں اپنی طرف سے کچھ بڑھایا ہے یا اُس کا خوبی کے ساتھ اختصار کر دیا ہے۔

قیامت کی اوّل دلیل

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ ان امور پر کہ خدائے عالم موجود ہے وہ تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہے اُس کی مخلوقات میں اُس کی اعلےٰ درجہ کی حکمت اور انتہا درجہ کا عدل پایا جاتا ہے۔ اُن پر اُس کی مہربانی اور رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے قطعی دلیلیں قائم کر دینے کے بعد ایسے شخص پر جس کا اعتقاد کرتا ہو بلاشک وشبہ یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب خلق کو پیدا کیا اُن کو عقل دی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کر سکتے ہیں انہیں قدرت عنایت کی جس کے سبب سے بھلائی و برائی کے کرنے پر قادر ہیں تو اُس کی حکمت و عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اُنہیں بے ادبی اور برائی سے اپنا ذکر کرنے، جہالت، کذب اور اپنے نیک بندوں کی ایذا رسانی۔ خلاصہ یہ کہ جتنے بُرے اور قبیح کام ہیں سب سے منع کر دے اور اُن کو اچھے کام کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دے جس سے اُن کی زندگی منتظم اور باقاعدہ رہے اور سب جانتے ہیں کہ بغیر اس کے کہ اچھے کام کو عذاب و جزار کے ساتھ اور بُرے کام کو عقاب و سزا کے ساتھ مرتبط رکھا جائے یہ دونوں امر ہرگز پورے نہیں ہو سکتے اور چونکہ یہ جزار و سزا اس عالم دنیا ہی میں ہمیشہ نہیں مل جاتی اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا عالم پایا جائے جہاں یہ کام پورا ہو اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عقلوں میں چونکہ یہ بات موجود ہے کہ وہ عمدہ چیزوں کو پسند کرتی ہے اور خراب چیزوں کو ناگوار سمجھتی ہے اس لئے اُسی سے محض ترہیب (ڈرانا) ترغیب (رغبت دلانا) کافی ہو جائے گی۔ کیونکہ نفس اور خواہش نفسانی دونوں انسان کو اس بات پر اُبھارتے رہتے ہیں کہ وہ جسمانی خواہشوں اور لذتوں میں پھنسا رہے اور جب عقل کے ساتھ یہ کشاکش لگی ہو تو اُس کے لئے ضرور ہے کہ کوئی قوی مرجع اور کامل معاون پایا جائے اور یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ کرنے اور باز رہنے پر وعدہ و وعید اور جزا و سزا مرتب ہو۔

قیامت کی دوسری[۲] دلیل

علاوہ بریں عقل صریح حکم لگاتی ہے کہ حکیم کی حکمت کا مقتضا ہے کہ نکوکار اور بدکار میں فرق کرے سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکے اور یہ فرق اس عالم دنیا میں معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم بتھیرے بدکاروں کو انتہا درجہ کی راحت میں پاتے ہیں اور بتھیرے نکوکاروں کی اس کے خلاف حالت ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس عالم دنیا کے بعد کوئی دوسرا عالم ہو جہاں کہ یہ فرق و امتیاز حاصل ہو۔

حشر کی تیسری[۳] دلیل

پھر یہ دیکھئے کہ اگر لوگوں کے لئے خوف معاد زاجر نہ ہوتا تو عالم میں بڑی گڑبڑ مچ جاتی۔ بڑے بڑے فتنے برپا رہتے انتظام معاش میں بالکل خلل آجاتا۔ زندگی مشکل ہو جاتی اور مکلف کو ان امور کی بجا آوری کے لئے وقت ہی نہ ملتا جن کا کہ وہ مکلف بنایا گیا تھا اس لئے ضرور کوئی عالم جزا و سزا ہونا چاہیئے تاکہ نظام عالم باقاعدہ اور فساد سے محفوظ رہے اور اگر کہا جائے کہ نظام عالم کے باقی رہنے کے لئے بادشاہوں کا خوف اور اُن کی سیاست ہی کافی ہے اور نیز یہ کہ بدمعاش لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کہ اگر گڑبڑ مچائیں گے تو اس میں اُن کا بھی نقصان ہو گا اور دوسرے لوگ اُن کے قتل کرنے اور اُن کے مال و متاع کے چھین لینے کے درپے ہوں گے۔ پس اس خیال سے وہ فتنہ انگیزی سے خود ہی احتراز کریں گے تو ہم کہیں گے کہ محض بادشاہوں کا خوف اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یا تو بادشاہ کو اس قدر قدرت حاصل ہو گئی ہو گی جس سے اُسے رعیت کا کچھ خوف نہ ہو اور یا وہ ڈرتا ہو گا۔

پس اگر وہ رعیت سے نہیں ڈرتا اور اس کے ساتھ ہی اُسے معاد کا بھی خوف نہیں تو اس وقت وہ ظلم اور نہایت بری طرح سے اپنی رعیت کی ایذا رسانی پر پیش قدمی کرے گا کیونکہ اس کی خواہشات نفسانی اس کی مقتضی قائم ہیں اور کوئی دنیوی یا اُخروی مانع موجود نہیں۔ اور اگر وہ خود رعیت سے ڈرتا ہو گا تو اُس وقت رعیت اُس سے بہت زیادہ نہ ڈرے گی۔ پس بادشاہ کا خوف اُن

کو ظلم اور بری باتوں سے روک نہ سکے گا۔ پس ثابت ہُوا کہ بغیر اخروی خوف یا رغبت کے نظام عالم ہرگز پورا اور مکمل نہیں ہو سکتا۔

حشر کی چوتھی دلیل

پھر سنئے کہ جب کسی رحیم و حکیم اور عادل بادشاہ کی بہت بڑی رعیت ہو اور اُن میں بعض قوی اور بعض ضعیف پائے جاتے ہوں تو اُس کی حکمت، رحمت اور عدل کا یہ مقتضا ہے کہ کمزور مظلوم کا قوی ظالم سے انتقام لے اور اللہ سبحانہ تعالےٰ تو بہت بڑا رحیم و کریم اور عادل بادشاہ ہے اس لئے اُس کی حکمت رحمت اور عدل کا بھی یہی مقتضا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے مظلوم بندوں کا اپنے ظالم بندوں سے انتقام لے اور ظاہر ہے کہ یہ انتقام اس عالم دنیا میں تو حاصل ہوتا نہیں کیونکہ ہم بسا اوقات مظلوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت ذلت خواری مقہوریت اور آبرو ریزی کے ساتھ اپنی عمر گزار دیتا ہے اُس کا مال چھین لیا جاتا ہے اُس کے خون کی کوئی بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور ظالم کو دیکھئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ پس اس عالم کے علاوہ ضرور کوئی دوسرا عالم ہونا چاہیئے جس میں یہ عدل اور یہ انصاف ظاہر ہوں۔

حشر کی پانچویں دلیل

اور لیجئے اگر انسان کے لئے معاد نہ ہو تو انسان شرف اور مرتبہ میں تمام حیوانات سے گیا گزرا ہو گا اور بیان اس کا یہ ہے کہ دنیا میں تمام حیوانات سے انسان کے لئے زیادہ ضرر رساں چیزیں موجود ہیں کیونکہ باقی حیوانات کی یہ حالت ہے کہ جب تک اُن کو کسی قسم کی تکلیف یا بیماری پہنچ نہ جائے اُس سے پہلے پہلے اُن کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ اُن کا جی بالکل صاف اور خوش رہتا ہے کیونکہ وہ غور و فکر تو کر نہیں سکتے رہا انسان چونکہ اُسے عقل حاصل ہے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے گذشتہ اور آئندہ احوال سوچا کرتا ہے۔ پس بتھیرے گذشتہ احوال کی وجہ سے اُسے طرح طرح کے غم و حسرت لاحق رہتی ہے اور اکثر آئندہ احوال سے اُسے طرح

طرح کا خوف لگا رہتا ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ انسان کے لئے عقل کا ملنا دنیا میں بڑے بڑے ضرر اور سخت سے سخت نفسانی آلام کا باعث ہے۔ رہیں جسمانی لذتیں سو ان میں کیا انسان اور کیا باقی حیوانات سب مشترک ہیں کیونکہ گوبر کا کیڑا گوبر ہی میں خوش ہے۔ جیسے کہ عمدہ سے عمدہ مٹھائیاں انسان کو لذیز معلوم ہوتی ہیں۔ پس اگر انسان کے لئے معاد نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی سعادت ظاہر اور حالت مکمل ہو سکے تو پھر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ کمال عقل اس کے لئے غم والم کی زیادتی کا باعث ہو جائے اور کسی شئے سے اس کی تلافی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جس کی یہ حالت ہو تو وہ ضرور بڑی ہی ذلت خواری، بدبختی اور مشقت بے سود میں گرفتار ہو گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر سعادت اُخروی حاصل نہ ہو تو انسان تمام حیوانات حتیٰ کہ غلیظ کیڑوں سے بھی گیا گزرا ہو گا اور چونکہ یہ امر قطعاً باطل ہے اس لئے ہم کو معلوم ہو گیا کہ ضرور آخرت بھی کوئی چیز ہے اور انسان آخرت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کے لئے۔ ہاں یہ بات ہے کہ یہ عالم دنیا گویا نیک چلن اور شریر کے درمیان میں امتیاز کر دیتا ہے تاکہ اول کو ثواب اور دوسرے کو عذاب دیا جائے کیونکہ جتنے شریر ہیں اُن کے لئے آگ ہی مناسب ہے وہ اپنے وجود کا ثمرہ اور حصہ دنیاوی لذتوں سے حاصل کر چکے ہیں چنانچہ اسی لئے دنیاوی لذتوں سے شریروں اور بدچلنوں کو ہم مالامال پاتے ہیں اور نیک لوگ اکثر بے لطف رہتے ہیں۔

اس بات کا بیان کہ انکار بعث کے بارہ میں اہلِ سائنس کا خیال اتنا بڑا شر ہے کہ جس کے برابر کوئی دوسرا شر نہیں

اور اسی مقام سے اے اہلِ سائنس آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے مخالفوں میں سے اہلِ شرائع کا آپ کی نسبت یہ قول کہ "آپ لوگوں کا مذہب خصوصاً معاد کے انکار کے بارے میں ایسا شر ہے جس کے مثل کوئی شر نہیں" بالکل سچا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حلال اور حرام کوئی چیز ہی نہ ہو اور آباد ہی نہ رہ سکے۔ اور اگر آپ یہ جواب دیں کہ نظام عالم اس طرح کامل رہ سکتا ہے کہ انسان کو اپنے حقوق اور اُن واجبات کی معرفت حاصل ہو جائے جو اُن کے ذمہ ہیں اور اُس کی یہ معرفت پورے پورے صحیح اور عام

علم سے کامل ہوسکتی ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کو اس جواب میں اس بات کا خیال نہیں رہا کہ خواہشات، شہوات اور اپنے نفس کی محبت کا محض وہ قوانین جن کو علم قائم کرے گا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پس ضرور ہے کہ کوئی دوسرا مانع ہو جو نفوس کو ضرر رساں اشیاء سے باز رکھے اور کوئی ایسا مرجح ہو جو طریق خیر کی پیروی کرنے اور راہ شر سے اجتناب کرنے کو ترجیح دے اور وہ مرجح معاد اور جزاء اعمال کا یقینی اعتقاد ہے ورنہ جسے عقل ہو وہ اس امر کو غور کر دیکھے کہ جب انسان کو یہ اعتقاد ہو کہ وہ زمین کی گھاس کی طرح اُگتا ہے، پھر بلا اس بات کے کہ اُسے کہیں جانا ہو وہ سرے سے زائل ہو جاتا ہے اور اُس کے وجود کا فائدہ یہی حیوانی لذتیں ہیں جو مدت حیات میں اُسے حاصل ہوتی رہتی ہیں تو علم نے اُس کے لئے حقوق اور واجبات کی معرفت کے کیسے ہی کچھ قواعد کیوں نہ مقرر کر دیئے ہوں لیکن جب اُسے یہ قدرت حاصل ہو گی کہ وہ بلا کسی شخص کی اطلاع کے کسی کو قتل کر کے اس کا کروڑوں روپیہ کا مال لے لے یا کسی شریف کی آبروریزی کر کے بلا اس کے کہ کسی کو اس کی خبر ہو نہایت ہی مرغوب لذت حاصل کر سکے تو کیا اس وقت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ قوانین جنہیں کہ علم نے مقرر کیا تھا اس جرم کے ارتکاب سے اُس کو باز رکھ سکیں گے؟ ہرگز نہیں اور اس بات کا انکار کرنا محض دھینگا دھینگی ہے۔ پس جو شخص اس بات کو پورے طور سے سمجھتا ہو گا وہ انسان پر جب تک کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اُسے دین سے علاقہ ہے۔ اور وہ معاد کا اعتقاد رکھتا ہے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہم تو اب بھی بعض بعض فرقوں کو دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ وہ معاد کے معتقد ہیں تاہم اُن میں وہ وہ فساد ظاہر ہوتے ہیں جن کا کچھ ٹھکانا نہیں۔

پس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ اگر یہ اعتقاد انہیں نہ ہوتا تو اس وقت اُن کی کیا حالت ہوتی بلاشک اگر وہ فساد اب رائی کے برابر ہے تو جب پہاڑ ہی بن جاتا۔ علاوہ بریں جن فرقوں میں آج کل علم کا خوب چرچا ہو رہا ہے وہی شر اور برائیوں سے زیادہ حصہ لیتے ہیں بلکہ جوں جوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے اُن میں روزافزوں برائیاں بڑھتی جاتی ہیں، حرام کاری جس سے کہ لوگوں کے نسب ضائع ہوتے ہیں

اور باہم مدد اور ہمدردی کا شیرازہ کھلتا ہے پھیلتی جاتی ہے۔ قتل، خودکشی، مسکر اور منشی اشیاء کے قسل۔ سے عقلوں کو زائل کرنا اپنے علوم اور صنعتوں سے لوگوں کے مال چھینا، دغابازی کرنا، فریب دینا اور ایسے ہی بہت سے اور اخلاق و عادات جن سے اجتماعی ہئیت کے نظام میں خلل واقع ہو وہ مہذب لوگ اختیار کرتے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جن علوم میں انہوں نے ترقی کی ہے اُس میں اعتقاد معاد کا کوئی حصہ شامل نہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر معاد کا اعتقاد باقی لوگوں میں قائم نہ ہوتا تو یہ فرقے ہلاک ہونے لگتے اور صفحۂ ہستی سے اُن کے نام ونشان مٹنے کا لگا لگ جاتا اور آپ کی جس بات سے زار وقطار روتی ہوئی عورت بھی ہنس پڑے وہ یہ ہے کہ جب آپ نے یہ خیال کیا کہ علم جب تک کہ تمام انسانی افراد میں پورے طور سے عام نہ ہو گا اس وقت تک نظام عالم کی درستی کا متکفل نہیں ہو سکتا تو علم کے اس امر کے واسطے متکفل ہونے کے لئے آپ نے یہ شرط لگادی کہ وہ تام اور عام ہو پھر آپ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نہ کوئی دن ایسا آئے گا لیکن ہاں ہے یہ بہت ہی بعید اور کیا عجب کہ ہزار پشتوں کی ضرورت پڑے۔

پس معاد کے اعتقاد چھوڑنے اور اپنے علم سے واہی تباہی امیدیں رکھنے کے اعتبار سے آپ لوگوں کی مثال اُس احمق طبیب کی سی ہے جو اپنے مریض سے جسے کوئی مرض قاتل لاحق ہو یہ کہتا ہو کہ تو پرہیز کرنا چھوڑ دے اور جی چاہے کھایا کر اور میں اتنے اتنے برسوں کے بعد تجھے ایسی دوا لگادوں گا جس سے تجھے بالکل شفا ہو جائے گا۔ اس موقع پر تو مشہور مثل کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شد مار گزیدہ مردہ شود" پوری صادق آگئی۔

علاوہ بریں یہ کوئی عقلمندی، حسن تدبیر اور دوراندیشی کی بات نہیں ہے کہ اگر آپ معاد کے منکر ہوں تو عام لوگوں میں اُس کی تشہیر بھی کریں اور اپنے نوجوانوں کو اس کا سبق پڑھایا کریں جب تک کہ جس علم کی نسبت آپ کا گمان ہے کہ صرف وہی نظام عالم کے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے آپ کو تام اور عام نظر نہ آنے لگے ورنہ سمجھ لیجئے کہ آپ اپنے اس باطل مذہب (انکار معاد) کو شہرت دے کر عالم میں خرابی کے دروازہ کھولتے ہیں عام لوگوں میں اس خیال کے پھیل جانے سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں خدانخواستہ

یہ خیال عام طور سے کیوں پھیلنے لگا۔ عقلِ سلیم تو اس سے صاف صاف انکار کرتی ہے اس لئے خداوند تعالےٰ ہیں اور آپ دونوں کو ایسے امر کی ہدایت فرمائے جس میں مخلوقِ خدا کی بہتری ہو۔

اور میں آپ سے محض خیر خواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ ذرا دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیں اور یہ خیال کرلیں کہ اگر آپ معاد کی تصدیق کرکے اُس کا سامان کرلیں گے۔ پس اگر یہ واقعی امر ہوا تو آپ کو نجات مل جائے گی اور اگر بالفرض باطل ہی ہوا تو آپ کا یہ اعتقاد رکھنے میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ غایت سے غایت اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسمانی لذتیں آپ سے فوت ہوجائیں گی۔ لیکن عاقل کے لئے تو ضروری ہے کہ ان لذتوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے ایک تو اس لئے کہ یہ نہایت ہی ذلیل ہیں کیونکہ اس میں کتنے کیڑے مکوڑے یہاں تک کہ غلاظت کے کیڑے بھی مشترک ہیں اور دوسرے اس لئے کہ وہ فانی سریع الزوال اور منقطع ہونے والی ہیں۔ پس اُن کی حرص کرنا اُس شئے کے بارہ میں احتیاط اور دُور اندیشی سے کام نہ لینے کے مساوی نہیں ٹھہر سکتا جس کے بُرے نتیجوں سے خوف و اندیشہ ہو۔

آسمان سے پانی نازل ہونے کا مسئلہ اور قوانین عقلی پر اُس کی تطبیق

مذکورۃ الصدر شرعی مسائل میں سے جن کا کہ آپ انکار کیا کرتے ہیں اب ایک مسئلہ اور باقی رہ گیا ہے اور وہ آسمان سے بارش کے نازل ہونے کا مسئلہ ہے۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے علمی تجربوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارش اُن بخارات سے بنتی ہے جو زمین اور سمندروں سے بنا کرتے ہیں اور ہوا کے سرد طبقہ (طبقہ زمہریر) تک چڑھ جاتے ہیں۔ پس وہاں سردی پاکر مجتمع ہوتے ہیں اور پھر برس پڑتے ہیں اور یہی بارش کہلاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کی وہ متواتر نصوص جو بارش کے بارہ میں مدارِ اعتقاد ہیں دو قسم کی ہیں بعض تو بارش کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور بعض یہ تصریح کرتی ہیں کہ بارش کے بادلوں سے نازل ہوتی ہے۔ پھر لفظ سماء کا اطلاق عربی لغت میں چند معانی پر آتا ہے جیسا کہ کتب لغت میں موجود ہے۔ سماء بول کر کبھی آسمان مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے کبھی چھت کبھی

وہ شے مراد ہوتی ہے جو کسی دوسری شے کے اوپر ہو، کبھی بادل، کبھی بارش۔ اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس وقت تک اپنی شرعی نصوص کے ظاہری اور متبادر معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے خلاف قائم نہ ہو جائے اور اگر کوئی ایسی دلیل قائم ہو جاتی ہے تو نص میں عقلی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے تاویل کر دیتے ہیں اور اس کو ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف پھیر دیتے ہیں اسی بنا پر نزول بارش کے بیان میں جو سماء کا لفظ واقع ہوا ہے وہ اس کے بھی ظاہری معنی کا اعتقاد کرتے ہیں یعنی یہی جسم مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے جیسا کہ یہی معنی بکثرت شرعی اطلاقات میں مراد ہے اور یہ مراد لے کر ان نصوص کو جن سے کہ بارش کا سماء (آسمان) سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اُن نصوص کے ساتھ جو بادل سے بارش کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں تطبیق دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ بارش کو آسمان سے ان مجتمع الخبروں پر جنہیں کہ بادل کہتے ہیں نازل کرتے پھر اُن سے زمین پر نازل کر دے۔ اسی لئے شرعی نصوص کبھی تو اس مقام کو ذکر کرتی ہیں جہاں سے پانی اولاً نازل ہوتا ہے اور کبھی اُس مقام کو جہاں سے ثانیاً نزول ہوتا ہے اور خدا سب سچوں سے سچا ہے اور اگر اُن کے نزدیک آپ کا قول کہ بارش محض زمین اور سمندروں کے بخارات ہی سے بنتی ہے ثابت ہو جائے اور کوئی قطعی دلیل اس پر قائم ہو جائے تو انہیں سابق الذکر قاعدہ کے موافق ان نصوص کی تاویل کرنا جائز ہو جائے گا جن سے بظاہر بارش کا آسمان سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہہ دیں گے کہ ان نصوص میں لفظ سماء سے بھی بادل ہی مراد ہے۔ (اس تاویل کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے ذکر کیا ہے اور شیخ شرنبلالی نے بھی مراقی الفلاح میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے) یا یوں کہا جائے کہ جب کہ بارش سماوی اسباب سے نازل ہوتی ہے اور منجملہ ان کے حرارت آفتاب ہے جس سے کہ اجزاء مائیہ زمین سے سمندروں اور دریاؤں سے بخار بن کر ہوا پر چڑھ جاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے بادل بن کر برس پڑتے ہیں تو گو حقیقتاً بارش بادلوں ہی سے نازل ہوتی ہو لیکن آسمان کی جانب مجازی نسبت ہو جائے گی اور یہ نسبت باعتبار سببیت کے صحیح ہے اور اللہ تعالےٰ تو مسبب الاسباب ہی ہے۔ (اس تاویل کو حقی آفندی نے

سورۃ النّبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔)

اہلِ سائنس کو چاہیئے کہ جو شرعی امور ان کو عقلی قواعد کے خلاف معلوم ہوں وہ علماء واقف کار پر پیش کر کے ان کی توجیہ دریافت کریں اور ناواقفوں سے بچتے رہیں

پس اے اہلِ سائنس اس بیان کے بعد بتائیے کہ اس مقام پر نصوص میں کون سا اشکال باقی رہ گیا جب کہ وہ نہایت ہی قریب تاویل سے عقل کے موافق ہو سکتی ہوں۔ ابھی اور بکثرت شرعی نصوص باقی ہیں جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ اگر آپ اُن پر مطلع ہوں گے تو شروع شروع میں ضرور اُن کا انکار کریں گے کیونکہ آپ کو اُن کی توجیہ تو معلوم ہو گی نہیں اور نہ آپ یہی جانتے ہوں گے کہ علماء شریعت نے اُن کے معانی کی نسبت کیا کیا کہا ہے اور اُن کا کیا اعتقاد ہے۔ لیکن جب آپ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے واقف کار علماء سے دریافت کریں گے تو آپ کو کوئی شے بھی ایسی نہ ملے گی جو قانون عقل پر بلا کسی مخالفت کے صحیح طور پر منطبق نہ ہو جاتی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام کے اُن متبحر علماء سے گفتگو کی جائے جو شرعی قواعد سے پورے طور سے واقف ہوں اور اُن اقوال پر حاوی ہوں جو اُن جلیل القدر صحابہؓ کی زبان سے شرعی نصوص کی تفسیر میں نکلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بدو باتیں کرنے والے تھے ورنہ ان بے چاروں سے کیا کام نکلے گا جنہیں سوائے رسوم عبادات اور احکام معاملات کے کچھ معلوم ہی نہیں اور آپ اُن کو فاضل ترین علماء اور پختہ کار دانشمند و حکیم سمجھ لیں۔ یہ لوگ تو آپ جیسے لوگوں کے ایمان میں بسا اوقات سدراہ ہو سکتے ہیں کیونکہ شرعی قواعد سے وہ پورے طور سے واقفیت تو رکھتے نہیں اور نہ اُنہیں یہی خبر ہے کہ نصوص شرعیہ اور دلائل عقلیہ میں کیونکر تطبیق دی جاتی ہے اور کب دی جاتی ہے اس لئے وہ اپنی غفلت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسا طرز اختیار کریں گے جس سے اپنے نزدیک تو اسلامی دین کی حمایت کریں گے لیکن نتیجہ اُس کا یہ ہو گا کہ بجائے رغبت اور اسلام سے اُنس ہونے کے

اُن کی تقریر سے اُلٹی نفرت پیدا ہو گی۔ پس ایسے لوگ اسلام کے حق میں اُس کے دشمنوں سے بھی زیادہ مضرت رساں ہیں۔

اس بات کا بیان کہ مؤلف حمیدیہ نے بعض ناواقفوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ امریکہ کا وجود اسلامی دین کے موافق نہیں مانا جا سکتا کیونکہ اس سے زمین کی کرویت لازم آتی ہے اور اس بات کا بیان کہ زمین کی کرویت بلا مخالفت اسلامی دین کے مانی جا سکتی ہے ۱۲

(میں نے انھی بے چاروں میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ "اسلامی دین میں براعظم امریکہ کے وجود کا اعتقاد کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ اس سے زمین کا گول اور کروی ہونا لازم آتا ہے اور یہ امر اسلامی اعتقاد کے خلاف ہے"۔ یہاں تک اُن کی تقریر تمام ہوئی) ۔ پس خیال تو کیجئے کہ اس غریب نے اپنی نادانی کی وجہ سے اہل اسلام کو امر محسوس اور مشاہد کے مقابلہ کرنے کی تکلیف دینا چاہی ہے اور اس کا سامان کیا ہے کہ اور قومیں اسلام کو دل لگی میں اُڑائیں۔ حاشا و کلا اسلامی دین ہرگز ایسا نہیں وہ اس قدر پستی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام تو ایسا دین ہے کہ دُنیا بھر کے دینوں میں سے اسی کو عقل میں سب سے بڑھ کر جگہ ملتی ہے اور اعتقاداتِ باطلہ اور ایسی چیزوں کے ماننے سے جن سے کہ عقول سلیمہ انکار کرتی ہیں سب سے زیادہ اسی میں کنارہ کشی کی گئی ہے۔ اس غریب بے چارے کو اس تنگ طریق میں کلفت اٹھانے سے اس طرح خلاصی مل سکتی تھی کہ امریکہ کے وجود سے جو تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے انکار نہ کرتا اور جب یہی بات تھی جیسا کہ اس کا گمان ہے کہ امریکہ کے وجود کو ماننا زمین کی کرویت کو قطعی طور پر مستلزم ہو جائے گا تو اُسے مناسب تھا کہ اسلام کے جلیل القدر علماء میں جو لوگ زمین کی کرویت کے قائل ہیں جیسے کہ امام رازی اُن کے قول کو اختیار کرتا اور شریعت کی ظاہری نصوص کی جن سے کہ زمین کا

پھیلا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے مناسب تاویل کرلیتا۔ مثلاً اُس نص قرآنی کی تاویل میں جس میں یہ ہے کہ "والارض بعد ذلک دحاہا" یعنی اللہ تعالےٰ نے اس کے بعد زمین کو بچھایا"۔ یہ کہنا کہ زمین کے بچھانے سے مراد اس کی ظاہری سطح کو بود و باش کے قابل بنا دینا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے اور اب یہ اعتقاد شریعت میں اُس وقت تک مضر نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان علماء کے اقوال میں سے کسی قول کے بھی موافق موجود ین اور شرعی نصوص کے سمجھنے کے بارہ میں قابلِ اعتماد خیال کئے جاتے ہیں اور جب تک کہ تاویل کی صحیح وجوہ میں سے کسی وجہ پر بھی منطبق ہوسکے لیکن اس بے چارہ کو اتنی سمجھ کہاں جو یہ جان سکے۔ وہ تو صرف احکام کے چند لفظوں کو جانتا ہے اور اُسی کو نبگھارا کرتا ہے۔ کہنے کو تو وہ دین کا دوست ہے لیکن نادان دوست اپنی نادانی اور عقل کی کمی کی وجہ سے دشمنوں کی سی راہ چلتا ہے۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو راہِ راست پہ چلنے اور علم حق سے مزین ہونے کی توفیق دے آمین۔

اہلِ سائنس کو اسلامی دین کی حقانیت پر اطمینان ہو جانا اور اُن کا اسلام قبول کرلینا

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جب اس محمدی عالم کی گفتگو کا سلسلہ مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ کے ساتھ یہاں تک پہنچا اور اُس نے اپنے بیان سے جتنے شبہے کہ اُن کو شریعت محمدیہ میں ہوتے تھے سب کو زائل کر دیا اور انہیں دکھلا دیا کہ عقل سلیم کی نظر میں اُن کے مذہب کی کیا قدر و قیمت ہے تو وہ اپنی غفلت سے بیدار ہوئے۔ نیند سے چونکے اور اُن کی عقلوں کو تنبہ ہوا اور تاریکی سے اُن کی فکروں کو خلاصی حاصل ہوئی اور اس عالم سے کہنے لگے اے ہمارے راہنما اور ہمارے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنے والے ہم تیرے غایت درجہ شکر گذار ہیں تونے جتنی دشواریاں ہمیں پیش آتی تھیں وہ زائل کر دیں اور ہمارے لئے راستہ صاف کر دیا لیکن اس سے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے جو مانع تھا وہ زائل ہوا ابھی اُن کی تصدیق کے لئے جو امر مقتضی ہو وہ تو باقی ہی ہے اور ہمارے نزدیک وہ مقتضی یہ ہے کہ جتنی دلیلیں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قائم ہیں ہم دیکھ لیں کہ

وہ سب صحیح اور اُن کے صدق پر بھی قطعی دلالت کرتی ہیں یا نہیں ؟ تو اُس عالم نے جواب دیا کہ یہ کام تو آپ کا ہے اور خدا کے فضل سے آپ پر آسان بھی ہے۔ پس ان تمام دلیلوں میں انہوں نے غور کرنا شروع کیا اور اُن میں اجمالاً و تفصیلاً ہر طرح پر باریک بینی سے بحث کرنے لگے۔ آخر کار بڑے غور اور فکر کے بعد اُنہیں ظاہر ہو گیا کہ ان دلیلوں کا صحت کے اعتبار سے بڑا درجہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر ایسے صاف طور پر دلالت کرتی ہیں جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں خصوصاً سب کے سب مل کر۔ کیونکہ عقل سلیم اس کو محال سمجھتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی صحت پر دلالت کرنے میں ساری دلیلیں متفق ہو جائیں اور پھر بھی وہ دعویٰ صحیح نہ ہو رہا سب دلیلوں کا اتفاقی طور پر متفق ہو جانا اس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ علاوہ بریں ان دلائل میں سے بعض دلیلیں ایسی بھی ہیں جن کے قائم کرنے میں محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی دخل نہیں اور اُن کے اتفاقی طور پر حاصل ہو جانے کا سوائے ہٹ دھرمی کرنے والے کے اور کون قائل ہو سکتا ہے ؟ (ان دلائل کی تفصیل اس فرقہ سے گفتگو کرنے کے موقع پر سابق میں گزر چکی ہے جہاں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے تفتیش کرنے لگا ہے اور آئندہ بھی اُن فرقوں پر رد کرتے وقت جو پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل میں شک ڈالنے کے درپے ہیں ایسا کلام آئے گا۔ پس مناسب ہے کہ اپنے اپنے موقع پر سب کو دیکھ لیا جائے یہاں مکرر بیان کرنے کی حاجت نہیں)

پس اب اس فرقہ نے خدا تعالےٰ کے پاس سے رسول بن کر آنے کے دعویٰ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی ۔ خدا کے وجود کا مقر ہو گیا۔ اُس کے رسولوں اُس کی کتابوں۔ بعث و حشر اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں سب کا معتقد بن گیا اور ایمان لے آیا اور ایمان بھی ایسا کہ جو شافی و کافی بیان و توضیح سے ثابت ہو گیا۔ پس اس فرقہ کے لوگ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہایت مکرم اور آپ کے پکے پیرو ہو گئے اور خدا تعالےٰ سب چیزوں پر پورے طور سے قدرت رکھتا ہے ۔

٭

اُس فرقہ کا ذکر جس کو باوجودیکہ دلائل کی وجہ سے اسلام کی حقانیت کا یقین ہوگیا تھا پھر بھی اُسے اپنی کسرِ شان سمجھ کر اسلام کا اقرار کرنے سے عار آیا اور پھر تمام سابق الذکر فرقوں کے دلائل میں اُس کا شبہے نکالنا اور ان فرقوں کا جواب دینا

یہ تو ہو چکا اب سُنئے کہ سابق الذکر فرقوں میں سے ہر فرقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے خواہ اُن کو دینی ریاست حاصل تھی یا صاحب حکومت و سیاست تھے لوگوں میں اُن کی بات بھی چلتی تھی دلوں میں ان کا رعب و داب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے حکم کی نافرمانی اور اُن کی رائے کی مخالفت کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ اقوال و افعال میں اُن کی پیروی کی جاتی تھی ساری قوم اُن کے تابع تھی اور جب وہ لوگوں پر اُن کے مال و متاع۔ آبرو اور اُن کی جانوں پر زبردستی کرتے تھے تو اُن کی سرداری اور قومی عزت کا پاس و لحاظ کر کے ان کے ساتھ چشم پوشی کی جاتی تھی۔

پس جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے پاس سے رسول بن کر آنے کا دعویٰ کیا اور سابق الذکر فرقوں کے ساتھ آپ کی گزری جو کچھ گزری۔ پھر آخر کار انہوں نے اُن دلائل کے باعث سے جو اُن کے نزدیک آپ کے صدق پر قائم ہوئیں آپ کے دعویٰ کی تصدیق کر لی تو ان رئیسوں اور سرداروں کے جی میں بھی آپ کے دعویٰ کی سچائی جاگزین ہوئی اور دلائل کے واضح ہونے کے باعث سے انہیں بھی پورا پورا یقین آگیا لیکن ریاست اور قومی امتیاز کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت رکھ دینے اور آپ کی تصدیق کے اقرار لینے سے انہیں مانع ہوئی اور اُن کے دل میں یہ گزرا کہ جب وہ آپ کی اطاعت اختیار کرلیں گے اور آپ کے مطیع بن جائیں گے تو اُن سے اُن کی سرداری چھن جائے گی اور وہ اپنے قومی امتیاز سے محروم رہ جائیں گے اور یا تو اور لوگ اُن کی اطاعت کرتے تھے اب انہیں خود اطاعت کرنا پڑے گی اور شریعت کے احکام بلا اس کے کہ اُن کی کچھ رعایت کر کے کچھ فرق کیا جائے اُن پر جاری ہوں گے جیسے کہ اس شریعت کی شان ہے کہ تعمیل احکام کے

لحاظ سے اُس کے پیرو برابر سمجھے جاتے ہیں اور یہ کہ اُن کو اپنی قوم کے اموال جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت حفاظت میں داخل ہو جائیں گے اُس وقت تک نہ مل سکیں گے جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ کریں جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ کہ اُن میں سے جو کوئی کسی کے مال یا آبرو یا جان کے معاملہ میں زبردستی کرے گا اُس کے ساتھ سوائے اُس صورت کے کہ صاحبِ حق معاف کر دے اور کسی صورت میں ذرّہ برابر بھی سہولت نہ برتی جائے گی۔

پس ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جو اُن کے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی اس کو چھپا ڈالا اور ایسے امور کی تدبیریں سوچنے لگے جو آپ کے خلافِ شان ہوں اور آپ کے متبعین کو پراگندہ کر دیں۔ پس اُنہیں اپنا مقصد اس تدبیر سے بہت سہولت کے ساتھ حاصل ہوتا ہُوا معلوم ہُوا کہ اُن فرقوں پر شبہے کرنا شروع کریں جو آپ کے پیرو بن گئے تھے تاکہ آپ کی جانب سے اُن سے دل مشکوک ہو جائیں۔ سو وہ ان دلائل میں جن سے ان فرقوں نے استدلال کیا تھا طرح طرح کے احتمالات نکال کر اور تاویلیں کر کے اُن کے دلائل کی تضعیف پر آمادہ ہو گئے تاکہ وہ دلیلیں اُن کی نظروں میں یقینی نہ رہیں۔ پھر اُس وقت اُن کو یہ کہنا ممکن ہو کہ جن دلائل پر آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدیق کے بارے میں اعتماد کر لیا ہے وہ تو محض ظنی دلیلیں ہیں اور صرف ان ہی ظنی دلیلوں کی وجہ سے آپ لوگوں کو ہرگز مناسب نہیں کہ آپ اپنی مالوف رسمیں اور وہ اعتقادات جن پر آپ کے باپ دادا تھے چھوڑ دیں اور گزشتہ رسولوں سے جو دین آپ کو حاصل ہوئے تھے اُن کے تارک بن جائیں کیونکہ ایسی حالت میں ظن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اُس فرقہ پر جس نے قرآن کے مقابلہ سے عاجز آکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی تصدیق کی اُن کا شبہات وارد کرنا اور اُس فرقہ کا جواب دینا

پس اُنہوں نے ان واہی تباہی شبہوں اور باطل احتمالات کو اپنے دلوں میں

مرتب کیا اور اُس فرقہ کے پاس آئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وقت تصدیق کی تھی جب کہ آپ نے اپنے قرآن کو مقابلہ کے لئے پیش کیا اور فرمایا کہ تمام فصحاء بلغاء اُس جیسی ایک سورت کے لانے سے بھی عاجز ہیں اور اس فرقہ کے لوگ باوجودیکہ بڑے فصیح وبلیغ تھے لیکن مقابلہ کرنے سے عاجز رہے اور اسی سبب سے اُنھوں نے آپ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کر لی۔ پس اُن سے یہ لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ اُن کو (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) ایسے درجہ کی فصاحت وبلاغت حاصل ہوگئی ہو جو آپ لوگوں میں سے کسی میں بھی نہ پائی جاتی ہو اور اسی وجہ سے آپ لوگ اُن کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہے ہوں ایسا تو بہت ہُوا کرتا ہے کہ ہر فن کے جاننے والوں میں کوئی کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جسے اس فن میں کامل دستگاہ حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ اسی فن کے باقی جاننے والے اُس کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ وہ ہمارا سردار ہے اور ہم لوگ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

پس اس فرقہ نے اُن لوگوں کو یہ جواب دیا کہ اگرچہ فصاحت وبلاغت ایک ایسا فن ہے جس کی بنیاد اصلی اور فطرتی قابلیت اور استعداد پر ہے لیکن اس میں کمال پیدا کرنے اور اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کے لئے بہت کچھ مشق اور اُس کے طریقوں کی مہارت کی ضرورت ہے۔ مثلاً اشعار کہنا اُنہیں روایت کرنا خطبوں کے لکھنے پڑھنے کی مشقت اٹھانا، فصحاء سے سوال وجواب کرنا، بلغاء سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا تاکہ اس کا قوی ملکہ پیدا ہو جائے اور اپنی فطرتی استعداد کے موافق کمال پیدا کرکے اُنہیں کے زمرہ میں داخل ہو سکے۔ علاوہ بریں کسی کی فصاحت وبلاغت کتنی ہی بڑے مرتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے لیکن یہ بھی تو ضرور ہے کہ اُس کی نوع میں سے اُس کی کوئی نظیر موجود ہو۔ اُس کی صنف میں سے اُس کی کوئی مثال پائی جائے گو وہ اس سے کسی درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ فطرتی طور پر اس فن کی استعداد رکھتے تھے لیکن ہم نے ابتدائے پیدائش سے لے کر چالیس برس کی عمر تک کہ جو زمانہ تحصیل اور مشق کا ہے آپ کو کبھی اس فن کی مشق کرتے نہیں پایا جس سے آپ ایسے درجہ پر پہنچ جاتے اور نہ اس مدت میں آپ نے شعر گوئی یا اشعار کی روایت کرنے کی ہی تکلیف گوارا کی۔ علاوہ بریں

آپ کو خطبوں اور رسالوں کی جانب بھی کبھی کچھ توجہ نہ ہوئی اور نہ اس مدت میں ہم نے یہی دیکھا کہ فصحاء سے سوال و جواب کرنے اور بلغاء پر غلبہ حاصل کرنے کی آپ کو کبھی حرص ہوئی ہو اور وہ برابر ہمارے سامنے ہی رہے اُن کا حال ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور کیونکر پوشیدہ رہ سکتا تھا حالانکہ جو شخص اس فن میں ذرا محنت کرتا ہے وہ ہم لوگوں میں ویسی ہی شہرت پالیتا ہے جیسے دن دوپہر کو آفتاب کیونکہ یہ فن تو ہمارے اعلیٰ درجہ کے مفاخر میں سے ہے۔

پس آپ کے چالیس برس کی عمر کو پہنچتے ہی دیکھتے کیا ہیں کہ آپ ایک فصیح کلام جس کا نام قرآن ہے لے آئے ہیں جس کی فصاحت و بلاغت نے ہمارے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اور بالکل ہی ہم کو ہرا کر ہمارا بوداپن ثابت کر دکھایا اور یہ بھی ہے کہ جو طرز قرآن شریف میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل انوکھا طرز ہے۔ ہمیں کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پس وہ نہ اشعار کے قبیل سے ہے نہ رجز ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ خطبوں اور رسالوں کا سا اس کا طرز ہے اور نہ کوئی اور ہی نمونہ ملتا ہے جس کا اس میں اقتدا کیا گیا ہوتا اور اس وجہ سے وہ اپنی غرابت میں اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

بھلا بتائیے تو سہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے پاس اس طریقہ کی مشق کر لی جو اُن کے قرآن میں موجود ہے اور سارے ملک عرب میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی اس طریقہ کے موجد ہوئے ہوں اور پھر اس میں ایسے درجہ پر پہنچ گئے جہاں اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اشیاء کے موجدین میں تو عادتاً یہ امر دیکھا نہیں جاتا بلکہ عادت یوں جاری ہے کہ ہر موجد سے اس کی ایجاد بچہ کی طرح پہلے اس سے صادر ہوتی ہے اور دوسرے لوگ اس کی تربیت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ رہا یہ امر کہ موجد اپنی ایجاد میں ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے کہ جس کے بعد کوئی مرتبہ نہ ہو اور وہاں تک کسی دوسرے کی رسائی ہی نہ ہو سکے انسانی موجدوں میں تو یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی بلکہ استقراء کے موافق یہ کہنا بھی کچھ مستبعد نہیں کہ سوائے اُس صورت کے کہ ایجاد ادنیٰ درجہ کی اور معمولی ہو یہ امر ممکن ہی نہیں ہے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی عمر

کے گذشتہ زمانہ میں اس فن کی مشق نہ کرنا جس کی وجہ سے وہ ایسے درجہ پر پہنچ جاتے جہاں کوئی نہ پہنچ سکے اور قرآن شریف کا اپنے اسلوب کے اعتبار سے انوکھا ہونا جس کی وجہ سے وہ فصاحت و بلاغت کے ایسے درجہ پر پہنچ گیا جس کے مقابلہ سے ہم لوگ عاجز رہ گئے۔ یہ دونوں امر اس احتمال کو سرے سے باطل کرتے ہیں جسے کہ آپ نے اس موقع پر نکالا ہے اور جس کے ذریعہ سے آپ نے ہمیں شک میں ڈالنا چاہا تھا۔ پس ہم لوگ بلا کسی شک و شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے دعویٰ میں ہمیشہ تصدیق کرتے رہیں گے اور اس بات کے قائل رہیں گے کہ قرآن کا جیسا کلام لانا انسانی قدرت میں نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہی کے پاس سے اترا ہے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے۔

اُن کا اس فرقہ پر شبہ وارد کرنا جس نے قرآن کو صفات فاضلہ پر مشتمل پاکر یا شریعت کے منظم اور باقاعدہ ہونے کی وجہ سے تصدیق کی تھی اور اُس فرقہ کا جواب دینا اور حضرت کے اُمّی ہونے کا ثبوت اور حضرت کو جو کسی دوسرے سے سیکھ لینے کی تہمت لگائی جاتی ہے اُس کو رفع کرنا

اس کے بعد یہ شک ڈالنے والے اُس فرقہ کی جانب مائل ہوئے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وجہ سے تصدیق کی تھی کہ اُس نے آپ کے لائے ہوئے قرآن کو ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل پایا جن سب کا کسی کلام میں مجتمع ہو جانا سوائے اُس صورت کے کہ وہ خدا کے پاس سے آیا ہو کسی طرح ممکن نہیں اور نیز اُس فرقہ کی جانب جس نے آپ کی اس سبب سے تصدیق کی تھی کہ آپ کی شریعت کی حالت بالکل منتظم اور باقاعدہ ہے اُس میں کل فضیلتیں پائی جاتی ہیں اور وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی حالت کو باقاعدہ بنا دینے کی پوری پوری کفیل ہے۔

پس یہ لوگ ان دونوں فرقوں سے کہنے لگے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ رسالت سے پیشتر بلاد روم کی جانب تجارت کے لئے دو مرتبہ سفر کیا

ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ وہاں آپؐ کو بعض راہبوں سے ملنے کا اتفاق ہُوا ہے (بحیرا راہب جو آپ کو شام کے راستہ میں جب آپ قریش کے تاجروں کے ساتھ تھے ملا تھا اور اُس وقت علامات سے اُس نے پہچان لیا تھا کہ آپؐ نبی آخرالزمان ہیں جیسا کہ سِیَر نبویہ میں منقول ہے) شاید آپ نے اس قرآن کو جس میں تمام یہ فضائل موجود ہیں اُنہی سے نقل کر لیا ہو اور اُن سے آپ یہ شریعت سیکھ آئے ہوں اور اپنے بلاد میں آکر مدعی رسالت بن گئے ہوں اور اپنے دعویٰ کی تائید اسی قرآن اور شریعت سے کرنے لگے ہوں اور چونکہ آپ کے بلاد میں ایسے واقف کار لوگ موجود نہ تھے تاکہ جو کچھ آپ لائے ہیں اُسی کے مثل وہ بھی لا کر آپؐ کا مقابلہ کر سکتے اس لئے آپ لوگ اس وہم میں پڑ گئے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ خدا ہی کی جانب سے ہے اور انسانی کارروائی نہیں ہے۔ اس کا ان دونوں فرقوں نے انہیں یہ جواب دیا کہ قرآن کی ایسی کتاب جو اُن تمام صفات فاضلہ پر مشتمل ہو جن کی شرح اور اس امر کا بیان ہمارے استدلال میں گزر چکا ہے کہ ان سب کو بڑے بڑے علماء وحکماء اور سیاست و ملکی انتظام کے ماہر بھی ایسی کتاب میں ہرگز جمع نہیں کر سکتے اور یہ کہ ایسی شریعت جو عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور ان عبادتوں پر مشتمل ہو جو سراسر حکم اور اسرار پر مبنی ہوں اور اس میں ایسے احکام موجود ہوں جو تمام خلق کے حالات کے منتظم اور باقاعدہ بنا دینے کی ذمہ داری کرتے ہوں علیٰ ہذا القیاس اور دیگر امور بھی اُس میں پائے جاتے ہوں جن کے پورے پورے بیان کرنے کے لئے تو بہت سی جلدوں کی ضرورت پڑے گی ہاں اجمالاً اُن کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

پس ان سب باتوں کی نسبت اگر بفرض محال یہ احتمال نکالا جائے کہ شاید آپ نے کسی دوسرے سے ان چیزوں کو سیکھ لیا ہو تو وہ بھی نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کے لئے اتنی مدت مدید کی ضرورت پڑے گی جو برسوں کی متعدد دہائیوں سے گنی جاسکے اگرچہ ان باتوں کا سکھلانے والا بہت ہی کامل حکماء ہی میں سے ہو اور سیکھنے والا بھی اعلیٰ درجہ کا ذکی ہی کیوں نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی عمر کہ ہم لوگوں میں گزاری ہے اُس کی ساری مدت میں سے صرف چند ایام کے لئے تجار قریش کی ہمراہی میں جو روم کے شہروں میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے ہم لوگوں

سے علیحدہ رہے ہیں اور اسی مُدت میں آپ مکہ سے بلادِ روم تک گئے بھی اور آئے بھی اور تجارت کے سارے کاروبار بھی انجام دیئے۔ بھلا اس عرصہ میں آپ کیونکر ساری باتیں سیکھ سکتے تھے۔ اتنی مدت جو اس کے لئے بھی کافی نہیں کہ آپ اپنی لائی ہوئی شریعت کے متعدد ابواب میں سے ایک باب بھی سیکھ سکتے۔ سیکھنے کی دشواریاں اور اُس کے لئے کافی زمانہ کے ضروری ہونے کو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے۔ علاوہ بریں جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُس کا سیکھ لینا تو پڑھے لکھے شخص پر بھی دشوار ہے اور بلا مدت مدید کے وہ بھی سیکھ نہیں سکتا چہ جائیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُمی (اَن پڑھ) محض تھے نہ لکھے نہ پڑھے۔

پھر بھلا عقل کیونکر تجویز کر سکتی ہے کہ آپ سب کچھ سیکھ لیتے باوجودیکہ اُمی تھے اور اپنے شہر سے بہت تھوڑے ہی دن علیحدہ رہے تھے اور آپ کا اُمی ہونا جس کی نسبت آپ دعویٰ کیا کرتے ہیں اور اپنے قرآن میں بھی اپنی رسالت پر استدلال کرنے کے موقع پر خدا کا یہ قول ذکر کرتے ہیں (وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذاً لا رتاب المبطلون) جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ لکھتا تھا (اگر ایسا ہوتا تو) ایسی حالت میں اہلِ باطل کو شک کی گنجائش ہو سکتی تھی (نہ کہ اب شک کا کوئی موقع ہے) آپ کا یہ اُمی اور اَن پڑھ ہونا صرف آپ کے دعوے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود ہمارے نزدیک بھی بلا شبہ ثابت ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ہم ہی لوگوں میں نشوو نما پایا ہے اور ہمیں کبھی اس کا علم نہیں ہوا کہ آپ نے لکھنے پڑھنے کی مشقت اٹھائی ہو اور نہ ہم میں سے کسی نے کبھی آپ کو دیکھا اور نہ ہم سے کبھی کسی نے یہ نقل کیا کہ آپ نے کسی دن ایک سطر بھی لکھی ہو اور اگر آپ ایسی قوم میں رہ کر اس (کتابت) کو جانتے ہوتے جس میں کہ سوائے معدودے چند اشخاص کے اس فن کے جاننے والے نہ تھے تو آپ کا حال اتنی مدت تک ہم سے چھپا نہ رہتا چاہے آپ چھپانے کا قصد ہی کیوں نہ کرتے اور بھلا آپ (اگر جانتے ہوتے تو) چھپانے کا قصد ہی کیوں کرنے لگے تھے حالانکہ کوئی شئے اس کی جانب آپ کو داعی نہ تھے بلکہ اُلٹے اظہار کا داعی موجود تھا کیونکہ اس جاہل اور بے پڑھے لکھے گروہ میں تو یہ بڑا کمال تھا اور اس بات کو عقل ہرگز نہیں تسلیم کرتی کہ آپ نے اس فن کے سیکھنے سے پہلے ہی اس کا پختہ قصد کر لیا ہو کہ

مَیں اس فن کو حاصل کروں گا اور لوگوں کو اپنے اس حال کی خبر نہ ہونے دوں گا اور پھر کسی روم کے راہب سے اس قرآن اور اس شریعت کے سیکھنے میں اپنے اس فن سے مدد لوں گا اور اس کے بعد مدعی رسالت بن جاؤں گا۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے نفس کے لئے پہلے ہی سے آپ نے ان سب باتوں کا بیڑا اُٹھا لیا تھا اور پھر یہ بات پوری بھی ہو گئی کہ آپ کے اس فن کو حاصل کرنے اور نیز جو کچھ کہ آپ لائے ہیں اس کے سیکھنے کا حال لوگوں سے بالکل مخفی رہا اور آپ نے اسی بھروسہ پر رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ اس بات کا تو سوائے اس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لے اور وہمی باتوں کا مطیع بن جائے اور بعد ان سب باتوں کے عقل کسی ایسے سکھانے والے کے بلادِ روم میں یا اور کہیں پائے جانے کی بھی تو تصدیق نہیں کرتی جو تمام اُن علوم و معارف پر جس پر کہ قرآن اور یہ شریعت مشتمل ہے حاوی اور اُن سب خوبیوں پر محیط ہو گیا ہو اور ہم پر اہلِ روم کے ساتھ مخالطت کرنے کے بعد یہ بات ظاہر بھی ہو گئی کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں روم کے تمام علماء کے پاس بھی اُس کا وجود نہیں چہ جائیکہ اُن میں سے بعض کو سب کچھ معلوم ہوتا بلکہ ہم نے تو ان کو دیکھا ہے کہ مخالطت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں پر مطلع ہونے کے بعد آپ کی شریعت کی خوبی انتظام سے بہت تعجّب کرتے ہیں اور اس میں سے جو کچھ سیاست اور اُن کی ملکی انتظام کے موافق ہوتا ہے اقتباس کر لیتے ہیں۔ پس کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن کے علماء کے پاس یہ باتیں ہوتیں اور وہ اپنے لوگوں میں اس کو شائع نہ کرتے اور یہ سب کچھ مخفی رہتا۔ یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو ظاہر اور آشکار کیا تب وہ اُس میں سے اقتباس کرنے لگے۔ علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو عقائد اعمال اور اخلاق میں روم کے دین کے مخالف تھیں اور اُن کی اس قبیل کی باتیں آپ کے دین میں غایت درجہ مذموم خیال کی جاتی تھیں۔ پس عقل کیونکر اس بات کو مان سکتی ہے کہ کسی راہب نے یہ سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیا ہو اور اُس کو اُس کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔ علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری لائی ہوئی چیزوں کے کسی روم کے راہب سے سیکھ لینے سے جو موانع پیشتر ذکر کئے گئے ہیں اگر اُن سے قطع نظر بھی کر لی

جائے تو ایک اور بہت قوی مانع بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن اور شریعت کو ایک ہی دفعہ نہیں لے آئے ہیں اور اپنے پہلے ہی دعوے میں لوگوں پر اُس کو ظاہر نہیں کر دیا ہے بلکہ ابتدا دعویٰ رسالت سے لے کر برابر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کا دین مکمل ہو گیا اور ان فرقوں اور گروہوں میں پھیل گیا جنھوں نے کہ آپ کی تصدیق کر کے پیروی اختیار کی تھی۔
پس آپ اپنے قرآن کی ایک دو آیتیں یا ایک دو سورتیں جیسے جیسے واقعات آپ کو اپنے اور اپنے مخالفوں کے مابین یا اپنی پیروی کرنے والوں کے درمیان پیش آتے جاتے تھے لایا کرتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کسی امر پر استدلال کرنے یا کسی شبہ کے دفع کرنے یا کسی سوال کے جواب دینے وغیرہ پر مقتضائے حال کے موافق مشتمل ہُوا کرتی تھیں اور اسی طرح احکام شریعت بھی آپ حوادثات مشکلات سوالات اور مصلحتوں کے موافق تھوڑے تھوڑے کر کے لوگوں کو پہنچایا کرتے تھے۔
چنانچہ اُن میں سے ہر شئے کے مقابل میں آپ پسندیدہ احکام لایا کرتے تھے۔
خلاصہ یہ کہ دعوے رسالت کی ساری مدت میں جو جو واقعہ آپ کو پیش آتا جاتا تھا آپ ہر ایک کے مقابل میں قرآن اور شریعت میں سے اُس کے مناسب و موافق حکم لایا کرتے تھے اور یہ کیفیّت ہم کو اور نیز ان کو جن لوگوں تک آپ کے اخبار اور حالات تواتر صحیح کے ساتھ نقل ہو کر پہنچتے ہیں ضرور معلوم ہے۔ اب اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ روم کے کسی راہب کو یہ سارے زمانہ آئندہ کے حوادثات اور واقعات جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے چل کر اتفاق پڑنے والا تھا اور جو کہ آپ کے پیروی کرنے والوں کے مابین یا آپ کو اپنے مخالفوں کے ساتھ پیش آنے والے تھے کس نے تبلا دیئے تھے جس کی وجہ سے اُسے معلوم ہو گیا کہ قرآن اور شریعت میں اُن میں سے ہر ایک کے مناسب کیا احکام ہونے چاہئیں۔
پس آپ کو ہر سال کا جواب جو آئندہ آپ کے روبرو ہونے والا تھا اور ہر شبہ کا دفعیہ اور ہر واقعہ کا حکم جس کا آپ کو آئندہ ساری مدت میں اتفاق پڑنے والا تھا بتلا دیا اور آپ نے ہر شئے کے لئے جو امر ضروری تھا اپنے اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک عقلوں کے اطمینان کے قابل بنا دیا اور ہم منجملہ اُن واقعات کے

بعض ایسے امور بھی دیکھتے ہیں جس کی نسبت کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ آئندہ چل کر واقع ہوں گے اور آپ کو اُن کا اتفاق پیش آئے گا اور جس شخص کو تمام اُن واقعات پر جو آپ کو بعد دعوی رسالت کے ساری مدت میں پیش آئے ہیں واقفیت ہو گی وہ یقین کر لے گا کہ اُن سارے واقعات پر جو آپ کو اُس مدت میں پیش آنے والے تھے۔ کسی راہب[1] کا جس کی نسبت آپ کو گمان ہے حاوی ہو جانا اور ہر ایک کے لئے جو حکم ضروری تھا اُس کا مستحضر کر لینا بلا شک محال ہے۔ سوائے دھینگا دھینگی کرنے والے کے اور کوئی اس کا قائل نہیں ہو سکتا اور اگر آپ کہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض بعض شخص (خواہ سلمان فارسی ہوں یا اور کوئی) ایسے قوم کے موجود تھے جو علوم و معارف اور انتظامات ملکی میں شہرۂ آفاق تھے۔ پس اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حوادثات آپ کو پیش آتے ہوں اُن کے احکام اور جو سوالات کہ آپ سے کئے جاتے ہوں اُن کے جوابات اور جو اعتراضات اور شبہے آپ پر وارد کئے جاتے ہوں اُن میں سے ہر ایک کا دفعیہ اور علاوہ اس کے جو کچھ ہو جب اُس کی آپ کو ضرورت پڑا کرتی ہو اُسی وقت سب کچھ آپ اُن شخصوں سے پوچھ لیا کرتے ہوں پس جب کبھی ان امور میں سے کوئی امر پیش آتا ہو تو آپ اُس شخص کے پاس چلے آیا کرتے ہوں اور اُس سے دریافت کر لیا کرتے ہوں۔ پس وہ جیسی حالت ہو اُس کے موافق بتا دیا کرتا ہو تو ہم کہیں گے اس بات کا وہم کرنا کئی وجہوں سے بالکل لچر ہے۔

اوّل تو اس وجہ سے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ان سب اشیاء کا سیکھنا سکھانا ایک

---

[1] علاوہ بریں یہ شبہ اس طرح بھی بالکل ساقط ہو جاتا ہے کہ سفر روم میں جب آپ راہب سے ملے تھے تو تنہا نہ تھے بلکہ قریش کے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پس اگر آپ نے اس راہب سے جو کچھ سیکھا ہو گا وہ ساتھیوں کو ضرور معلوم ہو گا۔ پھر دعویٰ رسالت کے وقت اُن میں سے کسی نے اس امر کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کیوں کہ ان میں کے بہتیرے ایسے تھے جو آپ کے اوپر ایمان نہ لائے تھے اور آپ کے مخالفوں کا ساتھ دیتے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہاں آپ نے کسی راہب سے کچھ نہیں سیکھا۔ ۱۲ مترجم

ایسا امر ہے جو ایک آدھ نشست یا چند نشستوں میں پورا نہیں ہو سکتا اور نہ خفیتہً ہی یہ انجام پا سکتا ہے بلکہ پورے طور سے صرف اسی وقت تعلیم ہو سکتی ہے کہ جب سیکھنے والا سکھانے والے کے پاس مدت دراز تک آمد و رفت کرتا رہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں میں یہ بات ضرور مشہور ہو جاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص سے علوم حاصل کیا کرتے ہیں اور یہ امر واقع کے خلاف ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ اگر یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اُن علوم کا جو آپ کے قرآن و شریعت میں موجود ہیں سکھلانے والا ہوتا تو غایت درجہ کا محقق اور بڑا ہی صاحبِ فضل ہوتا لوگوں میں ممتاز شمار کیا جاتا حالانکہ یہ اشخاص جن کی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے اس پایہ کے شخص نہیں ہیں بلکہ لوگوں میں جن اشخاص کی معرفت و واقفیت کے لحاظ سے شہرت تھی ان میں بھی تو اُن کا شمار نہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بہتیرے لوگ شرعی احکام پر احاطہ رکھنے کے لحاظ سے ان شخصوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اور وہ خود اُن سے اور اُن سے بھی کم درجہ کے لوگوں سے علوم حاصل کیا کرتے تھے اور اپنے ضروری امور سیکھا کرتے تھے اور شاگردوں کی طرح اُن کے ساتھ فروتنی سے پیش آتے تھے اور عقل اس امر کی ہرگز تصدیق نہیں کرتی کہ یہ اشخاص اس پایہ کے ہوتے اور پھر بھی اپنا حال مخفی رکھتے۔

تیسرے اس وجہ سے کہ اگر یہی اشخاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلانے والے ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے سارے پیروی کرنے والوں پر انہی شخصوں کا رتبہ مقدم رکھنے میں مضطر ہوتے اور اگر آپ اُن کی اتنی قدر و منزلت میں کوتاہی کرتے تو ان کو کب صبر آتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتیروں سے اُن کا درجہ گھٹا ہوا تھا اور پھر بھی خوش تھے اُن کو یہ امر ذرا ناگوار نہ تھا۔

چوتھے اس وجہ سے کہ ہم نے ان اشخاص کی قوم سے اس کے بعد میل جول کیا تو ہم نے ان علوم، احکام اور جملہ بھلائیوں کی جامع شریعت کو جو سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اُن کے پاس بنایا اور اُن میں سے بہتیری چیزیں ایسی ملیں جن کا اُن کے یہاں اصلاً و نقلاً کچھ پتہ ہی نہ تھا بلکہ ہم نے خود انہیں دیکھا کہ آپ کی شریعت سے جو قوانین اُن کو اپنے انتظام ملکی کے مناسب معلوم ہوتے ہیں اقتباس کر لیتے ہیں۔

پس یہ اشخاص جملہ علوم و معارف کو کہاں سے لے آئے جس حال میں کہ اُن کی قوم اُن سے محروم تھی ۔

پس اے شک و شبہ میں ڈالنے والو! اس بیان نے تمہارے سارے اُن احتمالات کو جو تم نے ہم پر وارد کئے تھے باطل اور مہمل ثابت کر دیا۔ اس لئے ہم بلا کسی شک و شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے ۔

ان لوگوں کا اس فرقہ پر شبہات وارد کرنا جس نے سابق کے تینوں فرقوں کے حالات دیکھ کر تصدیق کر لی تھی اور اس فرقہ کا اُن کو جواب دینا

اب یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کے پاس آئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس بات سے استدلال کیا تھا کہ اہل فصاحت و بلاغت نے قرآن و شریعت کے معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور کلام کی خوبیوں کے واقف کاروں نے اس امر کی شہادت دی کہ قرآن شریف اتنی صفات فاضلہ پر مشتمل ہے کہ جن سب کا قرآن کی ایسی کتاب میں جمع کر دینا ہر کسی کا کام نہیں اور بعض اہل فصاحت و بلاغت کا قرآن کے معارضہ سے عاجز رہنا اس دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ قرآن کا معارضہ تو نہ کر سکے بلکہ بجائے اُس کے گھر بار چھوڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کو منظور کر لیا جس کے باعث سے وہ مقتول ہوئے اُن کے بچے قید کئے گئے ۔ اُن کے شہر اُجاڑے گئے انہیں جلاوطن ہونا پڑا۔ پس انہوں نے آسان طریق کو چھوڑ دیا (اور وہ قرآن کا معارضہ کرنا تھا اگر انہیں قدرت ہوتی) اور لڑائی بھڑائی کے طریق میں جو سب سے دشوار طریق تھا چلنا اختیار کر لیا ۔

پس یہ لوگ اُن سے کہنے لگے کہ تمہیں کیا معلوم کہ ان دونوں فرقوں نے جن میں سے ایک نے قرآن شریف کے معارضہ سے اپنے عاجز ہونے اور دوسرے نے قرآن شریف کے اتنی صفات فاضلہ پر مشتمل ہونے کا اقرار کر لیا تھا اور یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع بن گئے تھے اُنہوں نے یہ امر کسی غرض و غایت کے لئے کیا ہو جس کے حاصل کرنے کا اسی اتباع کو اُنہوں نے ذریعہ قرار دیا ہو اور اسی لئے انہوں نے یہ اقرار کر لیا ہو اور اس امر کی شہادت دے دی ہو تاکہ یہ اُن کے

لئے اُن کے ملامت کرنے والوں پر حُجت بن جائے رہا وہ فرقہ جس نے معارضہ کو تو چھوڑ دیا اور اپنے گھر بار کو ترک کر کے جنگ پر آمادہ ہو گیا جس کی وجہ سے یہ کچھ ضرر اُسے اُٹھانا پڑا۔ اُس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ لبا اوقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جنگ کی ابتدا کی ہو اور آتش جنگ کے برافروختہ ہو جانے کے باعث سے اُنہیں معارضہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اتنی مُہلت نہ لینے دی ہو اور اسی سبب سے وہ آسان طریق کو چھوڑ کر دشوار طریق پر چلے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ وہ اُس پر مضطر کر دیئے گئے ہوں۔ پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ آپ کا پہلے دونوں فرقوں کے حق میں یہ کہنا کہ شاید اُن کا اقرار کرنا اور اُن کا شہادت دینا اور پھر اتباع کر لینا کسی غرض و غایت پر مبنی ہو جس کے حاصل کرنے کا انہوں نے اسے ذریعہ قرار دیا ہو تو یہ سرتا پا بے تکی اور بالکل بے سوچی سمجھی بات ہے اس لئے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عاقل کے نزدیک سب سے مشکل کام اپنے دین کا چھوڑ دینا ہے جس میں اُسے دنیوی اور اُخروی نجات کی امید ہو اور بعد اس کے تمام چیزوں سے دشوار تر یہ ہے کہ وہ ان رسموں کو چھوڑ دے جن کا وہ خوگر ہو رہا ہے اور انہیں اپنے اسلاف پیشین سے سیکھا ہے حتیٰ کہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ باوجودیکہ انہیں اپنی رسموں کی برائی بھی معلوم ہو جائے تاکہ اُن کا چھوڑنا اُن پر نہایت ہی شاق ہوتا ہے اور اُن کا جی اُن پر جمے رہنے کو ہی چاہتا ہے۔

اس بناء پر عاقل اپنے دین کو اُس وقت تک ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اُسے اپنے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں نجات حاصل ہو جانے کا پورا پورا الیقین نہ ہو جائے علیٰ ہذا القیاس وہ اپنی رسموں کو بھی خصوصاً موروثی رسموں کو سوائے اُس حالت کے کہ کوئی ایسا ہی قوی سبب پایا جائے نہیں چھوڑ سکتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں فرقوں نے اپنے دین کو جس سے انہیں اپنی امید کی امید تھی چھوڑ دیا اور اپنی رسموں کے بھی تارک بن گئے جن کے کہ وہ خوگر ہو رہے تھے اور اُن سب چیزوں کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت کرنے لگے اور انہوں نے قرآن کے معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور اُس پر محض اطلاع حاصل کرتے ہی بلا اس

کے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کچھ خوف ہوتا قرآن کے فضل کی شہادت دینے لگے۔ کیونکہ اُن میں خود بہت ہی قوی قومی پاس و لحاظ موجود تھا اور انہیں محمد صلعم کے مال و دولت کی حاجت نہ تھی (کیونکہ پہلے آپ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں) بلکہ قبل اس کے کہ آپ کی حمایت کرنے والی جماعت قائم ہوئی ہوتی اور آپ کے ہاتھ کچھ مال آیا ہوتا یا اور کوئی مضطر کر دینے والا سبب پایا جاتا وہ لوگ یہ شہادت دے چکے تھے اور قرآن کے فضل کا اقرار کر چکے تھے یہ بات آپ کے اور اُن کے اتباع کرنے کی کیفیت پر پوری پوری اطلاع حاصل کرنے سے بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

پس اگر اُن کو معارضہ کرنے سے اپنے عاجز ہونے اور قرآن کے اس قدر فضائل پر مشتمل ہونے کا جن کے جمع کرنے سے انسان عاجز ہے یقین نہ ہو گیا ہوتا تو وہ ہرگز یہ اقرار نہ کرتے اور کبھی اس کی شہادت نہ دیتے اور نہ وہ اتباع ہی کرتے جس کی وجہ سے انہیں اپنا دین جس کو وہ اپنے اعتقاد کے موافق باعث نجات سمجھتے تھے چھوڑنا پڑا اور اپنی رسموں کے ترک کرنے کی مشقت اٹھانا پڑی حالانکہ وہ عقیل و فہیم اور بے خوف تھے۔ رہا فصحاء و بلغاء کے حق میں جن کا معارضہ سے عاجز ہونا اس طرح پر ظاہر ہوا کہ اُنہوں نے معارضہ کو چھوڑ کر جنگ کو منظور کیا جس کی وجہ سے اُنہیں بہت سے نقصانات اٹھانا پڑے۔

یہ کہنا کہ بسا اوقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اُس کی مہلت نہ لینے دی ان کو معارضہ کی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی مہلت نہ لینے دی ہو۔ اس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معارضہ کے لئے اُن کو بلانا اور ان کا باز رہنا ایک آدھ واقعہ یا ذرا سی مدت میں ہوتا تو البتہ عقل آپ کے اس احتمال کو قبول کر سکتی لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اُن کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین اُس وقت تک ہرگز لڑائی واقع نہیں ہوئی جب تک کہ آپ نے بار بار قرآن کو معارضہ کے لئے اُن پر پیش نہیں کر لیا اور کھلے خزانہ اُس کی منادی نہیں کر دی کہ انسان اُس کے معارضہ سے بالکل عاجز ہے اور اس پر ایک مدت گزر نہیں گئی اور مدت بھی کوئی تھوڑی نہیں بلکہ ایک قسم کی طویل مدت۔ علاوہ بریں اس زمانہ کے شروع شروع میں آپ کے اس قدر

پیروی نہیں ہوئے تھے جن سے کہ لڑائی کی جا سکے۔ پھر اس کے بعد بھی کہ آپ کے اور اس فرقہ کے مابین آتش جنگ برافروختہ ہو چکی۔ جب کبھی آپ کو مہلت ہوئی آپ برابر قرآن کو مقابلہ کے لئے اُن کے سامنے پیش کرتے رہے اور انہیں اُس کے معارضہ کی جانب بلاتے رہے اور اُن کے اور آپ کے درمیان صلح بھی بہت ہو جایا کرتی تھی اور اوقات صلح میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اُن لوگوں کے ساتھ بارہا یکجائی کا اتفاق ہوتا تھا۔ پس اگر انہیں معارضہ پر قدرت ہوتی تو انہیں ممکن تھا کہ مصالحت اور فرصت کے زمانہ میں قرآن کا معارضہ کرتے اور جو کچھ وہ قرآن کے مقابلہ میں لاتے اُس کو آپ کے پاس بھیج دیتے اور قبائل عرب میں اُس کو شائع کر دیتے تو کوئی نہ کوئی اُن کا مددگار کھڑا ہی ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اس کا قصد ہی نہیں کیا نہ آپ کے ابتدائے دعویٰ میں نہ وقت جنگ میں نہ زمانۂ صلح میں اور اپنی فصاحت و بلاغت سے آپ کی اور آپ کے پیروی کرنے والوں کی صرف ہجو کرنے پر مضطر ہو گئے۔

رہا قرآن کا معارضہ اس بارہ میں تو اُن کے مُنہ سے ایک کلمہ بھی نہیں نکلا اور اگر کسی نے قرآن کے معارضہ میں کچھ کہا ہوتا تو ہم پر مخفی نہ رہ سکتا اور مشرق سے لے کر مغرب تک برابر اُسے روایت کرنے والے نقل کرتے اس لئے یہ سارے احتمالات جن سے آپ نے ہمیں شک میں ڈالنا چاہا تھا بالکل غلط اور باطل ہیں اُن کو سوائے اُس شخص کے جسے تحقیق سے کچھ سروکار نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرقوں کا جو معاملہ تھا اُس کی حقیقتِ حال سے محض ناواقف ہو اور کوئی نہیں تجویز کر سکتا۔ پس ہم ان سب واہی تباہی احتمالات کو چھوڑتے ہیں اور اپنی پیشتر کی دلیل پر اعتماد کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی بلا کسی شُبہ کے برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور اسی کا اقرار کئے جائیں گے۔

ان لوگوں کا اس فرقہ پر شُبہات وارد کرنا جسے مُعجزات اور خوارق عادات دیکھ کر تصدیق کی تھی اور اُس فرقہ کا جواب دینا اور آپ کی نسبت ساحر ہونے کے احتمال کو ردّ کرنا

پھر یہ بہکانے اور شُبہ میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کی طرف جُھکے جس نے حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی کی اُس وقت تصدیق کی تھی جب کہ انہوں نے خوارق عادات اور طبعی قوانینِ قدرت کے مخالف امور آپ کے ہاتھوں پہ ظاہر ہوتے ہوئے مشاہدہ کر لئے تھے۔

پس اُن سے یہ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خوارق عادات ظاہر کئے ہیں احتمال ہے کہ یہ ایک قسم کا جادو ہے۔ پس انہوں نے تم لوگوں کی نظر بندی کر دی ہو جس کی وجہ سے تمہیں ان چیزوں کے واقع ہونے کا خیال بندھ گیا ہو تو اُس فرقہ نے انہیں یہ جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جادوگروں کی سی حالت نہیں ہے کیونکہ آپ نیکی کا حکم کرتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور جادوگروں کی یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ بدکار اور شہوت پرست ہوتے ہیں اپنے رذیل اور ادنیٰ درجہ کے مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے اعمال سحر کیا کرتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امور خارق عادات کا کرنا کسی ادنیٰ درجہ کی غرض کے لئے ثابت نہیں ہوتا وہ تو صرف اس غرض سے امور خارق عادت کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ جو شریعت آپ لائے ہیں اُس کی پیروی کرنے میں عقلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے اور آپ کی شریعت سراسر مکارم اخلاق پر مشتمل ہے۔ تمام برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے ساتھ آراستہ ہونے کا حکم کرتی ہے۔

پس آپ کی حالت تو صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے، راہ مستقیم پہ چلنے، خلق خدا کو حق بات کی ہدایت کرنے اور راہِ فلاح اختیار کرنے کے لحاظ سے بالکل انبیاء سابقین کی سی ہے اور آپ کے دعوے کی بھی خدا کی جانب سے اُسی طرح تائید ہوتی ہے جیسے کہ گزشتہ رسولوں کے دعوے کی خارق عادت امور کے سرزد کرنے سے جن پر کہ سوائے خدا کے اور کسی کو قدرت نہیں ہے تائید کی گئی تھی اور امر خارق عادت کو سرزد کر دینا خدا کی جانب سے اُس رسول کے دعویٰ کی تصدیق کے قائم مقام ہے۔ گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ ان امور میں میرا بندہ سچا ہے جو میری جانب سے وہ تمہیں پہنچاتا ہے اور عالم کے عادی قوانین قدرت کو اُس کے ہاتھ پر سراخرق کر دینا اور ان عادی قوانینِ قدرت کے خلاف ظاہر کرنا بھی میری جانب سے اُس کے دعوے کی تصدیق ہے (سابق میں اُس کی کافی طور پر توضیح ہو چکی ہے اگر آپ چاہیں

تو وہاں دیکھ لیں)

علاوہ بریں بعض خارق عادت امور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایسے بھی ظاہر ہوئے ہیں جن کی نسبت عقل ہرگز تصدیق نہیں کر سکتی کہ جادوگروں کو اُن پر قدرت ہو سکتی ہے جیسے کہ چاند کا شق ہو جانا جس کا تمام لوگوں نے خواہ وہ وہاں موجود تھے یا میدانوں میں سفر کر رہے تھے سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا چنانچہ جیسے کہ اس امر کو اُن لوگوں نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے اور جنہوں نے کہ اس کی درخواست کی تھی دیکھا تھا اسی طرح اُن مسافروں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا اور آکر خبر دی تھی جو دُور دراز مقامات سے وارد ہوتے تھے جن کا افق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس والے لوگوں کے افق کے ساتھ موافقت و مساوات رکھتا تھا۔ پس فرض کر لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کی نظر بندی کر دی ہو یہاں تک کہ اُنہوں نے اس امر کا مشاہدہ کر لیا کہ چاند شق ہو گیا تو کیا آپ کی قدرت میں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اُن مسافروں کی بھی نظر بندی کر دیتے جن میں سے ہر فریق میدانوں میں جدا جدا مقام پر تھا۔ اس بات کا سوائے اس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو دھینگا دھینگی کرے یا اس امر سے محض ناواقف ہو کہ جادوگروں کو اپنے اعمال میں کہاں تک قدرت ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں ہم نے بعد اس کے کہ ان خوارق کے باعث سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور پورے طور سے آپ کی شریعت پر مطلع ہو گئے اور آپ کے ساتھ خوب خلا و ملا بھی بڑھا لیا اور آپ کے حالات میں نہایت باریک بینی سے غور کیا تو ہم نے آپ کی شریعت میں سر تا پا راستی اور وہی تمام امور پائے جن پر عمل کرنے والے کو سراسر بہبودی اور بھلائی حاصل ہو اور تمام نقصانات سے وہ محفوظ رہے اور آپ کی شریعت اصل استقامت اور راستی میں گو رسل سابقہ کی شرائع کے مثل نکلی لیکن تمام ابواب کمالات پر پورے طور سے حاوی ہونے کے لحاظ سے اُن سے بھی فوقیت لے گئی اور ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس سے عقل انکار کرے یا آپ کی جانب سے دل میں کچھ شک پیدا ہو اور نہ آپ کی شان جادوگروں کی سی معلوم ہوئی اور نہ آپ کا حال حیلہ بازوں ہی کا سا نظر آیا جو متاعِ دُنیا کے

حاصل کرنے اور اپنی شہوت رانی کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کیا کرتے ہیں بلکہ آپ کا تو یہ طریق ہے کہ لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت کرتے تھے اور یہ سکھلاتے تھے کہ وہ اپنے مالک کا شکر ادا کیا کریں کنبہ والوں کے ساتھ سلوک سے پیش آئیں۔ یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کریں اور باوجود اس کے آپ اپنی پیروی کرنے والوں پر پدر شفیق کی طرح شفقت فرماتے تھے آپ کو اُن کے مال و دولت کی ذرا بھی طمع نہ تھی اور نہ اُن کی لذیز چیزوں سے آپ کو کچھ میلان تھا بلکہ آپ پہلے رسولوں کی طرح خود ہی ان پر احسان کیا کرتے تھے۔

پس جو کچھ ہم نے پیشتر بیان کیا اُس کی بنا ر پر ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے سچے ہونے میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہا اور آپ کا یہ بہکانا اور شک میں ڈالنا بالکل ہوا ہو گیا اور ہر منصف کی نظر میں اُس کا کچھ اعتبار نہ رہا اس لئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور جو کچھ آپ خدا کے پاس سے لائے ہیں اُسی پر ایمان رکھیں گے۔ خدا ہی توفیق کا مالک ہے۔

ان لوگوں کا اُس فرقہ کے پاس آکر شبہات وارد کرنا جن سے انبیائ سابقین اور کتب سابقہ کی تبلائی ہوئی علامتوں کے آپ پر منطبق ہو نے جانے سے آپ کی رسالت پر استدلال کیا اور اُس فرقہ کا اُن کو جواب دینا

اس کے بعد یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی طرف مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس سبب سے استدلال کیا تھا کہ جو انبیا رسابقین کی کتابوں میں ایسے رسول کی علامتیں مذکور تھیں جس کو اُن کے بعد خدا بھیجنے والا تھا وہ سب علامتیں آپ پر منطبق ہو گئی تھیں۔ پس اس فرقہ سے یہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علامتیں کسی ایسے رسول پر منطبق ہو چکی ہوں جو محمد ؐ کے دعوے کرنے سے پیشتر ہی گزر چکے ہوں تو اس فرقہ نے اُنہیں یہ جواب دیا کہ ہم نے اُن رسولوں کے حالات کی تواریخ سے بحث کر کے دیکھا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر اور ان کتابوں میں ان علامتوں کے وارد ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔

بس ہمیں تو اُس میں سے کوئی بھی ایسا رسول نہیں ملا جس پر ساری علامتیں منطبق ہو جاتیں اور اگر کوئی ایسا ہُوا ہوتا تو رسولوں کی ساری تاریخیں اُس کے ذکر سے خالی نہ ہوتیں اور اس کی خبریں بھی ہم تک ضرور نقل کی جاتیں۔ اگرچہ بعض قصص کی کتابوں ہی میں کیوں نہ اُن کا ذکر ہوتا۔ کیونکہ ایسے شخص کا بالکل اس طرح ذکر ہرگز نہیں مٹ سکتا۔
ہاں بعض انبیاء ایسے پائے گئے ہیں جن میں بعض بعض علامتیں پائی گئی ہیں۔ لیکن اُن سے بیشتر کوئی ایسا نہیں ہُوا جس میں یہ سب کی سب علامتیں موجود ہوتیں اور ہم نے اپنے استدلال کی تقریر میں اس کی توضیح کر دی ہے (پس وہیں دیکھ لینا چاہیئے)۔
پھر یہ لوگ اُن سے کہنے لگے تمہیں یہ کیا معلوم شاید خدا کی جانب سے آئندہ کوئی رسول آئے جس پر یہ ساری علامتیں منطبق ہو جائیں اور ان کتابوں میں جس شخص کی خبر دی گئی ہے اس سے وہی مقصود ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ علامتیں اتفاقی طور پر منطبق ہو گئی ہوں اور اگرچہ ان سب علامتوں کا دو شخصوں میں مجتمع ہو کر پایا جانا نہایت ہی مستبعد ہے لیکن تاہم عقل اس کو محال بھی نہیں سمجھتی۔
پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس خدا کی جانب یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ اُس نے رسولوں کو بھیجا اور اُن پر کتابیں اور وحی نازل کیں وہ خدا نہایت ہی علیم و حکیم ہے اس لئے جتنی آئندہ ہونے والی باتیں ہیں اُن سب کا علم بھی اُسے ضرور ہونا چاہیئے۔ پس جب اُسے یہ معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ ہوں گے اور رسالت کا دعوےٰ کریں گے اور ساری علامتیں اُن پر منطبق ہو جائیں گی اور وہ مقصود نہ ہوں گے بلکہ جو مقصود ہوں گے وہ اُن کے بعد آئیں گے تو ضرور تھا کہ اپنی حکمت کے مقتضا کے موافق وہ ہم کو اس پر ضرور آگاہ کر دیتا چاہیے ان کتابوں میں صرف اتنا ہی کیوں نہ کہہ دیتا کہ آئندہ ایک شخص مدعی رسالت پیدا ہو گا اور میرے رسولوں کی کتابوں میں جو علامتیں مذکور ہیں وہ سب اس پر منطبق ہو جائیں گی لیکن وہ میری مراد نہ ہو گا بلکہ میری مراد صرف وہ شخص ہو گا جو اُس کے بعد آئے گا اور چونکہ خدائے سبحانہ کی جانب سے اس قسم کی کوئی اطلاع وارد نہیں ہوئی ہے اس لئے لازم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی یقیناً مراد ہوں اور ان علامات کا دو شخصوں میں پائے جانے کا احتمال جس کی نسبت

تم کہتے ہو کہ عقل اُسے محال نہیں سمجھتی تو اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ وہ بلاشک محال ہے کیونکہ اُس سے یا تو اللہ تعالےٰ کا آئندہ کے واقعات سے جاہل اور ناواقف رہنا لازم آئے گا یا یہ ماننا پڑے گا کہ خدا کے اعمال حکمت کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور وہ اپنے بندوں کو دھوکہ میں ڈالا کرتا ہے اور یہ تمام چیزیں محال ہیں (جیسا کہ یہ امر جہاں خدا کی صفات کا بیان ہوا ہے ثابت ہو چکا ہے۔)

پس جو شئے محال کو مستلزم ہے وہ بھی محال ہو گی۔ اس بنا پر ان علامتوں کے دو شخصوں میں پائے جانے کو عقل ہرگز تجویز نہیں کر سکتی اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی جن میں یہ ساری علامتیں بتمامہا پائی گئی ہیں قطعاً مراد ٹھہرے اور ہم اپنے استدلال کی تقریر میں پورے طور سے اس کی شرح بیان کر چکے ہیں۔ پس بلا کسی شک و شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی ہم برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

ان لوگوں کا اس فرقہ کے پاس آکر شبہات وارد کرنا جس نے ادلہ سابقہ کے آپ کے صدق پر متفق ہو جانے سے استدلال کیا اور اس فرقہ کا اُن کو جواب دینا اور نیز اس امر کا بیان کہ مجموعہ کا حکم اپنے افراد کے علاوہ ایک خاص حکم بھی ہوتا ہے [۱۲]

پھر یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کی جانب مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس طرح استدلال کیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں سچے نہ ہوتے تو آپ کی تصدیق پر یہ سارے دانا اور عقلمند فرقے اتفاق نہ کر لیتے بعد اس کے کہ وہ آپ کے نہایت شدت سے مخالف تھے اور آپ کی بڑے زور و شور سے تکذیب کیا کرتے تھے اور اپنے عقائد و رسموں کے بڑے حمایت کرنے والے تھے اور نہ اُن کو آپ کے صدق کی اس قدر کثرت سے دلیلیں ملتیں لیکن چونکہ یہ سارے عقلمند فرقے آپ کی تصدیق پر متفق ہو گئے اور اُن کو اس قدر کثرت سے دلیلیں مل گئیں اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ٹھہرے تو یہ لوگ اُن سے کہنے لگے احتمال ہے کہ ان فرقوں کی دلیلوں میں سے ہر دلیل ظنی ہو جس سے یقین نہ حاصل ہو سکتا ہو اور جب یہ حالت ہو تو ساری دلیلیں مجموعی طور

پر بھی ظنی ہی رہیں گی کیونکہ مجموعہ کی حقیقت سوائے ان آحاد و اجزاء کے اور کچھ نہیں ہُوا کرتی۔ پس اعتقاد اور دین کے چھوڑ دینے کے بارہ میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کی وجہ سے اُن میں سے ہر فرقہ کی ظنی دلیل کو یقینی دلیل کا لباس پہنا دیا ہو۔

پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ان فرقوں میں سے جنہوں نے ان دلیلوں سے استدلال کیا ہے ہر فرقہ کی یہ حالت ہے کہ جب اُس میں عاقل غور کرے گا اور دیکھے گا کہ وہ سب عقلمند اور اپنے عقائد اور عادات کے بڑے حامی وطرفدار تھے تو اُس کی عقل ہرگز اُس کی تصدیق نہ کرے گی کہ ان فرقوں نے اپنے دین اور اپنی رسموں کے ترک کرنے میں کسی ظنی دلیل پر اعتماد کیا ہو اور اپنی دلیل کی تنقیح اور اس بارے میں یقینی دلیل پر اعتماد کرنے میں سستی یا کوتاہی کی ہو کیونکہ جس امر کی انہوں نے پیشقدمی کی ہے اُس پر اُن کا پیشقدمی کرنا کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس بارہ میں تحقیق و تدقیق سے کام نہ لیتے اور اس کو مہمل رہنے دیتے۔ پس جس چیز سے کہ عقلِ سلیم کی تسکین ہوسکتی ہے وہ یہی ہے کہ اُن میں سے ہر طائفہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے میں سوائے قطعی دلیل کے جس سے یقین حاصل ہوسکے اور کسی دلیل پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اُن دلیلوں میں سے ہر دلیل کا یقینی ہونا اس تقریر سے قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا تاہم ان ساری دلیلوں کا ایک ہی نتیجہ پر متفق ہو جانا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ہے خود ایک مستقل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہمیں آپ کے دعوے کی صحت کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ جب علیحدہ ہر ایک دلیل ظنی ہو تو اُن سب دلیلوں کا مجموعہ بھی ظنی ہوگا کیونکہ مجموعہ سوائے ان آحاد و اجزاء کے یکجائی طور پر لحاظ کرنے کے اور کسی چیز کا نام نہیں ہے تو یہ کہنا تسلیم کے قابل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مجموعہ گو انہی آحاد و اجزاء کا نام ہے لیکن ہر جزو کے اور مجموعہ کے حکم میں محسوسات اور معقولات دونوں کے اعتبار سے بڑا فرق ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہوسکتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں (اس کی تفصیل اس مقام پر گزر چکی ہے جہاں اُن فرقوں کی دلیلوں میں تاویل کرنے والے لوگوں پر رد کیا گیا ہے جنہوں نے اُس شخص کو سچا سمجھا تھا جس نے دعوٰی

کچھ اور بیان کر دیا جائے گا) کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک موٹی سی رسی ایک مہین تاگوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں سے ہر تاگہ کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی تنہا منقطع کر سکتا ہے لیکن ان سب تاروں کا مجموعہ جسے رسی کہتے ہیں اُس کے قطع کرنے سے قوی سے قوی شخص بھی عاجز ہے اور یہی کیفیت اُس حالت میں بھی ہے اگر کسی مجمع سے ایک جماعت کثیر جس میں کہ وہ ایک تقریر کرنے والے کے پاس حاضر تھے جس نے اُن میں تقریر بیان کی تھی نکلے اور اُن میں سے ہر شخص یہ خبر دے کہ مقرر اثناء تقریر میں منبر سے گر پڑا اور اُس کا سر پھٹ گیا۔

پس اس صورت میں اُن میں سے ہر شخص کی خبر علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہے ہر ایک میں احتمال ہے کہ اُس نے جھوٹ کہہ دیا ہو لیکن ان سب لوگوں کی خبریں مجموعی طور پر ضرور یقین کو مفید ہیں۔ عقل اس بات کو محال سمجھتی ہے کہ اتنی بڑی جماعت کی جماعت نے جھوٹ بولنے پر اتفاق کر لیا ہو حالانکہ ہر ایک اُن میں سے ایک جُدا جُدا خیال کا آدمی ہو اور کوئی ایسا جامع بھی نہ پایا جائے جو اتنے بہت سے لوگوں کو اس جھوٹی خبر کے تراش لینے پر اکٹھا کر لے اور ایسا ہی اس وقت بھی ہے جب کہ ایک جماعت کی جماعت یہ کہے کہ حاکم اپنے سفر سے اس شہر میں لوٹ آیا ہے پس کوئی تو یہ کہتا ہو کہ میں نے آج اُس کے بعض نوکروں کے پاس دیکھا ہے کہ اُس کے کپڑے آ گئے ہیں کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُس کے خاص خادموں کو جو اُسی کی خدمت میں رہا کرتے ہیں دیکھا ہے کہ وہ آ گئے ہیں کوئی یہ کہتا ہو کہ میں نے اُس کے عزیز لڑکے کو جسے کہ وہ کیا سفر اور کیا حضر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اُس کی عادت ہے کہ کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوتا وہ بھی آ گیا ہے۔ کوئی کہتا ہو کہ میں نے توپیں سر ہونے کی آواز سُن کر بعض توپ خانہ والوں سے اس کا سبب پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ آج شہر میں حاکم وارد ہُوا ہے اسی لئے توپیں سر ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُس کے اہلِ عملہ کو دیکھا ہے کہ کشتی سے اُترتے وقت امیر کو سلام کرنے اور اُس سے ملاقات کرنے کے لئے جلدی جلدی جا رہے تھے اور انہی سے یہ خبر بھی مجھے معلوم ہوئی ہے اسی طرح کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ اور اُن میں سے ہر ایک نے ایک ایسی دلیل بیان کی کہ جب اسے بحد ذاتہ دیکھا جائے تو ظنی ہے لیکن عقل ایسے موقعہ پر

پر بھی ظنی ہی رہیں گی کیونکہ مجموعہ کی حقیقت سوائے ان آحاد و اجزار کے اور کچھ نہیں ہُوا کرتی۔ پس اعتقاد اور دین کے چھوڑ دینے کے بارہ میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کی وجہ سے اُن میں سے ہر فرقہ کی ظنی دلیل کو یقینی دلیل کا لباس پہنا دیا ہو۔

پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ان فرقوں میں سے جنہوں نے ان دلیلوں سے استدلال کیا ہے ہر فرقہ کی یہ حالت ہے کہ جب اُس میں عاقل غور کرے گا اور دیکھے گا کہ وہ سب عقلمند اور اپنے عقائد اور عادات کے بڑے حامی و طرفدار تھے تو اُس کی عقل ہرگز اُس کی تصدیق نہ کرے گی کہ ان فرقوں نے اپنے دین اور اپنی رسموں کے ترک کرنے میں کسی ظنی دلیل پر اعتماد کیا ہو اور اپنی دلیل کی تنقیح اور اس بارے میں یقینی دلیل پر اعتماد کرنے میں سستی یا کوتاہی کی ہو کیونکہ جس امر کی انہوں نے پیشقدمی کی ہے اُس پر اُن کا پیشقدمی کرنا کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس بارہ میں تحقیق و تدقیق سے کام نہ لیتے اور اس کو مہمل رہنے دیتے۔ پس جس چیز سے کہ عقلِ سلیم کی تسکین ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اُن میں سے ہر طائفہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے میں سوائے قطعی دلیل کے جس سے یقین حاصل ہو سکے اور کسی دلیل پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اُن دلیلوں میں سے ہر دلیل کا یقینی ہونا اس تقریر سے قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا تاہم ان ساری دلیلوں کا ایک ہی نتیجہ پر متفق ہو جانا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ہے خود ایک مستقل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہمیں آپ کے دعوے کی صحت کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ جب علیحدہ ہر ایک دلیل ظنی ہو تو اُن سب دلیلوں کا مجموعہ بھی ظنی ہوگا کیونکہ مجموعہ سوائے ان آحاد و اجزار کے یکجائی طور پر لحاظ کرنے کے اور کسی چیز کا نام نہیں ہے تو یہ کہنا تسلیم کے قابل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مجموعہ گو انہی آحاد و اجزار کا نام ہے لیکن ہر جزو کے اور مجموعہ کے حکم میں محسوسات اور معقولات دونوں کے اعتبار سے بڑا فرق ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہو سکتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں (اس کی تفصیل اس مقام پر گزر چکی ہے جہاں اُن فرقوں کی دلیلوں میں تاویل کرنے والے لوگوں پر رد کیا گیا ہے جنہوں نے اُس شخص کو سچا سمجھا تھا جسے بادشاہ نے بھیجا تھا اور اس موقع پر اس کا

کچھ اور بیان کر دیا جائے گا) کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک موٹی سی رسّی ایک مہین تاگوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں سے ہر تار کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی تنہا منقطع کر سکتا ہے لیکن ان سب تاروں کا مجموعہ جسے رسّی کہتے ہیں اُس کے قطع کرنے سے قوی سے قوی شخص بھی عاجز ہے اور یہی کیفیت اُس حالت میں بھی ہے اگر کسی مجمع سے ایک جماعت کثیر جس میں کہ وہ ایک تقریر کرنے والے کے پاس حاضر تھے جس نے اُن میں تقریر بیان کی تھی نکلے اور اُن میں سے ہر شخص یہ خبر دے کہ مقرر اثناء تقریر میں منبر سے گر پڑا اور اُس کا سر پھٹ گیا۔

پس اس صورت میں اُن میں سے ہر شخص کی خبر علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہے ہر ایک میں احتمال ہے کہ اُس نے جھوٹ کہہ دیا ہو لیکن ان سب لوگوں کی خبریں مجموعی طور پر ضرور یقین کو مفید ہیں۔ عقل اس بات کو محال سمجھتی ہے کہ اتنی بڑی جماعت کی جماعت نے جھوٹ بولنے پر اتفاق کر لیا ہو حالانکہ ہر ایک اُن میں سے ایک جُدا جُدا خیال کا آدمی ہو اور کوئی ایسا جامع بھی نہ پایا جائے جو اتنے بہت سے لوگوں کو اس جھوٹی خبر کے تراش لینے پر اکٹھا کر لے اور ایسا ہی اس وقت بھی ہے جب کہ ایک جماعت کی جماعت یہ کہے کہ حاکم اپنے سفر سے اس شہر میں لوٹ آیا ہے پس کوئی تو یہ کہتا ہو کہ میں نے آج اُس کے بعض نوکروں کے پاس دیکھا ہے کہ اُس کے کپڑے آ گئے ہیں کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُس کے خاص خادموں کو جو اُسی کی خدمت میں رہا کرتے ہیں دیکھا ہے کہ وہ آ گئے ہیں کوئی یہ کہتا ہو کہ میں نے اُس کے عزیز لڑکے کو جسے کہ وہ کیا سفر اور کیا حضر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اُس کی عادت ہے کہ کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوتا وہ بھی آ گیا ہے۔ کوئی کہتا ہو کہ میں نے توپیں سر ہونے کی آواز سُن کر بعض توپ خانہ والوں سے اس کا سبب پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ آج شہر میں حاکم وارد ہوا ہے اسی لئے توپیں سر ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُس کے اہلِ عملہ کو دیکھا ہے کہ کشتی سے اُترتے وقت امیر کو سلام کرنے اور اُس سے ملاقات کرنے کے لئے جلدی جلدی جا رہے تھے اور انہی سے یہ خبر بھی مجھے معلوم ہوتی ہے اسی طرح کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ اور اُن میں سے ہر ایک نے ایک ایسی دلیل بیان کی کہ جب اسے بحد ذاتہ دیکھا جائے تو ظنی ہے لیکن عقل ایسے موقعہ پر

ہر دلیل کو علیٰحدہ علیٰحدہ لحاظ نہیں کرتی بلکہ سب کو مجموعی طور پر دیکھتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ ساری دلیلیں اتفاقی طور سے ایک ہی بات پر ہرگز اکٹھا نہیں ہو سکتیں اور اسی وجہ سے حاکم کی آمد کا قطعی طور پر یقین کر لیتی ہے۔ پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان دلیلوں میں سے ہر ہر دلیل چاہے ظنی ہی کیوں نہ ہو لیکن سب مل کر ضرور یقین کو مفید ہوں گی اور مجموعی طور پر اُن سے بلا شک قطعی علم حاصل ہو جائے گا۔

رہا آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ احتمال ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کے زور سے ہر فرقہ کے لئے ظنی دلیل قائم کر دی ہو اور اُس کو یقینی دلیل کے پیرایہ میں مزین کر کے ظاہر کر دیا ہو تو اس بات کا وہ شخص قائل ہو سکتا ہے جسے اُن دلائل کی حقیقت سے کچھ واقفیت ہی نہ ہو جن پر کہ ان فرقوں نے اعتماد کیا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر دلیلیں ایسی ہیں جن کے حصول میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ذرا بھی دخل نہیں۔ پس کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی نے اُن دلیلوں کو قائم کیا ہو اور یقین کے پیرایہ میں اُنہیں مزین کر دیا۔ بھلا غور تو کیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر ممکن تھا کہ آپ فصحاء و بلغاء میں قرآن کے معارضہ سے عجز کو پیدا کر دیتے۔ اگر خود قرآن ہی معجزہ نہ واقع ہوا ہوتا (اور جو شبہے اس پر وارد ہوتے ہیں ان کا جواب اس موقع پر گزر چکا ہے جہاں پیشتر مادی فرقہ سے گفتگو ہوئی ہے پس چاہیئے کہ وہیں دیکھ لیا جائے)

فرض کر لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں رُسل سابقہ کی کتابوں میں اخلاق اور افعال اختیاریہ کے قبیل سے مذکور تھیں اپنے میں پیدا کر لی ہوں۔ مثلاً یہ کہ آپ نیکی سے محبت اور گناہ سے عداوت رکھیں گے۔ انصاف سے حکم کریں گے کفار سے محاربہ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا آپ کو اپنے میں جسمانی علامتیں پیدا کر لینا بھی ممکن تھا مثلاً یہ کہ آپ کے دونوں شانوں کے مابین آپ کے بادشاہ کی علامت ہو گی اور یہ کہ آپ قوی ہوں گے اور کیا ان علامتوں کا پیدا کر لینا بھی آپ کے اختیار میں تھا کہ جو اختیاری نہ تھیں بلکہ عالم میں اقبال مندی میں جن کا شمار ہے جیسے کہ فرقوں کا آپ کے ماتحت ہونا اور ہدایا کا بادشاہوں کے پاس سے آپ کے پاس وارد ہونا۔ مالداروں کا آپ کی اطاعت کرنا اور صحرا کا آپ کے ذکر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرنا اور صحرا سے مراد وہ دریا ہیں جن میں قید اور سکونت پذیر تھے اور آپ کا ایسے پتھر کے اندر

ہونا جسے معماروں نے رد کیا ہو اور وہ کونے کا سرا بن گیا ہو اور آپ کو فرقوں پر حکومت
ملنا حبشہ کا آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑنا۔ یمن کے بادشاہوں کا آپ کے پاس قربانیوں
کا لے کر آنا اور ان فرقوں کا آپ کے ساتھ فروتنی و اطاعت سے پیش آنا۔ آپ کو سبا
سونا دیا جانا۔ آپ کا اور آپ کے پیروی کرنے والوں کا زراعت کثیر کے مثل ہونا آپ
کی سلطنت کا دن بدن بڑھتا جانا۔ آپ کے غلبہ کے بعد بتوں کا ٹوٹ جانا اور زمین پر
ڈال دیا جانا اور جن بادشاہوں کا آپ سے محاربہ ہوا ہو پرندوں کا اُن کے گوشت
کو کھانا۔ آپ کے پیروی کرنے والوں کا بادشاہوں کو طوق و زنجیروں میں باندھ کر لے
چلنا اور گھسیٹنا۔ خدا کا اُن سے قوم بنی اسرائیل کو غیرت دلانا۔ ایک جاہل قوم سے اُن
کو غیرت دلانا اور غضب ناک کرنا۔ ان علامتوں کا انطباق اُس فرقہ کی گفتگو میں گزر
چکا ہے جس نے ان علامتوں سے استدلال کیا تھا پس وہیں دیکھنا چاہیئے۔ پس ہماری
تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جتنے احتمال تم لوگوں نے ہمیں شک میں ڈالنے کے
لئے وارد کیے تھے سب ناممکن ہیں۔ عقل سلیم جو تعصب سے خالی ہو ان کی ہرگز
تصدیق نہیں کرسکتی اس لئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلا کسی شبہ کے
برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

پھر اُن لوگوں کا اہلِ سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ پر شبہات وارد کرنا جس نے بڑی بحث و تدقیق کے بعد آپ کی تصدیق کی تھی اور پھر اُس فرقہ کا اُن کو جواب دینا

پھر یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کی طرف جھکے جو طبعی اور
مادہ کا قدیم ماننے والا فرقہ تھا پھر اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی تھی اور آپ
کا پیرو بن گیا تھا اس لئے کہ محمدی عالم نے اس فرقہ کے لئے ایسے دلائل بیان کر دیئے تھے
اور اُن کی تشریح کر دی تھی جو خدائے عالم اور وحی سے انکار کرنے کے بارے میں اُن
کے مذہب کے بطلان پر اور نیز اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین
صحیح اور عقل کے موافق ہے اور اُس کے احکام یقینی ہیں اور اُس کے ساتھ ہی جتنے شبہے کہ

طریق تصدیق میں اُن کو سدِ راہ ہو سکتے تھے اُن سب کو اُس نے دفع کر دیا تھا۔ پس ان بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگوں نے بعد اس کے کہ اُن مذاکرات اور مباحثات پر اطلاع حاصل کر لی جو اس فرقہ اور محمدی عالم کے مابین واقع ہوئے تھے یہ دیکھا کہ جتنے شبہوں سے اس فرقہ کو شک میں ڈالنے کی اُمید ہو سکتی تھی اُن سب کو اس محمدی عالم نے اپنے مباحثوں میں دفع کر دیا ہے اور سب کا بطلان ظاہر کر دیا تو یہ لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اس فرقہ کے ساتھ سوائے اس کے اور کچھ گنجائش باقی نہیں رہی کہ ہم اس فرقہ والوں کے اس عالم کی گفتگو کے بارہ میں مشکوک بنادیں جس کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے میں اُن کی تسکین ہو گئی ہے۔ پس اُن سے کہنے لگے کہ شاید اس عالم کی قوت بیانیہ اور قوت استدلال بڑھی ہوئی ہو اور اُس کی نظر وسیع ہو۔ مباحثوں کے مختلف اسلوب اور طرز اور اُن کے ہر طرح کے پہلوؤں سے کامل واقفیت رکھتا ہو سو اُس نے اپنی جادو بیانی کے منتر سے آپ لوگوں کی عقلوں کو لبھا لیا ہو یہاں تک کہ آپ کو یہ خیال بندھ گیا ہو کہ جو کچھ آپ کے خیالات اور مذہب میں اُس کی شریعت کے مخالف ہے وہ باطل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین صحیح و حق ہے۔

پس آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اپنے مذہب پر جمے رہتے اور اپنے اعتقادات کو جو بڑے بڑے علوم پر مبنی تھے محض اس عالم کی گفتگو اور مباحثہ کی وجہ سے نہ چھوڑ بیٹھتے تو اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ہم لوگ دانشمند ہیں ہمیں بھی مناظروں میں کامل دستگاہ حاصل ہے جو شخص ہم سے مناظرہ کرے ہم اُس کے مقابلہ میں پوری پوری فطانت سے کام لے سکتے ہیں۔ اس لئے ہم ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے کہ یہ محمدی عالم بلکہ اس سے کوئی بہت ہی بڑا کیوں نہ ہو ہمارے سامنے دلائل میں رنگ آمیزیاں کرنے اور ہم پر اُن کو ملتبس کر دینے کی قدرت رکھتا ہو اور کسی غیر صواب اور غلط بات سے ہماری عقلوں کو تسکین دے سکتا ہو۔ جتنی چیزوں میں اُس نے ہم سے مناظرہ کیا ہے اور اُن سے ہماری عقلوں کو تسکین کر دی ہو ان سب میں اُس نے واضح طور پر عقلی بیان کا طرز اور عقل صریح کے مقتضا کے موافق روش اختیار کی ہے۔ چنانچہ پہلے تو اُس نے ہمارے لئے واضح دلیل سے جو حقائق کائنات کی نسبت

ہماری تحقیقات پر مبنی ہے مادہ عالم کا حدوث ثابت کر دیا۔ پھر عالم کے پیدا کرنے والے خدا کے واجب الوجود ہونے اور اُس کے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر جن پر کہ کائنات میں اُس کے آثار دلالت کرتے ہیں ہمارے لئے دلیل قائم کر دی اور جتنے شبہے اس خدا کے وجود کی تصدیق کرنے سے ہمارے لئے مانع ہو سکتے تھے سب کو دفع کر دیا اور واضح طور پر اس کی مثالیں بیان کر کے ہم کو سمجھا دیا اور ہماری عقلوں کو اس امر پر متنبہ اور بیدار کر دیا کہ کائنات کی تفاصیل اور اُن کے اسرار و حکم سے جن کے مباحث کی تدوین ہمارے علوم کی کتابوں میں پورے پورے بیان کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس خدائے پاک کے وجود پر اُس کی عظمت صفات اور وفور حکومت پر ہم استدلال کریں پھر اُس کے بعد اُس نے ہمارے لئے مابین ان امور کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں وارد ہوئے ہیں اور ہمارے علوم میں جو امور بظاہر اُن کے خلاف تھے اُن میں باہم تطبیق دے دی۔ یہاں تک کہ شریعت میں جو چیزیں وارد ہوئی ہیں اُن سے ہمارا گریز کرتا جاتا رہا۔ پھر ہم لوگوں کے اعتقادات پر اعتماد کرنے کے باعث سے خصوصاً انسان کے لئے بعث کے منکر ہونے سے انسانی دنیا میں جو جو نقصانات اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اُس نے ہمیں کھلم کھلا دکھلائیں۔

پھر اس کے بعد ہم نے اُن دلیلوں میں غور کیا جن پر ان فرقوں نے اعتماد کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی اختیار کر لی تھی تو ہمیں یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ سب دلیلیں صحیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر یقینی دلالت کرتی ہیں خصوصاً سب کی سب مجموعی طور پر جن کے اس قدر وفور کے ساتھ اتفاقی طور پر مجتمع ہو جانے کا ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا۔ پس اس وقت ہمارے لئے پورے طور سے حق ظاہر ہو گیا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد بجز جان بوجھ کر گمراہی اختیار کر لینے کے اور کیا رہ گیا اور ہم لوگ تو ہمیشہ لوگوں میں اس کے دعوے بگھارا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو آزاد خیال کے ہیں ہمیں جہاں کہیں حق ملتا ہے بلا تکلف قبول کر لیتے ہیں۔ پھر بعد ان سب باتوں کے بھی ہم کیونکر دھینگا دھینگی کریں اور امر صواب کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔ خصوصاً دھینگا دھینگی بھی کیسی جس کا نتیجہ ابدی بدبختی اور اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خسران میں ڈالنا ہو۔ پس بعد اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی

اختیار کرنے کے سوا ہمارے لئے اور کوئی گنجائش نہیں رہی اس لئے ہم نے کامل درجہ کے ایمان اور پکے یقین کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرلی اور آپ کے پیرو بن گئے سو آپ لوگوں کا اس محمدی عالم کی گفتگو میں ہم کو شک دلانا کچھ نفع نہیں دے سکتا آپ کو اور آپ کی خیر خواہی کو ہمارا سلام ہے۔ آپ اپنی خیر خواہی رہنے دیجئے۔ اور ہمارے پاس سے تشریف لے جائیے۔

اب اس وقت یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ ان فرقوں کے پاس سے غیں غیں کرتے ہوئے خالی ہاتھوں لوٹ آئے اور اُن کا کچھ مدعا حاصل نہ ہوسکا۔ خداتعالےٰ فسادیوں کی کارروائی کو راس نہیں لگنے دیا کرتا۔

ایک ناسمجھ فرقہ کا بیان جس نے دلائل کا کچھ خیال نہ کیا اور برابر تکذیب کرتا رہا اور اس فرقہ کا معذور نہ ہونا جیسا کہ وہ شخص معذور نہیں سمجھا جائے گا جو شرعی احکام سیکھنے سے غفلت کرے

یہ تو ہوچکا اور سُنئے کہ منجملہ تمام جماہیر کے جن کے مابین محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ رسالت کرنے کھڑے ہوئے تھے ایک ایسا فرقہ بھی تھا جن کے خیالات نہایت ہی پست تھے عقل کُندتھی اور تعصب میں ایسا کٹر تھا کہ چاہے پہاڑ ٹل جائے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے ذرا نہ ہٹے اور وہی مُرغے کی ایک ٹانگ گایا کرے۔ پس جب اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا اور اُن تمام فرقوں کو آپ کی پیروی کرتے دیکھا تو اپنے سوا اختیار سے یہی اچھا سمجھا کہ اپنے معتقدات اور رسوم پر اندھادھند تعصب کے ساتھ جمے رہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلاکسی دلیل اور سند کے صرف یہ کہہ کر تکذیب کیا کریں کہ صاحب ان اعتقادات اور رسموں پر تو ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی وجہ سے اُن میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتے اور بھلا کیونکر چھوڑ دیں حالانکہ ہمارے اسلاف اسی پر رہے اور برسوں سے ہم بھی اسی پر عمل کرتے چلے آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اسی پست خیالی اور اپنی اسی ہٹ دھرمی پر اصرار کیا کئے۔ پس اس فرقہ

کے لوگ نہایت ہی کمینہ طرز اور خطرناک طریق کی پیروی کے ساتھ اپنی گمراہی میں رہے اور اُنہوں نے امر صواب کا اتباع نہ کیا اور عقلمندوں کی طرح اپنی اختیار کی ہوئی باتوں کے بارہ میں گفتگو کرنے سے کنارہ کش رہے۔ اُنہوں نے اپنے خیالات کی جاہلانہ طور پر حمایت کی۔ پس خسران کے غاروں میں جا گرے اور ذلت و خواری کے سب سے نیچے طبقہ میں اُتر گئے۔ خدائے پاک اس عناد اور سرکشی میں اُن کو ہرگز معذور نہ رکھے گا۔ قیامت کے دن اُن سے ضرور انتقام لے گا۔

اور اگر کہا جائے کہ اس فرقہ کے خیالات تو بالکل پست اور یہ تو عقل کا کُند تھا۔ جیسا کہ ابھی تم نے ذکر کیا۔ پس شاید خدا کے نزدیک اُن کا یہ عُذر چل جائے اور وہ یہ کہہ دیں کہ اے ہمارے رب! جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا تو ہمیں اتنی سمجھ ہی نہ تھی جس سے اُن کے دعویٰ کی توضیح کرنے تک ہماری رسائی ہو سکتی۔ اسی لئے ہم اُن کی تکذیب پر اصرار کرتے رہے۔ تو مَیں کہوں گا اُن کے خیالات کا پست اور عقلوں کا کند ہونا اس وجہ سے نہیں تھا کہ اُن کی اصل خلقت میں کسی قسم کا نقصان تھا اور اُن کی عقلوں میں کوئی فطری ضعف تھا جس کی وجہ سے وہ مجنونوں اور حیوانات کے درجہ پر اُتر جائیں یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تکذیب پر جمے رہنے اور اُس کی تحقیق نہ کرنے میں خدا کے نزدیک معذور سمجھے جائیں اور تکلیف شرعی اور خداوندی احکام کی تعمیل جس کا خدا نے بندوں کو اپنے رسولوں کی زبان سے مکلف بنایا ہے اُن سے ساقط ہو جائے بلکہ یہ عقل کی کندی اُن میں اس وجہ سے تھی کہ وہ شہوات میں غرق تھے لذات کے خیال میں لگے رہتے تھے۔ مرغوبات دنیوی اور اپنی ہوا و ہوس میں پھنسے رہا کرتے تھے اسی لئے غور و تحقیق کا طریق اُن کو بار معلوم ہُوا اور خواری و ذلت پر مائل ہو گئے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہم ان ہی مرغوبات کی تحصیل اور دربارہ دنیوی مقاصد کے اپنے مقابل و مخالف سے مجادلہ میں دیکھتے ہیں کہ وہ بڑے غور و فکر سے کام لیتے ہیں بڑے بڑے استدلال کرتے ہیں۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے بڑے محقق اور باریک بین بنتے ہیں ایک ایک سوئی کے لئے بھی بڑی بڑی فکریں کرتے ہیں۔

پس جب انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوے سُنا تھا تو اُس کے بارہ میں

غور و تحقیق کرنے سے انہیں کون سا مانع پیش آگیا تھا یہی ناکہ وہ اپنی شیخی اور ہوائے نفسانی میں پھنسے تھے دنیائے فانی پر مائل ہو رہے تھے۔

پس قانون انصاف کے موافق قیامت کے دن وہ خدائے تعالےٰ کے انتقام کے مستحق ہوں گے سوائے انصاف کے اُن پر تنکا برابر بھی ظلم نہ ہوگا اسی طرح آپ بہتیرے لوگوں کو دیکھیں گے جو لذات اور فانی مرغوبات کے حاصل کرنے میں پھنسے ہوئے ہیں اپنے عقائد کی تصحیح اور عبادات و معاملات کے سیکھنے سے اپنے آپ کو انہوں نے مہمل چھوڑ رکھا ہے اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ شریعت تمہیں ان چیزوں کے سیکھنے کی تکلیف دیتی ہے اور اس کا حکم کرتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں اُن کے سمجھنے کی طاقت ہی نہیں ہے اُن کو جان ہی نہیں سکتیں۔ ہم اتنی سمجھ اور فکر کہاں سے لائیں جو ایسی باتوں میں غور کرسکیں حالانکہ مرغوبات دنیوی کے حاصل کرنے اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں پر اپنے مخالفوں سے جھگڑنے میں آپ کو وہ بڑے مدقق فلاسفر اور محقق حکیم نظر آئیں گے۔

پس اگر وہ اپنی عقلوں کو جو خدا تعالےٰ نے انہیں عنایت کی ہیں اس قدر علم کے سیکھ لینے کی طرف متوجہ کرتے جتنا کہ خدا نے اُن پر فرض کیا ہے تو وہ اپنے میں سیکھنے کی قابلیت اور سمجھنے کی ضرور استعداد پاتے لیکن کاہلی اور شہوات میں پھنسے رہنے اور ہر وقت متاعِ دُنیا کی تحصیل نے اُنہیں مدہوش و سرگرداں بنا رکھا ہے۔ اپنے ظاہر کو عمدہ عمدہ لباس سے آراستہ کرتے ہیں اپنے شکم کو طرح طرح کے کھانوں سے سیر کرتے ہیں اور اُن کی عقلوں کو دیکھئے کہ سچے علوم اور معارفِ حقہ کے زیور سے بالکل ہی خالی ہیں۔

پس وہ شریعت محمدیہ کی نظر میں کسی طرح معذور نہیں ٹھہر سکتے۔ خدائے پاک اُن سے قیامت کے دن اُن امور کی نسبت ضرور پوچھے گا جن چیزوں کے سیکھنے کا اُس نے انہیں حکم دیا تھا اور اس وقت اپنی کوتاہی کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اس پست خیال فرقہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برابر نصیحت کرتے رہنا اور اُن کے دلائل قائم کیا کرنا اور پھر اُن کے ہدایت پر آنے سے مایوس ہو جانا اور ان کی ایذارسانی سے تنگ آنیکے بعد جہاد کا مشروع کیا جانا اور اسکا ثبوت کہ شریعت محمدیہ کا جہاد سراسر انصاف اور آسانیوں پر مبنی ہے جو شرائع سابقہ میں ہرگز نہ تھیں

علی ہذا القیاس اُن فرقوں کے ساتھ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت سے، جہالت نادانی اور گمراہی کی وجہ سے انکار کیا کرتے تھے۔ آپ کی برابر یہی کیفیت رہی کہ آپ اُن کے لئے اپنے دعوے کے صدق پر براہین و دلائل قائم کیا کئے، اُن کے روبرو وعظ و نصیحت پیش کرتے رہے۔ حتی الامکان اُن کی تالیف قلب میں کوشاں رہے اُن کو راہ حق کی ہدایت کرتے رہے۔ اسی طرح دعوے رسالت کئے ہوئے آپ کو ایک مدت گذر گئی اور آپ کو سوائے اس کے اور کچھ حکم نہ ملا کہ آپ اُن کو موعظت بلیغ کرتے رہیں اور نہایت خوبی کے ساتھ اُن سے مناظرہ کیا کریں لیکن جب عقول سلیمہ اور انظار صحیحہ کے نزدیک یہ بات ظاہر مدلل اور مبرہن ہو چکی کہ ان لوگوں کے ساتھ دلیل و برہان سے کام نہ چلے گا انہیں نصیحت نفع نہ بخشے گی اور اُن کو ہدایت کرنے کا کوئی ثمرہ نہ ہوگا بلکہ انہوں نے اپنی گمراہی میں پڑے رہنے اور دین حق اور راہ راست کی پیروی قبول نہ کرنے اور اپنے ہی نفسوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہنے سے گزر کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی ایذارسانی میں بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ انہیں جب کبھی موقع ملتا تھا تو اُن کے ساتھ مکاری و دغابازی سے پیش آتے تھے اُن کے دین کے راستہ میں اڑنگا لگاتے تھے اُن کے لئے نئی نئی ضرر رساں باتیں ایجاد کیا کرتے تھے اُن کے ساتھ شریروں اور فسادیوں کا معاملہ کرتے تھے تو پھر

اُس وقت خدا نے آپ کو اجازت دی کہ آپ اپنے اعدار اور جھگڑالو دشمنوں سے جو بالکل کُند طبیعت اور ناسمجھ ہیں جہاد کریں اور بجائے ترغیب کے مجبوراً ترہیب سے کام لیں اور اس طرح پر اُن کی ایذا رسانی اور فساد کو دفع کریں اور سرکشی وعناد کی جڑ ہی کاٹ دیں اور ایسا تو بسا اوقات ہوتا ہے کہ نیکوں کی سلامتی کے لئے شریروں کی بیخ کنی پر جرأت کی جاتی ہے اور اگر کسی کا کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو ہلاکت سے بچانے کے لئے اُس کا وہ عضو قطع کر دیتے ہیں لیکن خداوند کریم نے جہاد کو ایسے حدود پر مقرر و مشروع کیا ہے جس سے رفق و آسانی کی بھی گنجائش باقی رہتی ہے اور شفقت وانصاف ہاتھ سے جانے نہیں پاتا اور صورت اُس کی یہ ہے کہ مخالفین کو پہلے اسلام اور خدا تعالیٰ کی توحید اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم لائے ہیں اُن سب کی تصدیق کی جانب موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے۔ پس اگر اُنھوں نے قبول کر لیا تو بہت اچھی بات ہے پھر تمام مُسلمانوں کی طرح وہ بھی سمجھے جاتے ہیں اور اگر اُن کو قبول نہ ہُوا تو پھر اگر وہ مشرکینِ عرب میں سے ہُوئے جن کے لغت میں شریعتِ محمدی نازل ہوئی ہے اور اُن کو کسی آسمانی کتاب یا دین کا شُبہ بھی نہ ہُوا بلکہ وہ بُت پرست یا آتش پرست یا ان ہی کی طرح اور کوئی نکلے تو اُن کے لئے حکم ہے کہ قتل کئے جائیں (جیسا کہ یہ حکم موسوی شریعت میں ساتوں فرقوں کے حق میں تھا اور وہ فرقے حیثیین ہیں اور جن کا اُن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ سفر استثنار میں ہے اور نیز اُسی شریعت میں مرتد اور بُتوں کے لئے جانور ذبح کرنے والے اور بتوں کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کے حق میں بھی یہی حکم تھا) اور اگر وہ مشرکین عرب میں سے نہ ہوئے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ جزیہ اور اطاعت قبول کر کے صُلح کر لیں۔ اگر انھوں نے اسے قبول کر لیا تو اُن کی جانیں مسلمانوں کی جانوں کی طرح اُن کے مال مُسلمانوں کے مالوں کی طرح، اُن کی آبرو مسلمانوں کی آبرو کی طرح محفوظ ہو جاتی ہے۔ ان حقوق میں ذرا بھی کوتاہی گوارا نہیں کی جاسکتی چاہے وہ ذرا ہی سے بات کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اُن کی غیبت کرنا، اُن کو گالی دینا یا کسی ادنیٰ اُلمدر کو دینے والی شے سے ایذا پہنچانا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی ہی شرعی وجہ پائی جائے جس سے مسلمانوں کو بھی سزا دی جاسکتی ہو تو اُن ہی کے مثل اُنہیں بھی سزا دی جائے گی۔ جیسے مثلاً

تادیب کی غرض سے۔

اور اگر انہوں نے جزیہ دینا اور اطاعت کرنا بھی قبول نہ کیا تو پھر اُس وقت اُن سے محاربہ کیا جاتا۔ ہے مُسلمانوں کو اُن کا مال اور اُن کا خون مباح ہو جاتا ہے وہ اُن کو غلام بنا سکتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان ساتوں مذکورہ فرقوں کے علاوہ اور فرقوں کے حق میں یہی حکم تھا اور پھر جہاد کی کچھ حدیں بھی مقرر ہیں کہ اُن سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حکم ہے کہ بچے اور عورتیں نہ قتل کی جائیں اور نہ وہ اشخاص جو گوشہ گیری کو اپنے نزدیک عبادت سمجھ کر گوشہ گیر ہو گئے ہیں۔ (یعنی راہب) ہاں اگر ان میں سے کسی کی جانب سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی ہلاکت کا باعث ہو گا چاہے صرف طرح طرح کی تدبیریں ہی بتا کر کیوں نہ ہو تو وہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اور شرائع سابقہ کے ماننے والوں میں سے جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہو گئے تھے اُن میں سے بعض بعض نے شروع شروع میں جہاد کو نازیبا سمجھا تھا اس لئے کہ اُس میں جانیں تلف کی جاتی ہیں، مال لُوٹ لیا جاتا ہے۔ انسان کو غلام بنایا جاتا ہے لیکن بعد اس کے کہ انہوں نے انصاف سے کام لیا اور شریعتِ محمدی کا شرائع سابقہ سے مقابلہ کر کے دیکھا تو انہیں کوئی چیز ایسی نہ ملی جو اِن امور میں سے اس شریعت میں معیوب سمجھی جا سکے اور یا شرائع سابقہ کے احکام کے علاوہ اس میں کوئی نیا حکم پایا جاتا ہو بلکہ کوئی چیز ایسی جو شرائع سابقہ میں نہ تھی اور یہاں پائی جاتی ہے اگر ہے تو یہ ہے کہ اس دین میں بہت سی تحقیقات اور آسانیاں کر دی گئی ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ چنانچہ شریعتِ محمدیہ میں مشرکینِ عرب اگر ایمان نہ لائیں تو جہاں اُنہیں قتل کرنے کا حکم ہُوا ہے اُس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اُن کے بچے اور عورتیں نہ قتل کی جائیں ان کا قتل کرنا حرام ہے۔ بخلاف موسوی شریعت کے کہ اس میں فرقۂ حیثیین وغیرہ سات فرقوں کے حق میں جن کا ذکر سفر استثناء میں ہے یہ حکم نہ تھا بلکہ اُن کے لئے اُس شریعت میں یہ حکم تھا کہ اُن میں سے جتنے ذی حیات ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں یا بچے سب کے سب قتل کئے جائیں اور اُسی موقع پر مذکور ہے کہ ان ساتوں فرقوں کی تعداد بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ تھی۔ پس خدا نے

بنی اسرائیل کی سلامتی کے لئے جو ایمان دار تھے ان سب کے قتل کا بے دھڑک حکم دے دیا اور ان کے ہلاک کرنے کے بارے میں نہایت شدّت کے ساتھ امر فرمایا۔ چنانچہ سفر عدو میں ارشاد ہے کہ اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک کر ڈالو پھر اگر تم اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک نہ کرو گے تو جو لوگ اُن میں سے باقی رہ جائیں گے وہ تمہارے لئے تمہاری آنکھوں میں میخوں کے مثل اور تمہارے پہلوؤں میں نیزوں کے مثل معلوم ہوں گے اور اس زمین میں جس میں تمہاری سکونت ہوگی تم پر ظلم کریں گے اور پھر اُن کے ساتھ جو معاملہ کرنے کا میں نے ارادہ ٹھان لیا تھا وہ تمہارے ساتھ کروں گا۔

رہا ساتوں فرقوں کے علاوہ اور فرقوں کے حق میں موسوی شریعت کا حکم وہ شریعت محمدی ہی کی طرح ہے کہ مخالف پہلے صلح کی جانب بلائے جائیں گے۔ پس اگر اس کو منظور کریں اور اطاعت قبول کرلیں خواہ ایمان لاکر یا جزیہ اختیار کر کے تو بہت بہتر ہے اور اگر وہ اس کو منظور نہ کریں تو اُن سے محاربہ و مقاتلہ کیا جائے۔ پھر جب اُن پر ظفر یابی حاصل ہو تو اُن کے مرد قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنائے جائیں۔ اُن کے جانور اور مال و متاع سب لوٹ لیا جائے اور مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے جیسا کہ سفر مذکور ہے (اسلامی کتابوں میں یہ مشہور ہے کہ غنیمت میں جو حاصل ہوتا تھا وہ پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا بلکہ اس کا جلا دینا اُن پر واجب تھا۔ ذرا[1] یہ غور کرنے کی بات ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں احکام پر جو توریت میں تھے یوشع علیہ السلام چلتے رہے اور انہوں نے لاکھوں ہی کو قتل کر ڈالا جیسا کہ اُن کی کتاب کے پہلے باب سے لے کر گیارہویں باب تک کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور اُن کی کتاب کے بارہویں باب میں اس کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے کفار کے بادشاہوں میں سے اکتیس بادشاہ قتل کئے اور بنی اسرائیل کو اُن کی مملکت پر تسلّط حاصل ہو گیا اور سفر سموئیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] یہ ممکن ہے کہ اکثر امم سابقہ میں یہی حکم ہو یا یہ کہ بہت قلیل حصہ مجاہدین کا حق ہو باقی جلا دیا جاتا ہو۔ بخلاف ہماری شریعت کے کہ اس میں ۴/۵ مجاہدین کا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم ؁

داؤد علیہ السلام ساری بستی کو اُجاڑ ڈالتے تھے اور اہل جاسور جزر اور عمالقہ میں سے کسی مرد یا عورت کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے اُن کے جانور اور مال و متاع کو لوٹ لیتے تھے اور سفر مذکور میں ہے کہ موات کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام ہو گئے تھے اور اُن کو خراج دیا کرتے تھے اور اُنھوں نے عاذار سے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار اُس کے پیادے لے لئے اور قبیلۂ آدام میں سے بائیس ہزار کو مارا اور یہ کہ انھوں نے ملریانوں کے سات سو گھوڑوں اور چالیس ہزار سواروں کو قتل کر ڈالا اور یہ کہ انھوں نے اُن قوموں کو جو قریۂ رایہ میں رہتی تھیں گرفتار کر لیا اور آروں سے چیر ڈالا اور لوہے کے موسلوں سے اُنہیں کچلا اور چھریوں سے اُن کے ٹکڑے کر دیئے اور اسی طرح بنی عموں کے سارے قریوں کے ساتھ کارروائی کی اور اول سفر ملوک سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان لوگوں میں سے جو اس کا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم لوگ بعل کے نبی ہیں چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر ڈالا اور پھر بھی داؤدؑ نے اپنے تمام اعمال کو نیکیوں میں سے شمار کیا اور منجملہ اُن کے اعمال کے اُن کے جہادات بھی تھے اس لئے کہ انھوں نے زبور کے اٹھارہویں باب میں کہا ہے۔

"میرا رب مجھے میری نیکی کے مثل جزا دے گا اور میرے ہاتھ کی پاکی کے مثل مجھے بدلہ دے گا اس لئے کہ میں نے رب کے راستوں کی حفاظت کی ہے اور میں نے اپنے خدا کے ساتھ کفر نہیں کیا اس لئے کہ اُس کے سارے احکام میرے آگے ہیں اور اُس کے عدل کو میں نے اپنے سے دُور نہیں ہونے دیا اور میں بلا عیب اُس کے ساتھ رہوں گا کیونکہ اُس نے میرے گناہ سے میری حفاظت کی ہے اور خدا نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُن کے جہادات اور جملہ نیک افعال خدا کے نزدیک مقبول ہیں"

کیونکہ اُس نے اول سفر ملوک میں اس طرح کہا ہے :-

"میرا بندہ داؤد ہے جس نے میری وصیتوں کی حفاظت کی اور پورے دل سے میری اطاعت اور میرے سامنے نیک عمل کیئے"

اور پولس نے ان انبیاء کے لئے شہادت دی ہے کہ کفار سے جہاد کرنے کے بارہ میں

اُن کے اعمال نیک تھے گناہ کے قبیل سے نہ تھے اور ان کا منشاء قوتِ ایمان اور رحمان کے وعدوں کو حاصل کرنا تھا نہ سنگدلی اور ظلم اگرچہ اُن میں سے بعض کے افعال ظاہرا نہایت ہی شدید قسم کے ظلم معلوم ہوتے ہیں خصوصاً بچوں کا قتل کرنا جو گناہ سے بالکل بےلوث ہیں اس لئے کہ اُس نے رسالت عبرانیہ میں اس طرح کہا ہے اور میں کیا کہوں اس لئے کہ میرے لئے وقت تنگ ہے۔ اگر میں جدعون۔ باراق شمسون۔ یفتاح۔ داؤد سموئیل اور اُن انبیاء کا حال بیان کروں جنہوں نے ایمان سے ممالک پر غلبہ حاصل کیا۔ نیکی کے کام کئے۔ سچے وعدے حاصل کئے۔ شیروں کے منہ بند کر دیئے۔ آگ کا زور ٹھنڈا کر دیا۔ تلوار کی دھار سے نجات پائی ضعف سے بچے رہے۔ جنگ میں بڑے شدید ہو گئے۔ بیگانوں کے لشکروں کو شکست دی اور اگر کوئی منہ پھٹ یہ کہے کہ داؤد کے جہادات تو سلطنت اور مملکت حاصل کرنے کے لئے تھے تو ہم کہیں گے کہ ایسی بات دین کی کمی سے ناشی ہے کیونکہ داؤد علیہ السلام کا ان لوگوں کو خصوصاً عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور اُن کو حلال ہو گا یا خدا کے نزدیک مبغوض اور اُن پر حرام ہو گا۔

پس اگر پہلی صورت ہو تو ثابت ہو گیا کہ پہلی شریعتوں میں خدا ہی کی جانب سے جہاد مشروع تھا اور اگر دوسری بات ہو تو نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے اُن کے حق میں جھوٹی شہادت دی جس کو ہم سفر ملوک سے پہلے نقل کر چکے ہیں اور نیز اس بنا پر اپنے بارہ میں خود انہی کا قول جھوٹا ہو جائے گا اور اُن کے حق میں پولس کی شہادت کاذب ٹھہرے گی اور یہ ایسی بات ہے جس کو ہر وہ شخص جو اِن کتابوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہو گا جن میں سے یہ اقوال نقل کئے گئے ہیں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ہزاروں بے گناہوں اور غیر واجب القتل لوگوں کا خون اُن کی گردن پر ہو حالانکہ ہلاک کرنے کے لئے ایک نیک آدمی کا خون بھی کافی ہے تو پھر اُن کو آخرت میں کیونکر نجات مل سکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اگر ہمارے لئے خدا کے نزدیک جہاد کے مشروع ہونے اور شرائع خداوندی کے موافق مخالف کو قتل کرنے کی دلیل کرنا سوائے اس کے نہ بھی ہوتی کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے وقت دجال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے جیسا کہ اہل تسالونی کی جانب دوسرے خط کے دوسرے باب

میں اور مشاہدات کے نویں باب میں اس کی تصریح موجود ہے تو جب بھی ہمارے لئے بھی کافی و وافی دلیل ہے۔

خدا کی عادت ہے کہ گناہگاروں اور کفار کو مبغوض رکھتا ہے اور اُن کو دنیا اور آخرت میں مختلف سزائیں دیتا ہے تو پھر جہاد کے مشروع ہونے سے بھی کوئی امر مانع نہیں

جب ہم خدا کی جانب نظر کرتے ہیں جو کہ فاعل مختار ہے اور جس کے افعال ظلم کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے بلکہ اُس کے سارے اعمال سراسر عدل و حکمت ہی پر مبنی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدائے پاک کی یہ عادت ہے کہ وہ کفر کو مبغوض رکھتا ہے اور آخرت میں یقیناً اُس کی سزا دے گا اور اسی طرح وہ گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے اور کبھی کبھی کفار اور گناہگاروں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے۔ چنانچہ کبھی کفار کو علی العموم غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا۔
پس ان میں سے سوائے کشتی والوں کے اور کوئی نہ بچا اور کبھی خاص طور پر کسی کو غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ فرعون اور اُس کے لشکر کو اُس نے غرق کر دیا اور کبھی دفعتہً ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ اُس نے جس رات بنو اسرائیل مصر سے نکلے تھے اہل مصر میں سے تمام انسان اور چوپایوں کی سب سے بڑی اولاد کو ہلاک کر دیا جیسا کہ سفر خروج میں ہے اور کبھی گندھک اور آگ برسا کر اور شہروں کو الٹ کر سزا دیتا ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا کیونکہ اُس نے سادوم اور عامورہ اور اُن کے گرد و نواح کے بسنے والوں کو اسی طرح ہلاک کیا تھا اور کبھی بیماریاں بھیج کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اسدودیوں کو اُس نے بواسیر سے ہلاک کیا جیسا کہ پہلے سفر سموئیل میں مذکور ہے اور کبھی فرشتہ کو بھیج کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اشوریوں کے لشکر کے ساتھ ہوا کیونکہ ایک رات میں فرشتہ نے اُن میں سے ایک لاکھ پچاسی ہزار کو قتل کر ڈالا جیسا کہ سفر ملوک ثانی میں مذکور ہے اور ایسے ہی گناہگاروں کو بھی کبھی دھنسا کر اور کبھی آگ سے جلا کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اُس نے

قورح۔ واثان اور ابیرم وغیرہ کو ہلاک کر ڈالا جبکہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ پس زمین پھٹ گئی اور قورح۔ واثان اور ابیرم اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو اور اُن کے مال و متاع کو نگل گئی۔ پھر ایک آگ نکلی اور وہ اڑھائی سو مردوں کو کھا گئی جیسا کہ سفر عدد میں مذکور ہے اور کبھی دفعتاً ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ قورح کی ہلاکت کے دوسرے دن جب بنو اسرائیل نے مخالفت کی تو اُس نے چودہ ہزار سات سو کو ہلاک کر ڈالا اور اگر ہارون علیہ السلام مُردوں اور زندوں کے درمیان نہ کھڑے ہو جاتے اور قوم کے لئے استغفار نہ کرتے تو اُس دن پروردگار کے غضب سے سب ہلاک ہو جاتے جیسا کہ سفر مذکور سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اُس نے پچاس ہزار ستر آدمیوں کو اہل بیت شمس میں سے اس بنا پر ہلاک کر ڈالا کہ انھوں نے خدا کے تابوت کو دیکھا تھا جیسا کہ پہلے سفر سموئیل سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی موذی سانپوں کو بھیج کر سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل نے جب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی تو اُس نے اُن پر موذی سانپوں کو بھیجا تھا اور اُن کو کاٹ کاٹ کھاتے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے بہتیرے مر گئے جیسا کہ سفر عدد سے معلوم ہوتا ہے۔

پس اس فرقہ نے بعد اس کے کہ جہاد کے بارہ میں شرائع سابقہ کے احکام اور کفار کے بارہ میں انبیاء کے اعمال اور کافروں اور گنہگاروں کے ساتھ خدا کی عادت وغیرہ میں غور کر کے دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ جب یہ بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت کو ہمراہ لے کر خدا کے پاس سے رسول بن کر آتے ہیں اور یہ بات قطعی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے تو اُن کی شریعت میں جہاد کی مشروعیت اور اپنے مخالفوں کو قتل کرنے اُن کے مال و متاع کو لوٹ لینے اور اُن کو غلام بنانے کے بارہ میں اُن پر کوئی چیز معیوب نہیں ٹھہر سکتی خصوصاً جس حال میں کہ اُن کی شریعت کے جہاد میں بہ نسبت جہاد شرائع سابقہ کے ہم سہولت اور تخفیف بھی پاتے ہوں۔

پس آپ کی شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے اور نہ یہی ہے کہ خدا کے نبیوں کی شریعت کے ساتھ جو لوگ کفر یا گناہ کر کے مخالفت سے پیش آتے ہیں اُن کے ساتھ جو خدا کی عادت جاری ہے اُس کے خلاف اور مضاد آپ کی شریعت میں کوئی حکم ہو۔ پس ہر شخص جو وحی کی تصدیق کرتا ہو اور خدا کے پاس سے انبیاء پر

شرائع کے نازل ہونے کا یقین رکھتا ہو اُس کے ذمہ واجب ہے کہ مشروعیت جہاد کے بارہ میں خاص کر محمدی شریعت ہی پر شبہ اور طعن کو اپنے دل میں جگہ نہ دے رہا ہو وہ شخص جو خدائے عالم کا وجود ہی نہ مانتا ہو اور نہ شرائع کے نازل ہونے کا قائل ہو تو اُس سے یوں گفتگو کی جائے گی کہ پہلے خدائے عالم یعنی اللہ تعالےٰ کے وجود پر استدلال کیا جائے گا. خدا تعالیٰ کی وحی ثابت کرنا پڑے گی (جیسا کہ مادی فرقہ کے مناظرہ میں یہ ہوچکا ہے) پھر بعد اس کے کہ اُس پر حُجت قائم کردی جائے گی اور وہ شرائع کی تصدیق کا التزام کرلے گا تو اُس کی بھی وہی حالت ہوجائے گی جو دوسرے اہل ملت کی ہے جو اُس ملت کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس اب ہم اس شخص کے مقابلہ میں ثابت کردیں گے کہ جو کچھ خدا نے شرائع میں مشروع اور مقرر کیا ہے وہ ضرور مستحسن ہے اور اُس وقت اُسے معلوم ہوجائے گا کہ جہاد کے بارہ میں محمدی شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی تحقیقات اور سہولتیں موجود ہیں جو شرائع سابقہ میں نہ تھیں جیسا کہ اس کا بیان بیشتر گزر چکا ہے۔

بعضوں کا گمان ہے کہ اسلام تلوار سے قائم ہُوا ہے اس کا ردّ اور اس بات کا ثبوت کہ جہاد سے پہلے ہی بکثرت لوگ اسلام لا چکے تھے

پھر بعد اس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین شائع ہوگیا اور اُس میں جہاد مشروع ہوچکا تو ایک اور فرقہ کو یہ وہم ہُوا کہ یہ دین محض تلوار کے زور سے قائم ہُوا ہے اور اُسی سے پھیلا ہے اور یہ بات ایسی ہے جس سے جی میں شک پیدا ہوتا ہے اور آدمی کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے پیرو ہیں وہ لوگ قتل سے دھمکا کر دین میں داخل ہونے کے لئے مجبور کئے گئے ہیں لیکن باوجود اس خیال کے اس فرقہ نے انصاف کو نہیں چھوڑا اور اُسے ضروری سمجھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ابتدائی کیفیت کا پورا پورا حال دریافت کیا تو اُن کے نزدیک غایت درجہ کی تفتیش اور تدقیق اور اس دین کی ابتدائی حالت کی تاریخ کے دیکھنے سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل جب دعوئے رسالت کرنے کھڑے ہوئے تھے تو اس وقت تن تنہا اور بے یار و یاور نہ تھے نہ آپ کو کسی قسم کی حکومت حاصل تھی اور نہ آپ کا

کنبہ ہی ایسا ذی قدرت تھا جس کی حمایت کا آپ بھروسہ کرتے بلکہ جمہور کے مابین جب آپ دعوئے رسالت کرنے کھڑے ہوئے تھے تو آپ کے کنبہ والوں کو باقی طائفوں پر غلبہ حاصل ہو جانا اور اُن سب کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکنا تو جُدا رہا خود اُنہی لوگوں نے آپ کے دعوی کی سب سے پہلے تکذیب کی اور آپ کے سخت دشمن ہو گئے اور آپ کے کنبہ کے شریر لوگ آپ کی ایذا رسانی اور آپ کو سبک رائے بنانے پر طیار اور آمادہ ہو گئے لیکن تاہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے پر برابر جمے رہے اور ایذا رسانوں کی ایذا دہی پر صبر کیا کئے۔ خلق خدا کو حق کی جانب بلانے اور اُن کے لئے دلائل قائم کرنے میں مشغول رہے اپنے دین کی خوبیاں ظاہر کرتے رہے اور جس طریق پر وہ لوگ تھے اُس کی بُرائیاں دکھلاتے رہے یہاں تک کہ خدا کو جس کی ہدایت منظور تھی اُس کے نزدیک حق واضح ہو گیا۔

پھر عقول سلیمہ آپ کے دین کو قبول کرنے اور آپ کی شریعت کو مستحسن خیال کرنے لگیں اور جماعتیں کی جماعتیں آپ کی پیروی کو اختیار کرنے لگیں اور اُس وقت آپ کو کسی کے ایک قطرۂ خون کے گرانے کا بھی حکم نہیں دیا گیا تھا اور آپ اپنے قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس میں خدا کا یہ قول موجود تھا (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے اور یہ قول جس میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے (یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم) یعنی اے ایمان والو! تم اپنے نفسوں کی خبر لو۔ جب تم ہدایت قبول کر چکے تو جو گمراہی میں رہے گا وہ (اور اُس کا گمراہی میں رہنا) تمہارے لئے ضرر رساں نہیں ہو سکتا اور خدا کا یہ قول (ومن کفر فعلیہ کفرہ) یعنی جس نے کفر کیا اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا اور اسی کے مثل اور آیتیں بھی موجود تھیں اور جس زمانہ میں آپ نے اس طریقہ کا التزام کر رکھا تھا اور جہاد مشروع بھی نہیں ہُوا تھا تب ہی ایک جم غفیر آپ کا پیرو بن گیا تھا جیسا کہ آپ کے حالات کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ابوذر اور اُن کے بھائی اُنیس اور اُن کی والدہ (رضی اللہ عنہم) یہ سب اُس زمانے کے شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے اور جب اپنے قبیلہ میں لوٹ کر گئے تھے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالے عنہ کی دعوتِ اسلام کی وجہ سے غفار کا آدھا قبیلہ مسلمان ہو گیا

اور آپ کی بعثت کے ساتویں برس قبل اس کے کہ آپؐ مدینہ کی جانب ہجرت کرتے اور جہاد شروع ہوتا آپ کے متبعین میں سے تراسی مرد مع اٹھارہ عورتوں کے مکہ سے حبش کی جانب مشرکوں کے ستانے کے باعث سے ہجرت کر گئے تھے اور کچھ مسلمان مکّہ میں باقی رہ گئے تھے اور کوئی بیس آدمی نجران کے نصرانیوں میں سے مسلمان ہو چکے تھے اور ایسا ہی ضماد ازدی بعثت کے دسویں برس کے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے اور طفیل بن عمرو دوسی بھی ہجرتؐ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور یہ بہت بڑے شریف آدمی تھے اُن کی قوم اُن کی اطاعت کرتی تھی اور بعد اس کے کہ یہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اُن کی دعوت اسلام کے باعث سے اُن کے والد اور والدہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور مدینہ میں ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیرؓ کے وعظ کی برکت سے ایک دن میں بنی اشہل کا قبیلہ اسلام لے آیا اور اس قبیلہ کے مردوں اور عورتوں میں سے کوئی ایسا باقی نہیں رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو. ہاں صرف ایک عمرو بن ثابت رہ گئے تھے جو بعد کو اسلام لائے اور ان لوگوں کے اسلام لے آنے کے بعد مصعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ لوگوں کو دعوتِ اسلام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انصار کے مکانوں میں سے کوئی مکان ایسا نہ رہا تھا جس میں متعدد مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں ۔ ہاں مدینہ کے دیہاتوں میں سے نجد کی جانب رہنے والے البتہ اُس وقت اسلام لانے سے باقی رہ گئے تھے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو بریدۃ اسلمی نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں سمیت مدینہ کے راستہ میں آپ کی اطاعت قبول کی اور اسلام لے آئے حبش کا بادشاہ نجاشی بھی ہجرت کے قبل ہی مسلمان ہو چکا تھا اور ابو ہند تمیم، نعیم اور چار اور آدمی ہجرت کے پہلے ہی شام سے قاصد بن کر آئے تھے۔ اور مسلمان ہو گئے تھے. اسی طرح اور بتھیرے اسلام لا چکے تھے ۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) اور ان کی طرح اور لوگوں کا جو آپ کے مشاہیر متبعین میں سے ہیں ہجرت کے قبل ہی اسلام لے آنا ایک مشہور بات ہے ۔ (جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی صحیح صحیح تاریخی کتابوں کے دیکھنے سے سارے مذکورہ امور معلوم ہوتے ہیں جس کا جی چاہے اُن میں دیکھ لے)

پس منصفانہ غور و تامل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبل

اس کے کہ آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں اور آپ کی شریعت میں جہاد شروع ہو مکّہ سے لے کر مدینہ تک پھیل چکا تھا عقول سلیمہ اس کو قبول کر چکی تھیں۔ صحیح طبیعتیں اس کو اچھا سمجھتی تھیں حالانکہ اُس وقت تک کسی قسم کے خوف اور دھمکانے کا نام و نشان تک نہ تھا تو پھر آپ ہی دیکھ لیجئے کہ اسلام پر یہ تہمت کیونکر لگ سکتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تلوار سے قائم ہُوا ہے اور آپؐ کی شریعت زبردستی پھیلائی گئی ہے اتنے بڑے بہتان کا وہ شخص تو ہرگز قائل نہیں ہو سکتا جس کی طبیعت میں ذرا بھی انصاف پایا جاتا ہو اور جو شخص اس بات کی طرف نظر کرے گا کہ آپ کے باقی زمانہ میں اور پھر اُس کے بعد بھی آپ کے دین میں بلا کسی خوف کے لوگوں کی فوجیں کی فوجیں برابر داخل ہوتی رہیں اور آج تک داخل ہوتی چلی جاتی ہیں بلکہ باوجودیکہ لوگوں کو یہ بھی خوف ہوا کہ دین کے دشمن اسلام لانے کے بعد ستائیں گے تاہم وہ اسلام لانے سے باز نہیں رہے تو اب تو اس امر کا خیال کرنے سے یہ تہمت سرے سے مٹ جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ طبیعت میں انصاف ہو اور عقل سے آزادی کے ساتھ کام لیا گیا ہو۔

ہاں جب پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعداد کثیر اور وافر ہو گئی اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ نصیحت اور دلیل کی قوت اُن مخالفوں میں جو باقی رہ گئے ہیں کارگر نہیں ہو سکتی اور مخالفوں کے ساتھ نرمی اور بردباری کا معاملہ ہمیشہ کرتے رہنا اُن کی سرکشی کو بڑھاتا رہے گا اور امر دین میں اُس کی پیروی کرنے والوں کو مشوش بنائے رکھے گا اور اُن کو جرأت دلائے گا کہ مسلمانوں کو خوب ستایا کریں تو اس وقت اس مصلحت سے آپ کے دین میں جہاد مشروع ہُوا اور اُس میں ایسے عدل کے موافق حدود مقرر کر دیئے گئے جس کی وجہ سے ایذا رسانوں کی تکلیف دہی سے نجات مل سکے اور سنگدلی کی حد تک نوبت نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ یہی دیکھئے جو لوگ دین محمدی کی پیروی نہ کریں اسلام اُن سے اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ وہ سلطان اسلام کی اطاعت اختیار کر لیں اور اپنے مال میں سے کچھ دیا کریں تاکہ اہل دین کو دولتِ اسلام قائم رکھنے میں مدد پہنچتی رہا کرے اور اُن کی دنیاوی ضرورتیں دفع ہوتی رہیں اور اہل اسلام جو اُن لوگوں کی جنہوں نے کچھ دینا قبول کر کے سلطان اسلام کی اطاعت قبول کر لی ہے حمایت

کریں تو وہ مال اُس کے مقابلہ میں بھی ہو جائے۔ رہا اُن کا آخرت کا معاملہ تو اسلام اُسے پروردگارِ عالم کے سپرد کرتا ہے یا کبھی اسلام اُن پر جو شریعتِ محمدی کا اتباع نہیں کرتے۔ غلامی کا حکم عائد کرتا ہے تاکہ اسی طرح اُن کی ایذا رسانی کی خلش مِٹے اور اہلِ اسلام سے کچھ دنیاوی کام نکل جائیں۔

بعض لوگوں کا غلامی کو بُرا سمجھنا اور اس کا رد کہ شریعت میں جس غلامی کی اجازت ہے وہ مستحسن ہے بلکہ کبھی غلام کے لئے نفع کا باعث ہوتی ہے اور غلام کے مولی پر حقوق پر

اور بعض شرائع سابقہ کے ماننے والے دینِ محمدی میں غلامی کے جائز اور مشروع ہونے سے یہ دیکھ کر نفرت کرنے لگے کہ اُس کی وجہ سے غلام پر بڑی روک ٹوک لگ جاتی ہے خصوصًا اس لئے کہ اُنہوں نے بعض ممالک میں غلاموں کو دیکھا کہ طرح طرح کے ظلم جھیلتے ہیں (جیسا کہ یہ رسم کچھ زمانہ سے یورپ میں جاری تھی جس کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور بعض ممالک امریکہ میں آج تک جاری ہے) چنانچہ اُن ممالک میں غلاموں کو مار پڑتی ہے اُن کی اعانت کی جاتی ہے۔ ننگے بھوکے رکھے جاتے ہیں چوپایوں کی طرح قید رہتے ہیں اُن سے ایسے ایسے مشقت کے کام لئے جاتے ہیں جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے گویا کہ نوعِ انسانی میں اُن کا شمار ہی نہیں خاص کر جب کہ وہ سیاہ رنگ کے بھی ہوں اور یہ کہ اُن کا آزاد کرنا دین کے کارِ ثواب میں شمار نہیں کیا جاتا اور سوائے شاذ و نادر حالت کے اُن کو کوئی آزاد نہیں کرتا اور وہاں اُن کی حالت ادنیٰ درجہ کے حیوانات سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

پس ان لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ دینِ محمدی بھی شاید غلامی کو باوجود ان سب خرابیوں کے جائز رکھتا ہے اور غلام کے ساتھ ایسے بُرے طور سے پیش آنے کی اجازت دیتا ہے اور شرائع سابقہ میں غلامی کے مشروع ہونے سے ان کو کچھ سہو بھی ہو گیا لیکن باوجود اس خیال کے اُنہوں نے اپنا رُخ بدلا اور دینِ محمدی میں غلامی کے مشروع ہونے کی کیفیت میں نہایت تدقیق کے ساتھ غور کرنے لگے اور اُن باتوں کو اُنہوں نے نہایت

تامل کی نظر سے دیکھا جن پر کہ غلامی کے مشروع ہونے کی کیفیت مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں کہ اہلِ دین کو دنیاوی ضرورتوں کے بر آنے میں کچھ مدد ملے۔ اعدائے دین پر غلامی کے عائد کرنے سے اُن کی ایذا رسانی سے نجات حاصل ہو۔ اپنے مخالفوں کی خدمت کرنے سے اُن کی شوکت ٹوٹے۔ اُن کی پرخاش دفع ہو اور ساتھ ہی اُس کے مسلمانوں کو بہت کچھ وصیتیں بھی کی گئی ہیں جس کے موافق غلام کی راحت محفوظ رہے اور غلام اپنی زندگی بسر کرنے میں اپنے مولیٰ کے مساوی رہ سکے۔ اور اس طرح پر اگر وہ وحشی بھی ہوگا تو اس میں تہذیب اور تمدن آجائے گا۔

شریعتِ محمدیہ میں اُن سختیوں اور بدسلوکیوں میں سے جن کو بعض بعض قومیں اپنے غلاموں کے ساتھ برتا کرتی ہیں کچھ بھی روا نہیں رکھتی نہایت سختی سے اُن کی ممانعت کرتی ہے اور اُخروی سزا سے ڈراتی ہے اور باوجود اس کے ثوابِ جزیل کا وعدہ کر کے غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔ چنانچہ اُس نے بہت سے ایسے وسائط مشروع کئے جن کا مقتضا یہ ہے کہ غلام بکثرت اور عام طور پر آزاد کئے جائیں اُن کی غلامی کی مدت کم ہو جائے اور اُس نے غلام اور اُس کے مولیٰ کے مابین اگرچہ آزادی کے بعد ہی کیوں نہ سہی ایسا علاقہ قائم کر دیا ہے کہ جو علاقہ نسب کے مانند ہے۔ اس میں سفید و سیاہ کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شریعت کے ماننے والوں نے یہ بات دیکھ کر کہ شریعت غلام کے ساتھ سلوک اور احسان کے ساتھ پیش آنے کی ترغیب دیتی ہے۔ بہت سے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ غلاموں کے ساتھ نیکی اور سلوک کا برتاؤ کیا جائے اور یہ کہ بسا اوقات غلاموں کو غلامی کی بدولت ایسی نعمت ملتی ہے کہ اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو اُس کا ملنا اُن کو ممکن نہ ہوتا۔

پھر اُنہوں نے شرائع سابقہ کی نصوص کی دیکھ بھال کی تو اُنہوں نے اُن کتابوں میں جو شرائع سابقہ کی جانب منسوب کی جاتی ہیں اس بات کی تصریح پائی کہ غلامی اُن میں بھی مشروع تھی۔ پس دین محمدی میں غلامی کی مشروعیت پر جو اُن کا اعتراض تھا اُس وقت اُنہوں نے اُس کو واپس لیا اور کہنے لگے کہ جب اس دین کے ماننے والے اپنے نزدیک قطعی دلائل کی وجہ سے اس امر کا یقین کرتے ہیں کہ اُن کا دین خدا کی جانب سے

مشروع ہے اور اُن کے دین نے اپنے مخالفوں کا غلام بنا لینا اُن کے واسطے اس لئے مباح کر دیا ہے کہ وہ اُن کی خدمت سے نفع اُٹھائیں مخالفوں کی ایذا رسانی کی خلش اُن سے مِٹ جائے۔ وہ پرخاش نکالنے سے باز رہیں اور اُن کے مالکوں پر ایسی شرطیں لگا دیں جو اس بات کی پوری کفیل ہیں کہ اُن کے غلاموں کو راحت ملے اور وہ اپنی زندگی بسر کرنے میں اُن ہی کے برابر ہیں اور مالکوں کے لئے اُن کے آزاد کرنے اور اُن کی غلامی کی مدت کم کرنے کے ترغیب دلانے والے ابواب کھول دیئے۔

پس اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بتہیرے غلاموں کو تہذیب حاصل ہو جاتی ہے اپنی زندگی نہایت خوبی کے ساتھ بسر کرنے لگتے ہیں اور اُن کے ساتھ وہ وہ سلوک کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ غلام نہ ہوتے تو اُن کا حاصل کرنا اُن کو نصیب نہ ہوتا اور یہ کہ اُن کے دین نے مالکوں کو اپنے غلاموں کو ایذا رسانی اور اُن پر ظلم کرنے سے روک دیا ہے اور اُنھوں نے یہ بھی دیکھا کہ شرائع سابقہ میں بھی غلامی کی مشروعیت پائی جاتی ہے تو کہنے لگے پھر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس لئے دین محمدی اور اُس کے ماننے والوں پر غلامی کے مشروع ہونے سے کوئی الزام نہیں عائد ہو سکتا۔

شریعت کی وصیتیں جو غلام کے ساتھ سلوک کرنے اور گزران میں مساوات کے لحاظ رکھنے کے بارہ میں کی گئی ہیں اور آزاد کرنے کی ترغیب اور آزادی کے وسائل جو شریعت نے مقرر کیئے اور نیز غلام کا اپنے مولیٰ کے ساتھ نسب کی طرح رشتہ قائم ہو جانا وغیرہ

باقی رہیں وہ وصیتیں جو غلام کی راحت کی محافظ اور اس امر کی کفیل ہیں کہ وہ اپنے مالک کے برابر گزران کر سکے تو وہ شریعتِ محمدیہ میں نہایت کثرت سے پائی جاتی ہیں اور ہم اس موقع پر اتنی ہی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ آگے آتی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:۔ واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وّ بالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین

والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً۔

"اور خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ اور (یہ وصیت مانو کہ) اپنے والدین کے ساتھ احسان سے پیش آیا کرو اور (نیز) اپنے قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت مند اور اجنبی پڑوسیوں، سفر کے ساتھیوں اور مسافروں اور اُن لوگوں کے ساتھ جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی وہ تمہارے مملوک ہیں (احسان سے پیش آیا کرو) بے شک اللہ تعالےٰ اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بڑائی مارتا اور اتراتا ہو"۔)

پس اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر جہاں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اُس کی خالص طور پر عبادت کی جائے جو ایمان کی بنیاد ہے اور یہ کہ والدین کے ساتھ سلوک واحسان کا برتاؤ کیا جائے جن کی نعمتوں کا مرتبہ خدا کی نعمتوں کے بعد ہی ہے اور یہ کہ اُن لوگوں کے ساتھ احسان وسلوک کا برتاؤ کیا جائے جن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا شفقت، رحمت اور انسانیت کا مقتضا ہے تو اس کے ساتھ ہی خداوند کریم نے ممالیک یعنی غلام اور لونڈیوں کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آنے کی بھی وصیت کی ہے اور اُس کو بھی امور مذکورۂ بالا کے مقارن کر دانا ہے اور ممالیک کے لئے احسان وسلوک سے پیش آنے کا حکم کرنا تمام احسانات وسلوک کو جو اُن کے ساتھ ممکن ہیں سب کو شامل ہے اور جتنی تکلیفیں کہ اس کی مناقض ہیں سب کا دُور کرنا بھی اس میں آگیا اور اس کی شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے:۔

عبیدکم اخوانکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تکسبون ولا تعذبوا عباد اللہ۔

"وہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے اُن کو تمہارے ہاتھوں کے تحت میں یعنی تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے جو تم کھاؤ اُسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو اُسی میں سے اُن کو بھی پہناؤ اور خدا کے بندوں پر عذاب نہ

کرو۔ یعنی اُن کو تکلیف نہ دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقارت سے ڈرانے اور اپنی بڑائی کے خیال سے بچنے کے بارہ میں فرمایا ہے :۔

ولا یقل احدکم عبدی ولیقل فتائی و فتاتی و غلامی ۔

"اور تم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یہ نہ کہے کہ میرا بندہ بلکہ یہ کہا کرے کہ میرا چھوکرا، میری چھوکری، میرا غلام۔"

اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام ہے وہ آپ کا یہ کلام ہے :۔

الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم۔ "یعنی نماز اور اپنے ممالیک (غلام و لونڈی) کا بڑا خیال رکھنا۔"

پس اہلِ انصاف غور کرلیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جہاں نماز کی وصیت کی ہے جو کہ دین کا ستون ہے اور جس میں کہ آپؐ کی آنکھوں کو دنیا میں ٹھنڈک حاصل ہُوا کرتی تھی چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے :۔ وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ یعنی نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ اس وصیت کو بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اپنے پیروی کرنے والوں کو ممالیک (غلام اور لونڈیوں) کے بارہ میں فرمائی ہے۔ اور ناظرین یہ بھی دیکھ لیں کہ آپؐ نے اپنے اصحاب سے انتقال کے وقت جو آخری کلام کیا ہے وہ انہی دونوں باتوں (نماز اور احسان ممالیک کی وصیت ہے) پس یہ امر غلاموں کے بارہ میں پوری پوری وصیت کر جانے پر دلالت کرنے میں بالکل کافی و وافی ہے۔ اب اس بارہ میں کسی اور چیز کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں اور ممالیک یعنی غلام و لونڈیوں کو تکلیف دینے سے ممانعت تو شرعی نصوص میں ایک مشہور بات ہے۔ یہاں تک وارد ہُوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا غلام آزاد کر دیا تھا جس نے اُسے اپنی لونڈی کے ساتھ پا کر اُس کا ناک، کان کاٹ ڈالے تھے اور اس کے ولاء[1] کو سرکاری کر دیا اور

---

[1] شریعت کا قانون ہے کہ کسی کا آزاد کردہ غلام یا لونڈی جب مر جائے اور اسکے قرابت مندوں میں سے اسکا کوئی وارث نہ ہو تو اس وقت اُسکی میراث اُسی آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اور اسی کو ولاء کہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

مسلمانوں کو اُس کی اعانت کی وصیت کر دی اور اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے اُس غلام کا نفقہ مقرر کر دیا اور آپ کے خلیفہ (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) نے ایک شخص کی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا جس نے اُسے گرم توے پر بٹھایا تھا جس کی وجہ سے اُس کے سرین جل گئے تھے اور آپ نے اُس شخص کو خوب پٹوایا اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں اپنے غلاموں پر سختی کرنے والوں کو سخت سزا دی گئی ہے اور غلاموں کی ایذا رسانی کے بارہ میں قیامت کے دن کی وعیدیں تو مشہور ہی ہیں۔ باقی رہی مُالیک (یعنی غلاموں اور لونڈیوں) کے آزاد کرنے کی ترغیب تو اس بارہ میں تو شرعی نصوص اس کثرت سے ہیں جن کا کچھ شمار ہی نہیں اور یہاں ہم اسی قدر بیان پر اختصار کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آگے آتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپ ممالیک کے آزاد کرنے کی برابر ترغیب دیا کرتے تھے اور شرعی نصوص میں وارد ہُوا ہے کہ جو شخص ایک جان کو بھی آزاد کرے گا خدا اُس کے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر ہر عضو کو آگ سے رہائی دے گا۔ یہاں تک کہ اُس کو سُن کر مرد یہ پسند کرنے لگا کہ وہ کسی مرد کو آزاد کرے تاکہ اُس کے پورے پورے اعضاء رہائی پائیں اور عورت یہ چاہنے لگی کہ وہ کسی عورت کو آزاد کرے تاکہ اُس کے پورے پورے اعضاء رہائی پائیں (ایسا ہی عقود جواہر منیفہ میں بروایت حماد مذکور ہے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی ہے اور ایسی حدیث کا سا حکم مرفوع[1] حدیث کا سا حکم ہے اور دوسرے لفظوں میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے جو شخص کسی رقبہ یعنی غلام یا لونڈی کو آزاد کرے خدا تعالیٰ اُس کے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنے

---

[1] مرفوع وہ حدیث کہلاتی ہے جس کا سلسلۂ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بالتصریح پہنچا دیا گیا ہو اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت صحابی تک پہنچا کر سکوت دیا گیا ہو اُس کو موقوف کہتے ہیں اور یہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر صحابی کسی ایسی بات کی خبر دے جو بلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتی تو گو اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی تصریح نہ کی ہو تاہم وہ حدیث اس حدیث کے مثل سمجھی جائے گی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی تصریح بھی کر دی گئی ہو یعنی حدیث مرفوع کے مثل۔ ۱۲ مترجم ✤

والے کے اعضاء میں سے ہر ہر عضو کو آگ سے رہائی دے دیتا ہے یہاں تک کہ اُس کی شرمگاہ کے مقابلہ میں اُس کی شرمگاہ کو اور اللہ تعالےٰ کے قول (فکُّ[1] رقبۃ) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپؐ نے فرمایا جان کا آزاد کرنا اور گردن کا چھوڑانا۔ اُس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا یہ دونوں ایک امر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ جان کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو بلاشرکت غیرے اُس کو آزاد کرے اور گردن کا چھوڑانا یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے (ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) یعنی اگر آقا نے اپنے غلام سے کچھ روپیہ لے کر آزاد کرنے کا وعدہ کر لیا ہو تو کوئی شخص غلام کو روپیہ دے کر اُس کے آزاد کرانے میں معاون بن جائے اور اس بارے میں بہت سی نصوص بھی بھری پڑی ہیں۔

وہ ذرائع جو شریعت نے غلاموں کی آزادی کے لئے مشروع کئے ہیں

رہا یہ امر کہ شریعتِ محمدیہ نے بہت سے ایسے وسائط اور ذرائع مقرر کئے ہیں جن کا مقتضا یہ ہے کہ غلام بکثرت، اور عام طور پر آزاد کئے جائیں اور اُن کی غلامی کی مُدت کم ہو جائے سو وہ یہ ہیں کہ اُس نے آزاد کرنا بہت سی جنایتوں کا شرع میں کفارہ قرار دیا ہے جیسے کہ کسی کا دھوکے میں قتل کر ڈالنا۔ رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ ڈالنا قسم کھا کر اُس کے خلاف کرنا اور شریعت نے بعض ممنوع چیزوں سے رہائی پانے کا ذریعہ بھی آزاد کرنے کو قرار دیا ہے جیسے کفارہ ظہار[2] کا اس لئے کہ جو اپنی عورت سے ظہار کرتا ہے اُس کے لئے جب تک کہ وہ کفارہ نہ ادا کر دے اپنی

---

[1] یعنی کسی کی گردن چھڑانا ۱۲ مترجم [2] ظہار شریعت میں اُسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عورت کو اپنی ماں بہن وغیرہ (جن کے ساتھ اُسے نکاح کرنا حرام ہے) کے کسی ایسے عضو سے جس کی طرف اُسے دیکھنا جائز نہیں (مثلاً پیٹھ یا شرمگاہ وغیرہ) تشبیہ دیکر اپنے اوپر حرام کرے مثلاً یوں کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت یا شرمگاہ کے مانند حرام ہے ۱۲ مترجم

عورت کے پاس جانا یا اُس کے مقدمات جیسے بوسہ وغیرہ لینا ہرگز جائز نہیں اور کفارہ میں جس چیز کا اول مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہی آزاد کرنا ہے۔ پھر باوجودیکہ مطلقاً آزاد کرنا شریعت میں مستحسن ہے اور اُس پر ثواب کا بھی وعدہ ہے لیکن تاہم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس قدر ہمت نہیں کر سکتے کہ غلام آزاد کرکے اپنے ہاتھ سے اس قدر مال جانے دے سکیں تو شریعت نے ان کا لحاظ کرکے مکاتبت کو مشروع قرار دیا ہے اور مکاتبت یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کے ساتھ اس بات پر متفق ہو جائے کہ اگر غلام اتنا مال ادا کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا پس اس وقت آقا کو مال حاصل کرنے کی سعی کرنے کے لئے اپنے غلام کو آزادی دینی پڑے گی۔ اور جب وہ غلام اُس قدر مال جتنے پر شرط ٹھہری تھی ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اور شریعت نے آزادی کے لئے ایک اور عقد بھی مشروع کیا ہے جسے عتق علی مال کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام سے کہے کہ ہزار روپیہ پر مثلاً تو آزاد ہے۔ پس اگر غلام اُسے قبول کرلے گا تو فوراً آزاد ہو جائے گا اور اس کے ذمہ اُتنے روپوں کا ادا کرنا واجب ہو گا جتنے پر شرط ٹھہری ہے اور نیز شریعت نے اُس شخص کے حال کا لحاظ کرکے جسے غلام سے خدمت لینے کی مدت العمر ضرورت رہے گی مدبر بنانے کو مشروع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کو اپنے بعد آزادی دے دے یعنی یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ پس ایسی حالت میں غلام کا بیچنا۔ ہبہ کرنا کسی کو خیرات میں اُس کا دے دینا، رہن رکھنا ممنوع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آقا کے مرنے کے بعد فوراً آزاد ہو جاتا ہے اور شریعت نے وصیت بالعتق بھی مشروع کی ہے اور یہ بھی لحاظ کیا ہے کہ غلام کے بعض بعض مالکوں کو آزادی کے مذکورہ اسباب میں سے کسی کا بھی اتفاق نہیں پڑتا اور نہ اُنہیں آزاد کرکے ثواب حاصل کرنے کی ایسی رغبت ہی ہوتی ہے لیکن بسا اوقات وہ کسی نفع کے حاصل کرنے کی رغبت یا کسی مضرت رساں شے سے خوف کے وقت خدا سے یہ امید کرکے نیک کام کر گزرتے ہیں کہ اُس کے سبب سے اُن کا مقصد حاصل ہو جائے گا اس لئے اس نے آزاد کرنے کی نذر ماننے کو مشروع کیا ہے کیونکہ امید ہے کہ ان دونوں سببوں میں سے کسی کے حاصل ہونے

کے وقت وہ نذر کر بیٹھیں یا ایسے لوگ جب اپنے اوپر کسی کام کے کرنے یا اُس سے باز رہنے کو لازم کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات اپنے اوپر ایسی شرط لگا لیتے ہیں جس کا کرنا اُن پر نہایت دشوار ہوتا ہے تاکہ جس امر کا انہوں نے التزام کیا ہے اُسے پورا کر سکیں۔ اس لئے اُس نے آزاد کرنے کے حلف کو مشروع کیا ہے کیونکہ شاید جس چیز کا انہوں نے التزام کیا تھا اس کے خلاف کر گزریں اور اسی بہانہ سے اُن کے غلام کو بھی آزادی مل جائے۔

پس جب کوئی تامل کرنے والا امور مذکورہ میں غور کرے گا تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اُن سے مقصود یہی ہے کہ اتنے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے غلام کو ایسے طریق پر آزادی مل جائے جو شریعت میں پسندیدہ ہو اور یہ خدا کا انعام ہے کہ اُس نے غلاموں کو آزادی پھیلانے اور ان کی غلامی کی مدت کم کرنے کی غرض سے اتنے ایک وسیلے مقرر کر دیئے۔ پھر چونکہ شریعت نے مولیٰ کو لونڈی کے نفس کا مالک بنایا ہے اس لئے اس کی شرمگاہ کا بھی اس کو مالک قرار دیا ہے اور اُس کے لئے یہ بات مباح کر دی ہے کہ وہ لونڈی کو سریہ بنا لے یعنی اُس سے صحبت کیا کرے۔ کیونکہ شریعت کو یہ منظور ہے کہ اُس کی نسل معطل نہ رہے اور اسے اپنے مولیٰ کی حمایت میں رہنا اُس کی اولاد کو اختلاط نسب سے محفوظ رکھے۔ پس اس وقت وہ اس کی زوجہ ہی کی طرح ہو گی اُس کی اولاد کا نسب محفوظ رہے گا کہ بخلاف زنا کے کیونکہ اُس میں یہ بات نہیں پھر منجملہ اُن رعایتوں کے جو اُس لونڈی کے ساتھ اس بات کے مقابلہ میں کہ مولیٰ کو اُس کے ساتھ صحبت کرنا جائز ہے کی گئی ہیں اور وہ رعایت منجملہ وسائل آزادی بھی ہے اور وہ یہ امر ہے کہ شریعت نے ایسی لونڈی کے لئے جو اپنے مولیٰ سے بچہ جنی ہو یا ہے وہ بچہ جس کے اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں کم دنوں کا کیوں نہ ساقط ہو گیا ہو یہ حکم کیا ہے کہ وہ مستولدہ اور ام ولد ہو جاتی ہے۔ یعنی اُس وقت مولیٰ پر اُس کا بیچنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا اور اسی قسم کے اور تصرفات سب ممنوع ہو جاتے ہیں اور اُس کے مرنے کے بعد وہ بالکل آزاد ہو جاتی ہے۔

پس اس حکم میں غور کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شریعت کو لونڈیوں کے

اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو کسی طرح اُن کو ممکن نہ تھا۔

پس یہ بات اُن امور سے جو مسلمانوں میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں بالکل واضح وظاہر ہو جاتی ہے اور وہ امور یہ ہیں کہ اُن کا اپنے بردوں اور آزاد کردہ غلاموں پر اوقاف کو وقف کر دینا اُن کے لئے میراث کی وصیت کر جانا وغیرہ۔ چنانچہ بہتیرے غلام اُن احسانات اور میراث کی بدولت اپنے مولیٰ کی اولاد سے بھی زیادہ مالدار ہو گئے ہیں اور بہتیروں نے اپنے مولیٰ کی لڑکیوں سے شادی کر لی بلکہ بہتیرے مولی ایسے بھی ہیں جو غلام کو آزاد کر کے متبنّیٰ بنا لیتے ہیں بلکہ اُن کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں یا اپنی بیٹی اُن کو بیاہ دیتے ہیں اور بہتیرے ایسے بھی غلام ہیں جو امیر یا سلطان بن گئے (جیسا کہ شاہانِ مصر جن کی شہرت عالمگیر ہے اور کافور اخشیدی کی نسبت تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہے) اور بہتیرے آزاد کردہ غلام مراتب جاہ اور مناصب علیہ جیسے کہ قضاء اور افتاء تک بلکہ مرتبۂ اجتہاد تک پہنچ گئے ہیں (اس بارہ میں آپ کو عطار بن ابی رباح کا حال معلوم ہو جانا کافی ہے جو کہ فقہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں خلیفہ اُن کی زیارت کی تمنا میں رہا کرتا تھا اور دروازہ سے اُن کو پیش قدمی کر کے لیتا تھا اور اپنے پہلو میں نشست کے لئے جگہ دیتا تھا) اور یہ امر اس بات کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے کہ غلاموں کو غلامی کی بدولت کیا کچھ نعمتیں مل جاتی ہیں کہ اگر وہ غلام نہ ہوتے تو اُن کو ہرگز نصیب نہ ہوتیں بلکہ وہ اپنے وحشی شہروں میں اپنی اُسی موٹی جھوٹی حالت میں پڑے رہتے اب کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ غلاموں کو آدمیت کے مرتبہ سے گرا ہوا اعتبار کرتی ہے اور اُنہیں انسانیت کے حقوق نہیں دیتی ایسے بہتان سے خدا کی پناہ !

غلاموں کے ساتھ بعض لوگوں کے سنگدلی سے پیش آنے کی وجہ سے شریعت پر اعتراض اور اُس کا جواب اور اس طریق کا نادر الوجود ہونا اور نیز یہ کہ غیر ممالک میں غلاموں پر زیادہ سختی کی جاتی ہے جس کا اسلامی ممالک میں نشان بھی نہیں

اور اگر کہا جائے کہ ہم تو بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ اپنے غلاموں کے ساتھ وہ

ایسی ایسی سنگدلی کا معاملہ کیا کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہاں بعض ایسے احمق بھی تو ہیں جو عادل اور مہربان شریعت کے احکام کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جس کو شریعت ہرگز پسند نہیں کرتی اور نہ شفقت و رحمت اُس کی اجازت دیتی ہے لیکن ایسے لوگ بہت نادر اور قلیل الوجود ہیں۔ تو کیا ان سنگدلوں کو دیکھ کر یہ کہا جائے گا کہ سارے مسلمان اپنی اولاد سے ایسی ہی بُری طرح سے پیش آتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے گا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسا کام ہی نہ کریں جس سے بچے پیدا ہوں۔

بلاشک یہ بے ہودہ نتیجہ ہذیانی دلیل سے پیدا ہُوا ہے کیونکہ یہ بات تو ہر عقلمند جانتا ہے کہ احکام صرف عام اور شائع فعل پر مبنی ہُوا کرتے ہیں قلیل اور نادرالوجود امور پر مبنی نہیں ہوتے۔ بلاشک بعض مہذب اور متمدن ممالک میں جو نوکروں اور غلاموں پر ایسی ایسی سنگدلیاں سُنی جاتی ہیں جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور یہ اُنہی متمدن اور مہذب لوگوں میں شائع ہیں جو انسانی ہمدردی اور شفقت پر حریص ہونے کے دعوے مارا کرتے ہیں۔ اگر یہی معاملہ مسلمانوں میں اپنے غلاموں کے ساتھ عام طور پر رائج ہوتا اور اُن کی شریعت کی اُنہیں اجازت ہوتی تو البتہ شریعت محمدیہ میں غلامی کے بُرا سمجھنے کی ظاہر وجہ ہو بھی سکتی تھی لیکن یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ پوری تلاش و استقرار اور اسلامی تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور جو شخص بلا دلیل قائم کئے ہُوئے محض متعصب اور خود غرض اشخاص کی اشاعت اور غیر محقق لوگوں کی خبروں پر اعتماد کر کے اس کے خلاف کہے گا تو سمجھ لیجئے کہ وہ شخص مسلمانوں پر اور ان کی شریعت پر بدگمانی کر کے غلط اور جھوٹی تہمت لگا کر بُہتان باندھتا ہے۔ خدائے پاک ہم کو ایسے افترار اور بہتان اور جھوٹ سے پناہ میں رکھے جس سے انسانی شرافت پر بٹہ لگے۔

عہدِ عتیق و عہدِ جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت

رہا یہ امر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پہلے جو شریعتیں تھیں اُن میں بھی غلامی مشروع ہے اور جو کتابیں ان شرائع کی جانب منسوب کی جاتی ہیں اُن میں اس کی تصریح موجود ہے

اس کے بیان کے لئے توریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنا لینے پر دلالت کرتی ہیں کافی ہیں منجملہ اس کے کتاب استثناء میں ہے "اور جب تو کسی قریہ کے پاس اُس سے مقابلہ کرنے کو جائے پہلے اُس کو صُلح کی طرف بُلا" پس اگر وہ قبول کر لے اور تیرے لئے دروازے کھول دے تو جتنے فرقے اس میں ہوں گے وہ اخلاص کریں گے اور تیرے غلام بنیں گے تجھے جزیہ دیں گے"۔ اور سفر عدد سے ماخوذ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہلِ مدین کے محاربہ کے لئے بھیجا تھا تو اُن پر وہ غالب آئے تھے اور اُن میں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مواشی سب کے سب کو گرفتار کر لیا تھا اور قریوں، دیہاتوں اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا پھر جب وہ لوگ واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا۔ پھر ہر لڑکے (مذکر بچہ) اور ہر شوہر دیدہ عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم کیا۔ پس اُن لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا اور غنیمت میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بکریاں، بہتّر ہزار گائیں، اکسٹھ ہزار گدھے، بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں۔

پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنا لینے پر بھی دلالت کرتی ہے اور سفر سموئیل میں ہے:۔

"اور موآب کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام تھے اُن کو خراج دیتے تھے"۔ اور تیموتاؤس کی جانب پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہِ روشن کے نشان کے نیچے ہیں۔ پس انہیں چاہیئے کہ اپنے سرداروں کو پورے اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے نام اور اُس کی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے۔ اور جن کے سردار مسلمان ہیں وہ اُن کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ چاہیئے کہ اُن کی بہت زیادہ خدمت کریں اس لئے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ مسلمان اور پیارے ہی لوگ ہیں اس کی تعلیم دے اور اسی کا واعظ کہہ۔ انتہیٰ۔

اس نص سے شریعتِ عیسوی میں غلامی کا ثابت و برقرار رہنا سمجھا جاتا ہے اور

یہ کہ غلاموں کو پورے اکرام کے ساتھ اپنے مالکوں کو تکلیف دی گئی ہے اگر اُن کے مالکوں کو اُن کا غلام بنالینا اس شریعت میں مشروع نہ ہوتا تو اُن کو اُن کی اطاعت و خدمت کا ہرگز حکم نہ کیا جاتا اس لئے کہ شرائع سے جو بات معلوم ہوتی ہے اُس کے موافق مکلف کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں کیا جا سکتا جو خدا تعالےٰ کے نزدیک ممقوت و مبغوض ہو اور اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اُن پر اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے چاہے وہ ایماندار بھی نہ ہوں کیونکہ پہلے عموماً کہا گیا پھر ایماندار مالکوں کی اس امر کے ساتھ تخصیص کر دی گئی کہ وہ اُن کو حقیر نہ سمجھیں اور اُن کی بہت زیادہ خدمت کریں اور اگر غلام بنانا اس شریعت میں جائز و مباح نہ ہوتا تو وہ شریعت ایمانداروں کے غلاموں پر اُن کی رعایت، اور زیادہ خدمت لازم کر کے لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے پر ایمان داروں کو برقرار نہ رکھتی۔ چنانچہ یہ سب امور ظاہر ہیں اور تطیس کی جانب پولس کے خط کے دوسرے باب میں یہ تصریح موجود ہے:۔

"اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش آئیں اُن کو تمام چیزوں میں راضی رکھیں اُن کے خلاف کوئی بات نہ کہیں اُن کے ساتھ اچکاپن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں"۔ انتہی

اور یہ نص افادہ میں پہلی نص کے قریب ہی قریب ہے اور اپنے اس قول "ان کو تمام چیزوں میں" کے ظاہری عموم کے موافق پہلی نص پر اس بات کو اور بڑھاتی ہے کہ غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے یہاں تک کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے کہ مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے لیکن شریعت محمدیہ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب نہیں ہے کیونکہ اُس میں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

پس غلام پر واجب ہے کہ خدا کی نافرمانی کے علاوہ اور امور میں اپنے مالکوں کی اطاعت کیا کرے مگر ہاں جب اُس پر جبر و زبردستی کی جائے اور اُسے قتل وغیرہ کی دھمکی دی جائے تو اُس وقت اس بارہ میں اُس کا حکم غیر مملوک اشخاص کا سا ہے یعنی اگر

اُن پر ایسی زبردستی کی جائے تو بعض گناہ زبردستی کی وجہ سے اُن کے لئے مباح ہو جاتے ہیں اور بعض مباح نہیں ہوتے جیسا کہ اس شریعت میں اُس کی تفصیل کی گئی ہے اس موقع پر جو کچھ مذکور ہُوا ہے وہ نص بالا میں اس قول "تمام چیزوں میں" سے جو عموم سمجھا جاتا ہے دوسری نصوص سے اس کی تخصیص کر لی گئی ہے اور وہ نصوص شریعتِ عیسوی کی جانب جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں اُن میں اس موقع کے علاوہ اور مواقع میں مذکور ہیں اور پطرس کے پہلے خط کے دوسرے باب میں مذکور ہے۔

"اے خادمو! پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کے لئے پست ہو جاؤ نہ فقط نیک اور نرمی کرنے والوں ہی کے لئے بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی۔ انتہیٰ

اور اس نص نے اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کو ذکر نہیں کیا بلکہ خادموں کا ذکر کیا ہے لیکن اُس کا قول "مالکوں کے لئے" یہ قرینہ اس امر کو معین کرتا ہے کہ خادموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس نص میں اطاعت واجب کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی اور اگر عناداً اس قرینہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو ہمیں اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے پہلے ہی کی دونوں نصوص بالکل کافی ہیں۔

پس جب اُس قوم کے لئے جو شریعتِ محمدیہ پر غلامی کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۃ الصدر ظاہر ہوئے اور اُن کو اس شریعت میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت، اُس کے حدود اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اُس نے غلاموں کے ساتھ مدنظر رکھی ہیں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی اُن کو بہتیری نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں اور جو اُن کی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہو جاتی ہیں اور انہوں نے موسوی و عیسوی شریعت کی اُن نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتلاتی ہیں کہ غلامی ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اُس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ پر اس بارہ میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ عدل کے موافق حکم ہے اُس میں دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل

کے موافق ہے اور اُس میں شفقت، رحمت اور انسانیت کی حتی الامکان رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور اُس میں ضرورت کو اسی کے انداز پر رکھا ہے۔

پس اس بیان کے بعد ہر منصف اور وحی و شرائع کے تصدیق کرنے والے کے لئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ رہا دشمنوں کا مال چھین لینا اور اُن پر خراج (ٹیکس) مقرر کرنا سو اس میں بھی اعتراض و جواب کے اعتبار سے ویسی ہی گفتگو ہوسکتی ہے جو غلامی کے بارہ میں کی گئی ہے۔ اس لئے اب تطویل کی حاجت نہیں معلوم ہوتی بلکہ غلامی اور جہاد کے مسئلہ کی بابت جو دلائل اور شرائع متقدمہ کی نصوص مذکور ہوئیں وہی کافی ہیں اُن ہی سے اس بارہ خاص میں مستقل گفتگو کرنے سے استغنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ امر سچے طور پر غور کرنے سے بخوبی ظاہر ہے۔ خداوند تعالےٰ اس کی توفیق دے کیونکہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

شریعت کا اہلِ ذمہ کے ساتھ معاملہ اور اُن رعایتوں کا بیان جو اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں ۱۲

پھر بعد اس کے کہ شریعت محمدیہ میں جہاد مشروع ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ محاربہ اور ایسا معاملہ شروع کیا جو خدا نے اس بارہ میں مشروع کیا تھا تو آپ اُن میں سے بعضوں کو اُن کی ایذا رسانی کے دفع کرنے اور اپنے متبعین اور دین کی حفاظت و نصرت کی غرض سے قتل کرتے تھے اس لئے کہ یہ تمام امور بغیر اُن کے قتل کے پورے نہیں ہو سکتے تھے اور بعضوں کو غلام بناتے تھے بعضوں پر خراج (ٹیکس) مقرر کرتے تھے اور اُن سے اطاعت کا عہد لے کر اُن کو صاحبِ ذمہ بنا لیتے تھے اس طرح پر کہ جو حقوق نفع حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو حاصل ہیں اُن کو بھی د[illegible] یئے) اور جن امور سے مسلمانوں کو ضرر پہنچ سکتا ہے (یعنی خلاف قوانین تعزیرات اسلام کے عمل کرنے کی صورت میں) اور وہ سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ انہی امور سے وہ بھی مستحق ضرر و سزا ٹھہریں اور اُن کی حمایت و حفاظت اور اُن کے حقوق کی مراعات و نگہداشت مسلمانوں پر واجب ہو جاتی تھی۔ جان، آبرو اور مال کے اعتبار سے اُن کی ایذا رسانی حرام ہوتی تھی اور آپ اُن پر یہ شرط لگا دیتے تھے کہ شریعت کے چند

ایسے احکام کا بھی اتباع کریں جن کے باعث سے دوسروں کے حقوق پر اُن کی افترا پردازی اور تعدی سے حفاظت رہے اور اُن کو اُن کے دین پر رہنے دیتے تھے اور اپنے اعتقاد کے موافق اُنہیں اپنی مذہبی رسمیں ادا کرنے کی عام اجازت ہوتی تھی لیکن ایسے طریق پر جس سے دین محمدی کی شان و شوکت محفوظ رہے اور اُس کے پیروی کرنے والوں کے خیالات کو پراگندگی نہ لاحق ہونے پائے اور اُن کا اُخروی اور قیامت کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے تھے اور غلامی یا خراج کو اُسی وقت اُن پر آپ مقرر کرتے تھے جب کہ آپ یہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ امر اُن لوگوں کی ایذا رسانی کے دفعیہ کے لئے کافی ہے اور یہ کہ جو کچھ خراج اُن پر مقرر کیا گیا ہے پیروانِ شریعت کے لئے بھی نفع کا باعث ہوگا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ محاربہ کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کنویں پر کے ڈول کی طرح تھا کہ کبھی اُن کے ہاتھ اور کبھی اُن کے ہاتھ یعنی کبھی آپ اُن پر غالب آتے تھے اور کبھی وہ لوگ مسلمانوں پر اور یہ بات خدا کی منجملہ عادات کے ہے کہ اُسے اپنے رسولوں کے بارہ میں برتا کرتا ہے لیکن آخر کار خدا کی جانب سے پوری پوری آپ ہی کی مدد ہوتی تھی اور آپ ہی فتحیاب ہُوا کرتے تھے (اور انجام نیک تو متقیوں کے لئے ہی ہے) یہاں تک کہ بہت سے شہروں پر آپ کا تسلط ہو گیا اور متعدد قبائل آپ کی اطاعت میں سرنگوں ہو گئے اور خدا نے اپنے دین کو باقی دینوں پر غالب کر دیا اور وہ برابر غالب رہا اور ہمیشہ رہے گا اور اگر اُس کو سیفی غلبہ کسی زمانہ میں نہ بھی ہو تاہم دلیل و برہان اور پختہ عقلوں کے اُس کو مستحسن شمار کرنے کے اعتبار سے تو اُس کا غلبہ کہیں نہیں گیا ہے۔

پھر آپ کے دین کے بعض دشمن قلعوں اور دمہوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور آپ اُن کے لئے ہمیشہ موقع کے منتظر رہتے تھے اور اُن کی ہدایت پر حریص ہو کر برابر اُن سے دلائل کے ساتھ مراسلہ کرتے رہتے تھے اور اپنے اتباع کو اُس کی وصیت کیا کرتے تھے کہ ایسے طریق پر جو اُن کے معاملے میں مشروع ہے جب کبھی موقع اور وقت ملے اُن کو برابر دعوتِ اسلام کرتے رہیں اُس کو چھوڑیں نہیں اور یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔

جو لوگ تکذیب پر مصر رہے اور قلع بند ہو گئے اُن کا حکم اور نیز منافقوں کا حکم اور اُن کی قسمیں اور علامات

پھر بعض دشمنوں نے ظاہر تو یہ کیا کہ وہ آپ کے دین کے متبع اور پیروانِ دین اور اُس کے نصرت کرنے والوں کی لڑی میں منسلک ہیں اور واقعی بات یہ تھی کہ وہ اپنے دلوں میں تکذیب کو چھپائے رکھتے تھے اور اس پر برانگیختہ کرنے والا امر اُن کے لئے یا تو خوف تھا اور یا اُن غنیمتوں کی طمع تھی جو خدا نے آپ کے اور آپ کے اتباع کے ہاتھوں پر فتح کر دی تھیں۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں باوجودیکہ آپ کو اُن کی حقیقتِ حال اور بد طینتی کی پوری اطلاع تھی تاہم ان کو اپنے اتباع کے زمرہ میں شمار کر لیتے تھے اور اُن کے مخفی خیالات اور ارادوں کو فاش کر کے انہیں رسوا نہ کرتے تھے اور نہ اُن کو ضرر پہنچانا روا رکھتے تھے۔

اس خیال سے کہیں دشمن یہ بات نہ شائع کر دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروی کرنے والوں کو اپنی تصدیق کے بارہ میں جھوٹا سمجھتے ہیں اور اُن کے اخلاص میں شک کرتے ہیں اور اُن کو اپنے اغراضِ بد کے لئے مار ڈالا کرتے ہیں اور یہ ایسی بات تھی جس سے لوگوں کو سُن کر نفرت پیدا ہوتی اور جو لوگ متوجہ بھی ہوتے اُن کے ارادے بھی پھر جاتے خصوصاً جب کہ دین اپنے نشوونما کی ابتدائی حالت میں تھا لیکن جب شوکت اسلام کو قوت ہوئی اور اس کے بہت سے مدد کرنے والے ہو گئے اور اُس کا نور چھا گیا اور یہ بات عام طور پر ظاہر ہو گئی کہ اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کا معاملہ محض خیر خواہی اور خالص شفقت پر مبنی ہے اور ان باطل اشاعات کی کوئی گنجائش نہ رہی تو اُس وقت آپ کے مولیٰ و مالک (خدا) نے ان منافقوں اور دوزخی لوگوں کی فضیحت اور سرزنش ملامت کی اور اس امر کی آپ کو اجازت دے دی کہ آپ اپنے مخلص پیروی کرنے والوں کی اُن سے اور اُن کے مکر سے ڈرایا کریں۔ پھر اس کے بعد یہ لوگ منقسم ہو کر دو فرقے بن گئے بعض نے تو جب اہلِ دین سے مخالطت کی اور اس پاک اور عادل شریعت کی حقیقت پر مطلع ہوئے اور اُنہوں نے اپنے باطل اعتقادات اور ادنیٰ درجہ کی عادات و رسوم

کا شریعت سے مقابلہ کیا تو اُن کی نیت خالص اور دل صاف ہو گیا اور گو پہلے منافقانہ ایمان لائے تھے لیکن پھر حقیقی مومن بن گئے اور پھر اُن کا شمار بھی بہترین اتباع اور بڑے بڑے انصار میں ہونے لگا اور بعض خوف کی حالت میں عداوت کا گھونٹ پی پی کر اپنے نفاق پر جمے ہی رہے اور ان لوگوں نے اگر اپنی جانوں کو تلوار کی دھار سے بچا بھی لیا تو کیا ہوُا آخرت میں اُن کو دردناک عذاب اُٹھانا ہی پڑے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کی یہ علامت قرار دی ہے جو اُن کے نفاق کا عنوان اور فرومائیگی کی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ منافق جب کوئی بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ خدا تعالیٰ سے ہم دین دنیا آخرت سب کی حفاظت اور سلامتی کی دُعا مانگتے ہیں۔

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم کا دار البقا کی جانب انتقال فرمانا اور اُس کی حکمت

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جب خدا تعالےٰ اپنے نازل کئے ہوئے قرآن کریم اور آپ کی استوار سنت سے جس کی اُس نے اپنے رسول پاک کی جانب وحی کی تھی اپنے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر پورا کر چکا (خدا تعالےٰ آپ کو آپ کی شان کے مناسب ہماری جانب سے جزائے خیر دے) تو اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے دین کو پورا کر کے ہمارے اوپر بہت ہی بڑا احسان کیا اور ہم کو بہت بڑی بزرگی سے سرفراز کر دیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے باکمال رسول پر اس روز جو ہمارے لئے عید اکبر تھا اپنے اس قول کو نازل فرمایا :-

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر چکا اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا ہے "

یہ کیسی کامل نعمت ہے اور کتنا ذی فضل احسان ہے۔ پس ہم اس کے عطاء

کرنے والے خدائے پاک کی حمد اور اس کا شکر کرتے ہیں جیسی حمد و شکر کا وہ مستحق ہے اور سارے محامد اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت کی۔ اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پا سکتے تھے اور اس آیت کریمہ کا نازل ہونا بلاشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دیتا تھا جیسا کہ اس بات کو آپؐ کے صدیق اکبرؓ اس آیت کو سنتے ہی سمجھ گئے اور رونے لگے کیونکہ نور بصیرت سے اُن کے لئے یہ امر ظاہر ہو گیا تھا (اور مومن خدا کے نور سے دیکھا کرتا ہی ہے) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا جانا اور دنیا میں آپ کا وجود شریف تبلیغ دین کی حکمت کے لئے تھا۔ پس جب دین کامل ہو چکا تو بعد اس کے دار فناء سے دار بقار کی جانب کہ وہی دار قرار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے سوا اور کیا رہ گیا۔

پس آپؐ دنیا سے خوشی خوشی تشریف لے گئے اور حال یہ ہے کہ آپ نے راہِ راست دکھلا دی جو کچھ خدا تعالےٰ کے پاس سے لائے تھے سب اُس کے بندوں کو آپ نے پہنچا دیا برابر امت کی خیر خواہی میں رہے اُن کو ایسے روشن راستہ پر چھوڑ کر گئے جس کی رات بھی دن کے مانند ہے اُن کے دلوں میں اپنی ایسی محبت جگر میں کر گئے ہیں جس کو کبھی عارض ہی نہ ہو اور ایسی الفت جو کبھی نہ جائے اُن لوگوں کی روحیں بھی آپ پر فدا ہیں ہر ہر زبان آپ کی حمد و شکر کی ثنا خوان ہے پس خدا تعالےٰ آپ کو تمام امت کی جانب سے جزائے خیر دے اور آپ کو وسیلہ اور درجہ رفیع و عالی دار البقار میں عنایت فرمائے اور آپ کے مولیٰ سبحانہ کی جانب سے آپ پر اور آپ کے ذی کرامت کنبہ والوں پر جو کہ ہدایت کے انوار ہیں اور آپ کے ذی عظمت اصحاب پر جو کہ تاریکی کے چراغ ہیں اشرف صلوات اور ازکی تحیات جب تک رات و دن آتے جاتے رہیں اور لیل و نہار کا دورہ ہوتا رہے نازل ہُوا کریں۔ اللّٰھم آمین۔

خاتمہ اس بات کے بیان میں کہ اسلام کا ماخذ قرآن و حدیث اور اجماع امت اور اجتہاد ہے اور اجتہاد مطلق کی شرطیں

اور چونکہ یہاں پر آکر ہمارا اصل کلام ختم ہُوا اور خدا نے بقدر امکان دین اسلام کی

حقیقت اور حقانیت کے بیان کرنے میں ہم کو رسائی عنایت فرمائی۔ اس لئے ہمیں مناسب ہے کہ ہم اپنے آخری کلام میں ایک خاتمہ اور ایک تنبیہ لکھیں خداوند تعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

خاتمہ تو اس کی تحقیق میں ہے کہ دین محمدی اپنے عقائد (کہ جن کو اصول کہتے ہیں) اور احکام سمیت (جن کا کہ نام فروع ہے) قرآن شریف اور اُن احادیث نبویہ سے ماخوذ ہے جو ہمارے پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان اصول و فروع میں سے کوئی شئے ان دونوں ماخذوں سے علیحدہ نہیں ہیں اور یہ دونوں ماخذ بلاشک دین کے پورے پورے متکفل ہیں اور دلیل اس کی وہی آیت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دین محمدی کے کامل ہونے کی تصریح کرتی ہے اور عقائد اگرچہ شمار میں آسکتے ہیں کہ الفاظ سے اُن کا صراحتاً یا قریب قریب صراحت کے بیان کر دیا جائے لیکن فروع اس قدر ہیں کہ اگر صراحتاً یا قریب قریب صراحت کے الفاظ سے اُن کو بتا دینے کا ارادہ کیا جائے تو اس قدر الفاظ کی حاجت پڑے گی جس سے جلدیں کی جلدیں پُر ہو جائیں گی اور اُس کے ثبوت میں یہ کیا کم ہے کہ نئے نئے حوادثاتِ زمانیہ کے آنے سے فروع بھی نئے نئے ہو جاتے ہیں۔

پس قرآن شریف اور احادیثِ کریمہ نے بقدر کفایت عقائد اور بتہیری فروع کی تصریح کر دی ہے اور کچھ قواعد کلیہ و ضوابط بتلائے ہیں جو فروع و مسائل کے جم غفیر کو مشتمل ہیں یا اُن میں سے بتہیرے امور پر اشارتاً یا کنایتاً دلالت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دین محمدی میں جتنی چیزوں کی حاجت ہے قرآن اور احادیث میں صراحتاً یا کنایتاً اور اشارتاً سب کی سب موجود ہیں اور چونکہ ان سب کا سمجھ لینا اُمت میں سے ہر شخص کا کام نہیں اس لئے خدا تعالےٰ نے ان دونوں عظیم اصلوں سے احکام کے نکال لینے اور عام امت کے لئے شائع کر دینے کے لئے دو اور طریقے مشروع کئے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ امت محمدیہ کا کسی امر پر اجماع و اتفاق کر لینا ہے۔ یعنی ان لوگوں کا اجماع کر لینا جو دین کی کافی معرفت اور شناسائی رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اجماع خطا سے محفوظ اور معصوم قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ لوگ سوائے ایسے امر کے جس کو انہوں نے نصوص قرآن اور احادیث سے

سمجھ لیا ہوگا اور کسی امر پر ہرگز اجماع نہ کریں گے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے ماخذ کی تصریح نہ کی ہو اور دوسرا طریق ایسے شخص کا اجتہاد ہے جس کو خدا نے دین میں فہمید عطا کی ہو اور قرآن عظیم اور احادیث رسول کریم کے احکام کی سمجھ عطا فرمائی ہو۔ پس خدا تعالےٰ نے ایسے شخص کو اجتہاد کی اجازت دی ہے جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا ہو اور یہ منصب اُن لوگوں کو عطا فرمایا ہے جن کا فضل امت میں ظاہر ہو چکا ہو۔

پس امت نے ان دونوں ماخذوں (قرآن اور احادیث) سے انہی دونوں طریقوں کے ذریعہ سے احکام کو استنباط کرنا شروع کئے یہاں تک کہ احکامِ دین کی تصریح سے اُن کے لئے احکام اجتہادیہ ہی کافی ہو گئے۔ اور اُن کو اپنی عبادات، معاملات آداب و حدود میں جتنی چیزیں لازم تھیں سب دستیاب ہو گئیں۔ پھر علمار امت نے اُن صفات سے بحث کی ہے جن کا وجود ایسے شخص (مجتہد) میں ضروری ہے اور جن کی وجہ سے وہ اجتہاد اور قرآن و احادیث سے احکام استنباط کرنے کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اُنھوں نے اُن کو اُن شرائط میں منحصر پایا جن کا آگے بیان ہوتا ہے۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ یہ شخص قرآن شریف کے علم پر حاوی ہو اس طرح پر کہ اُس کے لغوی اور شرعی معانی سے واقف ہو۔ لغوی معانی سے تو اس طرح پر کہ (الفاظ) مفردات اور مرکبات کے معانی اور اُن کی خصوصیتوں سے واقفیت رکھتا ہو جو اُن میں معانی کے سمجھنے کے اعتبار سے پائی جاتی ہوں اور اُس کے لئے کئی کئی علموں کی حاجت ہو گی۔ اول تو علمِ لغت ہے جس سے وہ معانی معلوم ہوں گے جن کے لئے عربی لغت کے (جس میں کہ قرآن کریم نازل ہوا ہے) الفاظ مفردہ وضع کئے گئے ہیں۔

دوسرے علم صرف ہے جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کی بنار اور اُن کے صیغوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرے علم نحو جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کے وہ حالات جو مرکب ہونے کے وقت اُن کو لاحق ہوا کرتے ہیں اور نیز اس وقت ان کے مبنی اور معرب ہونے کی کیفیت اور اُن کے ایسے معانی پر دلالت کرنے کا حال جو ترکیب سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔

چوتھے علم معانی جس سے کلام عربی کے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جن سے وہ کلام مقتضائے حال (یعنی موقع و محل کے مقتضاء) کے مطابق ہوتا ہے۔

پانچویں علم بیان جس سے ایک معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنا معلوم ہوتا ہے لیکن اس امر میں یہ تعمیم ہے کہ ان علوم مذکورہ کو اس نے پڑھ لکھ کر حاصل کیا ہو یا اپنے سلیقہ سے اُن سے واقفیت رکھتا ہو جیسا کہ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تھا۔

رہا قرآن کے شرعی معانی کا جاننا سو اس طرح پر ہے کہ اُن معانی سے واقفیت ہو جو احکام شرعیہ میں مؤثر ہیں۔ مثلاً خدا تعالےٰ کے اس قول میں او جاء احد منکم من الغائط[1] میں یہ جانتا ہو کہ غائط سے مراد حدث ہے (یعنی بدن سے کسی نجاست کا نکلنا جو ناقض وضو ہے) اور یہ کہ حکم کی علت زندہ انسان کے بدن سے نجاست کا نکلنا ہے اور نیز وہ شخص (مجتہد) قرآن شریف کے اقسام جو اصول فقہ میں مذکور ہوتے ہیں جانتا ہو یعنی خاص، عام، مشترک، مجمل، مفسر، محکم، مطلق، مقید، صریح، کنایہ، ظاہر، نص، خفی، مشکل، متشابہ، دال بعبارتہ، دال باشارتہ، دال باقتضائہ، دال بدلالتہ، مفہوم معتبر، امر و نہی کا مقتضا اور اس کے علاوہ وہ امور جن کا علم اصول میں ذکر ہوتا ہے کہ جو علوم دینیہ میں سے بہت ہی عظیم علم شمار کیا جاتا ہے اور ان اقسام کا محض جاننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ فلاں شئے خاص ہے اور فلاں عام ہے اور یہ ناسخ ہے اور وہ منسوخ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ اخیر (یعنی ناسخ و منسوخ کا جاننا) نصوص کے نزول کی تاریخ سے واقفیت رکھنے پر موقوف ہے۔ اس طرح پر کہ فلاں نص پہلے نازل ہوئی پھر فلاں اُس کے بعد نازل ہوئی اور یہ امور معانی کے جاننے کے معائر اور اُن کے علاوہ ہیں لیکن امور مذکورہ کے مواقع کا اس طور پر جان لینا کافی ہے کہ حکم کے طلب کرنے کے وقت اُن کی طرف رجوع کرنے پر قدرت ہو یعنی ان علوم میں اُسے خوب مہارت ہو یہ نہیں کہ زبانی یاد ہوں اور اس موقع پر قرآن سے مراد بھی اُسی قدر ہے جس کو معرفت احکام سے تعلق ہے۔ اجتہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کم سے کم احادیث سے اس قدر

---

[1] غائط لغت میں اُس میدان کو کہتے ہیں جو پست ہو اور اس سے پاخانہ سے کنایہ کیا جاتا ہے اس لئے کہ اکثر پست زمین میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے ہیں۔ ۱۲ کما فی منتہی الارب

واقف ہو جس قدر کہ احکام سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ بھی اس طرح پر کہ متن احادیث کو جانتا ہو۔ یعنی اُن کے لغوی اور شرعی معنی سے واقفیت رکھتا ہو جیسا کہ قرآن کے بارے میں گزرا اور اُن کے خاص و عام وغیرہ اقسام کو پہچانتا ہو جن کی نظیر قرآن کے بیان میں بھی گزر چکی ہے۔

اور اُن احادیث کی سند کا بھی علم رکھتا ہو اور مراد اس سے احادیث کے ہم تک پہنچنے کا طریق ہے خواہ وہ تواتر[1] ہو یا مشہوریت[2] ہو یا آحاد[3] ہو اور اس میں حدیث کے راویوں کے احوال کی معرفت بھی مندرج ہو جائے گی کہ وہ معدل ہیں یا مجروح ہیں اور یہ بہت ہی وسیع علم ہے۔ اس میں صحیح تاریخ سے مطلع ہونے کی بڑی ضرورت ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجتہدین کے مابین ایک طویل زمانہ حائل ہو گیا اس لئے راویوں کے حالات سے بطور خود واقف ہونا تو بہت ہی مشکل ٹھہرے گا۔ پس اُن ائمہ کی تعدیل اور تجریح پر اکتفا کیا جائے گا جو علم حدیث کے امام مانے گئے ہیں اور اُن پر اس بارہ میں وثوق کیا گیا ہے۔ اجتہاد کی تیسری شرط وجوہ قیاس کو جاننا ہے یعنی اُس طریق کو جس کے ذریعہ سے مجتہد احکام کو مستنبط کرتا ہے۔ ان سب طریقوں کے شرائط، اُن کے احکام، اقسام اور یہ کہ اُن میں سے کون سی قسم مقبول ہے اور کون سی مردود۔ ان سب کو جانتا ہو جیسا کہ کتب اصول میں بیان کیا گیا ہے۔ اجتہاد کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اُن مسائل کو جانتا ہو جن پر اُن علماء اسلام کا اجماع ہو گیا ہے جن کا اجماع معتبر ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اُن کے اجماع کی مخالفت نہ کرے اور یہ تو سب ہی

---

[1] تواتر سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ عقل سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال سمجھتی ہو۔ [2] مشہور سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے حد تواتر کو تو نہ پہنچی ہو لیکن کسی مرتبہ میں راوی تین سے کم نہ ہوئے ہوں۔ تین یا تین سے زائد ہی رہے ہوں۔ [3] آحاد سے مراد یہ ہے کہ اُس حدیث کی سند میں تواتر کے شروط نہ پائے جاتے ہوں۔ پھر خبر آحاد کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مشہور ہے دوسری عزیز جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے راوی کسی مرتبہ میں دو سے کم نہ ہوئے ہوں۔ تیسری قسم غریب ہے جس کا کسی مرتبہ میں ایک راوی رہ گیا ہو۔ ۱۲ نخبۃ الفکر

جانتے ہیں کہ مجتہد کا ایماندار ہونا۔ عادل ہونا شرائط میں سے ہونا چاہیئے۔ اس بارہ میں کلام کے طویل کرنے کی کوئی حاجت نہیں اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہی ہے۔

پس جب کسی شخص میں یہ شرعی شرطیں کامل طور سے پائی جائیں تو اُسے جائز ہے کہ قرآن اور حدیث سے شرعی احکام کا استنباط کرے اور دوسرے لوگوں کو جو اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے اس کی تقلید اور پیروی کرنا اور اُس کے استنباط کئے ہوئے احکام پر عمل کرنا جائز ہے۔ پھر علمائے اہل سنت نے اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں خدا کے نزدیک حق ایک ہی امر ہے اور بعد اس کے کہ مجتہد نے حق کے ظاہر کرنے میں اپنی پوری کوشش اور محنت صرف کر لی ہے۔ اگر حق تک اُس کی رسائی ہو جائے تو اُسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر پوری کوشش کرنے کے بعد بھی وہ حق سے چوک جائے تو وہ معذور ہے اور اسے اپنی کوشش اور محنت کا اجر ملے گا اس لئے کہ اس کے ذمہ نہ صرف اپنی کوشش کو صرف کرنا تھا سو وہ کر چکا اور چونکہ امر حق کی دلیل خفی تھی اس لئے وہاں تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ ہاں اگر امر صواب تک پہنچانے والی دلیل ظاہر ہو لیکن مجتہد اپنی کوتاہی اور تقصیر اور اجتہاد میں کوشش و مبالغہ نہ کرنے کی وجہ سے امر صواب تک نہ پہنچ سکا تب البتہ مستحق عقاب ہے اور بعض سلف سے جو آپس میں ایک دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں طعن کرنا منقول ہے تو وہ اس بات پر مبنی ہے کہ طعن کرنے والے کے گمان میں طریق صواب ظاہر تھا اور یہ سب کچھ مسائل فرعیہ کے باب میں ہے اس لئے کہ اُن میں غلبۂ ظن کافی ہوتا ہے اور عمل کرنے کے لئے اسی کا حاصل ہو جانا مقصود ہے رہا اصول و عقائد میں اجتہاد کرنا تو اُس میں خطا کرنے والا یا تو سزا دیا جائے گا یا وہ گمراہ سمجھا جاوے گا یا وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ عقائد کے باب میں مطلوب ہوتا ہے کہ قطعی دلیلوں سے یقینی علم حاصل ہو جائے نہ کہ صرف ظنی اور صحیح یہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو استدلال پر قادر ہو اگرچہ وہ دلیل اجمالی ہی سے کیوں نہ استدلال کر سکتا ہو جب کسی عقیدہ میں کسی دوسرے کی تقلید کرلے گا تو استدلال کے ترک کرنے کی وجہ سے ضرور گنہگار ہوگا اگرچہ یہ دوسرا شخص جس کی اُس نے عقیدہ میں تقلید کی ہے امام ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ ہی کیوں نہ ہوں یعنی اگر کسی شخص کے پاس کسی عقیدہ کی قطعی دلیل موافق قواعد شرعیہ کے موجود ہے چاہے وہ اجمالی ہی دلیل

کیوں نہ ہو تو اُس کو ہرگز جائز نہیں کہ محض دوسروں کی تقلید میں اُس عقیدہ کے خلاف کہنے لگے اور اپنی قطعی دلیل کے مقتضا رکو چھوڑ دے۔

پس اس موقع سے آپ کو ان لوگوں سے نہایت تعجب معلوم ہو گا جو بلا کسی یقینی دلیل کے بہت سی باتیں محض اس وجہ سے یقین کر لیتے ہیں کہ علم افلاک کے فلاں جاننے والے علم جیالوجی کے فلاں جاننے والے نے یوں کہا ہے باوجودیکہ یہ باتیں عقیدۂ اسلامیہ یا متواتر نص شرعی کے ظاہر کی مصادم و مخالف ہوتی ہیں۔ ایسے رسوا کرنے والے جہل سے خدا کی پناہ۔

دین اسلام کا فروع کے اعتبار سے مختلف مذاہب رکھنا اور سوائے چار مذاہب کے اور مذاہب کا باقی نہ رہنا اور یہ کہ آپس میں مسلمان ان چاروں مذاہب والوں کو حق پر سمجھتے ہیں

ہاں جب اس مخالف کا قول ہمارے نزدیک قطعی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اس وقت بے شک ہمارے ذمہ تاویل کر کے دونوں میں تطبیق دینا ضروری ہے جیسا کہ گزر چکا ہے (جو یہ جو کچھ گفتگو اجتہاد پر کی گئی یہ سب کی سب اجتہاد مطلق کے بارہ میں ہے اور یہ مضمون تنقیح اور اُس کے حواشی سے ماخوذ ہے اور اُس کے ساتھ بغرض توضیح کچھ میں نے بڑھا دیا ہے۔ رہا اجتہاد مقید یعنی کسی خاص مسئلہ میں اجتہاد کرنا سو اس میں یہ گفتگو نہیں ہے)

اسی مقام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف مذاہب[1] کی کیا

---

[1] دین اس طریق کو کہتے ہیں جو اصول کے لحاظ سے قائم کیا جائے اور کسی دین میں جو فروع کے اعتبار سے طریق قائم کر لیا جائے اُسے مذہب کہتے ہیں۔ پس حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان سب کا [illegible] ہے یعنی اسلام اور مذاہب مختلف ہیں اور کبھی لفظ مذہب دین کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

۱۲ مترجم

وجہ ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا اتباع کرتے ہیں۔ کچھ لوگ امام مالک بن انس کا کچھ لوگ محمد بن ادریس شافعی کا کچھ لوگ امام احمد بن حنبل کا (رضی اللہ عنہم وارضاہم[1]) اور وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ایسے درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ وہ مطلق اجتہاد کر سکے اور شریعت محمدیہ کی نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جہاں تک کہ اُس کا اجتہاد پہنچے اور جہاں تک کہ اُس کے کمال علمی اور استعداد سے اس کو رسائی حاصل ہو اُس کے موافق احکام استنباط کیا کرے اور ساتھ ہی اُس کے یہ بھی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ٹھیک طریقہ پر چلتا تھا اور راہ صواب کے دریافت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیتا تھا۔

پس ان ائمہ کے اتباع کرنے والے اُن مسائل پر عمل کر کے اُن کی تقلید کرتے ہیں جو ان ائمہ نے استنباط کئے اور شریعت سے سمجھے ہیں اور وہ اس تقلید میں خدا کے نزدیک ضرور نجات پانے والے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مجتہدین کو اجتہاد کرنے کی اور مقلدین کو تقلید کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون[2] -

اور مجتہدین ہی ایسے لوگ ہیں جن کی بات پختہ ہوتی ہے اور دین میں معرفت رکھتے ہیں۔ پھر جب کسی مقلد سے اُس شخص کے بارہ میں دریافت کیا جائے گا جو اُس کے امام کے علاوہ کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ خدا کے نزدیک اس کو نجات ملے گی کیونکہ اُس نے ایسے مجتہد کی تقلید کی ہے جس میں اجتہاد کی پوری پوری شرطیں پائی جاتی ہیں اور ابتدائے اسلام میں ان چار مجتہدوں کے علاوہ جن کا ابھی ذکر ہوا صحابہ۔ تابعین اور اُس کے بعد کے لوگوں میں سے بہت سے مجتہد تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) لیکن اُن کے اس قدر پیروی کرنے والے نہ ہوئے جو اُن کے اقوال کو بطریق تواتر یا اور کسی صحیح طریق پر جس پر وثوق کیا جا سکے نقل کرتے

---

[1] خدا اُن سے خوش رہے اور انہیں بھی خوش کرے ۱۲۔

[2] اگر تم کو معلوم نہ ہو تو ایسے لوگوں سے پوچھ لو جن کی بات پختہ ہوتی ہے ۱۲۔ ⁂

اس لئے اُن کے مذاہب صفحہ عالم سے مٹ گئے۔ باقی رہے یہ چاروں مجتہد سو بہ توفیق خداوندی اُن کے پیروی کرنے والے علماء اعلام ہوئے جنہوں نے اُن کے اقوال کو اس زمانہ تک بطریق تواتر یا ایسے طریق پر جس پر وثوق ہو سکے نقل کیا اُن کو یاد رکھا اور کتابوں میں اُن کو مدون کر دیا گیا۔ گروہ کے گروہ نے یکے بعد دیگرے بعض نے بعض سے بالمشافہ اور بذریعہ درس و تدریس کے ان کے مسائل کو حاصل کیا اسی وجہ سے اُن کے مذاہب باقی رہے اور آج تک اُن کی پیروی کرنے والے پائے جاتے ہیں اور ان مقلدین میں سے ہر فریق دوسرے فریق کو طعن نہیں کرتا اور نہ اُن کو گمراہ و فاسق کہتا ہے اور ہر شخص کو جائز ہے کہ ان اماموں میں سے جس کی چاہے تقلید کرے اور کسی کی تقلید کرنے کے بعد بھی اُسے جائز ہے کہ ایک امام کی تقلید چھوڑ کر انہی میں سے کسی دوسرے امام کی تقلید کرنے لگے اور یہ امر اُس کے دین میں معیوب نہ شمار کیا جائے گا جبکہ یہ انتقال اور ایک امام کو چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرنے لگنا کسی صحیح شرعی غرض سے ہو۔ مسلمانوں کے احوال پر جو کہ ان اماموں کے پیرو ہیں اطلاع رکھنے والا جن امور کا مشاہدہ کرتا ہے اُن سے یہ باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں۔

چونکہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ سب آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں چنانچہ حنفی مذہب کا آدمی شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب کی عورت لے آتا ہے یا اس کے بالعکس ہوتا ہے اُن سب کی مسجدیں بھی ایک ہوتی ہیں۔ اُن کا خلیفہ بھی ایک ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان میں باہم کوئی ایسی شے نہیں معلوم ہوتی جس سے ذرا بھی عداوت یا طعن سمجھا جاتا ہو اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ حنفی شافعی بن جاتا ہے اور کبھی بالعکس بھی ہوتا ہے۔ غایت سے غایت یہ ہے کہ ہر متبع اپنے امام کے مذہب کی رعایت کرتا ہے جس کی پیروی اُس نے اختیار کر لی ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے۔ اور دوسروں پر جو ان مذاہب میں سے اپنے امام کے مذہب پر عمل کرتے ہیں انکار نہیں کرتا۔

پس چاروں مذہب کے اعتبار سے جو مسلمانوں میں شائع ہیں اُن کی مذکورہ حالت ہے اور یہ ایسی حالت ہے کہ اُن کے اصول شریعت پر پورے طور سے منطبق ہو جاتی ہے جو اس بات کو نہ جانتا ہو وہ اب اسے اچھی طرح جان لے ۔

علماء حنفیہ کا چوتھی صدی کے بعد سے باب اجتہاد کے مسدود ہونے کا قائل ہو جانا اور اس قول کے صحیح اور عین حکمت ہونیکا ثبوت

پھر جب شرائط سابق الذکر میں غور کیا جاتا ہے جن کا موجود ہونا کسی شخص کے مجتہد بننے اور مرتبہ اجتہاد پر پہنچ جانے کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ شرعی احکام کے استنباط کرنے کے لائق سمجھا جاسکے تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن سب شرائط کا لوگوں میں مجتمع ہو کر پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور آئندہ زمانہ میں بھی رہے گا لیکن بعض علماء اعلام اس بات کے قائل ہو گئے ہیں جیسا کہ علماء حنفیہ سے منقول ہے کہ چار سو ہجری سے اجتہاد کا (یعنی اجتہاد مطلق کا) دروازہ بند ہو گیا اور بسا اوقات بعض لوگوں کے خیال میں یہ آتا ہے کہ ان علماء کا یہ حکم لگانا درست نہیں ہے کیونکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب تک یہ بات ہے کہ اجتہاد کی شرائط مذکورہ کا مجتمع ہو کر کسی شخص میں پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور آئندہ بھی رہے گا تو اس امر سے کون سا مانع ہو سکتا ہے کہ اُس زمانہ کے بعد بھی کوئی مجتہد جامع شروط مذکورہ پایا جائے حتیٰ کہ زمانہ موجود میں بھی لیکن اگر تدقیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان علماء کا یہ کہنا بالکل صواب کے موافق عین حکمت اور مقتضائے مصلحت دینی ہے اور یہ قول ان علماء کے باریک بینی دقت نظری اور زمانہ اور انقلابات زمانہ کے احوال کی معرفت اور اس امت محمدیہ کی شان میں جو خداوندی اسرار ہیں اُن کی واقفیت پر مبنی اور اس سے ناشی ہے اور بیان اُس کا یہ ہے کہ یہ علماء جو چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد کے مسدود ہونے کے قائل ہیں انہوں نے قرون ثلثہ (یعنی تینوں زمانوں کے لوگوں کے حالات) میں غور کیا اور وہ زمانۂ صحابہ، زمانۂ تابعین، زمانۂ تبع تابعین کے لوگ ہیں۔

پس انہوں نے دیکھا کہ ازمنہ ثلثہ کے لوگ بتوفیق خداوندی علومِ شریعت کی تحصیل پر پورے اترے ہیں اور مواد اجتہاد کے حاصل کرنے پر بڑے حریص تھے۔ قرآن کریم اور جو تفسیریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور اُن سے اور احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور فتاویٰ صحابہ وغیرہ سے انہوں نے بخوبی واقفیت بہم

پہنچائی تھی اور اُن سے احکام کے مستنبط کرنے میں وہ جان توڑ کر سعی کرتے تھے۔ علاوہ بریں اسی قبیل کے اور امور میں بھی انہوں نے اپنی کوشش کو صرف کیا تھا جس کی وجہ سے اُس زمانہ کے علماء اس لائق ہو گئے کہ ان میں سے بہتیرے مرتبۂ اجتہاد پر پہنچ جائیں خصوصاً جب کہ اُن کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بھی قریب ہو یا آپ کے دیکھنے والوں کے زمانہ کے قریب ہو اور یہ خدا تعالےٰ کی بہت بڑی عنایت کا ظہور ہوا کہ اُس نے اُس زمانہ کے لوگوں کو اس قابل بنا دیا کیونکہ دین کے بارہ میں جس قدر چیزوں کی حاجت ہو سکتی تھی سب کی سب اسی زمانے میں مکمل اور تام ہو گئیں چنانچہ قرآن شریف جمع کر لیا گیا اُسے بہتیرے لوگوں نے یاد کر لیا کسی قسم کی تبدیل و تغیر کی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی۔ تمام آفتوں سے حفاظت کا پورا پورا سامان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بڑی احتیاط سے جمع کی گئیں اور کتابوں میں مدون کر دی گئیں۔ ان کی تحصیل میں دور دراز ممالک کے سفر اختیار کئے گئے۔ علمائے امت میں سے جن میں اجتہاد کی قابلیت تھی وہ ان دونوں عظیم اصلوں یعنی (قرآن و حدیث) سے احکام استنباط کرنے پر ہمہ تن جھک پڑے۔ یہاں تک کہ اس میں انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی اور دینی احکام کے اعتبار سے امت کی ضروریات میں سے سوائے ایک آدھ نادر امر کے جس کے وقوع کا اتفاق قوموں کی قوموں میں کہیں اتفاقی طور پر ہو سکتا ہے کوئی شئے باقی نہیں رہی اور نہایت بہتر اور استوار طریق پر دین کا کام پورا ہو گیا اور یہ ساری کارروائی قرون ثلثہ میں ہوئی۔

پس اس کے بعد کے لوگوں کے لئے صرف یہ کام رہ گیا کہ وہ اُنہی احکام کو مدون کریں اُن کو شائع کریں اور امت کو وہی احکام پہنچا دیں۔ پھر اس زمانہ کے بعد سے جو کچھ علوم دینیہ کی تحصیل کا ذوق و شوق اس سے پہلے عام طور پر پایا جاتا تھا اُس میں کمی شروع ہوئی اور اس بارہ میں لوگوں کی ہمتوں میں فتور آنا شروع ہوا اور دن بہ دن اس فتور میں زیادتی ہی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پچھلے زمانوں میں یہ فتور اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور یہ ایسا امر ہے کہ جو اسلامی تاریخ سے ادنیٰ درجہ کی بھی واقفیت رکھتا ہو گا وہ اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آج کل کے بڑے

سے بڑے علماء کو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ان علوم مذکورہ میں سے جو مجتہد کے لئے مشروط ہیں اُن کو بعض میں کمال حاصل ہوتا بھی ہے تو اور دوسرے علموں میں وہ قاصر رہتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر بتلائیے کہ وہ علماء میں سے کون شخص ہے جسے ہم ان ایام میں قرآن کے تمام علوم پر حاوی خیال کر سکتے ہوں یعنی وہ قرآن کے معانی، نحویہ اور شرعیہ کی معرفت بھی رکھتا ہو۔ علوم عربیہ، نحو، صرف، معانی اور بیان وغیرہ کا بھی ماہر ہو۔ قرآن کے اقسام مذکورہ خاص عام وغیرہ سے بھی واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ قرآن شریف میں کون سا قول کون سی قسم میں داخل ہے اور باہم ایک دوسرے میں کیا فرق ہے اور اس میں کون ناسخ کون منسوخ ہے اور وجوہ قیاس بھی اُسے معلوم ہوں اور جن مسائل پر کہ امت کا اجماع ہو چکا ہے اُن کی بھی اُسے خبر ہو اور احادیث نبویہ کے متعلق متن اور سند کے اعتبار سے جو علوم ضروری ہیں اُن کو بھی جانتا ہو جیسا کہ مجتہد کی شرطوں کے بیان میں اُس کا ذکر ہو چکا ہے اور اگر کوئی شخص ان تمام شرطوں پر حاوی ہونے کا مدعی ہو تو اُسے دلیل سے ثابت کرنا چاہیئے ؎

کل من[1] یدعی بما لیس فیہ   کذبتہ شواھد الامتحان

میرا خیال ہے کہ جو شخص اس امر سے واقف ہو گا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ابویوسف، محمد، زفر، حسن (رضی اللہ عنہم) کے ایسے لوگوں نے جب اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا تو وہ شخص ضرور اس مرتبہ کے دعوے کرنے سے شرماوے گا خصوصاً جبکہ وہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں قرآن وحدیث کی تفاسیر کی کتابیں اور اُن کی شروح اور کتب اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ اور ایسے ہی اور علوم کی کتابیں جو مرتبۂ اجتہاد کے لئے رکن اعظم ہیں بکثرت ملتی ہیں۔ پس اس سے کون سا امر مانع ہے کہ اس زمانہ میں بھی ان علوم سے جو مجتہد کے لئے مشروط ہیں کوئی ماہر ہو جائے اور انہی کتب مذکورہ پر اعتماد کر لے اور یہی علوم جو مرتبۂ اجتہاد کے رکن اعظم ہیں اُن کے لئے یہ کتابیں بڑی کفیل ہیں اور اس بناء پر تو ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] ترجمہ:۔ ہر وہ شخص جو اپنی نسبت کسی ایسے وصف کا دعویٰ کرے جو اس میں نہ ہو تو شواہد امتحان اُس کی تکذیب کریں گے۔ ۱۲ مترجم

صدر اسلام کی بہ نسبت جب کہ یہ کتابیں مدون نہیں ہوئی تھیں اس زمانہ میں اجتہاد بہت آسان ہے تو میں کہوں گا کہ ہاں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے لیکن در سفینہ نہ در سینہ اور مجتہد کے لئے اگرچہ یہ شرط نہیں ہے کہ ان علوم پر اتنا حاوی ہو کہ سب کچھ اُس کے سینہ ہی میں موجود ہو لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ اُن میں سے ہر شئے کے مرجع اور اصل میں سے اتنا ماہر ہو کہ کسی حکم کا مرجع اور اُس کے اصل اُس کے نزدیک مخفی نہ رہے یہاں تک کہ حاجت کے وقت بلا تکلف اُس کی جانب مراجعت کر سکے اور اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو اُس زمانہ میں کوئی شخص ایسا بھی نہیں پایا جاتا ہے جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہو۔

بھلا بتلائیے وہ کون شخص ہے جو اس زمانہ میں ان ساری شرطوں کو پورے طور سے حاصل کر کے ہر ہر حکم کے استنباط کرنے کے لئے مستعد ہو اور ان کتابوں میں سے ہر ہر حکم کے مرجع کی جانب مراجعت کرنے پر قدرت رکھتا ہو اس طرح پر کہ اُس کے ذریعہ سے ہر ناسخ و منسوخ آیت اور ہر ناسخ و منسوخ حدیث کی جو کسی آیت یا حدیث سے منسوخ ہوئی ہو معرفت تک رسائی حاصل ہو اور تواتر، مشہوریت اور آحاد وغیرہ مراتب حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور تمام اجماعی مسائل کو بھی جانتا ہو اور اُس کے علاوہ اُن امور سے بھی واقف ہو جو پہلے گزر چکے۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد کے مسدود ہو جانے کے قائل ہیں اُن کے قول کی صحت پر براہین قائم کرنا تو طوالتِ طلب ہے اس کے لئے اس باب میں ایک خاص تالیف کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابن الحاج کے کلام کو چوتھی صدی کے بعد سے باب اجتہاد کے مسدود ہو جانے کی تائید میں نقل کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے قرونِ ثلثہ کی فضیلت ثابت ہونا

لیکن میں اس موقع پر علامہ ابن الحاج کا کلام جو میں نے مدخل میں دیکھا ہے نقل کروں گا جس سے اس مقام کی توضیح ہو جائے گی اور ہر منصف شخص کو جو عناد سے

بری ہو تسکین حاصل ہوگی۔ میں نے ان کی طویل تقریر کو دفع تشویش کی غرض سے کچھ مختصر کرلیا ہے۔ علامہ موصوف (رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''خیر القرون[1] قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' الحدیث پر گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام تینوں مذکورہ زمانے کے لوگوں کے بارہ میں ہے یعنی اُن کے غالب حالات کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ اُن میں ایسے فرقہ کے لوگ بھی تھے جن کی پیروی نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ نے صرف اہل علم مراد لئے ہیں (پھر علامۂ موصوف نے کہا ہے) اور شارع علیہ السلام کی حکمت کو دیکھو کہ اوروں کو نہیں صرف انہی تین زمانوں کے لوگوں کو کیسے اپنے قول میں فضیلت کے ساتھ خاص کیا ہے اگرچہ اور زمانہ کے لوگوں میں سے بھی بتہیروں میں خیر و برکت پائی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ ان زمانوں کے لوگوں میں ایسی فضیلت موجود ہے کہ اُس میں اور زمانہ کے لوگ اُن کی برابری نہیں کرسکتے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اعلاء کلمۃ اللہ اور اپنے دین کی اقامت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ پس اول قرن یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے علم کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس کے علاوہ بھی خدا تعالےٰ نے انہیں ایسی خصوصیت بخشی ہے اور ایسی فضیلت عنایت کی ہے کہ کوئی شخص اُن کی (صحابہ رضی اللہ عنہم کی) گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ خصوصیت بخشی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے تھے۔ آپؐ کے حالات اور آپ کے اوپر قرآن شریف کے تازہ بہ تازہ نازل ہونے کا مشاہدہ کرتے تھے اور یہ کہ قرآن کی آیتیں جو تھوڑی تھوڑی نازل ہوا کرتی تھیں اُن کو برابر یاد کرتے جاتے تھے۔ اس طور پر خدا تعالےٰ نے ان کو اس قابل کردیا تھا کہ انہوں نے قرآن کو پورا پورا یاد کرلیا۔ ایک حرف بھی اُس سے ضائع نہیں ہونے پایا۔

پس انہوں نے قرآن کو یکجا کردیا اور اپنے بعد والوں کے لئے آسانی کرگئے اور یہ کہ انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور جیسا کہ

---

[1] تمام زمانوں کے لوگوں سے میرے زمانہ کے لوگ بہتر ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔ مترجم

چاہیئے تھا۔ اُنہوں نے اُن کو خطا، غلطی، سہو اور غفلت وغیرہ سے بچائے رکھا اور احادیث کی حفاظت میں یہاں تک کوشش کی گئی کہ امام مالکؒ کو جب کسی حدیث میں شک ہو جاتا تھا تو وہ اُس کو قطعاً ترک کر دیتے تھے اور پھر کبھی بیان نہ کرتے تھے حالانکہ وہ قرون اول سے نہیں ہیں یعنی صحابیؓ نہیں بلکہ تبع تابعی ہیں۔ پھر جب اُن کی یہ حالت تھی تو قرون اول کے لوگوں (صحابہ) کی نسبت آپ کیا خیال کریں گے حالانکہ دین میں سب سے بہتر وہی لوگ پائے جاتے ہیں اور ضبط و حفظ کے لحاظ سے تو اُن کی تعریف کا احاطہ ہی ممکن نہیں ان کو کوئی پہنچ ہی نہیں۔ خدا تعالےٰ اپنے نبی کی اُمت کی جانب سے اُن کو جزائے خیر دے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے خلوص کے ساتھ دعوتِ اسلام کی اور دین میں جو نقص نکالے گئے ان کو دلیل سے دفع کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اُسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ اس امت کے لوگوں میں اُن کا دل سب سے زیادہ پاک تھا اُن کا علم سب سے زیادہ عمیق تھا۔ اُن میں تکلف سب سے کم تھا ان کی خصلتیں نہایت استوار تھیں۔ ان کا حال سب سے بہتر تھا۔ خدا نے اُن کو اپنے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے انتخاب کیا ہے۔ اُن کے فضل کو پہچانو اور اُن کے قدم بقدم چلو کیونکہ وہ راہِ راست پر تھے انتہیٰ۔

پس جب یہ پاک نفس لوگ اپنی راہ چلے گئے تو اُن کے جانشین تابعینؒ ہوئے اور جو حدیثیں متفرق تھیں اُن کو اُنہوں نے جمع کیا اور بعض نے ایک ایک حدیث اور ایک ایک مسئلہ کی طلب و تحقیق میں مہینہ دو مہینہ کی راہ طے کی اور امر شریعت کو نہایت کامل طور پر منضبط کر دیا۔ احکام اور تفاسیر کو حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت ابن عباسؓ ایسے صحابہ سے حاصل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کہ میں تم

لہ صحابی ان مسلمانوں کا لقب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دیکھنے والے ہیں اور صحابی کے دیکھنے والے مسلمان تابعی کہلاتے ہیں اور تابعی کے دیکھنے والے مسلمان تبع تابعی کہلاتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

لوگوں میں ہوں مجھ سے پوچھ لو۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ ترجمانِ قرآن ہیں۔

پس جو شخص ایسے لوگوں سے ملا ہو سمجھ لیجئے کہ اُس کا علم و عمل کیسا کچھ ہو گا اُس کی حالت کیسی ہو گی؟ پس اس دین کے اقامت اور نیز اس اعتبار سے قرن ثانی والوں کو بھی فضیلت کا وافر حصہ ملا کہ انہوں نے صاحب شریعت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ اسی لئے وہ اپنے بعد والوں سے بہتر ٹھہرے۔ پھر اُن کے جانشین اُن کے اتباع کرنے والے ہوتے اور وہ لوگ تبع تابعین (رضی اللہ عنہم) کہلاتے ہیں۔ اُن میں بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوئے جن کی کہ لوگ تقلید کیا کرتے تھے اور واقعات میں اُنہی کی جانب رجوع کرتے اور وہ تمام مشکلوں کو حل کر دیتے تھے۔

پس اُنہوں نے قرآن کو بحمد اللہ مجتمع پایا جس سے ہر طرح کی سہولت ہوئی اور حدیثیں بھی اُن کو منضبط اور محفوظ ملیں۔ پھر انہوں نے جو حدیثیں متفرق تھیں اُن کو جمع کیا اور قواعد شرعیہ کے موافق قرآن اور احادیث میں احکام کی جستجو اور دیکھ بھال کرنے لگے۔ قرآن و احادیث کے فوائد انہوں نے استخراج کئے اور اُن سے قواعد اور احکام کو مستنبط کیا اُن کو عقلی اور نقلی طور پر بیان کیا۔ انہیں کتابوں میں مدون کر کے لوگوں کے لئے سہولت کر دی۔ فروع کو اصول سے استخراج کر کے اور فرع کو اُس کی اصل کی طرف راجع کر کے تمام مشکلات کو بیان کر دیا اور اصل کو فرع سے متمیز کر دکھایا۔

پس دینی حالت نہایت منتظم اور باقاعدہ ہو گئی اور اُن کے سبب سے امت محمدیہ کے لئے دین میں خیر عظیم نے قرار پکڑا۔ پس اُن لوگوں کو بھی اقامتِ دین کی حیثیت سے یہ خصوصیت حاصل ہو گئی کہ وہ صاحبِ شریعت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیکھنے والوں سے ملاقی ہوئے اور باوجود اس کے ان لوگوں نے یہ بھی کیا کہ اپنے بعد والوں کے لئے دین میں کوئی ایسی شئے نہیں چھوڑی جس میں کسی کی اصلاح کی حاجت ہو یا وہ اس کی تکمیل میں مشغول ہو۔

پس جتنے لوگ اُن کے بعد آتے گئے وہ باعتبار غالب اُنہی کے مقلد اور

تابع رہے۔ اگر اُن کے بعد والے لوگوں کے لئے کوئی فقہی امر یا کوئی فائدہ اُن کے خلاف ظاہر ہُوا ہو تو وہ سب کا سب قابلِ ردّ ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ جو احکام پہلے مقرر ہو چکے ہیں ان میں سے کسی میں کمی بیشی کریں تو وہ بالاجماع قابلِ ردّ ہے باقی رہے وہ فوائد جو اُن کے بعد والوں نے استخراج کئے ہیں اور وہ احکام کے متعلق نہیں ہیں تو وہ سب مقبول ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے بارے میں فرمایا ہے :۔ "لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق علی کثرۃ الرّد" یعنی اُس کے عجائب ختم نہ ہوں گے اور وہ بکثرت ہیر پھیر کرنے پر بھی پرانا نہ ہوگا" یعنی بار بار پڑھنے سے اُس کا لطف جاتے گا نہیں بلکہ ہر بار نیا لطف آئے گا۔

پس قرآن اور حدیث کے عجائب قیامت تک ختم نہ ہوں گے ہر زمانہ کے لوگ ضرور اُس سے اُن فوائد کثیرہ کو حاصل کرتے رہیں گے جو خداوند تعالےٰ نے اُن میں مخصوص کر دیئے ہیں اور جن پر کہ اُن کو مشتمل کر دیا ہے تاکہ اس امت کی برکت قیامت تک مستمر رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔ امتی[1] مثل المطر لا یدری ایۃ النفع اولہ او آخرہ :" ترجمہ۔ میری امت بارے کے مثل ہے یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اس میں سے کون زیادہ نافع ہے پہلی یا پچھلی یعنی خیر و برکت دعوت الی اللہ اور احکام کے بیان کرنے کے اعتبار سے نہ یہ کہ وہ احکام میں سے کوئی نیا حکم نکالیں گے۔ ہاں اگر کوئی نادر الوقوع واقعہ ہو جو ان مجتہدین پیشین کے زمانہ میں قول و فعل۔ بیان کسی اعتبار سے کبھی پیش ہی نہیں آیا۔

پس اس وقت یہ واجب ہو گا کہ اُن کے صریح بیان کردہ قواعد کے موافق جو اُن سے ثابت ہیں اور جنھیں کہ انھوں نے احکام میں برتا ہے اُس واقعہ کے حکم میں غور کیا جائے گا۔ پس اگر یہ حکم اُن کے مقرر کردہ اصول کے موافق ہو گا تو البتہ مقبول شمار کیا جائے گا۔ پھر جب وہ بھی پاک نفسی کے ساتھ اپنے راستے چلے گئے اور اُن کے بعد آنے والے آئے تو انھیں دین میں کوئی ایسا کام نہ ملا جس کی درستی میں وہ بھی مشغول ہوتے اور اُن کو اُس کے ساتھ اختصاص ہوتا بلکہ انھوں نے دین کے کام

---

[1] حدیث کے الفاظ یہی یا اس کے قریب قریب ہیں ۔ ۱۲

کو نہایت ہی کامل حالت پر پایا۔ پس سوائے اس کے اور کوئی امر باقی نہ رہا کہ جو کچھ پہلے لوگ مدون، مستنبط اور مستخرج کر گئے تھے اور جو کچھ وہ فوائد بتلا گئے تھے اُسی کی حفاظت کی جائے۔

پس اسی وجہ سے دین کی اقامت انہیں قرون ثلثہ کے ساتھ مختص کی گئی جن کا کہ حدیث میں ذکر ہے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی چنانچہ اسی واسطے قرون ثلثہ کے لوگ اپنے بعد والوں سے بہتر ٹھہرے اور ان کے بعد والوں کو دینی بھلائی اور بہتری اُس وقت تک کبھی نہیں حاصل ہوسکتی جب تک کہ وہ انہیں قرون ثلثہ کا اتباع نہ کریں جن کے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتری کی شہادت دی ہے۔ اسی باعث سے اُن کے بعد والے اُن کے ہم پلّہ نہیں ہوسکتے اور نہ اُن کی نیکیاں اس پایہ کی ہوسکتی ہیں۔ پس آپ کے قول (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم) کا مطلب ظاہر ہوگیا۔ علامہ ابن حاج کا کلام جو انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں لکھا تھا یہاں تک ختم ہوگیا۔

اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس جلیل القدر عالم کے کلام میں غور کرے گا اور نظر انصاف سے دیکھے گا اُس کے نزدیک اس قول کی صحت جو علمائے حنفیہ سے منقول ہے کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہوگیا ہے ظاہر ہو جائے گی اور اس کے راز اور خداوندی حکمت کو وہ سمجھ جائے گا۔ خدا کا اس بات پر ہزار ہزار شکر ہے کہ ان علماء اعلام نے اس قول کی تصریح کردی جس کی نہایت کافی و وافی بیان سے تائید ہوتی ہے اور یہ کہ سلاطین آلِ عثمان کو خدا تعالے نے اپنی پسندیدہ شے کی توفیق دی کہ انھوں نے اپنی مسلمان رعایا میں اس قول کو نافذ کردیا اور نہ اس زمانہ میں جس میں کہ ورع و پرہیزگاری کی کمی اور باطل دعوؤں کی کثرت ہے۔ آپ بہتیرے بے باک لوگوں کو دیکھتے جو اجتہاد کے بعض مواد کے حاصل ہو جانے سے اپنے دل میں مغرور ہیں اور چونکہ وہ بہت ہی کم اور اس درجہ پر پہنچنے کے لئے بالکل ناکافی ہے کہ وہ لوگ اس جلیل الشان منصب کے مدعی بنے ہوتے اور کئی سیدھے سادھے اُن کے پیرو بھی بن جاتے اور وہ دین میں احکام کے نام سے بہت کچھ ایجادات کرتے اور یہ سب بجز بدعتوں اور گمراہیوں کے اور کچھ نہ ہوتا اور جس طریقے پر کہ

سلف صالحین تھے جنہوں نے کہ امر دین کا نہایت کامل طور پر استیفا اور احاطہ کر لیا تھا یہ سب امور اُن کے مخالف ہوتے اور آپ دیکھتے کہ تھوڑے تھوڑے زمانہ میں دین کا حال متغیر ہُوا کرتا اور ہمیں ردّ و بدل لگا رہتا جیسا کہ سیاسیات اور ملکی قوانین میں زمانہ کے اقتضاء کے موافق ردوبدل ہُوا کرتا ہے (حالانکہ خدا تعالےٰ نے اسلامی دین کو ایسا بنایا ہے جس کے احکام قیامت تک ثابت رہنے والے ہیں) پس نتیجہ اُس کا یہ ہوتا کہ ایسی حالت تک نوبت جا پہنچتی کہ اُمتِ اسلامیہ اُس طریقہ سے جس پر کہ اُن کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کرامؓ تھے گمراہ ہو جاتے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ پس خدا تعالےٰ علماء اعلام کو اس کی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس امر کو واضح طور پر بیان کر دیا اور خدا تعالےٰ دسبحانہٗ دولت عالیہ عثمانیہ کو دائم و قائم رکھے جسے اس دین کو گمراہ کرنے والے دشمنوں سے حفاظت کرنے کی خدائے تعالےٰ کی جانب سے توفیق عنایت ہوئی۔ آمین اللھم آمین

بعض ناواقفوں کا جو نام کے علماء ہیں یہ کہنا کہ صرف قرآن کو لینا ہمارے لئے بہتر ہے اور احادیث کے ساتھ تمسک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اُن کے اس شُبہ کا ردّ

یہ تو ہو چکا اب اور سُنئے کہ میں نے بعض لوگوں کو جو نظر کے قاصر اور کم فہم ہیں اور اپنے آپ کو علماء محققین کے زمرہ میں شمار کرنے پر (بقول شخصے۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں) فخر کیا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم اُسی شے کو لیں جس کی قرآن شریف میں تصریح موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اشیاء احادیث نبویہ میں واقع ہوئی ہیں وہ اُن کو نہیں لیتے اور نہیں مانتے اور یہ رائے محض فاسد اور اس امت کے علماء اعلام کی نظر میں بالکل باطل ہے۔ کیونکہ نص قرآنی اور اُن احادیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جس طرح کہ ہم کو یعنی امت محمدیہ کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ وارد ہُوا ہے اُس کے ساتھ تمسک کریں۔ اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ثابت

ہیں اُن میں جو امور وارد ہوئے ہوں ان کو بھی اپنا متمسک ٹھہرائیں اور اس بات پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے اور سنت مطہرہ کے تمسک کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی پیروی کرنے پر دلالت کرنے والی بکثرت آیات قرآنی موجود ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے :۔

ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبها للذین یتقون ویوتون الزکوٰة والذین هم بآیاتنا یومنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل یامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون ۔

"اور میری رحمت ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے سو اب میں اُس کو اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ توریت اور انجیل میں اپنے پاس لکھا ہُوا پاتے ہیں وہ اُنہیں اچھے کاموں کا حکم کرتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور اُن کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اُن پر ناپاک اشیاء کو حرام کرتا ہے اور اُن کا بوجھ اور وہ بیڑیاں جو اُن کے اوپر تھیں اُن سے اتارتا ہے پس جو لوگ کہ اس پر ایمان لائے اور (جنہوں) نے کہ اُس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور نور کی پیروی اختیار کی جو اُس کے ساتھ اُتارا گیا ہے (سو) وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے :۔

"وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ"

"وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ تو صرف وحی (سنایا کرتا ہے) جو اُس پر ہُوا کرتی ہے" ۱۲

پس اگر ان کے علاوہ اور آیتیں قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

موعظة مودع فما تعهد الينا قال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة
وان كان عبداً حبشياً فانه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم
بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنوا
جذ واياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة
وكل ضلالة في النار ۔

اور ابو داؤد اور ترمذی میں بروایت مقداد رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا سنتے ہو مجھے (خدا کی جانب سے) کتاب (قرآن شریف) دی گئی ہے
اور اُس کے ساتھ اُسی کے مثل (اور کچھ بھی ہے) سنتے ہو عنقریب کوئی شکم سیر شخص
(مغرور اور غافل سے کنایہ ہے جو اپنی خواہش نفسانی میں منہمک ہو پس شکم سیری کے ساتھ
اُس کا مقید کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس قول مردود کا یہی باعث ہے اور اُس
میں یہ تنبیہ ہے کہ شکم سیر ہو کر کھانا حماقت اور غفلت کا سبب ہے اور اسی وجہ سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ (شفاء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
اور اُن کے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی روایت سے مروی ہے کہ[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا شکم مبارک کبھی پُر نہ ہُوا) اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ اس قرآن کو لو پس جو کچھ اُس
میں تمہیں حلال ملے اُس کو حلال جانو اور جو کچھ اُس میں تم حرام پاؤ اُسے حرام سمجھو اور بیشک
اللہ کے رسول کا حرام کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کرنا“ الحدیث

فی ابی داؤد والترمذی عن المقداد رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الا وانی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکۃ
یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم
فیہ من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کماحرم اللہ ۔

اور ابو داؤد میں بروایت عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ

---

[1] فی شفاء عن عائشۃ (رضی اللہ عنہا) وعن ابیھا (رضی اللہ عنہ) لم یتملی جوف النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قط ۱۲

موعظۃ مودّع فما تعہد الینا قال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیاً فانہ من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار -

اور ابو داؤد اور ترمذی میں بروایت مقداد رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنتے ہو مجھے (خدا کی جانب سے کتاب (قرآن شریف) دی گئی ہے اور اُس کے ساتھ اُسی کے مثل (اور کچھ بھی ہے) سُنتے ہو عنقریب کوئی شکم سیر شخص (مغرور اور غافل سے کنایہ ہے جو اپنی خواہش نفسانی میں منہمک ہو پس شکم سیری کے ساتھ اُس کا مقید کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس قول مردود کا یہی باعث ہے اور اُس میں یہ تنبیہ ہے کہ شکم سیر ہو کر کھانا حماقت اور غفلت کا سبب ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم سیر ہو کر نہیں کھایا - (شفاء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی روایت سے مروی ہے کہ رسول[1] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک کبھی پُر نہ ہوُا) اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ اس قرآن کو لو پس جو کچھ اُس میں تمہیں حلال ملے اُس کو حلال جانو اور جو کچھ اُس میں تم حرام پاؤ اُسے حرام سمجھو اور بیشک اللہ کے رسول کا حرام کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کرنا"۔ الحدیث

فی ابی داؤد والترمذی عن المقداد رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وانی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکۃ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما حرم اللہ -

اور ابو داؤد میں بروایت عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوکے پھر فرمانے لگے، کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ

---

[1] فی شفاء عن عائشۃ (رضی اللہ عنہا) وعن ابیہا (رضی اللہ عنہ) لم یمتلی جوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم قط ١٢

لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے سوائے اس کے اللہ تعالےٰ نے کچھ حرام نہیں کیا۔ سُن لو کہ بے شک میں نے اچھی باتوں کا حکم کیا اور نصیحت کی اور بہت سی اشیاء پر آگاہ کر دیا کہ وہ قرآن کے مثل بلکہ اس سے بھی زائد ہیں اور بلاشک اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ بلا اذن اہلِ کتاب کے گھر میں داخل ہو جاؤ اور نہ یہ کہ اُن کی عورتوں کو مارو اور نہ یہ کہ تم اُن کے پھل کھا جاؤ جب کہ وہ تم کو جو اُن کے ذمہ واجب ہے دیتے رہیں" الحدیث۔

"فی ابی داؤد عن العرباض بن ساریۃؓ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یحسب احدکم متکئا علی اریکۃ یظن ان اللہ تعالیٰ لم یحرم شیئا الا ما فی ھٰذا القرآن الا وانی قد امرت ووعظت ونھیت عن اشیاء انھا مثل القرآن او اکثر وان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم"۔ ۱۲

اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اگر ہم اُن سب کو نقل کریں تو بہت طوالت ہو جائے اور جس قدر ہم نے نقل کر دی ہیں (مصنف کے لئے) اتنی ہی کافی ہیں اور اگر ان قاصرین کو اس باطل حکم کے لگانے اور اس فاسد رائے کے دینے میں کہ امت محمدیہ کو جو کچھ قرآن سے سمجھا جائے صرف اسی پر اقتصار کرنا لازم ہے اور جو کچھ احادیث سے مفہوم ہو اُسے ترک کر دینا ضروری ہے۔ یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کی گئی ہیں اُن میں بعض ضعیف حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہونے کا اس مرتبہ کا ثبوت نہیں ہے جو اخذ احکام کے لئے معتبر ہو اسی طرح اُن میں بعض موضوع حدیثیں بھی ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اُن کی نسبت سچی نہیں ہے اور اس امر سے اُن لوگوں کے گمان کے موافق مطلقاً احادیث سے اعتماد اُٹھ جاتا ہو تو اس کے جواب میں ہم اُن سے کہتے ہیں کہ آپ کا یہ شبہ بالکل ساقط الاعتبار ہے اس لئے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ دین محمدی کے محقق اور مدقق علماء اعلام نے جن پر کہ احادیث کی روایت اور اُن کے راویوں کی

سوانحمریاں اور حالات سے واقفیت رکھنے کے بارہ میں بھروسا کیا جاسکتا ہے انہوں نے ان احادیث میں سے کوئی ایسی حدیث نہیں چھوڑی جس کی نسبت یہ نہ بیان کردیا ہو کہ اس حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہونے کا کس مرتبہ کا ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح جملہ احادیث کی صفات، اقسام اور اُن کے راویوں کے احوال پر اتم اور کامل طور پر انہوں نے احاطہ کرلیا ہے یہاں تک کہ اُس کے لئے علیحدہ اُنہوں نے ایک خاص فن مقرر کیا ہے جس کا نام فن مصطلع الحدیث ہے اور اُس میں بہتیری کتابیں اور رسالے تالیف کئے ہیں۔ متعدد قصائد نظم کئے ہیں۔ اسی طرح اُنہوں نے احادیث کے راویوں کی سوانح عمریوں کے بارہ میں کیا ہے، چنانچہ اس کے لئے بھی ایک جدا فن مقرر کیا ہے جن کا نام فن تعدیل و تجریح ہے بعد اس کے انہوں نے ہر حدیث کے مرتبہ سے آگاہ کردیا ہے جس کا کتب احادیث میں برابر ذکر کیا جاتا ہے اور نیز اس امر پر کہ احکام کے بارہ میں اُس کا کیا حکم ہے یعنی اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس کا بیان کردیا ہے کہ فلاں فلاں احادیث متواتر اور مشہور ہیں جن پر کہ اعتقادات اسلامیہ اور احکام شرعیہ کے بارہ میں اعتماد کیا جاسکتا ہے اور فلاں فلاں آحادی صحیح وحسن حدیثین ہیں جن پر کہ صرف احکام کے بارہ میں اعتماد ہوسکتا ہے اور یہ کہ فلاں فلاں ضعیف حدیثیں ہیں جن پر کہ امور مذکورہ میں سے کسی کے بارہ میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہاں فضائل اعمال میں اُن کو لے سکتے ہیں، یعنی اگر اُن میں کسی عمل کا بیان ہے اور شریعت کے خلاف اُس میں کوئی امر نہیں پایا جاتا تو اُس پر عمل کے کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں اُس کا عمل کرلینا جائز ہے۔ اسی طرح موضوع احادیث کی بھی انہوں نے تصریح کردی جن پر کسی چیز میں بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اُس کے پڑھنے والے پر یہ بیان کردینا واجب ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کی جانب سے جھوٹ کہہ دی گئی ہے اُس کو ہرگز نہ لینا چاہیئے اور جو کتابیں ان بیانات کی تکمیل و استیفاء اور ہر حدیث کے مرتبہ کے متمیز کرنے کے بارہ میں تالیف کی گئی ہیں وہ علماء امت میں پھیلی ہوئی ہیں، یہاں تک کہ ان پر ان حقائق میں سے کوئی شے بھی مخفی نہیں۔

پس بعد ان سب باتوں کے کیا نقصان اگر احادیث نبویہ پر بھی اعتماد کیا جائے جیسے کہ قرآن پر کیا جاتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا ثبوت کے اعتبار سے جو مرتبہ ہو اُس کو اُسی پر رکھا جائے۔

علاوہ بریں یہ خیال فرمائیے کہ لوگوں کی خبروں اور باتوں میں جھوٹی اور سچی سبھی طرح کی خبریں ہوتی ہیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں میں چونکہ جھوٹی خبریں بھی موجود ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ کسی خبر کی بھی تصدیق نہ کریں واللہ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ایسی بات کا سوائے نادان کے اور کوئی قائل نہیں ہو سکتا بلکہ امر صواب یہ ہے کہ ہم اُس کے جواب میں کہیں کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم جھوٹی خبروں سے بحث کریں تاکہ ہم انہیں پہچان کر رد کر دیں اور اُن پر اعتماد نہ کریں اور اسی طرح سچی خبروں سے بھی بحث کریں۔ یہاں تک کہ ہم اُن کی شناخت کر کے انہیں لے لیں اور اُن پر اعتماد کر لیں۔
چنانچہ اسی طرح علماء امت نے بھی اُن احادیث کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں اُن سے بحث و تدقیق کی یہاں تک کہ انہیں اُن احادیث پر واقفیت حاصل ہو گئی جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل صحیح ہے۔

پس اُنہوں نے اُن کے ثابت ہونے سے لوگوں کو بھی آگاہ کر دیا اور خود بھی اُن پر اعتماد کر لیا اور اسی طرح جو احادیث اس کے خلاف تھیں اُن سے بھی واقف ہو گئے اور اُن سے بھی اُنہوں نے لوگوں کو آگاہ کر دیا اور جس مرتبہ کی وہ تھیں اُن کو اسی مرتبہ پر رکھا یعنی اُن میں سے بعض کی نسبت تو یہ حکم لگایا کہ اُن پر احکام کے بارہ میں ہرگز اعتماد نہ کیا جائے (جیسا کہ حدیث ضعیف کا حکم ہے) اور بعض کی نسبت مطلقاً ترک کر دینے کا حکم کیا (جیسا کہ حدیث موضوع کا حکم ہے) اور اگر یہ قاصرین کہیں کہ ہمیں اس طرح احادیث کے مراتب پر کہاں واقفیت ہو سکتی ہے اور ہم کیونکر پہچان سکتے ہیں کہ اُن میں سے کون سی اعتماد کے قابل ہیں اور کون ناقابل۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ اس وقت دینی حیثیت سے آپ کا عام لوگوں میں شمار ہوگا کیونکہ جو دین کے علماء ہیں وہ اس کو بخوبی جانتے ہیں اور اُن پر اُس میں سے کوئی شئے بھی مخفی نہیں ہے اس لئے آپ لوگوں کو لازم ہے کہ ایسی ہرگز جرأت نہ کریں اور اپنے

دینی امور میں آ ایسے علماء کی طرف رجوع کریں جو اہلِ ذکر و معرفت ہیں اور ان امور سے ایسے ہی واقف ہیں جیسا کہ اُن کی واقفیت کا حق ہے اور اگر ان قاصرین کا یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں اُن میں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کا ظاہر قانون عقلی اور اُن امور کے خلاف ہے جن پر کہ عقلی قطعی دلیل قائم ہے اور جن کا پتہ زمانۂ حال کے فنون کی تحقیقات و اکتشافات سے لگا ہے اور اس سے اُن کے گمان کے موافق خلاصی کی صرف یہ صورت ہے کہ قرآن پر اقتصار کیا جائے اور تمام احادیث نبویہ کو چھوڑ دیا جائے۔

پس میں کہتا ہوں کہ اُن کا یہ شبہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا اور بالکل ہی لچر ہے اور اُن کا اس شبہ سے تمسک کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دینِ محمدی کی حقیقت کے سمجھنے سے بالکل ہی قاصر ہیں اور یہ اس لئے کہ شریعت محمدیہ کا قاعدہ ہے جیسا کہ علماء اعلام سے نقل کر کے ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ قرآن اور حدیثوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ظاہری ہی معنی لیں۔ جب تک کہ کوئی عقلی قطعی دلیل اُن کے ظاہر کے خلاف نہ ہو اور اگر عقلی قطعی دلیل ایسی قائم ہو جائے جو ظاہر آیت یا حدیث کے منافی معلوم ہو تو ہمیں اس ظاہر آیت یا حدیث کی تاویل کرنا چاہیئے اور اُس کو کسی ایسے معنی کی طرف راجع کرنا چاہیئے جس کا اُس عبارت سے احتمال ہو سکتا ہو چاہے وہ معنی بعید ہی کیوں نہ ہوں تاکہ اس نص شرعی اور اُس قطعی عقلی دلیل میں تطبیق ہو جائے اور جو شخص قرآن شریف اور تمام احادیث نبویہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تلاش کرے گا تو اُسے اُن میں کوئی ایسی شئے نہ ملے گی جس کا ظاہر قطعی عقلی دلیل کے مخالف ہو اور اُس کے مناسب تاویل ممکن نہ ہو اور اُس میں اور اس دلیل میں تطبیق نہ دی جا سکے۔

باقی رہیں وہ نصوص جن میں تاویل کی گنجائش نہیں اور اُن کے معانی متعین ہیں تو اُن میں سے کوئی شئے بھی قطعی عقلی دلیل کے مخالف نہیں پائی جاتی اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے مخالف قائم کی جا سکے اور جس کا گمان اُس کے خلاف ہو اُسے بیان کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ ان قاصرین کے لئے امر صواب تو یہ تھا کہ اس شبہ کی وجہ سے احادیث نبویہ کو ترک کر لے کے عوض علماء امت سے ہر حدیث

کی تطبیق[1] پوچھتے جس کا ظاہر اُنہیں کسی عقلی قطعی دلیل کے خلاف معلوم ہوتا تھا اور وہ اُس کی نہایت استوار طریقہ پر تطبیق بیان کر دیتے اور اُس وقت اُن پر یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ دین اسلامی کی نصوص میں سے حقیقتاً و نفس الامر کے اعتبار سے کوئی شئے بھی عقل کے مخالف نہیں اور بعض نصوص میں جو بظاہر مخالفت کا خیال گزرتا ہے اُس کی وجہ یا تو فہم کا قصور ہے یا علم کی کمی ہے یا کسی حکمتِ الٰہی کی وجہ سے وہ نص ہی (جس طرح متشابہات) ایسے طرز پر وارد کی گئی ہے جس سے بظاہر مخالفت معلوم ہوتی ہے اب وہ حکمت یا تو یہ کہئے کہ شرعی نصوص کے سمجھنے میں علماء کی آزمائش اور امتحان کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ حق کی تلاش اور امر صواب تک رسائی کے لئے وہ کہاں تک کوشش و اجتہاد کرتے ہیں اور یا اس کے سوا کوئی اور حکمت ہو۔

اور میں ایک ایسی کتاب کی تالیف کرنے والا ہوں جس میں میرا ارادہ ہے کہ تمام آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کا جن کا ظاہر دلیل عقلی اور اکتشافات و تحقیقاتِ جدیدہ یقینیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے بتوفیقِ خداوندی ذکر کروں اور قاعدہ متقدمہ کی بناء پر قانون عقلی کے موافق اُن میں سے ہر ایک کی مناسب تاویل کر کے تطبیق دوں۔

خدائے تعالےٰ و سبحانہ سے میری یہ دعا ہے کہ مجھ پر اپنا احسان کرے اور اُس کے تمام کرنے کی توفیق دے کر اپنے دین کی مجھ سے یہ خدمت لے لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی شئے کی جس میں حق پایا جاتا ہے ہدایت کرے اور ہمارے دلوں کو ایمان پر اور زبانوں کو صدق پر قائم و دائم رکھے اور جس امر میں اس کی رضامندی اور اُس کے برگزیدہ رسول کی خوشی ہو اُس کی ہمیں توفیق دے اور بہ طفیل ہمارے سردار سرورِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارا خاتمہ بالخیر کرے اور ہم کو سعادت ابدی عنایت کرے۔ آمین

※

---

[1] جس طرح کہ اس قسم کی آیات میں وہ لوگ بھی تطبیق کی کوشش کرتے ہیں سو اس امر میں قرآن و حدیث دونوں مشترک و مساوی ہیں۔ پھر ایک کو قبول کر کے دوسرے کو ترک کر دینا محض زبردستی ہے۔ ۱۲ مترجم

اس بات پر تنبیہ کہ ناظرین رسالہ ہذا کو اگر کوئی امر بادی النظر میں غلط معلوم ہوتا ہو تو اس کی تغلیط میں عجلت نہ کریں بلکہ سیاق و سباق اور نیز اس امر کو دیکھ لیں کہ یہ رسالہ کیوں لکھا گیا ہے اور مؤلف کتاب کا اپنے عقائد کی تصریح کرنا

باقی رہی تنبیہ اس کا بیان یہ ہے کہ میں اس رسالہ کے ناظرین سے امید کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بادی النظر میں اُن کی سمجھ میں یہ آوے کہ میں نے خطا کی ہے اور میں چوک گیا ہوں تو جس مقام کی میں تقریر کر رہا ہوں اُس کے پورے طور پر سمجھ لینے سے پہلے میرے مخطی ٹھہرانے میں جلدی نہ کریں بلکہ سیاق و سباق یعنی اُس کے ماقبل و مابعد کو خوب دیکھ بھال لیں اور یہ بھی مدِّ نظر رکھیں کہ میں نے اس رسالہ کو کس غرض سے تالیف کیا ہے اور اُس میں کیا ڈھنگ اختیار کیا ہے اور کس کیفیت پر اُس کی ترتیب دی ہے۔ پھر جو حق بات اُن کے نزدیک ظاہر ہو اُس کا حکم لگائیں کیونکہ جب تک میرا اُن آدمیوں میں شمار ہے جو خطا سے معصوم و محفوظ نہیں اُس وقت تک میں بھلا اپنے لئے خطا سے محفوظ و معصوم رہنے کا کیونکر دعویٰ کر سکتا ہوں حالانکہ خدا تعالےٰ نے بجز اپنے اور اپنے پیغمبر کے کلام کے کسی شخص کے کلام کے لئے خطا و لغزش سے محفوظ و معصوم رہنا تجویز نہیں فرمایا۔ غایت سے غایت میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بقدر اپنی کوشش اور طاقت کے امر صواب کی جستجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

پس اب جو کچھ اس میں حق ہو تو اُس کی جانب بہ توفیق خداوندی اور بہ ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے خدام میں ایک میں بھی ہوں میری رہنمائی ہوئی ہے اور جو کچھ اس میں بھول چوک ہوئی ہو وہ میری فہم کی کوتاہی میری کم علمی اور میرے فکر ضعیف کے باعث سے ہے اور میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر مواخذہ نہ کرے گا اور جس کا قصد میرے کلام کی جانچ پڑتال

کرنے اور میری غلطیاں نکالنے کا ہو اُسے اختیار ہے لیکن اُسے اتنا لازم ہے کہ نیت کو خالص کر کے اس پر پیش قدمی کرے کیونکہ میرا تالیف کرنا محض اسلامی دین کی خدمت بجالانا ہے اس لئے اگر جانچ پڑتال کرنے اور غلطیاں نکالنے والا اسی دین کا پیرو ہے تو اُسے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ خدا و رسول کی خوشنودی اور رضا کس شئے میں ہے اور پھر اُس کے بعد جو کچھ اُسے کرنا ہو کرے۔

پھر میں اس رسالہ میں اگرچہ بعض فلسفی مباحث میں گھس پڑا ہوں لیکن اس سے میرا یہ قصد ہر گز نہیں ہے کہ دین میں فلسفیت کو دخل دوں بلکہ میں نے یہ طرز اس لئے اختیار کیا ہے کہ فلاسفروں کی عقول کو تسکین حاصل ہو اور یہ امر ظاہر ہو جائے کہ اسلامی دین نے اپنے متبعین کو محض ایسے ہی عقائد حقہ کے یقین کرنے کی تکلیف دی ہے جو قانون عقلی صحیح پر بالکل منطبق ہیں اور صرف ایسے ہی احکام کی بجاآوری کا مکلف بنایا ہے جن کا ثمرہ سراسر دین و دنیا کی بہتری ہی بہتری ہے۔ علماء کلام ہی کو دیکھئے کہ اسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے فلاسفہ کے ساتھ مباحث فلسفیہ کی تشریح کرنے کے کیسے کچھ درپے ہوئے ہیں۔

پس میں کوئی ایسی نئی راہ نہیں چلا ہوں جس پر کہ اسلامی امت کے علماء نہ چلے ہوں اور جو شخص اس بات سے واقف ہوگا کہ فنون فلسفۂ جدیدہ کی کتابیں اور خود یہ علوم اس زمانہ کے لوگوں میں کس قدر شائع ہو رہے ہیں، خصوصاً ان لوگوں میں جو دین اسلامی کی حقیقت پر آگاہی حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ جدید فلسفہ کے شوائب اور آلودگیوں سے جس میں کہ نئی نئی تحقیقات موجود ہیں اسلامی عقائد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اس طریق کے اختیار کرنے اور اُس پر چلنے کو ضرور مستحسن سمجھے گا اور یہ وہ فلسفہ اور تحقیقاتِ جدیدہ ہیں جن کا پتہ اُن علماء متقدمین کے زمانہ میں نہ لگا تھا جنہوں نے کہ فلسفۂ قدیمہ کے شوائب اور آلودگیوں سے اسلامی عقائد کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

پھر میں بعض بعض مباحث میں اپنے مقابل کے ساتھ ارخائے عنان سے پیش آیا ہوں اور اُسے میں نے یہ اختیار دیا ہے کہ جمہور نہ سہی اس اُمت کے بعض علماء کے اقوال ہی پر وہ اعتماد کر لے اور اس سے میری صرف یہ غرض ہے کہ میرے مقابل کو آسانی

ہو اور وہ بسہولت دین میں داخل ہو سکے۔ کیونکہ اس کا دین میں داخل ہو جانا گو وہ علماء اسلام میں سے بعض ہی کے قول پر کیوں نہ ہو اُس کے لئے اہلِ اسلام کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے لئے کافی ہو گا اور صفت ایمان سے وہ محروم نہ رہے گا۔ پس یہ امر اس کے لئے اُس مہلک مخالفت سے جس پر کہ وہ پہلے تھا نجات کا باعث ہو جائے گا۔ امام غزالیؒ ہی کو دیکھئے انہوں نے اپنی کتاب تہافت الفلاسفہ میں مخالفین کے لئے بعض معتزلیوں ہی کے قول پر کیوں نہ ہو الزام حجت کو کافی سمجھا ہے اور اُسی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ معتزلہ (کیسے ہی کیوں نہ ہوں) مسلمانوں کی شمار سے تو خارج نہیں ہیں اُن کا کلام قانونِ اسلام پر ہوتا ہے جیسا کہ موافقت میں ہے اور قول معتمد کی بنا پر اُن کا مآل کار بھی نجات ہے۔ اور سب کو جانے دیجئے یہ دیکھئے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اُن سے اس قول کے ساتھ خطاب کریں :-

وانا و ایاکم لعلیٰ هدی او فی ضلل مبین -

"اور بے شک ہم یا تم یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں"

حالانکہ جس طریق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اُس کے ہدایت ہونے میں آپ کو ذرا بھی شک نہ تھا اور یہ تو صرف مباحثہ اور دلیل کی سماعت کی جانب اپنے مقابل کو مائل کرنے کا ایک خطابی طرز ہے۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ دلیل اُس کے سامنے بہ سہولت بیان کر دی جاتی ہے پھر وہ اُسے سمجھ لیتا ہے اور اس طرح وہ دلیل حق پر اُس کو تسکین دلانے کے لئے باعث بن جاتی ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

رہا اسلامی دین میرا اعتقاد جس کو اپنے دل میں لے کر خداوند کریم کے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اور جس کی نسبت میری یہ دُعا ہے کہ خدائے رحیم اسی پر میرا انجام بخیر کرے وہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم لائے ہیں اُن سب کا جس طرح کہ سلف صالحین یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ اعتقاد کرتے تھے اُسی کے موافق اعتقاد جازم کے ساتھ میں بھی معتقد ہوں اور جو طریقہ کہ اہل سنت والجماعت

کا ہے اور نصوص شرعیہ کے اعتقاد میں تفویض[1] کی بابت بھی انہی کے مذہب پر ہوں چنانچہ میرا اعتقاد ہے کہ نصوص شرعیہ میں سے ہر نص حق ہے عقل صحیح کے مخالف نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اس سے محال لازم آسکتا ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اُس سے ارادہ کیا اُس پر میں ایمان لاتا ہوں اور متشابہات کے معانی میں سے کسی خاص معنی کی تعیین کا علم خدا کے حوالے کرتا ہوں لیکن جس وقت میری گفتگو اور میرا مقابلہ ایسے شخصوں سے ہو جو اِن نصوص شرعیہ میں سے کسی پر معترض ہوں یا اُن سے ایسے معانی کا اعتقاد کرتے ہوں جو اصولِ دین کے خلاف ہیں اُس وقت میں خلفاء رضی اللہ عنہم کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور اُن نصوص کی جن کا ظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہو ایسی تاویل کر دیتا ہوں جس سے اُن میں اور عقل میں موافقت ہو جائے جیسا کہ اس قاعدہ کا بیان پیشتر ہو چکا ہے اور یہ بات صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ مخالف کی تسکین ہو جائے اور اُس کو یہ الزام دے دیا جائے کہ نص کو اس تاویل سے سمجھ لینا ممکن ہے اور ہلاک کرنے والی مخالفت کو وہ اس طرح پر ترک کر سکتا ہے اور حقیقی اعتقاد ایسی نصوص میں یہی ہے کہ اس نص کے ضرور کوئی صحیح معنی عقل صحیح کے موافق ہیں اور اس معنی کو یقینی طور پر معین کر کے ہم نہیں بتا سکتے کہ اس کی تعیین کا علم خدا کے حوالہ کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے یہی میرا مذہب ہے جس کا میں التزام کرتا ہوں اور یہی میرا مختار ہے۔ پس ہر مقام پر میرے کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیئے اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

پھر میں نے اس رسالہ کے تحریر کرنے میں حتی الامکان ایسے طریقہ کا التزام کیا ہے جو عام لوگوں کی فہموں کے مناسب ہو اور جس کو وہ بھی سمجھ لیں حتیٰ کہ بعض بعض مواقع پر

---

[1] تفویض سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نص کی مراد نہ معلوم ہو جیسے کہ حروف مقطعات یا کسی کی اصل مراد تو معلوم ہو لیکن اُس کی کوئی خاص کیفیت صاحب شریعت کی جانب سے بیان نہ کی گئی ہو جیسے قیامت میں خدا کی رویت پر دلالت کرنے والی نصوص تو ایسی صورت میں اپنی طرف سے کچھ تعیین نہ کرنا اور تعیین خدا کے حوالہ کر کے اُس کا اجمالی اعتقاد کر لینا جتنا کہ اُن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ مترجم

جب مرجع دور ہوگیا ہے یا کسی قسم کا اُس میں خفاء آگیا تو مَیں نے عبارت کی عبارت کو بغرض آسانی مکرر کر دیا ہے اور بعض عام لوگوں کے الفاظ بھی مَیں نے استعمال کئے ہیں اور علاوہ بریں بعض اور امور ایسے ہیں جن سے کہ اُن علماء کی تالیفات جو نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے تالیف کرتے ہیں خالی ملیں گی اور یہ سب کچھ مَیں نے صرف اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور مقام کی توضیح ہو جائے۔ شاید خداتعالےٰ میرے دینی سرشت میں شریک بھائیوں کو اس رسالہ سے نفع بخشے۔ مَیں اپنے انکسار، ضعف اور عجز کے ساتھ خدا کے سامنے زاری کرتا ہوں اور صاحب شریعت مطہرہ و ملت منورہ مولانا وسیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کرتا ہوں کہ خداوند تعالےٰ میرے عمل کو قبول فرما دے اور اپنے بندوں کو اُس سے نفع دے اور میری نیت کو لوجہ اللہ خالص کر دے اور ہمارے مولیٰ امیرالمومنین اور خلیفۂ رب العالمین (سلطان بن السلطان سلطان عبدالحمید خاں) کی دولت کی تائید اور نصرت کرے اور انہیں نافع خلائق امور کی توفیق دے اور عین عنایت اور اپنی محافظت کے حرز سے اُن کی حفاظت کرے۔ خدا ہی سے خیر وجود کا فیضان ہے۔ آمین یارب العالمین!

ترجمہ خاتمۂ کتاب مصنّفِ علّام

خداتعالیٰ نے مجھے یوم مبارک جمعہ کی صبح کو آفتاب نکلنے سے پہلے اس رسالہ کے تمام کرنے کی توفیق دی اور یہ یوم سعید ایک ہزار تین سَو چھ ہجری کے ماہ شوال کی پہلی تاریخ یعنی عیدالفطر کا مبارک دن تھا جسے خدا نے فریضۂ صیام کے ادا کرنے کے بعد اپنے مسلمان بندوں کے لئے باعثِ راحت و فرحت گردانا ہے اور جسے کہ سال حج کے مبارک عبادت کے مہینوں کی آمد پر سبب بہجت و مسرت قرار دیا ہے۔ اُس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس کے فضل و احسان کی بدولت نیک کام انجام کو پہنچتے ہیں اور اُس کے تمام انبیاء اور مرسلین خصوصاً افضل رسل محمد مصطفےٰ نبی امی پر جن کی بدولت ہمیں راہ ہدایت دیکھنا نصیب ہوئی اور ان سب کے آل و اصحاب پر ہزاروں درود اور لاکھوں سلام نازل ہوں۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فقط

خاتمہ از مترجم

شکر صد شکر ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل ہیں مسافت میری

۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۱۵ھ یوم سہ شنبہ وقتِ ظہر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں احقر خدام علماء کرام و فضلائے عظام عاجز اسحاق علی عفی عنہ مدرس سوم عربی مدرسہ مذکور کے ہاتھوں یہ ترجمہ بتائید خداوندی اور بتوجہ مربی و مولائی و اُستاذی معتمدی و سندی جناب حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی ختم ہُوا۔ خدائے پاک اس کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع بخشے اور عاجز مترجم کو ریا و سمعہ سے محفوظ اور اسکی نیت کو شوائب نفسانی سے خالص رکھے۔ آمین ثم آمین !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخر میں مؤلف رسالہ حمیدیہ کا تعداد ازدواج، عورتوں کے پردہ اور طلاق کے بارہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ لگا تھا۔ تتمیم فائدہ کے لئے اُس کا ترجمہ بھی اُس کے ساتھ کر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ بعد حمد وصلوۃ کے خدا کی رحمت کا محتاج حسین الجسر طرابلسی ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اسلام کے مہم مسائل میں سے تعدد ازدواج، عورتوں کے پردہ اور طلاق کا مسئلہ ہے اور چونکہ اس اثنا میں کسی غیر مسلم کی کتاب ان مسائل پر نکتہ چینی کے بارہ میں میری نظر سے گزری ہے اور اس شخص نے اُس میں پہلے کے دونوں مسئلوں سے تعرض کیا ہے۔ چنانچہ خاص کر پہلے کی نسبت اُس نے یہ کہا ہے کہ "تمام ممالک میں مردم شماری کے اعتبار سے مردوں کی تعداد عورتوں سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ عنایت ایزدی اور حکمت الٰہی نے جو یہ رعایت مدنظر رکھی ہے اُس کی یہ وجہ ہو کہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے موت کے اسباب عادتاً کچھ زائد ہیں جیسے کہ سفر کی مشقتیں اُٹھانا، بحری خطروں کو جھیلنا، لڑائیوں کی مصیبتیں برداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور (مرد و عورت کی) اس نسبت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خداوندی حکمت نے مرد کے لئے ایک زوجہ سے زیادہ جائز نہیں رکھی ہیں اس لئے زوجات کا تعدد امر طبعی کے مخالف ہے الخ اور اس میں مرد کی ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر جیسا کہ یہ ہماری پاک شریعت کا حکم ہے اور اس بات پر کہ یہ حکم نظام طبعی کے خلاف ہے اس مؤلف نے جھونک (تعریض) کی ہے اور اس کتاب میں اس مؤلف نے خاص کر دوسرے مسئلہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات نہیں ہے کہ عورت کی حقارت کی جائے یا اُس پر ظلم روا رکھا جائے یا اس کو لکھایا پڑھایا نہ جائے یا اُس کے ساتھ بدگمانی کر کے اُس کو گھر میں بند کر دیا جائے جیسے کہ قیدی بند کئے جاتے ہیں باوجودیکہ مردوں کا گناہ میں پھنس جانا بہت قریب ہے اور یہ سب سنگدلی کی رسمیں ہیں الخ اور اس میں عورتوں کے

پردہ اور اُن کے گھروں کے اندر رہنے کے بارہ میں ہماری عادل شریعت کے حکم پر جھونک (تعریض) کی ہے اس لئے ہم نے چاہا کہ اس معاملہ میں جو حق بات ہو اُس کو عقلی قانون کے موافق ہم بیان کر دیں کیونکہ مؤلف مذکور کو شرعی احکام تسکین نہیں دلا سکتے۔ اس لئے کہ وہ شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ سو ہم نے بیان کا ایسا طرز اختیار کیا ہے جس سے ہر عاقل کو تسکین ہو سکے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے ایک چیز تو یاد رکھی اور بہت سی چیزوں سے قطع نظر کر لی اُن کا خیال نہ کیا۔

بیان اس کا یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد قریب ہے اس کے بعد بھی یہ امر مخفی نہیں کہ خداوندی حکمت کا مقتضا ہے کہ مرد و عورت کے مابین نوع انسانی کا توالد و تناسل ہوتا ہے اُس کے افراد بڑھتے رہیں اور اس طرح پر یہ نوع جب تک خدا کو منظور ہو باقی رہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی نقیض ثابت ہو گی اور ہمارے ذمہ واجب ہو گا کہ مختلف ذریعوں سے توالد و تناسل کی تقلیل اور انسان کے نیست و نابود کرنے میں کوشش کریں حالانکہ یہ بات واقع کے خلاف ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ توالد و تناسل مرد کے حاملہ کرنے اور عورت کے تخم سے انجام پاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرد میں حاملہ کرنے کی ہمیشہ صلاحیت باقی رہتی ہے اگرچہ سو برس کا کیوں نہ ہو جائے اور اس عمر کو پہنچ جانا ممکن بلکہ موجود ہے کوئی نادر بات نہیں۔ یہاں تک کہ بعض حکماء اس کے قائل ہیں کہ اگر انسان کو موت جلدی ہی نہ آگھیرے تو اُس کی خلقت اور قدرتی ساخت کا مقتضا یہ ہے کہ سو برس تک زندہ رہے (بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ انسان کی عمر طبعی ایک سو بیس برس کی ہے) رہی عورت پس چونکہ جنین کا بار اُٹھانے، وضع حمل کی مصیبت برداشت کرنے اور دُودھ پلانے سے اُس کی قوت ضائع ہو جاتی ہے اور ان سب باتوں کی وہ اُسی وقت متحمل ہو سکتی ہے جب کہ اُس کا جسم اس قدر قوت کو پہنچ جائے۔ لہٰذا خداوندی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ عورت میں بچہ جننے کی استعداد سن احتلام (سن بلوغ) سے لے کر پچاس برس کے سن تک ہے (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور اوروں کا قول ہے کہ پچپن برس کی عمر تک اس میں بچہ جننے کی قابلیت رہ سکتی ہے) اور یہاں سے چونکہ اُس کی طبعی قوت زائل ہونا شروع ہوتی ہے اس لئے باری تعالےٰ حمل کو اُس سے روک دیتا ہے

اور اُس کا خون حیض منقطع کر دیتا ہے جو کہ جنین کی غذا ہے اور بمقتضائے لطف واحسان
تخم سے جس سے بچہ بنتا ہے اُس کو محروم کر دیتا ہے۔

پس عورت میں بچہ جننے کی قابلیت کل پینتیس برس رہتی ہے اس لئے کہ اکثر وہ
پندرہ برس میں بالغ ہوتی ہے اور جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ عورت
اپنے بچہ جننے کی قابلیت کی مدت میں جب بالغ مرد کے پاس رہے گی خواہ اس کی عمر کا
کوئی زمانہ کیوں نہ ہو تو مرد میں برابر حاملہ کرنے کی استعداد پائے گی اور وہ اس امر سے
قاصر نہ رہے گا۔ ہاں اگر کوئی غیر طبعی و عارضی سبب ہو جائے تو بات ہی دوسری ہے۔
رہا مرد اُس کی یہ حالت ہے کہ جب وہ عورت کے پاس دونوں کے بالغ ہو جانے کے بعد
رہے اور ایک ہی عورت کا ہو رہے تو بسا اوقات اُسے اپنی عمر کی کچھ مدت نسل
سے معطل رہنا پڑے گا۔ اپنی تخم ریزی کا کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکے گا۔ بیان اس کا یہ
ہے کہ اگر دونوں کا ایک دوسرے کے پاس رہنا دونوں کے ابتدائے بلوغ سے فرض کیا
جائے تو عورت کے سن ایاس تک دونوں سے توالد و تناسل ہونا ممکن ہے اور اس
کے سن ایاس کو پہنچنے کی مدت پچاس برس ہیں۔ پس اگر دونوں ساٹھ برس تک زندہ
رہیں گے تو مرد پر عورت دس برس معطل رہے گی یعنی عورت کی وجہ سے مرد کو دس
برس تک معطل رہنا پڑے گا اور اگر دونوں ستر برس تک جئیں گے تو مرد پر بیس سال
معطل رہے گی۔ اسی طرح یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اگر دونوں سو برس تک زندہ
رہیں گے تو مرد پر اُسے پچاس برس تک معطل رہنا پڑے گا اور ایسا ہی اُس وقت
بھی کہا جا سکتا ہے جب کہ مرد و عورت دونوں ہم سن ہوں اور عورت سن ایاس کو پہنچ
گئی ہو اور اُس وقت کسی وجہ سے دونوں میں مقارنت ہوئی ہو اور جب یہ صورت
لی جائے کہ سن کے اعتبار سے دونوں میں مخالفت ہو تو مرد کو عورت سے بڑا فرض
کرنے کی بنا پر غالب یہ ہے کہ عورت اس وقت بھی مرد پر معطل ہی رہے گی حتیٰ کہ اگر
یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جس وقت عورت اور مرد میں مقارنت ہوئی ہے اُس وقت
مرد پچاس کا اور عورت پندرہ برس کی تھی اور پھر دونوں کی عمر سو برس کی ہوئی تب بھی
عورت مرد پر پندرہ برس تک معطل رہے گی۔ لیکن اگر عورت عمر میں مرد سے بڑی
فرض کی جائے تو اب مرد کا بہت بڑا نقصان ہوگا اور اس وقت معطل رہنے کا زمانہ

مرد و عورت کے سن بلوغ کے فرض کرنے کے اعتبار سے متفاوت نکلے گا اور زیادہ سے زیادہ جو بیان متصور ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے اُس وقت مرد و عورت میں مقارنت ہوئی ہو جبکہ مرد پندرہ برس کا اور عورت کا سن سن ایاس سے کچھ پہلے ہو پس اگر یہ عورت اُس مرد سے ایک بچہ جن کر آئسہ ہو جائے گی تو مرد کی سو برس کی عمر فرض کرنے کی بناپر عورت پچاسی برس تک اُس پر معطل رہے گی۔

پس اگر مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ مقارنت کے مباح کرنے کے سوائے اس تفاوت کے اور کوئی سبب مقتضی نہ ہوتا تب بھی یہ بالکل کافی تھا اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مرد اپنی تولید کے قابلیت کے زمانہ میں عورت پر ایک دن بھی معطل نہیں ہوتا اور وہ بہتیرے برسوں تک اُس پر معطل رہتی ہے۔ پس مرد کے لئے ایک سے زیادہ مقارنت مباح کر دینے سے اُسے جو معطل رہنے کا احتمال تھا اُس کا تدارک کرنا ممکن ہو گا۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ بنظر اس کے کہ خدا نے بخلاف عورت کے مرد ہی کو کمانے کی قوت اور اُس کے شدائد کے تحمل کی طاقت عنایت کی ہے اس لئے مرد ہی اہل و عیال کا خبر گیراں قرار دیا گیا ہے اور عورت کے نان و نفقہ کا سامان بھی اُسی کے ذمہ ہے اور اُس کے مقابل میں عورت کے متعلق یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ خانہ داری کا انتظام اور اولاد کی پرورش کرے اور یہ بات انسان کے لئے ایک طبعی امر کی طرح ہو رہی ہے اور بعض جو اُس کی مخالفت کرتے ہیں وہ نظام خداوندی اور اُس طریق کے خلاف چلتے ہیں جس کے ساتھ عام طور پر طبعتیں مالوف ہو رہی ہیں اور یہی معلوم ہے کہ محتاج اور ایسے لوگ جو زوجہ کے نان و نفقہ کے بار اُٹھانے سے قاصر ہیں بہ نسبت مالداروں کے جو اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ اکثر ممالک میں بکثرت ہیں اگرچہ بعض بعض ممالک میں سب قریب قریب درجہ کے مالدار بھی موجود ہیں۔

پس جو ممالک پہلی قسم کے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کے بہتیرے محتاج آدمی عورت کے نان و نفقہ کے بار اُٹھانے کے خوف سے شادی نہیں کرتے بلکہ عادل شریعت جب وہ اپنی نسبت یہ جانتے ہوں کہ نان و نفقہ سے عاجز ہونے کے باعث وہ عورت کی حق تلفی کریں گے تو اُن کو شادی کرنے سے روکتی اور منع کرتی ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک تو جبکہ خاوند عورت کے نان و نفقہ سے عاجز ہو تو اُس ظلم کے

دفع کرنے کے لئے جس کو عقلیں ناگوار سمجھتی ہیں حاکم کو یہاں تک حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں تفریق کر دے اور ان ایام میں ہم ایسے عاجز مردوں کی زیادہ تعداد دیکھتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ فوجی آدمیوں کو بھی ملالیں تو مجرد آدمیوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ فوج میں نوکری کرنے والے اس خوف سے شادی کرنے سے باز رہا کرتے ہیں کہ فوجی کام کی انجام دہی کے زمانہ میں اُنہیں اپنی زوجہ کو بلا کسی خبر گیراں کے چھوڑنا پڑے گا۔ پس جب مرد کے لئے ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہ رکھا جائے گا تو وہ عورتیں جوان مجرد مردوں کے مقابلہ میں بچیں گی توالد و تناسل سے معطل رہیں گی اور جو خداوندی حکمت نوع انسانی کی زیادتی اور اُس کے ازدیاد کے باقی رکھنے کے بارہ میں تھی وہ باطل ہو جائے گی لیکن جب مرد کے لئے یہ بات مباح کر دی جائے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکے تو جو لوگ نان و نفقہ پر قدرت رکھتے ہوں گے تو وہ عورتوں کی اس تعداد میں سے جو نسل سے معطل ہونے کو تھیں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکیں گے اور اس وقت ان بے چاروں میں جو توالد و تناسل کی استعداد پائی جاتی تھی وہ ضائع نہ جائے گی اور نظام خداوندی مختل ہونے سے محفوظ رہے گا اور بغیر اس کے ان مصیبت زدہ عورتوں کی اسی طرح عمر گزر جائے گی اور نوع انسانی کو اُن سے ثمرہ حاصل نہ ہو سکے گا جو کہ یادگار رہ سکے۔

رہے دوسری قسم کے ممالک یعنی جہاں کے رہنے والے قریب قریب برابر درجہ کے مالدار ہیں ممکن ہے کہ وہاں ہر مرد ایک ہی عورت سے شادی کرے اور وہاں کی عورتوں میں سے کوئی معطل نہ رہنے پائے اور ایسے مقامات میں مرد خود ہی ایک سے زیادہ شادی نہ کر سکے گا اس لئے کہ جب وہ شادی کرنا چاہے گا تو اُسے فاضل عورت ملے ہی گی نہیں۔ کیونکہ حساب کی رُو سے تعداد ختم ہو چکی اور اگر کوئی کہے کہ اس تفصیل کا تو یہ مقتضا ہے کہ صرف پہلی قسم کے ممالک کے رہنے والوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتیں مباح کر دی جائیں نہ کہ دوسری قسم کے تو ہم کہیں گے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ممالک محتاجی اور مالداری کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتے بلکہ زمانہ کے دوران میں ہر مملکت پر دونوں قسم کے حال آتے جاتے رہتے ہیں اور اس کا منضبط کرنا اور اس کے لئے زمانہ کی کوئی حد مقرر کر دینا ممکن نہیں اور بالفرض اگر اس کا

انضباط ممکن ہو اور اُس کی کوئی حد مقرر بھی کی جا سکے تو جب اس معترض کے کہنے کے موافق حکم دیا جائے گا تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ہمیشہ اختلاف رہے اور زمانہ کی ہر مدت میں حکم اپنی ضد سے بدلتا رہے اور بسا اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ ایک سال تو مرد کے لئے بہتیری عورتوں سے شادی کرنا جائز کر دیا جائے اور اُس کے بعد والے سال میں اس سے روکنا پڑے یا اس کے بالعکس معاملہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مملکت ایک ہی سال میں مالدار ہو جائے اور پھر محتاج بھی بن جائے یا اس کا الٹا معاملہ ہو اور خداوندی احکام اس مرتبہ کے نہیں ہو سکتے کہ آئے دن بدلا کریں اور ان میں تبدل و تغیّر کے ایسے ابواب نہیں کُھل سکتے جس سے خود غرض اور شہوت راں انسان اُن احکام کو کھیل بنا سکیں۔

پس تقریر سابق سے یہ نتیجہ بر آمد ہُوا کہ مؤلف مذکور کے قول کے خلاف متعدد زوجات کا جائز ہونا ہی امر طبعی اور عقل سلیم کے موافق ہے۔ رہا ازواج کا چار ہی میں منحصر کر دینا اُس سے مؤلف مذکور نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے لیکن اب ہم اسی تقریب میں اُس کی حکمت بھی ذکر کئے دیتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس حکم میں ایک شرعی حکمت بھی ہے۔ مگر اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ کیونکہ مؤلف مذکور ہماری شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ شرعی حکمتوں سے اُس کے خیالات کو تسکین حاصل ہو سکے۔ ہاں اس کی عقلی حکمت ایسی ہے کہ جو اُس کے امور مالوفہ کے طرز پر ہے اور اُس سے مؤلف مذکور کی تسکین ہو سکتی ہے۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ نان و نفقہ سے عاجز آدمی شادی کرنے سے باز رہا کرتا ہے اور جو اس پر قادر ہوتا ہے وہ اس پر پیش قدمی کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلاش و استقرار سے کسب معاش کے چار ہی قسم کے عادی ذریعے نکلتے ہیں۔ حکومت، تجارت، صناعت اور زراعت۔ پس گویا باری تعالیٰ نے ہر ہر سبب کے مقابلہ میں ایک ایک زوجہ جائز رکھی۔ پس جب کسی مرد کو سارے اسباب میسّر آ جائیں گے تو وہ چار عورتوں کو رکھ سکے گا اور جب ان ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اُس سے مفقود ہو جائے تو وہ تین ہی عورتوں پر اقتصار کرے گا۔ یہاں تک کہ جب کسی سے سارے ذرائع مفقود ہو جائیں تو وہ شادی نہ کرے اور یہ امر

مالداروں کے حوالہ کرے اور جب کسی کو ایک ہی ذریعہ سے اس قدر فراغت نصیب ہو جائے کہ دوسرے ذریعہ کے قائم مقام ہو سکے بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بقدر اپنی وسعت کے شادیاں کر سکے گا۔ اب اگر آپ تقریر گزشتہ اور اس تقریر کو سمجھ گئے ہوں گے تو آپ پر اس کا راز بھی کھل جائے گا کہ مرد کو لونڈیوں میں سے چار سے زیادہ عورتوں کو سُرّیہ بنانا (یعنی اُن کو جماع کے لئے متعین کر لینا) کیوں جائز کیا گیا اس لئے کہ ایسی عورتیں جس مملکت میں کہ لائی جاتی ہیں وہاں اُن کے مقابلہ میں مردوں کی تعداد نہیں پائی جاتی۔ پس جس حالت میں کہ نادار لوگ اُن کے مالک بننے کی قدرت نہیں رکھتے اور مالداروں کے لئے بھی اُن میں سے کئی عورتیں جائز نہ ہوتیں تو وہ نسل سے معطل رہ جاتیں۔ پس مالداروں کے لئے لونڈیوں میں سے کئی عورتیں جائز نہ ہوتیں عین حکمت ہے اور اس قدر بیان سوچنے سمجھنے والے آدمی کے لئے بالکل کافی معلوم ہوتا ہے۔

رہا جو کچھ کہ مؤلف مذکور نے خاص کر دوسرے مسئلہ کے بارہ میں اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور مراد اُس سے عورتوں کا پردہ ہے تو اس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ عورتوں کا اجنبی مردوں سے پردہ کرنا تو ایک ایسی بات ہے جسے عقلِ سلیم ضروری سمجھتی ہے اور جو کہ انسانیت، نظامِ خداوندی اور قانونِ طبعی سب کے نزدیک مستحسن ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ ہم بیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ نان و نفقہ کے سامان کی تکلیف طبعی طور پر مرد ہی کو دے دی گئی ہے۔

رہی عورت وہ صرف انتظام خانہ داری اور اولاد کی پرورش کی مکلف ہے اور یہی علی العموم مالوف طریقہ ہے اور اسی کو عقلیں بھی مستحسن شمار کرتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط میں بے حیائی کے ارتکاب کرنے کے بہت سے سبب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ دونوں طرف سے اس کا پورا مقتضٰی موجود ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ دیکھنے بھالنے کو اس امر قبیح کے ارتکاب میں بڑا دخل ہوتا ہے جس کو کہ تمام شریعتیں حرام بتاتی ہیں اور عقلیں بُرا سمجھتی ہیں کیونکہ اس سے نسب مختلط ہو جاتے ہیں اور باہمی ہمدردی کو ضعف لاحق ہوتا ہے اور اس کی برائی اس قدر ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں اور اس کے ثبوت میں اتنا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی امتوں کو اس فعل شنیع کے ارتکاب کے باعث سے ہلاک کر ڈالا ہے بس

جس قانون سے کہ اس کی کثرت رک سکتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کو باہمی اختلاط سے روکا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر اس کے کہ دونوں میں سے ایک فریق کو گھر کے اندر رہنے کا پابند کر دیا جائے انجام نہیں پا سکتا اور جب ہم مردوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو گھر کے باہر تمام مصارف خانہ داری حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اس لئے وہ تو گھر میں رہنے کے پابند نہیں کئے جا سکتے البتہ بنظر اس کے کہ عورتیں خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی مکلف ہیں تو گھروں کے اندر رہنے کا پابند ہونا انہی کے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس کام کی کہ عورتیں مکلف ہیں یہ اُس کے موافق ہے۔

پس عورتوں کا گھر کے اندر ہی رکھنا عین حکمت ہے اور اگر کہا جائے کہ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی رکھنے سے اُن کو ضرر پہنچے گا تو ہم کہیں گے کہ اس سے کیسا کچھ ضرر کیوں نہ فرض کر لیا جائے لیکن مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے جو ضرر ہوگا وہ ضرر اُس سے کہیں بڑھ کر اور نہایت شدید ہوگا اور دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کے ضرر کا ارتکاب کر لینا معقول بات ہے اور شرع کے بھی موافق ہے اس لئے شریعت نے عورتوں پر پردہ کا حکم لگایا ہے اور یہ حکم عورتوں کی مصلحت کے جس کی کہ وہ مکلف ہیں اور نیز نوع انسانی کی مصلحت یعنی حفاظت نسب کے بالکل موافق ہے۔

علاوہ بریں جو عورتیں اپنے بچپن سے پردہ ہی میں پڑی ہوئی ہیں اُن پر تو اس ضرر کا نام و نشان بھی نہ پایا جائے گا اور یہ اس لئے کہ یہ امر اُن کی عادت مالوفہ میں داخل ہو جائے گا اور یہ مخفی نہیں کہ عادت سے ایسی ایسی چیزیں قبول کر لینے کی انسان میں قابلیت آ جاتی ہے جن سے کہ عادت نہ ہونے کی صورت میں وہ بالکل عاجز ہوتا ہے۔ چنانچہ مؤلف مذکور نے خود اپنی اس ہی کتاب میں کہا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان بہت سی اشیاء کا عادی بن سکتا ہے چاہے وہ زہریلی ہی کیوں نہ ہوں اس طرح پر کہ وہ ایسی مقدار اُس میں سے کھا سکتا ہے کہ اگر ایسا شخص جس کو عادت نہ ہو اس قدر کھائے تو اُس کو سخت ضرر پہنچے۔

پس ہم عورتوں کو جو پردہ کی عادی ہو رہی ہیں دیکھتے ہیں کہ وہ پردہ میں رہنے پر فخر کرتے ہیں اور اُس کو اپنی آبرو کی حفاظت کا بہت بڑا سبب شمار کرتی ہیں

اور بے پردہ عورتوں کو جو پردہ کا خیال نہیں کرتیں اور اُن کے بےحیائی اور اپنی آبرو کی حفاظت نہ کرنے کی جانب منسوب کرتی ہیں اس کی وجہ سوائے اس کی اور کچھ نہیں کہ وہ پردہ کی عادی ہو رہی ہیں اور اُس کے ساتھ مالوف ہوگئی ہیں اور بے پردگی کے ساتھ پھرنے سے پردہ کو انہوں نے اپنے حق میں بہتر پایا ہے۔ پس جب یہ بات ٹھہری تو ظاہر ہوگیا کہ عورتوں پر پردہ کا حکم اُن کے حقوق کو تلف نہیں کرتا اور نہ ظلم و سنگدلی شمار کیا جا سکتا ہے اور اس مؤلف مذکور کا قول اس کے خلاف ہے جسے کہ عادل شریعت کے اسرار سے ذرا بھی واقفیت نہیں اُس نے جو چاہا اٹکل پچّو ہانک دیا۔

رہا مؤلف مذکور نے جو عورتوں کی تحقیر اور اُن پر ظلم کرنے اور اُن کو نوشت خواند سے محروم رکھنے کے بارہ میں کہا ہے تو یہ خود ایک ایسا امر ہے جس کو ہماری روشن شریعت جائز نہیں رکھتی اور اُس کے خلاف کا حکم کرتی ہے اور اس تحقیر یا ظلم کے ارتکاب کو شرع کے مقدس احکام کی مخالفت شمار کرتی ہے۔ پس مؤلف مذکور نے اس امر کا جو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو ہمارے خیالات کو اُس سے کوئی واسطہ اور لگاؤ نہیں اور نہ اس بارہ میں ہمیں اُس سے گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ ایسی تحقیر ستم ہے ہماری شریعت منع کرتی ہے۔

رہا طلاق کا مسئلہ سو مجھے اب خبر پہنچی ہے کہ ایسے ہی لوگوں میں سے کسی شخص نے ایک کتاب کی تالیف شروع کی ہے جس کا نام اُس نے "الطلاق" رکھا ہے بظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ پر جن کے مذہب میں طلاق جائز ہے اُسے رد کرنا مقصود ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اُس میں وہ کیا دلیل پیش کرے گا لیکن اب ہم ایسی تقریر بیان کرتے ہیں جس سے یہ امر مدلل اور مبرہن ہو جائے کہ طلاق کا جائز ہونا عقل کے موافق ہے اور اس سے منع کرنا نظام خداوندی اور ترتیب طبعی کے منافی ہے سوائے اپنی بڑائی کے زعم میں ہٹ دھرمی کرنے والے کے اس کا کوئی مخالف نہیں ہوسکتا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس رسالہ کے شروع میں پیشتر یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ حکمت الٰہی اس امر کو مقتضی ہے کہ نوع انسانی میں توالد و تناسل جاری ہے اور اُس کی کثرت ہوتی رہی اور یہ کہ مرد میں سن احتلام سے لے کر مرتے دم تک تولید کی استعداد و قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سن احتلام سے لے کر صرف سن ایاس ہی تک تولید کی قابلیت پائی جاتی ہے اُس کے بعد نہیں رہتی اور اس مدت کی کل مقدار

پینتیس[۳۵] سال ہوتے ہیں۔ پس جب خاوند و زوجہ میں مقارنت ہو اور اُن دونوں میں توالد و تناسل نہ پایا جائے اور یہ بہت ہوتا ہے تو اس صورت میں اتنے احتمال ہونگے کہ اس کا مانع یا تو خاوند کی جانب سے ہے۔ پس جس حالت میں کہ طلاق ممنوع ہو تو ان دونوں کی ساری عمر بلا نسل کے گزر جائے گی اور اگر ان دونوں میں سے کسی میں تولید کی استعداد موجود ہوگی تو اُسے نسل سے ناحق معطل رہنا پڑے گا اور کبھی کبھی اس معطل رہنے کی مدت پچاسی برس تک متصور ہو سکتی ہے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو وہ کچھ دن صبر کرنے کے بعد اُس عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے مقارنت کر سکے گا اور اُس عورت کو بھی دوسرے مرد سے مقارنت کرنا ممکن ہوگا۔

پس اُن دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اُس وقت وہ نسل سے کامیاب ہو سکے گا اور معطل نہ رہے گا اور جس میں استعداد نہ ہوگی اس پر اپنی حقیقتِ حال کے ظاہر ہو جانے سے اُس کے دل کو راحت نصیب ہو جائے گی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن دونوں میں تولید نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن ان دونوں کے آلۂ تناسل متوافق نہیں ہوتے۔ پس جب دونوں میں مفارقت ہو جائے گی تو ان میں سے ہر ایک کو ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے مقارنت کر کے نسل حاصل کر سکے اور اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے اور یہاں پھر ہم اُس امر کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس کی بحث ہم پہلے کر رہے تھے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جب مرد اُس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو کہ اُس سے حاملہ نہیں ہوئی تو اُسے (تعدد ازواج کی بنا پر) ممکن ہوگا کہ اس بات کے ظاہر کرنے کی غرض سے کہ حمل کا مانع کس کی جانب سے ہے کسی دوسری عورت سے مقارنت کرے۔ پس اگر وہ مانع زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس صورت میں اگر وہ چاہے گا تو اُسے بدستور عقد میں باقی رہنے دے اور اُس فضل و احسان کو جو اُس کے اور زوجہ کے مابین ہے نہ بھولے۔ اس لئے کہ اب اس کے طلاق دینے سے کیا فائدہ (کیونکہ وہ دوسرے سے مقارنت کر کے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اُس میں بسبب مانع حمل موجود ہے اب اُس کے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر ہیں اس لئے اگر خاوند چاہے تو اُسے اپنے پاس رہنے دے) اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کا

مانع خود اُسی خاوند ہی کی جانب سے ہے تو اُسے اس عورت کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم قانون سابق کے مقتضا کے موافق یہ نہیں کہتے کہ اُسے اس وقت طلاق دینا واجب ہے تاکہ وہ عورت دوسرے سے مقارنت کر سکے۔ کیونکہ اُس عورت میں استعداد تولید کا پایا جانا ہی متیقن نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعداد تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہُوا کرتے۔

پھر کبھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا اہم اور ضروری سبب پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند و زوجہ میں نفرت پیدا ہو جائے اور اُس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا۔ بدصورت ہو جانا، آلۂ تناسل کا معطل ہونا، عورت کا اپنے خاوند کی اولاد کے نسب محفوظ رکھنے کے بارہ میں اس طرح اُس سے خیانت کرنا کہ اُس کو خاوند ظاہر نہ کر سکتا ہو اور حاکم کے روبرو ثابت کرنا اُسے ممکن نہ ہو۔ پس اگر طلاق ممنوع ہو گی تو اس حالت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور دونوں کے دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور اُن دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بے حیائی کے دروازے کھل جائیں گے۔ لیکن جب طلاق جائز ہو گی تو دونوں اس تنگی اور اس بے لطفی سے چھٹکارا پانے کا قصد کریں گے اور بے حیائی کے ارتکاب سے اور نیز دیوث بننے سے محفوظ اور پاک وصاف رہ سکیں گے۔

باقی رہا یہ امر کہ طلاق صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھی گئی عورت کے اختیار میں کیوں نہ ہوئی اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور ثابت ہُوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں فوراً بدل جایا کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ امر علی العموم مسلم ہے اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ عورت کے نان و نفقہ کی مرد ہی کو تکلیف دی گئی ہے۔ پس جب عورت سے اُسے کسی قسم کی نفرت پیدا ہو جائے گی تو مرد کے نزدیک راجح یہی امر ہو گا کہ جہاں تک ہو سکے اس کو برداشت کر لے اس نظر سے کہ اُس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور نیز اُسے یہ خوف بھی لگا ہو گا کہ جو کچھ اُس نے عورت پر خرچ کیا ہے کہیں ضائع اور

برباد نہ ہو جائے۔ پس اس وجہ سے اُسے طلاق دینے اور اس کی مفارقت اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہے گا۔

رہی عورت چونکہ وہ ان دونوں باتوں سے (یعنی قوت عقل اور خوف ہلاک نفقہ) خالی ہے نہایت قریب ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کا باعث پایا جائے گا تو وہ بلا تامل طلاق دینے اور اُس کی مفارقت اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جاوے گی اور اُس کو چھوڑ دوسرے کو جا ڈھونڈے گی۔

پس اسی واسطے خداوندی حکمت کا یہ مقتضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے۔ پس سمجھدار سوائے اُس حالت کے کہ وہ بالکل مضطر ہو جائے طلاق دینے پر کبھی پیشقدمی نہ کرے گا۔ رہا بعض بعض بے وقوفوں کا ذرا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیش قدمی کرنا سو یہ بات حکم شرعی اور نظام عقلی کے خلاف ہے اور خدا تعالےٰ اُس کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ ائمہ اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔

منصف کے لئے اس قدر بیان کافی ہے اب ہم اس زمانہ کے متمدن (سویلائزڈ) فرقوں کے کچھ حالات جس سے کہ ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے ذکر کر کے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ فرقے جو اشیاء ہماری شریعت نے مباح کی ہیں اُن کو مستحسن شمار کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ ان فرقوں میں سے بعضوں نے دو شادیاں جائز کر دی ہیں۔ لیکن دوسری زوجہ اور اس کی اولاد کی بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ کیونکہ نہ اُس کو یہ لوگ مذہبی زوجہ شمار کرتے ہیں اور نہ اُس کی اولاد ہی کو مذہبی اولاد سمجھا جاتا ہے۔

پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ متعصب، مؤلف عورتوں کے لئے یہاں کیا کہے گا اور بعض ممالک میں طلاق بھی جائز کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ اخباروں میں یہ بات شائع و ذائع ہو چکی ہے۔ جملہ توصیف و ثناء کا خداوند تعالےٰ ہی مستحق ہے جس نے ہماری شریعت کو ایسا بنایا کہ عقلیں اس کے احکام کو اچھا سمجھتی ہیں اور اس کے نظام معقول کی پیروی کرتے ہیں۔

ہم ان مؤلف صاحب اور ان ہی کے ایسے اور صاحبوں سے امید کرتے

ہیں کہ اپنی کتابوں میں ایسی باتوں سے تعرض نہ کیا کریں جن کو ان کے پڑوسیوں یعنی اہل اسلام) کے خیالات سے تعلق ہو بلکہ اس کے علاوہ اپنے علوم کو شوق سے بیان کریں اور فخر کریں ورنہ یہ یاد رکھیں کہ مقدس شریعت کے احکام خداوندی حکمت اور نظامات عقلیہ پر مبنی ہیں۔ اُن کی ضعیف رائیں اُن میں خلل نہیں ڈال سکتیں اور اس کے اس کثرت سے حامی کار لوگ موجود ہیں جو اُس پر سے اعتراضات دفع کر سکتے ہیں اور قیامت تک دفع کرتے رہیں گے۔

الحمد للہ رب العالمین فقط

۴ رجب ۱۳۱۵ھ کو بعد ظہر یہ ترجمہ مترجم صاحب سے ختم ہوا۔

نقلہ خاکسار

محمد انعام اللہ عفی عنہ

سائنس اور اسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کی وہ معرکتہ الآرا تقریر جو آپ نے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے زیرِ اہتمام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کی۔ جس میں سائنس اور اسلام کا صحیح مفہوم اور حقیقت بیان کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ارتقاء پسند انسانی عقل اور ہدایاتِ ربانی کا سنگم صرف اسلام ہے۔

— ناشر —

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی لاہور ۲

فہرست مضامین

تقریظ

از

حضرت علّامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ

صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ محترم مولانا قاری محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے چند ماہ بیشتر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی تھی جسے بعد میں منضبط کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا گیا اور اس کا نام "سائنس اور اسلام" رکھا گیا۔ چھپنے سے پہلے برادرِ ممدوح نے مجھے بھی اس کے مطالعہ کا موقع دیا۔ میں اس مضمون کے مطالعہ سے بے حد محظوظ و مسرور ہُوا اور دل سے مؤلّف کے حق میں دُعا نکلی۔

یوں تو اس موضوع پر مختلف مذاق کے لوگ سینکڑوں مضامین لکھ چکے ہیں اور لکھتے رہیں گے لیکن یہ مضمون اپنی نوعیت میں نرالا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحبِ مضمون حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی صرف نسبی اولاد ہی نہیں ان کے علمی وارث بھی ہیں۔ جدید تعلیم کے اس بڑے مرکز (علی گڑھ) میں صحیح اور موزوں تبلیغی خدمت کا جو گہرا اور خوشنما نقش آپ کی اس تقریر نے چھوڑا وہ مسلمانوں کے اصلاح کی ایک خوش آئند اور درخشاں علامت ہے۔ حق تعالےٰ ہمارے نو تعلیم یافتہ بھائیوں کو بار بار اس طرح کے افادات سے استفادہ کی توفیق بخشے۔

شبّیر احمد عثمانی

۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ

تقریظ

از

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب سابق شیخ الادب و الفقہ

دار العلوم دیوبند

حامداً و مصلیاً و مسلماً - اما بعد - اس رسالہ کے اوراق اس مقبولِ عام تقریر کے حامل ہیں جو عالی جناب مولانا الحاج المولوی محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم نے "اسلام اور سائنس" کے خشک مگر ضروری عنوان پر بمقام علی گڑھ کالج اسٹریچی ہال میں فرمائی تھی - خالص علمی اور خشک عنوان پر تقریر اور ایسے شخص کی تقریر جس کو کتب عربیہ کے مطالعہ عربی طلباء کے ہجوم میں عربی الفاظ مصطلحات کی مزاولت سے فرصت ہی نہ ملتی ہو اور وہ بھی ایسے میں جہاں اس کے برعکس انگریزی زبان اور اس کے محاورات مادری زبان کے حکم میں آ گئے ہوں، یقیناً اضداد کے اجتماع کے حکم میں تھی اور اگر ضب (سوسمار) اور نون (ماہی) کی ضدیت اور بُعد مکانی کا صحیح مشاہدہ ہوسکتا تھا تو یہاں ہونا چاہیئے تھا لیکن بیان کی سلاست، مضامین کے ارتباط اور دقائق علمیہ ظاہرانہ انداز سے روزمرہ کے محاورہ میں ادا کرنے نے ایسا سہل الحصول صعب بنا دیا ہے کہ اس کے شروع ہوجانے کے بعد ختم کلام سے پہلے سیری ہی نہیں ہوتی تھی۔

پھر یہی نہیں کہ صرف سائنس اور اسلام کے ہر ہر گوشہ پر مقرر ممدوح نے روشنی ڈال کر اس پتھریلے راستہ اور سنگلاخ زمین کو طریقہ بیضاء بنا دیا بلکہ اس کے ساتھ بہت سے دوسرے معارف و دقائق علمی و اسلامی بھی نہایت سہولت کے ساتھ اہلِ بصیرت اور اربابِ نظر کے پیشِ نظر کر دیئے اور قابلِ تحسین یہ امر ہے کہ جس جگہ کوئی دقیقہ علمیہ ایسا سمجھانا ہو جس کو سمجھنے کے لئے علومِ قدیمہ سے واقفیت مصطلحات فنونیہ کا تداول شرط تھا یا فی الحقیقت اس میں مقرر کے لئے دلچسپی پیدا کر لینا ضروری تھا تاکہ اذہان میں نشاط پیدا ہو اس کو اگر ایک جگہ معمولی معمولی مثالیں دے کر کالشمس فی نصف النہار کر دیا تو دوسری جگہ ادیبانہ تشبیہات و استعارات لطائف و ظرائف سے مزین بنا کر ذہن نشین کر دیا - پس یقیناً یہ تقریر اگر ایک جانب

حقائق اسلامیہ، معارفِ شرعیہ کا آئینہ ہے تو دوسری طرف ادبی دلچسپیوں کا ذخیرہ بھی ہے ؎

در کفے جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق !

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن !

پس اگر یہ امر قابلِ تعجب نہیں کہ مشک ان دماغوں کو معطر کر دیتا ہے جو مالوف نہ ہو تو یہ بھی شایانِ تعجب نہیں کہ نزدیکانِ بے بصر کے علاوہ تمام قلوب اس تقریر سے مستفید ہوئے اور اگر یہ لائقِ حیرت نہیں کہ آفتاب افق مشرق سے طلوع کرنے کے بعد اپنے مقابل زمین کے ہر ہر گوشہ کو منور کر دیتا ہے تو یہ بھی موجب حیرت نہیں کہ اس تقریر نے مسئلہ مبحوث عنہا کے کسی گوشہ کو روشن کئے بغیر نہ چھوڑا۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ ٹھنڈا اور میٹھا غیر مکدر پانی پیاسوں کی پیاس کا اس طرح ازالہ کر دیتا ہے کہ ان کے رونگٹے رونگٹے سے تشنگی کی اذیت، یبوست کی تکلیف زائل ہو جاتی ہے تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ اس تقریر نے عنوانِ بالا سے متعلق تشنگانِ کمال کی تشنگی اسی دلچسپی کے ساتھ زائل کر دی جو پیاسے کو پانی سے ہوتی ہے۔ قاسمی فیضان کی وجہ سے میرے نزدیک تو یہ تقریر نہ قابلِ تعجب ہے اور نہ مقرر ممدوح کی دوسری تقریریں یا تالیفات۔ اگر کسی ناواقف کو تعجب ہو تو وہ جانے اُس کا کام ؎

عجیب فی الزمان وما عجیب

اتی من آل سیار عجیبا !

محمد اعزاز علی غفرلہ

✽

تقریظ

از

جناب ڈاکٹر محمد ذکی الدین صاحب شیخ الطبیعات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضرت الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب کا نام مسلمانانِ ہند کے لئے محتاج تعارف نہیں آپ نے سائنس اور اسلام کے سے اہم موضوع پر ایک نہایت عالمانہ خطبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے سامنے فرمایا۔ اب وہی خطبہ شائع کیا جارہا ہے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔

سائنس اور مذہب کی بحث اور فلسفہ اور مذہب کی بحث مدت سے چلی آتی ہے۔ سائنس اور مادیات کی وجہ سے مذہب کو (اسلام اور عیسائیت کو خاص طورپر) سخت نقصان پہنچا۔ ساتھ ساتھ علماء کی یہ کوشش رہی کہ ان نقصانات کی تلافی کی جائے۔ ڈریپر نے ایک کتاب سائنس اور مذہب کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس کتاب میں اسلام اور سائنس کے متعلق مختلف سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ جمال الدین افغانی نے پیرس جاکر مشہور و معروف فلسفی رینان سے بحث کی اور یہ ثابت کردیا کہ اسلام سائنس کی مخالفت نہیں کرتا۔ اس کے بعد وہ اس موضوع پر کئی مضامین بھی شائع کرچکے ہیں۔ ان کے بعد ان کے شاگرد علامہ محمد عبدہٗ اور علامہ رشید رضا نے مسلسل اس موضوع پر قلم اٹھایا۔

ہندوستان میں سرسید نے اسلام اور سائنس کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ اسلامک ریویو میں خواجہ کمال الدین نے بہت سے مضامین شائع کئے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی اور دیگر علماء نے متعدد خطبات اور مضامین اس سلسلہ میں دیئے۔ علماء کی کوشش یہ تھی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ (۱) سائنس اسلام کے مخالف نہیں (۲) جب مسلمان عروج پر تھے تو انھوں نے بہت سی سائنس کی ایجادات کیں جس سے یہ ثابت کیا گیا کہ سائنس اسلام کی مخالفت نہیں کرتا۔

مصر میں علامہ طنطاوی نے "تفسیر جواہر" ۲۲ جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں کا تعلق سائنس سے دکھایا جائے اور

ایک حد تک اس میں علامہ موصوف کو کامیابی بھی ہوئی۔

پچھلی صدی میں یہ ایک شوق پیدا ہو گیا تھا کہ سائنس کے مختلف اصولوں اور نظریوں کو قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی فاش غلطی علماء سے سرزد ہوئی۔ وہ یہ کہ اُنھوں نے سائنس کے اصولوں اور نظریوں کو ابدی سمجھ لیا اور یہ بالکل بھول گئے کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ سائنس کے نظریوں اور اصولوں کی خامیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں اور اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان میں وقتاً فوقتاً زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں کی جائیں۔ ساتھ ساتھ ہمارا یہ دعویٰ بھی ہے کہ قرآن شریف خدا کا یہ پیغام ہے جو ہمیشہ کے لئے آیا ہے جو دو متضاد چیزیں ہیں۔

حضرت مولانا کا یہ فاضلانہ خطبہ آپ کے سامنے ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے پُورے طور پر مستفید ہوں گے اور یہ خطبہ ہمارے ان نوجوانوں کے لئے جن کے دماغ میں سائنس اور الحاد مترادف ہے مشعلِ ہدایت ہو گا۔

ذکی الدّین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سائنس اور اسلام

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ الارض جعلت تمید فخلق الجبال فقال بہا علیہا فعجبت الملٰئکۃ من شدۃ الجبال فقالوا یارب ھل من خلقک شیئ اشد من الجبال قال نعم الحدید فقالوا یارب ھل من خلقک شیئ اشد من الحدید قال نعم النار فقالوا یارب ھل من خلقک شیئ اشد من النار قال نعم الماء فقالوا یارب ھل من خلقک شیئ اشد من الماء قال نعم الریح فقالوا یارب ھل من خلقک شیئ اشد من الریح قال نعم ابن آدم تصدق صدقۃ بیمینہ یخفیہا من شمالہ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) "نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے اور ڈولنے لگی، تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان سے زمین پر جم جانے کے لئے فرمایا، ملائکہ نے پہاڑوں کی شدت و صلابت پر تعجب کیا اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں لوہا ہے۔ اس پر پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں لوہے سے بھی کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں آگ ہے۔ پھر عرض کرنے لگے کہ الٰہی! آپ کی مخلوق میں آگ سے بھی زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں پانی ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں پانی سے بھی زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں ہوا ہے۔ تو پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں آدم کی اولاد ہے جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔"

(روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تمہید

صدرِ محترم! بزرگانِ قوم و برادرانِ عزیز طلباء! مجھے اس وقت جس موضوع پر تقریر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کا عنوان "سائنس اور اسلام" ہے۔ مجھے جس طرح اس پر تعجب ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں جس میں ایک مرکزی جگہ پر قوم کے منتخب فضلاء مختلف علوم و فنون کے ماہر اور مخصوص اربابِ کمال جمع ہیں۔ تقریر کے لئے مجھ جیسے بے بضاعتہ طالب علم اور ناکارہ علم و عمل کا انتخاب کیا گیا۔ اسی طرح بلکہ اسے بھی بدرجہا زائد اس پر تعجب ہے کہ تقریروں کے اہم موضوعات میں سے اس اہم تر بلکہ مشکل ترین موضوع کو مجھ ناچیز کے سر پہ عائد کیا گیا ہے۔ عنوان مذکور حقیقتاً ایک غیر معمولی عنوان ہے جس کے لئے معمولی قابلیت کافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ عنوان "سائنس اور اسلام" اپنی لفظی حیثیت میں جس قدر سہل اور مختصر ہے اسی قدر اپنی معنوی وسعت اور وقت کے لحاظ سے طویل اور صعب ترین ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ عنوان تین چیزوں پر مشتمل ہے، ایک سائنس، دوسرے اسلام، تیسرے ایک درمیانی عطف۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کے ماتحت تین امور کی تشریح مقرر کے ذمہ عائد ہو جاتی ہے۔ ایک سائنس کا مفہوم اور اس کی حقیقت، دوسرے اسلام کا مفہوم اور اس کی حقیقت، تیسرے ان دونوں کی باہمی نسبت اور اس کا حاشیتین سے ارتباط اور پھر ایک چوتھی چیز ان تین سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ان تین امور کا مقتضی ہے۔ یعنی اگر سائنس اور اسلام اور ان کی درمیانی نسبت واضح ہو جائے تو یہ ایک واقعہ کا اثبات ہو گا۔ مگر ہر واقعہ محض ایک واقعہ کی حیثیت سے ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جب تک کہ اُس سے کوئی عمل کوئی حکم اور کوئی طلب نہ پیدا ہو۔ اس لئے چوتھا مقصد یہ ہو گا کہ ان تین ثابت شدہ حقائق کا ہم پر تقاضا کیا ہے اور یہ واقعات ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس تقریر کے موضوع سے تین مقصد پیدا ہو جاتے ہیں جن پر اس مضمون کی بنیاد ہو گی۔ سائنس اور اسلام کی حقیقت سائنس اور اسلام کی درمیانی نسبت اور اسلام اور سائنس سے پیدا شدہ موعظت۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں امور جسقدر اہم ہیں اسی قدر میری نسبت سے صعب اور مشکل ہیں کیونکہ اول تو اسلامی حقائق و مقاصد ہی پر سیر حاصل روشنی ڈالنا ایک بے مایہ طالب علم کے لئے یقیناً دشوار گزار

ہے تاہم اگر اس حیثیت سے کہ مجھے علماء کی ایک مرکزی جماعت (علماء دار العلوم دیوبند) کی جوتیوں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور ہم القوم لا یشقیٰ جلیسھم کے قاعدہ کے موافق میں کوئی ایک آدھ جملہ اسلام کے مقاصد کے متعلق کہہ بھی دوں تو بہرحال سائنس تو میرے لئے ہر صورت میں ایک نئی چیز اور اجنبی ہے۔ نہ میں اس کے اصول سے واقف ہوں نہ فروع سے باخبر اور نہ فنی حیثیت سے مجھے اس کے مبادی اور مقاصد سے کوئی تعارف حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ جملہ کے اطراف میں سے اگر ایک طرف بھی گوشۂ چشم سے ایک طرف رہ جائے تو طرفین کی درمیانی نسبت پر روشنی ڈالنا کس قدر مشکل ہے؟ تاہم جب کہ ایک محترم جماعت کی طرف سے مجھے مامور کیا گیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ من اللہ ایک طلب ہے اس لئے غیبی امداد کی توقع پر جرأت ہوتی ہے کہ عنوان زیر نظر پر اپنی بساط کے موافق کچھ کلام کروں اور سامعین سے اپنے اغلاط کے سلسلہ میں عفو و مسامحت کی درخواست کر کے امیدوار تسامح رہوں۔

حضرات! اس وقت جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے وہ عنوان مذکورہ کی تینوں جہات پر انتہائی جامعیت کے ساتھ حاوی ہے اور اس میں میرے علم و فہم کی مطابق پہلے سائنس کی حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ گویا اس کا مغز اور لب لباب کھول کر سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسلام کی اصلیت واشگاف فرمائی گئی اور پھر ان دونوں چیزوں کی باہمی نسبت اس انداز سے آشکارا کی گئی ہے جس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں مقصودیت کی شان کس کو حاصل ہے اور وسیلہ محض ہونے کی کس کو؟ اور پھر یہ کہ اس وسیلہ سے اس کے مقصود کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور پھر حصولِ مقصد کے بعد اس کے کیا ثمرات مرتب ہوتے ہیں جن کی توقع پر تحصیلِ مطلوب کی سعی کی جائے۔

ہاں مگر حدیثی حقائق کھولنے سے پیشتر مناسب ہے کہ میں سائنس کا موضوع متعین کر دوں تاکہ اس پر انضباط کے ساتھ بحث کی جا سکے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کئے دیتا ہوں کہ فنِ سائنس کے موضوع کی تعیین فن کی حیثیت سے تو میری قدرت میں اس لئے نہیں کہ میں نے اس فن کی تعلیم نہیں پائی۔ البتہ اس کے مشہور اور زبان زد آثار کو سامنے رکھ کر اپنی ذہنی سعی سے سائنس کا جو کچھ موضوع متعین کر سکتا ہوں اُسی کو عرض کروں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر میں اُس میں غلطی کروں گا تو اس مرکز کے اہلِ فن اور سائنس داں استاد مجھے اس غلطی پر قائم نہ رہنے دیں گے۔

فنِّ سائنس کا موضوع

حضرات! اس دورِ ترقی میں جب تمدنی ایجادات اور مادیات کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہوتا ہے تو بطورِ تکملہ سائنس کا ذکر بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر نے اپنی اعجازی کروٹ سے دنیا کو دیوانہ بنا دیا۔ مثلاً وسائلِ خبر رسانی کے سلسلہ میں ٹیلیفون اور ٹیلیگراف سے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ ریڈیو اور لاسلکی اور دوسرے ایسے ہی برقی آلات سے عالم کو مبہوت کر دیا تو ساتھ ساتھ سائنس کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کے سنہری آثار ہیں یا مثلاً وسائلِ نقل و حرکت کے سلسلہ میں جب ریل، موٹر، ہوائی جہاز اور دوسری بادپا سواریوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی سائنس کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کا طفیل ہے۔ یا مثلاً صنائع و حرف کے سلسلہ میں لوہے لکڑی کے خوشنما اور عجیب و غریب سامانِ تعمیرات کے نئے نئے ڈیزائن اور نمونے سیمنٹ اور اس کے ڈھلاؤ کی نئی نئی ترکیبیں اور انجینئرنگ کے نئے سے نئے اختراعات جب سامنے آتے ہیں تو سائنس کا نظر فریب چہرہ بھی سامنے کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب اسی کے خمِ ابرو کی کارگزاریاں ہیں۔ اسی طرح نباتاتی لائن میں زراعتی ترقیات پھل پھول کی افزائش کے جدید طریقے اور نباتات کے نئے نئے آثار و خواص کے متعلق انکشافات کا نام جب لیا جاتا ہے تو وہیں سائنس کا نام بھی پورے احترام کے ساتھ زبانوں پر آجاتا ہے۔

اسی طرح حیوانی نفوس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے لئے ترقی یافتہ وسائل اور اپریشنوں کی عجیب و غریب پھرتیلی صورتیں کیمیاوی طریق پر فنِ دواسازی کی حیرت ناک ترقی، تحلیل و ترکیب کی محیّر العقول تدبیریں، بجلی کے ذریعہ معالجات کی صورتیں جب زبانوں پر آتی ہیں تو ساتھ ہی انتہائی وقعت کے ساتھ سائنس کا نام بھی زبان زد ہوتا ہے کہ یہ سب اسی کے درخشندہ آثار ہیں۔ اس سے میری ناقص عقل نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ موضوعِ عمل موالید ثلاثہ جمادات، نباتات اور حیوانات کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ پھر چونکہ ان ہرسہ موالید کی ترکیبِ عناصرِ اربعہ، آگ پانی ہوا مٹی سے ہوتی ہے جو تقریباً ایک مسلّمہ چیز ہے اور اس لئے اس پر کسی استدلال کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے گویا سائنس کا موضوع بلحاظِ حقیقت عناصرِ اربعہ ٹھہر جاتے ہیں، جن کی

خاصیت اور آثار کا علماً سمجھنا اور پھر کیمیاوی طریق پر ان کی تحلیل و ترکیب کے تجربات سے عملاً نئی نئی اشیاء کو پردۂ ظہور پر لاتے رہنا سائنس کا مخصوص دائرۂ علم و عمل ہو جاتا ہے۔
پس سائنس کی یہ تمام رنگ برنگ تعمیریں درحقیقت انہی چار ستونوں (عناصر اربعہ) پر کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اگر اس تفصیلی حقیقت کا مختصر عنوان میں خلاصہ کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کا موضوع "مادہ اور اس کے عوارضِ ذاتیہ" سے بحث کرنا ہے اور پس جو بھی مادیت میں زیادہ سے زیادہ منہمک رہ کر ان کے خواص و آثار سے کام لینے والا ثابت ہو گا وہی سب سے بڑا سائنسدان اور بہترین ماہرِ سائنس کہلائے جانے کا مستحق ہو گا۔ موضوع متعین ہو جانے کے بعد اب سائنس کے اس چو رنگ مادہ آگ، پانی، مٹی، ہوا پر جس کا مرتب بیان حدیث زیب عنوان میں کیا گیا ہے۔ ایک ذرا سا غور فرمائیے تو محسوس ہو گا کہ ان چاروں عنصروں کے خواص و آثار اور ذاتی عوارض یکساں نہیں بلکہ کافی حد تک متفاوت ہیں اور نہ صرف عوارض و آثار میں ہی تفاوت ہے بلکہ خود ان کی جوہری طاقتیں بھی ایک درجہ کی نہیں ہیں۔

عناصر کی قوتوں کا باہمی تفاوت اور اس کا اصولی معیار

ان میں کوئی عنصر ضعیف ہے کوئی قوی، کوئی قوی تر ہے اور کوئی اقویٰ تر ہے اور پھر یہ قوت و ضعف کا تفاوت بھی بے جوڑ یا اتفاقی نہیں بلکہ معیاری ہے۔ وہ معیار یہ ہے کہ ان عناصر میں سے جس میں بھی لطافت بڑھتی گئی ہے اسی قدر اس کی طاقت بھی بڑھتی گئی ہے۔ اسی قدر طاقت ہی کے اندازہ سے اس میں غلبہ و تسلط اور اقتدار کی شان قائم ہوتی گئی ہے اور جس حد تک لطافت کم ہو کر کثافت کے لئے جگہ خالی کرتی گئی ہے اُسی قدر اس عنصر میں کمزوری آتی گئی ہے اور پھر کمزوری کی قدر اس میں بے بسی مغلوبیت اور ذلت و پستی بھی نمایاں ہوتی گئی ہے۔

راز اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ لطافت ایک وصفِ کمال ہے جو کثافت کی ضد ہے اور ہر وجودی کمال کا مخزن حضرت واجب الوجود کی ذات بابرکات ہے اس لئے لطافتوں کا منبع بھی وہی ہے اور اسی قاعدہ سے بوجہ لطافت طاقتوں کا منبع بھی وہی ہے۔ چنانچہ اس کی بے انتہا لطافت کا عالم تو یہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل حواس و

خیال کی حدود سے بالاتر اور ادراک وانکشاف کی حدبندیوں سے وراء الورا ہے۔ پھر اسکی بے انتہا طاقت کا کرشمہ یہ ہے کہ تمام جہانوں پر اپنا اور صرف اپنی شہنشاہی کا نظام محکم کئے ہوئے ہے اس لئے جس چیز میں بھی لطافت کا کوئی کرشمہ ہے وہ درحقیقت اسی کی ذات و صفات کا کوئی پرتو ہے جس کا اثر بقدر استعداد اس نے قبول کر لیا ہے اور جبکہ قبولِ اثر بغیر کسی مناسبت کے نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کہا جانا بعید از قیاس نہ ہوگا کہ ہر لطیف شئے کو بقدرِ لطافت حق تعالے سے مناسبت ہے اور ظاہر ہے کہ جس حد تک بھی کسی چیز کو ذات بابرکات کے ساتھ قرب و تناسب قائم ہوگا وہ اسی قدر قوی، غالب اور بااقتدار بنتی جائے گی۔ ادھر کثائف کو اس کی ذات سے بے انتہا بُعد اور بیگانگی ہے کہ وہاں کثافت کا نشان نہیں۔ اس لئے جو چیز بھی بقدرِ کثافت اس لطیف و خبیر سے دور پڑتی جائے گی اسی وجہ سے پست، مغلوب اور ذلیل ہوتی جائے گی اور اس میں سے غلبہ و استیلا کی شان نکلتی جائے گی۔ بلکہ اسی طرح جس طرح پانی سے کوئی چیز قریب ہوجائے تو اس میں پانی کے آثار برودت و رقت وغیرہ سرایت کرتے چلے جائیں گے۔ آگ سے قریب ہوجائے تو حرارت و سخونت وغیرہ آثار راسخ ہوجائیں۔ مٹی سے قریب ہوجائے تو یبوست اور خشکی کے آثار گھر کر جائیں۔ اسی طرح جو چیز کسی وصف کے ذریعہ بھی ذاتِ بابرکات حق سے قرب و مناسبت پیدا کرے گی وہ اسی حد تک بقدرِ استعداد شئون ربانی اور صفاتِ کمالیہ کا مرکز و محور بنتی چلی جائے گی اور ضرور ہے کہ اس میں استیلاء و استغناء کا ظہور ہو اور وہ قوی تر، غالب اور رفیع المنزلت ہوتی جائے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ حسیات میں قرب بھی حسی ہوتا ہے اور آثارِ قرب بھی محسوس طریق پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی بارگاہ رفیع میں جس کی رسائی نہیں۔ اس لئے اُس کا قُرب بھی حسی ہونے کے بجائے وصفی ہے۔ یعنی جو چیز اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے قرب و مناسبت کا درجہ حاصل کرلے گی وہی اس کے کمالات سے بقدرِ استعداد حصّہ پانے لگے گی اور اسی حد تک غلبہ و تسلّط اور استغناء و استیلا اُس کے حصّہ میں آجائے گا۔

عنصرِ خاک

اس معیار کے ماتحت جب ہم عناصرِ اربعہ پر نظر ڈالتے ہیں تو سب سے زیادہ کثیف عنصر "مٹی" نظر آتا ہے، جس کا مخزن یہ زمین ہے۔ یہ خاک کا ڈھیر کثیف ہی نہیں بلکہ وہ

کثافت اور بھی ہے۔ ساری چیزوں میں اگر کثافت و غلاظت آتی ہے تو اس مٹی ہی کی بدولت آتی ہے۔ آگ نے آج تک کسی چیز کو گندہ اور غلیظ نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ آگ پر پکانے سے کسی چیز میں غلظت آجائے۔ سو یہ غلظت آگ میں سے نہیں آتی بلکہ آگ اُس شئے کا جوہر لطیف کھینچ لیتی ہے جس سے اس کا اصل مادۂ غلیظہ باقی رہ کر نمایاں ہو جاتا ہے اور شئے غلیظ معلوم ہونے لگتی ہے۔ سو آگ اس میں کوئی چیز ڈالتی نہیں بلکہ اس سے کچھ نکال لیتی ہے۔ پس یہ غلظت آگ میں سے نکل کر نہیں آتی بلکہ خود اس شئے کی ذات میں اُٹھ کھڑی ہوتی ہے جبکہ آگ اس کا جوہر لطیف کھینچ لیتی ہے۔ اسی طرح پانی کسی چیز کو مکدر اور غلیظ نہیں بناتا بلکہ اس کی بدولت تو غلاظتیں اور کدورتیں صاف کی جاتی ہیں کہ اس کی اصلیت پاکی اور پاکبازی ہے۔

اسی طرح ہوا بھی کسی چیز کو مکدر اور گندہ نہیں کرتی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہوا میں غیر محسوس طریقہ پر اجزاء ارضیہ ملے ہوئے چلے آئیں اور کسی شئے کو مکدر بنا دیں تو پھر یہ کدورت بھی زمین ہی کا فیض ہوگا نہ کہ ہوا کا۔ اس لئے انجام کار ساری کثافتوں کی جڑ یہ خاک دھول ہی بنتی ہے جس کو لطافت سے دُور کی بھی کوئی مناسبت نہیں اس لئے عام عناصر میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ آپ ساری ہی زمین کے اس طویل و عرض کرہ کو لے لیجئے اس میں بجز پامالی اور ذلت و مسکنت کے اور کوئی جوہر دکھائی نہ دے گا۔ یہ زمین رات دن روندی جاتی ہے مگر ذلت و پستی کا یہ عالم ہے کہ چُوں تک نہیں کر سکتی۔ نہ اس میں ادراک ہے نہ احساس، نہ غلبہ ہے نہ اقتدار، اگر غلبہ ہے تو دوسرے تمام عناصر کا خود اسی پر ہے۔ گویا سارے ہی عناصر کا قدم اُس کے سر پر ہے اور ہر ایک عنصر کا یہ کھلونا ہے۔ ہوا اسے اُڑائے پھرتی ہے۔ پانی اسے بہائے پھرتا ہے آگ اسے جُھلا[illegible] رہتی ہے مگر یہ ذرا بھی زور نہیں دکھا سکتی کہ زور ہو تو دکھائے۔ طاقتیں تو اس کی کثافت مطلقہ نے سلب کر رکھی ہیں زور آئے تو کہاں سے آئے؟ پھر فقدان لطافت کا یہ عالم ہے کہ اس کا مادہ بھی کثیف اور صورت بھی کثیف۔ اسے کتنا ہی صیقل کرو مگر سطح پھر بھی کرکری ہی رہے گی نہ چکناہٹ قبول کرے گی نہ چمکاہٹ۔ پھر نہ صرف کثیف المادہ اور کثیف الصورت ہی ہے بلکہ کثیف الطبع بھی ہے۔ ایک ڈھیلے کو کتنا ہی زور سے اوپر پھینکو جب تک پھینکنے والے کا عارضی زور اس کے ساتھ رہے گا وہ اونچا ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن جب اس کی اصلی حالت اور عرضی طبیعت عَود کرے گی

توپھر نیچے ہی آپڑے گا۔ بہر حال جب کہ زمین کے مادہ صورت اور طبیعت میں کسی جہت سے بھی لطافت نہیں۔ گویا اُسے ذاتِ اقدس سے اِس وصف میں بُعدِ مطلق حاصل ہے تو ضعفِ مطلق اور ذلتِ مطلقہ بھی اسی عنصر کے حصہ میں آنی چاہیئے تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے زمین کو ذلیل ہی نہیں بلکہ ذلول فرمایا ہے جو ذلت کا مبالغہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا ۔

ہاں اس زمین کا ایک جزو پہاڑ بھی ہیں جن کی مٹی یعنی ریت نے بہ نسبت غبار کے کچھ لطافت و ستھرائی قبول کر کے کدورت و کثافت سے قدرے بُعد پیدا کر لیا تو اس کی شان اسی حد تک مٹی سے فائق ہو گئی۔ چنانچہ خشک ریت کو اگر جھاڑ دو تو بکھر جاتی ہے۔ پانی ڈالو تو کیچڑ نہیں بنتا۔ اس کے ذرات کو دیکھو تو چمک بھی اُٹھتے ہیں۔ اس پر نظر ڈالو تو خاک کی بہ نسبت نظر فریب بھی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اُس کی صاف ستھری صورت اور اُس کی آب و تاب دیکھ کر پانی اور دریا کا بھی شبہ ہو جاتا ہے۔ غرض جس حد تک اس میں لطافت و ستھرائی آئی تھی۔ اسی حد تک وہ بہ نسبت غبار کے عزیز الوجود بھی ہو گیا اس کی قدر و قیمت بھی بڑھ گئی اور پھر اس کی ترکیب سے اگر پتھر اور پتھروں کی ترکیب سے پہاڑ بنے تو اُن کی عظمت و شان اور قدر و قیمت زمین کی سطح سے کہیں دو بالا ہو گئی۔ چنانچہ مٹی کی نسبت سے پتھروں کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلوں بلکہ مٹی کی پختہ سے پختہ اینٹوں کو ایک پتھر سے چکنا چور کیا جا سکتا ہے لیکن مٹی کے تودے پتھروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر پہاڑ کی کوئی چٹان زمین پر آگرے تو زمین دہل جاتی ہے اور دب جاتی ہے اور اس میں گہرا غار قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف مٹی کا منوں ڈھیر بھی اگر کسی سنگین چٹان پر آپڑے تو اُسے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ اُسے شکستہ بنا لے۔ نہ وہ ہلتی ہے اور نہ اس میں غار پڑتا ہے۔ پھر انہی پتھروں میں بھی جوں جوں صفائی، ستھرائی اور جلا بڑھتی جاتی ہے ان کی قیمت اور جلا بڑھتی جاتی ہے۔ ان کی قیمت اور معنوی طاقت بھی ترقی کرتی جاتی ہے۔ سنگِ خارا عام پتھروں سے قیمتی، سنگِ مرمر اس سے زیادہ قیمتی، جواہرات اور لعل یاقوت اس سے زیادہ قیمتی، ہیرا اس سے زیادہ قیمتی۔ فرق ہے تو وہی لطافت و کثافت کا اور غلاظت و صفائی کا ہے۔ زمین کی سطح تو اس حد تک کثیف تھی کہ اسے کتنا ہی صیقل کر و لیکن ہاتھ

پھیرنے سے کامل چکناہٹ کبھی محسوس نہیں ہوسکتی۔ لیکن پتھروں میں بوجہ لطافت مادہ یہ قابلیت ضرور ہے کہ اگر انہیں صیقل کرو تو مسکہ کی طرح املس اور چکنے ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض میں چمک پیدا ہو جاتی ہے اور بعض جھٹمٹا سا عکس بھی دکھلانے لگتے ہیں۔ پس پتھروں نے جس حد تک بھی صفائی قبول کی اسی حد تک ان میں شدت و قوت پیدا ہو گئی۔

بہرحال پہاڑ اور اُن کا مادہ بہ نسبت زمین اور اس کے غبار کے لطیف ہے اس لئے طاقتور بھی ہے اور زمین سے کہیں زیادہ شدت و صلابت اور قوت کا مالک ہے۔ پس وجۂ شدت و قوت وہی لطافت و ستھرائی نکل آئی ہے۔ لیکن یہی پہاڑ اور اُن کے شدید القویٰ پتھر جن کی شدت کے سامنے زمین تھرتھرا بھی نہیں سکتی تھی اور پامال محض تھی اسی وقت تک شدید ہیں جب کہ زمین کی خاک دھول سے ان کا مقابلہ ہوتا رہے۔ لیکن اگر پہاڑوں کی ان شدید و مدید چٹانوں کا سامنا لوہے سے ہو جائے تو پھر ان کی یہ ساری سنگدلی ہَوا ہو جاتی ہے۔ لوہے کی ایک بالشت بھر کدال بڑی بڑی چٹانوں کا منٹوں میں فیصلہ کر دیتی ہے۔ وزنی وزنی پتھروں کو چکنا چور ہوتے دیر نہیں لگتی۔ ریل کی پٹڑیوں پر یہ دو طرفہ لاکھوں من پتھروں کے ڈھیر انہی پہاڑی پتھروں کے جگر پارے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کدالوں کی برکت سے مٹی اور لائن دبانے کی خدمت پر لگا دیئے گئے اور اپنی بے انتہا رفعت سے گر کر اس بے انتہا پستی پر آ گئے تھے۔ ان پتھروں پر لوہے کی کدالیں اس طرح پڑتی ہیں جیسے ایک بے دست و پا قیدی کے سر پر کوڑے اور بید پڑتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ لوہا پتھروں سے زیادہ شدید اور طاقتور ہے کیوں؟ راز اس کا بھی وہی لطافت ہے۔ لوہے کے اجزاء نے خلقی طور پر پتھروں کے رتبہ سے زیادہ صفائی اور ستھرائی قبول کی ہے اور اس میں مٹی تو کیا ریت جیسی بھی کثافت نہیں ہے۔ لوہے کا برادہ اُڑتا نہیں پھرتا کہ چیزوں کو آلودہ کر دے۔ ریتہ اگر پانی میں بھی پڑ جاتا ہے تو بہرحال اسے کسی نہ کسی حد تک مکدّر کر دیتا ہے کہ آخر کار خاک ہی ہے مگر لوہے کے اجزاء اگر برادہ کر کے بھی پانی میں ڈال دیئے جائیں تب بھی اس کی جلا اور رقت و سیلان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر لوہے پر پالش کر دی جائے تو چاندی کی طرح چمک اٹھتا ہے۔ بلکہ اُسے صیقل کر دو تو آئینہ بن جاتا ہے جو باریک سے باریک خد و خال تک کا عکس دکھلانے لگتا ہے۔ لیکن پتھر میں نہ ایسی پالش قبول کرنے کی استعداد ہے اور نہ وہ اس طرح کے

صیقل ہونے کی صلاحیت ہی اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس اگر پتھر منجمد ہو کر اشیاء کی ذات کا سراپا کسی حد تک نمایاں کر سکتا تھا تو لوہا اس سراپا کی تمام باریک سے باریک خوبیاں بھی عیاں کر سکتا ہے اس لئے لوہے کی لطافت پتھروں سے کہیں زیادہ نکلی۔

بس اسی لطافت کی بنا پر لوہا تو پتھروں پر گراں اور طاقتور ہے اور پتھر اپنی کثافت کی بنا پر اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے۔ بس بڑے سے بڑا پہاڑ بھی اپنی اس نمایاں عظمت و ہیبت کے باوجود ذرا سے لوہے کے سامنے اپنے عجز کو نہیں چھپا سکتا۔

عنصرِ آتش

لیکن یہی طاقتور لوہا جس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا بڑے بڑے پہاڑوں نے لوہا مان رکھا ہے جب ہی تک طاقتور ہے جب تک کہ پتھروں کے سر پر ہے لیکن اگر اسی لوہے کو کہیں آگ چھو جائے یا لوہے کا بڑے سے بڑا ٹکڑا کسی لوہار کی بھٹی میں پہنچ جائے تو اس کا رنگ روپ متغیر اور چہرہ فق ہو جاتا ہے وہ اپنی صورتِ نوعیہ اور ذاتی خاصیت تک کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ آگ اس کے جگر تک میں گھس کر اسے ہم رنگ آتش بنا ڈالتی ہے۔ پھر اگر اس غریب لوہے کو آگ کی بھٹی سے تھوڑی دیر اور نہ چھڑایا جائے تو آگ اسے گلا کر پانی کی طرح بہا دیتی ہے اور اسکی شدت و صلابت کی کچھ بھی پیش نہیں جاتی۔ کوئی اب تو اس لوہے سے کہے کہ پہاڑ کی ایک چھوٹی سے چھوٹی ٹکڑی کا ہی سر کچل دے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آگ لوہے سے بھی زیادہ شدید اور طاقتور ہے۔ غور کرو تو اس کا راز بھی وہی عقلی اور طبعی اصول ہے کہ آگ میں لوہے سے بھی زیادہ لطافت موجود ہے اور لوہا اس کے مقابلے میں کثیف ہے۔ لوہے میں اگر اتنی لطافت تھی کہ وہ باوجود پتھروں کی طرح کثیف المادہ ہونے کے عوارض کے سبب رقت و سیلان قبول کر لیتا تھا تو آگ اپنی ذات سے ہی کوئی ٹھوس جسم نہیں رکھتی جس میں کوئی چیز گھس نہ سکے۔ ادھر تو ہر چیز آگ کے جگر میں گھس سکتی ہے اور ادھر آگ بھی ہر چیز کے جگر تک میں سرایت کر جاتی ہے جس کی صلاحیت لوہے میں نہیں۔

پھر لوہا اگر کسی وقت چمک کر باہر سے نورانی شعاعیں قبول کر لیتا تھا تو آگ کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ اس میں خود بخود شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ یعنی لوہا دوسروں کی روشنی

قبول کرتا ہے اور آگ اپنی روشنی خود دوسروں پر ڈالتی ہے۔ خود بھی روشن ہے اور دوسری تاریک چیزوں کو بھی روشن کر سکتی ہے۔ پھر صیقل شدہ لطیف لوہا جسے آئینہ کہتے ہیں اس لطافتِ صورت کے باوجود پھر بھی اتنا ثقیم الجسم اور کثیف المادہ ہے کہ اگر اس پر ہاتھ مارو تو اس کے متکاثف جسم سے ہاتھ ٹکرا کر واپس آجاتا ہے۔ لیکن آگ کی جسمانی لطافت کا عالم یہ ہے کہ اس کے جسم میں سے ہاتھ آر پار نکل جاتا ہے اور پھر اس کا جسم بھی نہیں ٹوٹتا۔ پھر صیقل شدہ لوہا تو صرف عکس ہی قبول کرتا ہے لیکن آگ اصلی جسم ہی کو قبول کر لیتی ہے اور پھر بھی اس کے جسم میں پھٹن نہیں پائی جاتی اور وہ کسی دوسرے جسم کے تداخل سے مانع نہیں ہوتی اس لئے وہ لوہے سے زیادہ شدید اور زیادہ طاقت ور ہے بلکہ وہ اسی لطافت کی حد تک اس کا حلقۂ اثر بھی کثیف اشیاء کی نسبت وسیع ہوتا گیا ہے۔ پتھر اور لوہا جہاں رکھا ہوا ہے اتنی ہی جگہ اُس سے پُر ہو جاتی ہے اور اس حد سے باہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن آگ جس مکان میں ہے اس سے باہر تک اُس کے اثراتِ نورانیت و حرارت پہنچتے ہیں اور اگر آگ اور اس کا مکان نگاہوں سے اوجھل بھی ہو تب بھی اُس کے پھیلنے والے آثار اس کے وجود کی خبریں دُور دُور تک پھیلاتے رہتے ہیں اس لئے آگ لوہے پر غالب ہے اور اُسے فناء کے گھاٹ اُتار ڈالتی ہے۔

عنصرِ آب

لیکن یہی دہکتی ہوئی آگ اور اس کا یہ کرّو فر جب ہی قائم ہے جب تک اُس کے آس پاس کہیں پانی کا نشان نہ ہو۔ اگر پانی کے چند قطرات بھی اُس پر آگریں تو آگ کی چمک دمک اور یہ تعلی و ترفع سر نیچا ہی نہیں کرتی بلکہ سب ختم ہو جاتی ہے۔ پانی اس کے وجود ہی کو نہیں چھوڑتا کہ وہ کچھ اُبھر سکے بلکہ جس لکڑی کو کچھ دیر آگ سے اپنی جان بچانا ہے وہ پانی کی چادر اوڑھ لے یا نمناک ہی ہو جائے، آگ چمک مار کر رہ جائے گی لیکن اس کی گیلی لکڑی پر کوئی بس نہ چلے گا۔

بہر حال جہاں پانی موجود ہو آگ کے پر نہیں جم سکتے خواہ پانی آگ پر چھڑک دو یا آگ پانی میں گرا دو، آگ کی خیر نہیں رہتی۔ بڑے سے بڑا انگارہ پانی پر گرا دو تو اس کے

گرتے ہی پانی اِدھر اُدھر ہٹ جائے گا اور پھر اچانک چاروں طرف سے سمٹ کر اس انگارے کو دبوچے گا تو وہ غریب رُوسیاہ ہو کر رہ جائے گا۔

غرض یہ اُس کے سامنے آئے یا وہ اس کا سامنا کرے ہر صورت میں پانی کی طاقت و قوت کے سامنے آگ کی شُعلہ زنی کچھ کارگر نہیں ہوتی جس سے پانی کی شدّت و طاقت آگ پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اس غلبہ و مغلوبیت کی رُوح یہاں بھی وہی اصول ہے جس کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ آگ اپنی لطافتِ جسم کے سبب کسی شئے کی ذات کو اپنے اندر کھپا لیتی تھی، لیکن اس کا چہرہ اتنا صاف نہ تھا کہ اشیاء کا عکس قبول کر سکے۔ مگر پانی عکس اور اصل دونوں کو اپنے اندر کھپا لیتا ہے کہ وہ فقط لطیف المادہ ہی نہیں بلکہ لطیف الصورت بھی ہے۔ یعنی کچھ ہی اس میں ڈال دو وہ چیز اس کے قعر اور جگر میں سما جائے گی۔ پھر اس رقّت و سیلان کے باوجود اس کا چہرہ یا سطح اس قدر صاف اور شفاف ہے کہ آئینہ کی طرح صورت بھی دکھلا سکتا ہے۔ پانی کی یہ صفت کہ ہر چیز اس کے آر پار نکل جاتی ہے گو آگ کو بھی میسّر ہے لیکن پانی کا کمالِ لطافت یہ ہے کہ نگاہ تک بھی اس سے پار ہو جاتی ہے جو آگ میں ممکن نہیں۔ پس پانی لوہے کی تصویر کشی اور آگ کے عدمِ تکاثف دونوں کا جامع ہے اس لئے اس کی قوت بھی آگ اور لوہے کی قوت سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تو آگ اور لوہے دونوں کو ختم کر سکتا ہے لیکن یہ دونوں اس پر غالب نہیں آسکتے اور اسی لئے پانی کا حلقہ اثر بھی آگ سے زیادہ وسیع ہے۔ آگ کا اثر اگر اسے کسی بند اور محدود مکان میں روشن کیا جائے اسی مکان کی چہار دیواری تک محدود ہوگا لیکن پانی جس مکان میں مسدود ہے اُس سے باہر بھی دُور دور تک نمی اور رطوبت کے آثار پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

شہروں کے ارد گرد تالاب اور نہریں ہوتی ہیں تو آب و ہوا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے مزاج تک مرطوب ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب اس کی لطافت اور سرعتِ نفوذ کے کرشمے ہیں۔ لوہا اور آگ مسامات میں نہیں گھُستے لیکن پانی بوجۂ لطافتِ خاص باریک سے باریک منفذ میں بھی گھر کر لیتا ہے اور جب کہ غلبہ و طاقت بقدرِ لطافت ہے تو پانی کی طاقت بھی بلا شبہ آگ سے کہیں بڑھ کر رہی۔

عنصر ہَوا

اب آگے چلو! بھی پانی جو آگ کا تہس نہس کر دیتا ہے ہَوا کے سامنے یہ مسکین بھی عاجز اور ناتواں ہے اور اس کی کچھ پیش بھی نہیں جاتی۔ وہ چلتی ہَوا ہیں اگر سکون سے رہنا چاہے تو نہیں رہ سکتا۔ ہَوا کے جھکڑ جب چلتے ہیں تو تالاب اور جھیلیں ہی نہیں بڑے بڑے سمندر تہہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ پانی کی موجیں بلکہ فوجوں کی فوجیں ایک دوسرے پر گرتی پھرتی پڑتی ہیں۔ سمندر کے عظیم الشان کرّہ کو باایں عظمت و ہیبت قرار نہیں ہوتا۔ ٹھہرا ہُوا پانی ہو تو ہَوا اُسے خشک کر دیتی ہے اور اُڑا لیتی ہے۔ اگر پانی کا کوئی مخزن و منبع نہ ہو جو اس کی مدد کرے تو پانی کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ہَوا پانی پر بھی غالب اور حکمران ہے وجہ وہی اصول ہے کہ ہَوا سب عناصر سے بڑھ کر لطیف و شفاف ہے۔ چنانچہ اس کی جسمانی لطافت کا تو یہ عالم ہے کہ نگاہ جیسی لطیف چیز بھی اس کی لطافت کے سامنے لطیف ہے جو اس پر جم ہی نہیں سکتی اور ہَوا کو دیکھ نہیں سکتی۔ بدن کو لگ کر گو ہَوا محسوس ہو جائے جس سے اس کے جسم ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اور کوئی لطیف سے لطیف حاسہ حتیٰ کہ تارِ نگاہ بھی جو الطف ترین اجسام ہے نہ اس میں نفوذ کر سکتا ہے نہ اُس کا ادراک ہی کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہَوا اپنی شدتِ لطافت کے سبب رنگ و رُوپ کو بھی قبول نہیں کرتی کہ یہ چیزیں بہرحال نگاہ و بصر ہی سے متعلق ہیں اور وہ بصر ہی کو قبول نہیں کرتی تو محسوساتِ بصر تک کیا نوبت پہنچ سکتی ہے۔ ہاں آواز اور خوشبو جیسی لطیف اشیاء جن کی نہ کوئی حسّی شکل ہے نہ ہئیت ہَوا سے ساز کر لیتی ہے اور اپنی لطافت کی بدولت ہَوا میں سما جاتی ہے جنہیں ہَوا قبول کر کے اِدھر سے اُدھر منتقل کر دیتی ہے۔ پھر اثر کا یہ عالم ہے کہ فوق و تحت کے گوشہ گوشہ میں اور ایک ایک منفذ میں موجود جہاں آگ کی روشنی اور پانی کی نمی نہیں پہنچ سکتی، وہاں ہَوا قائم اور دائم ہے۔ ذرا بھی کہیں خلا، پیدا ہو جائے تو ہَوا کو آتے دیر نہیں لگتی۔ پانی کو بھی لاؤ تو نالی بناؤ، نشیب پیدا کرو اور پھر بھی اس کی نقل و حرکت میں تدریج۔ لیکن ہَوا کو نہ نشیب کی ضرورت نہ فراز کی، جگہ ہوئی اور وہ دفعتہً آئی گویا پہلے سے موجود تھی۔ غرض ہَوا لطیف تر تھی تو قوی تر اور غالب بھی ہوئی جو تمام عناصر پر حکمران اور سب سے بالا و فوق اور پھر سب میں جاری و ساری ہے ۔:۔

جامع العناصر انسان اور اس کی طاقت

لیکن اگر ان سارے عناصر اور اُن کے تینوں موالید اور موالید کی بھی بے انتہا شاخوں کو ایک طرف رکھ کر تنہا انسان کو ایک طرف رکھو تو نظر آتا ہے کہ انسان ان سب سے ہی زیادہ اشدّا قویٰ اور ان پر غالب و متصرّف ہے۔ یہ سب عناصر اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج اور اس سے مغلوب ہیں لیکن وہ ان میں سے کسی کے زیرِ تصرف اور کسی سے مغلوب نہیں کیونکہ اوّلاً تو :۔

(۱) عناصر کی باہمی اور نسبتی طاقت جو ایک دوسرے کے مقابل آنے سے کھلتی ہے، اپنے جزئیاتی ظہور میں انسان کی محتاج ہے۔ لوہا خود بخود پتھروں کو کچلتا نہیں پھرتا۔ آگ جگہ جگہ لوہے کو خود گرماتی اور پگھلاتی نہیں پھرتی۔ پانی خود بخود آگ بجھانے نہیں جاتا۔ ہوا کی یہ جزوی متصادم حرکات خود بخود نہیں ہو جاتیں بلکہ انسان کے کئے ہوتی ہیں۔ وہی کدالیں بناتا ہے اور پتھر توڑتا ہے۔ وہی بھٹیاں بناتا ہے اور لوہے کو تپاتا ہے۔ وہی مشکیزے اور ظروف میں پانی لاتا ہے اور چولھے ٹھنڈے کرتا ہے وہی ہوا کو قید کرتا ہے اور سیالات کو اُڑاتا ہے۔ پس عناصر کی یہ متغلبانہ کارفرمائی بہت حد تک انسانی افعال کی دستِ نگر ہے۔ اگر انسان ان میں دخل نہ دے تو عناصر اربعہ اپنے اپنے خزانوں میں پڑے ہوئے جیسے چاہیں اینٹھتے رہیں لیکن میدانِ مقابلہ میں پہنچ کر اُن جزوی افعال میں اپنا تغلب نہیں دکھلا سکتے۔ پس جس پر کسی غالب کا غلبہ موقوف ہو اور جس پر کسی قوی کی فتح و نصرت معلق ہو ظاہر ہے کہ وہ ان سب پر غالب ہو گا اور اس کی اشدیت کی یہی سب سے بڑی دلیل ہو گی۔

عناصر میں انسانی تصرفات

(۲) پھر یہی نہیں کہ انسان ان کی باہمی نسبت کھول دینے ہی کا ایک ذریعہ ہے نہیں بلکہ ان کی یہ تمام طاقتیں بھی اس کے پنجۂ تصرف و تسخیر میں قید ہیں۔ زمین کا قلب و جگر چاک کر دیا۔ کنوئیں بنائے راستے بنائے، تہہ خانے تیار کئے۔ ارضی معدنیات، سُرمہ، ہڑتال، سونا چاندی اور پیتل وغیرہ کے خزانے اس سے چھین لئے، پہاڑوں کو تراش کر تہہ بہ تہہ مکانات بنائے، پہاڑوں کی ٹھنڈی اور برفانی چوٹیوں کو جہاں پرندوں کو بھی پناہ نہ ملتی تھی اپنی بستی بنا کر ان میں راستے نکالے۔

اُنہیں برما کر اُن میں سرنگیں بنائیں، اُن میں اپنی سواریاں دوڑائیں وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا۔ زمین کے خزائن و دفائن کا راز فاش کرکے اثقالِ زمین کو عالم آشکارا کردیا اور زمین اور اسکے اجزا سے برابر چاکروں اور غلاموں کی سی خدمت لے رہا ہے۔

پانی کو لو تو زمین کی تہہ میں سے اُسے کھوج نکالا۔ کنوئیں کھود کر ڈول رسّی کے جال سے اُسے پکڑا۔ نل لگا کر سینکڑوں فٹ نیچے سے اوپر کھینچ نکالا۔ دریاؤں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ نہروں اور نالیوں میں بہا کر کھیت سیراب کئے۔ مکانات ٹھنڈے کئے، پی کر کلیجے ٹھنڈے کئے۔ جمنا اور گنگا جگہ جگہ ماری پھرتی ہے۔ اُسے واٹر ورکس کے ذریعہ گھر گھر رسوا کیا۔ وہ ماٹی بھی تو جگہ جگہ اس بچّہ نے اس سے گو موت دھلوا کر چھوڑا۔ پانی جیسا آزاد عنصر ٹینکیوں میں قید نلوں میں بند اور نکلنے میں بر اسکاگ کی حرکت کا محتاج۔ یہ سب اس انسان کی تسخیر کا نتیجہ ہے۔ وہ غریب اپنے طبعی میلان سے نیچے کو جاتا ہے۔ یہ اُسے بیس بیس منزلہ مکانوں میں اوپر چڑھا لے جاتا ہے اور پھر وہاں سے ٹپک دیتا ہے کبھی برف بنا کے اُسے جما دیا، کبھی بھاپ بنا کر اُڑا دیا، کبھی آگ دکھا کر گرما دیا۔ غرض وہی پانی جس سے آگ جیسا قوی عنصر بھی پناہ مانگتا تھا، انسان کے سامنے ایسا بے بس اور بے یار و مددگار ہے کہ اُسے سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔

پانیوں کا سب سے بڑا گھر اور ابوالمیاہ سمندر اعظم کہ جس کی بے پناہ عظمت سے ڈر کر دنیا کا ربع مسکون گویا ایک طرف پڑا ہُوا ہے اور جس کی کوہ پیکر موجوں کا لگاتار سلسلہ خشکی کے کناروں پر اس طرح حملہ آور محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابھی کرۂ زمین کو نگل جائے گا۔ بایں ہیبت و عظمت بھی انسانی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ انسان نے سمندروں کے جگر چیر ڈالے۔ اس میں جہاز چلائے، تار دوڑائے، آبدوز کشتیوں سے اُس کی گہرائیوں پر قبضہ کیا۔ اس کے مدفون موتیوں کے خزانے اُگلوائے۔ اُس کی تہہ کی چھپی ہوئی چیزوں بازاروں میں رسوا ہو رہی ہیں۔ خود سمندر کے نمکین پانی کو بھی تحلیل کر ڈالا۔ اس کا نمک الگ کر دیا اور رطوبت الگ، گویا پانی کا خون تک پی گیا اور پھر اس کے سب نکلے الگ کر دیئے۔ غرض یہ قوی تر پانی زمین کی تہہ میں جا کر چھپتا ہے تو اُسے پناہ نہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں پناہ لیتا ہے تو اس کو رستگاری نہیں۔ مجبور بھی ہے اور قید بھی۔ پھر ذلیل سے ذلیل خدمتیں اس سے لی جا رہی ہیں، نجاستوں کا دھونا، ظروف صاف کرنا، میلے کپڑے پاک کرنا وغیرہ اس کے سر ہیں جس سے اندازہ

کر لیا جائے کہ انسانی طاقت نے کس درجہ اس لطیف عنصر کو اپنا غلام اور پابند قیدی بنا لیا ہے۔ آگ جیسے خونخوار عنصر کو دیکھو تو وہ انسان کے سامنے ایک خاک ر غلام کی طرح مجبور ہے۔ وہ لوہے اور پتھروں میں جا کر چھپتی ہے تو انسان لوہے اور پتھر کو ٹکرا کر آگ کی مخفی چنگاریاں کھینچ لیتا ہے۔ وہ آفتاب میں جا کر چھپتی ہے انسان نے آتشی شیشوں کے ذریعہ اُسے گرفتار کیا اور پھر جب خود اُسے چھپانے اور قید کرنے پر آیا تو ایک ذرا دیا سلائی کے سرے پر رتی برابر مسالے میں قید کر دیا۔ جب چاہا دیا سلائی کا سرا رگڑا اور اس قیدی کو نکال باہر کیا۔ گویا وہ آگ جو سر نیچا ہی نہ کرتی تھی انسان کے سامنے تنکے چُننے لگی اور اس کی وہ رفعت و تعلّی خاک میں مل گئی۔ کہیں چُولھوں میں انسان کی خدمت کر رہی ہے کہیں انگیٹھیوں میں محبوس ہے۔ کہیں اس کا تزکیۂ نفس کیا تو آگ کا گیس بنا دیا جس کا دھواں اور دخان سب رخصت ہو گیا۔ غرض آگ کا عنصر بھی انسان کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہے کہ جب چاہا اور جس طرح چاہا اُلٹ پلٹ کر دیا جسے کسی حالت میں بھی چین نہیں۔

ہَوا بہت زیادہ لطیف اور مخفی تھی جس پر انسان کی نگاہ تک فتح نہ پا سکی تھی، مگر اس کی یہ پردہ نشینی بھی انسان کی زد سے اُسے نہ بچا سکی اور اس اُڑتے ہوئے پرندہ کو بھی انسان کے ہاتھ میں کھلونا ہی بننا پڑا۔ ہوائی فضاء میں انسانوں کے جہاز اُڑ رہے ہیں اور ہَوا اپنے کندھوں پر انہیں سوار کئے پھر رہی ہے۔ ہَوا ایک ہے انسان کا ایک ہوائی گھوڑا ہے جس پر بے لگام اُس نے سواری کس رکھی ہے۔

انسان کی خبر رسانی کی خدمت پر ہُوا مجبور ہے۔ مشرق سے مغرب تک انسان کے افسانے دوڑ رہے ہیں اور ہَوا اپنی مخفی طاقتوں سے اُنہیں لئے پھر رہی ہے۔ گویا انسان کی ایک چھٹی رساں ہے جو بلا اُجرت غلامی کر رہی ہے۔ ادھر برقی پنکھوں کو حرکت میں لانے کے لئے ہُوا ناچ رہی ہے تاکہ انسان کا پسینہ خشک کرنے کی خدمت انجام دے۔ غرض خدمت گزاری کے فرائض میں چاکروں کی مانند معروف ہے اور چون و چرا نہیں کر سکتی۔ پھر انسان اُسے قید کرنے میں اُترا تو موٹروں کے پہیوں میں وہ بند، سائیکلوں کے ٹائروں میں وہ قید، برتنوں میں وہ گرفتار اور ربڑ کی گیندوں میں وہ محبوس۔

غرض یہ نادیدہ طاقت جس نے سمندروں کو تہہ و بالا کر رکھا تھا پھنسی تو ایسی پھنسی کہ

انسان کے ہاتھ میں ایک قیدیٔ محض بن کر رہ گئی جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔

عناصر میں انسانی ایجادات

(۳) پھر اس ظالم انسان کو اسی پر قناعت نہیں کہ عناصر کو باقی رکھ کر ہی ان سے کام لیتا رہے۔ نہیں اپنی ایجاد پسندی کے جذبہ میں انہیں فنا کر کرکے اور انہیں باہم لڑا لڑا کر بھی ان سے نئی نئی چیزیں عالم آشکارا کرتا رہتا ہے تاکہ کائنات کے دوسرے مدفون خزانوں سے بھی اپنی غلامی کرالے۔ آگ پانی کے درمیان لوہے کا پردہ حائل کر کے آگ کو دھونکا دیا۔ آگ تو جوش میں پانی کو اڑا دینا چاہتی ہے اور پانی کھول کھول کر آگ کو ٹھنڈا کر دینا چاہتا ہے۔ دونوں اپنی جگہ غیظ و غیظ میں ہیں اور انسان ان کے جوش و خروش سے اسٹیم کی طاقت پیدا کر کے انجن اور مشینیں چلا رہا ہے۔ لاکھوں ٹن لوہا اس بھاپ کی مخفی طاقت پر ناچ کر رہا ہے۔ مل چل رہے ہیں، مشینیں گھوم رہی ہیں۔ انجنوں میں کوئلہ کی کانیں پھنک رہی ہیں، مشینوں میں غلّہ اور زمین کی پیداوار پس رہی ہے۔ گویا ساری کائنات گھُلی جا رہی ہے۔ کٹ رہی ہے، مٹ رہی ہے مگر اُف نہیں کر سکتی کہ انسان کا بچہ مشین کی کل دبائے کھڑا ہے جس کی ایک انگلی کی حرکت سے عناصرِ اربعہ اور موالیدِ ثلاثہ پر یہ طوفان بپا ہو رہے ہیں۔

پھر پانی کو پانی سے ٹکرایا اور برق پیدا کر لی گویا پانی میں آگ لگا دی۔ پھر وہ بجلی جو سیکنڈوں میں اقلیموں کی خبر لیتی اور آسمان و زمین ایک کر ڈالتی ہے اسے تانبے اور جست کے ایک پتلے سے تار میں اس طرح باندھ رکھا ہے کہ وہ بایں زور و طاقت اس گرفت سے باہر نہیں جا سکتی۔ ایک ذرا سی پیتل کی گھنڈی جسے سوئچ کہتے ہیں اس کا قفل ہے، اسے نیچے کو ہلا دو تو بجلی آموجود اور اوپر کو اُٹھا دو تو غائب۔ گویا برقی دُو کی ایک عظیم الشان فوج ایک دُبلے پتلے سپاہی کی قید میں گرفتار ہے اور وہ پوری فوج اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ پھر یہ مصنوعی بجلی ہی نہیں آسمانی بجلی کی گرفتاری کے لئے بھی انسان ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لئے تیار ہے۔ بڑی بڑی بلڈنگوں پر چپٹے تار چڑھائے ہوئے ہیں کہ اگر یہ جہاں سوز بجلی عمارت پر آپڑتی ہے تو یہی معمولی سا تار اُسے اُلجھا دیتا ہے اور وہ عمارت کو ذرّہ برابر آنکھ محض دکھا نہیں سکتی بلکہ اس تار میں غلطاں پیچاں ہو کر رہ جاتی ہے۔

پٹرول جیسی سیالی اور بہتی چیزیں آگ لگا دی۔ آگ اور تیل لڑ رہے ہیں جس سے گیس پیدا ہو رہا ہے اور حضرتِ انسان کی موٹر چل رہی ہے اور ہوائی جہاز اُڑ رہے ہیں۔ غرض ساری کائنات کا ناک میں دَم ہے۔ ایک مُشتِ استخواں سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ عاجز ہے۔ عناصر نے باہم اپنی طاقتوں کے کیا جوہر دکھلائے تھے جو اس مجموعۂ عناصر نے کر دکھایا۔ بحر و بر اور خشکی و تری کی ساری ہی کائنات اس ظالم انسان کی بدولت ایک مصیبت میں گرفتار ہے کہ اسے کسی وقت چین نہیں اور انسان ہے کہ رات دن ان عناصر کے اُلٹ پھیر میں انتھک طریق پر لگا ہُوا ہے جس سے ساری کائنات کا دم بند ہے اور سارے ہی جماد و حیوان قید و غلامی میں مقیّد ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ایک شیر نے اپنے خورد سالہ بچہ کو نصیحت کی تھی کہ انسان سے بچتے رہنا یہ بڑی چیز ہے۔ وہ انسان کے شوقِ دید میں تھا۔ کچھ شعور پا کر انسان کے تلاش میں نکلا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا بلا جس سے سلاطینِ صحرا بھی اپنے دار السلطنت میں بیٹھ کر کپکپاتے ہیں۔ چلا تو پہلے اتفاق سے گھوڑے پر نظر پڑی جس کی جسامت اور پھرتی و چالاکی کو دیکھ کر اِسے شُبہ ہُوا کہ شاید یہ ہی انسان ہے پوچھا تو گھوڑے نے کہا کہ مجھ بے چارے کی کیا مجال ہے کہ مَیں انسان کے سامنے ٹھہر سکوں۔ چوبیس گھنٹے گلے میں رسّی پیروں میں بیڑیاں اور اصطبل کا جیل ہے اور جب حضرتِ انسان کا جی چاہا تو میری پیٹھ پر سوار منہ میں لگام اور اوپر سے تڑا تڑ کوڑوں کی مار۔ جیسی مجھ پر گزرتی ہے مَیں ہی جانتا ہوں۔

شیر کا بچّہ سہم گیا کہ یا اللہ کیا بلا ہے انسان کہ عناصر ہی نہیں موالید بھی گرفتارِ بلا ہیں۔ آگے بڑھا تو اونٹ نظر پڑا جو گھوڑے سے دوگنا اور عجیب الخلقت تھا۔ اُسے یقین آگیا کہ ہو نہ ہو یہی انسان ہے کہ یہ گھوڑے سے بھی چار ہاتھ اونچا ہے۔ اس سے دریافت کیا تو اسے بھی انسان کی دوہائی دیتے ہوئے سنا۔ وہ بولا کہ میرے اس قد و قامت پر نہ جاؤ۔ انسان نے بایں جسامت و قامت میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ مَیں کیا سینکڑوں مجھ جیسے میرے بھائی بند۔ صرف ایک نکیل میں گرفتار اور ایک خورد سال بچہ ہمیں جنگل در جنگل لئے پھرتا ہے۔ منوں بوجھ کمر پر ہے

ہم بلبلاتے ہیں مگر شنوائی نہیں۔ انسانوں کے لئے ہماری گردنیں سیڑھیاں ہیں جب چاہتا ہے کمر پر دھرا جاتا ہے۔ پھر ایک نہیں دو نہیں، تین تین آدمی لد کر جاتے ہیں اور نہ صرف خود لدتے ہیں بلکہ بڑے بڑے پلنگ ہماری کمروں پر کس کر براجمان ہوتے ہیں۔ ہم چپ چاپ کان دبائے منزلیں قطع کرتے رہتے ہیں، راتوں چلتے ہیں اور دنوں کو بلبلاتے ہیں۔ مگر کوئی مخلص نہیں نکلتا۔

غرض ہماری یہ ساری مصیبت و غلامی صرف اسی انسان کی بدولت ہے۔ بھلا ہم انسان تو کیا ہوتے، ہم تو اس کا نام بھی بے خوف ہو کر نہیں لے سکتے۔

شیر کا بچہ اور بھی زیادہ ہراساں ہوا کہ خدا جانے انسان کیسے ڈیل ڈول کی چیز ہو گی جس سے ایسے عظیم الخلقت جانور پناہ مانگ رہے ہیں۔ آگے بڑھا تو اتفاق سے ہاتھی پر نظر پڑ گئی جو ایک عظیم الشان بلڈنگ کی طرح سامنے سے آتا ہوا نظر پڑا۔ جس کی عمارت چار بڑے بڑے ستونوں پر کھڑی ہوئی تھی اسے یقین محکم ہو گیا کہ یہ بالضرور انسان ہے اور یہی ایسی ہستی ہے جو اونٹوں اور گھوڑوں پر غالب آسکتی ہے اُس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھی سے کہا کہ غالباً جناب ہی کا نام نامی انسان ہے؟

ہاتھی نے نہایت حیرت سے بچہ شیر کو دیکھا اور کہا کہ بیٹا تم ناسمجھ ہو کس بُری بلا کا نام لے رہے ہو۔ مجھے لمبے ڈول کی جو گت اس ظالم انسان نے بنائی ہے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام تو دے دیتا ہے اونٹ کی ناک میں نکیل تو پہنا دیتا ہے لیکن مجھ پر تو بے ڈھانٹی سوار ہوتا ہے۔ لگام میرے نہیں نکیل میرے نہیں، مگر پھر بھی میں ایسا گرفتار اور مجبور محض ہوں کہ اس ظالم کے آگے چوں تک نہیں کر سکتا۔ ہر وقت میری گردن پر سوار لوہے کا آنکس ہاتھ میں، ذرا چوں کروں تو سر پر اتنے پڑتے ہیں کہ کھایا پیا بھول جاتا ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ انسان کے سامنے اُف بھی کر سکوں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے باپ کی وصیت پر عمل پیرا رہیں اور اپنی جنگل کی بادشاہت کی حرمت کو قائم رکھیں۔ اس انسان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ورنہ یہ شاہزادگی ساری کرکری ہو جائے گی اور پھر کوئی فریاد کو بھی نہ پہنچے گا۔

شیر کا بچہ حیران تھا کہ انسان آخر کس تن و توش کا ہو گا جس کے غلبہ و تسلط کا

چار دانگ عالم میں یہ شہرہ اور شور نشور برپا ہے۔ آخر کار اس نے بے نیل و مرام واپسی کا قصد کر لیا۔ لوٹ رہا تھا کہ ایک بن میں ایک بڑھئی کے بچہ کو دیکھا کہ وہ ایک بڑے شہتیر کو آرے سے چیر رہا ہے اور جتنا چیر چکا ہے اس میں ایک کھونٹی گاڑ رکھی ہے بچۂ شیر کا التفات بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہی انسان ہے۔ لیکن پتہ لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ جناب انسان سے واقف ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کو کیا کام ہے؟ کہا کہ میں اس کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بندہ ہی انسان کہلاتا ہے۔ شیر نے حقارت و تعجب سے دیکھ کر کہا۔ ارے کیا تو ہی وہ انسان ہے جس سے شیر، گھوڑا اور اونٹ سب لرزتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں واقعہ تو یہی ہے۔ بچۂ شیر نے کہا کہ او دشمن تو ہے کیا مال؟ تیرا کام تو میں ابھی اپنے ایک طمانچہ سے ختم کئے دیتا ہوں۔ بڑے ہی بے وقوف میرے آباؤ اجداد تھے جو تجھ سے کانپتے رہے اور بڑے احمق وہ تھے جنہوں نے راستہ میں مجھے خواہ مخواہ سہما دیا۔ اس لاف زنی کے ساتھ بچۂ شیر آگے بڑھا تاکہ قوت آزمائی کرے۔ بڑھئی کے بچے نے سمجھ لیا کہ وقت آ برابر ہُوا۔ اب تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہا کہ واقعی آپ بڑے بہادر ہیں میں بیچارہ کیا چیز ہوں آپ جو چاہیں فرمائیں۔

اس وقت میرا ایک کام درپیش ہے جسے میں اپنے ضعف کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتا۔ خدا نے آپ جیسا قوی اور بہادر بھیج دیا۔ پہلے وہ کام کر دیجئے پھر میرے ساتھ جو چاہے سلوک فرمائیے اور وہ یہ ہے کہ اس شہتیر میں سے یہ کھونٹی سرکانا چاہتا ہوں۔ ذرا آپ اپنا ہاتھ اس شہتیر کے شگاف میں ڈال کر اسے تھام لیجئے تاکہ میں کھونٹی سرکا دوں۔ شیر صاحب اس مدح و ثنا سے مسحور ہو کر بے تکلف آگے بڑھے اور ایک نہیں دونوں ہاتھ شگاف میں ڈال دیئے۔ بڑھئی کے بچہ نے کھونٹی نکال لی۔ کھونٹی کا نکلنا تھا کہ شہتیر کے دونوں پٹ مل گئے اور شیر صاحب کے دونوں ہاتھ اس میں پھنس کر رہ گئے۔ اب شیر صاحب نے تو چیں چیں کرنا شروع کیا اور بڑھئی کے بچہ نے ہنسنا شروع کیا کہ فرمائیے انسان کو دیکھ لیا؟ اس وقت شیر نادم ہُوا کہ واقعی تجربہ کاروں اور بڑوں کی نصیحت سے روگردانی کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ مگر پھر سوچنے لگا کہ ظاہر میں تو یہ انسان بڑا ہی کمزور اور حقیر ہے۔ اس کا جثہ تو قطعاً طاقتور

نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں کوئی اندرونی طاقت ہے جس سے اُس نے مجھے اس وقت بے بس کر دیا اور ساری کائنات کو پچھاڑ رکھا ہے۔

یہ حکایت عبرت اور انسانی طاقت سامنے لانے کے لئے بس کرتی ہے' ان مشاہدات کی رُو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان میں ان عناصر سے کہیں زیادہ طاقت موجود ہے جب ہی وہ ایک چھوٹے سے جُثہ میں کم سے کم ہونے کے باوجود بھی عناصر کے مخزنوں اور موالید کے جنوں پر بھاری ہو رہا ہے اور ان کے غلبہ کے ساتھ ہر قسم کے تصرفات اور حاکمانہ کارروائیاں کرنے میں کسی سے مغلوب نہیں اور جب یہ مان لیا جائے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں لطافت بھی عناصر سے کہیں زیادہ موجود ہے۔ کیونکہ پہلے یہ اصول ثابت ہو چکا ہے کہ طاقت درحقیقت لطافت ہی میں ہے کہ کثافت میں بجز ضعف و درماندگی کے اور کچھ نہیں۔

پس انسان میں جب ہوا سے بھی زیادہ طاقت ہے جو الطف العناصر تھا تو ناگزیر ہے کہ اس میں لطافت بھی ہوا سے کہیں زیادہ ہو تاکہ وہ اس پر اپنی یہ طاقت در حکمرانی برقرار رکھ سکے۔

انسانی طاقت وتسخیر کا راز اُس کی رُوح میں مُضمر ہے

مگر یہ ظاہر ہے کہ انسان کے ظاہر میں تو کوئی لطیف چیز محسوس نہیں ہوتی۔ نہ وہ صیقل شدہ آئینہ یا صاف پانی کی سی چمک رکھتا ہے کہ اس میں منہ نظر آنے لگے۔ نہ وہ خود ہی ایسا روشن ہے کہ فضا میں اس سے شعاعیں پھوٹتی ہوں اور روشنی نکلتی ہو۔ نہ وہ ہوا کی طرح غیر مرئی ہے۔ پھر اُس میں یہ لطافتوں کو زیر کر دینے کی لطافت آخر کہاں مضمر ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ طاقت اور لطافت اس کے بدن کی نہیں ہو سکتی کہ بدن تو وہی آگ، پانی، مٹی اور ہوا کا مجموعہ ہے۔ اگر اس بدن میں کوئی طاقت بھی ہو تو پھر بھی وہ بیچارہ اس تھوڑے سے آگ پانی سے سارے جہان کے اس آگ پانی پر کیا غلبہ حاصل کر سکتا تھا۔ یہ بدنی آگ پانی تو خود آفاقی آگ پانی سے لیا ہوا ایک قلیل سا جزو ہے اور جزو قلیل اپنے کل پر کیا غالب آ سکتا ہے۔ ایک قطرہ دریا کو کیا مغلوب کر سکتا ہے؟ ایک چنگاری کرہ نار پر کیا تسلط جما سکتی ہے۔ ایک ذرہ کرہ ارض پر کیا حکومت کر سکتا

ہے؟ بلکہ اس صورت میں تو قصہ برعکس ہونا چاہیئے تھا کہ یہ مادی جہان خود اس انسان پر ہر حیثیت سے غالب رہتا اور اُسے دم بخود رکھتا۔ چہ جائیکہ اس مشتِ خاک سے ساری کائنات آب و گِل مسخر ہو جائے اور خود اسی کا دم اس ضعیف البنیان کے سامنے بند ہو؟ پس یہ تسخیر یقیناً اس کے بدن اور بدنی آب و آتش یا ہوائی لطافتوں کا کام نہیں ہو سکتی، بلکہ انسان کی یہ غلبہ پانے والی قوت بلا شُبہ ایسی ہونی چاہیئے جو آگ پانی تو کیا ہوا سے بھی لطیف تر ہو کہ ہُوا جیسی غیر مرئی چیز کی ٹکر تو انسان کو محسوس بھی ہوتی ہے اس کی لطافت وہ ہو کہ باوجود انسان کے رگ و پے میں سمائے ہوئے ہونے کے کبھی اس کا دھکا تک انسان کو نہ لگا ہو۔ بلکہ کبھی اس کے ملس و مس تک کا بھی اسے احساس نہ ہُوا ہو۔ وہ متصل تو اتنی ہو کہ انسان اُس سے ملے بغیر اپنی ہستی کو باقی نہ رکھ سکے اور منفصل ایسی ہو کہ انسان کے کسی حاسّہ کی رسائی اس تک نہ ہو۔ تو اس پر کوئی سرد و گرم نہ پہنچ سکے۔ اس لئے وہ فقط اپنے بدن پر ہی نہیں بلکہ جہان کے عناصر اربعہ پر غالب آ جائے اور ظاہر ہے کہ بدن کو چھوڑ کر انسان میں روح کے سوا اور کون سی چیز ہو سکتی ہے جس کی یہ صفات ہوں کہ ان دو ہی سے انسان مرکب ہے یعنی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے۔

روح انسانی کی لطافت اور حسّی نورانیت

یہ کرشمے ہیں تو دُوسرے ہی جزو میں ہو سکتے ہیں۔ پس حاصل یہ نکلا کہ روح عناصر اربعہ ہی نہیں تمام مادی عالموں سے بھی زیادہ لطیف چیز ہے پھر روح کی یہ لطافتیں نہ صرف معنوی اور غیر مرئی ہی ہیں بلکہ حسّی طور پر بھی اس کی لطافتیں عالم آشکارا ہیں خود عناصر میں جتنی اقسام کی لطافتیں تھیں، اگر غور کرو تو وہ بھی سب کی سب روح میں جمع ہیں۔

اگر صیقل شدہ آئینہ یا شفاف پانی صورتوں کا عکس اُتار لیتا تھا تو انسان کی آنکھوں کو روح نے ایک ایسی چمک دے رکھی ہے کہ جدھر اُٹھ جاتی ہے ادھر کے تمام نقشے، فوٹو اور سینریاں اپنے اندر اُتار لیتی ہے۔ آئینہ کا فوٹو تو بے اصل محض ہے کہ پشتِ آئینہ خالی ہے، لیکن آنکھ کا فوٹو بے اصل نہیں کہ اس کے پیچھے حسِ مشترک میں اس کا

پورا مصور بِ علم قائم ہے۔

اگر آگ سے تارِ شعاع پھیلتے ہیں تو آنکھوں سے تارِ نگاہ منتشر ہوتے ہیں جو ان شعاعوں سے کسی طرح کم نہیں۔ کیونکہ یہ تارِ شعاع سے تو چیز کی صورت محض آنکھ ہی کے سامنے روشن ہو جاتی ہے اور تارِ نگاہ سے یہ سب چیزیں دل کے سامنے روشن ہو جاتی ہیں جو اُن کی حقیقت پر بھی غور کر سکتا ہے۔

اگر پانی غایتِ لطافت سے اجسام میں نفوذ کر جاتا ہے اور سخت سے سخت جسم بھی اس کے سریان سے نہیں بچ سکتا۔ جبکہ اس سے اتصال قائم ہو جائے تو روح بھی جسم کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ سخت سے سخت ہڈیاں بھی اس سے تازگی لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ پھر پانی تو اپنے سریان سے اپنے محل کو محض ٹھنڈا ہی کئے ہوئے رہتا ہے اور روح اپنے دوران سے اپنے محل کو زندہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔

اگر ہوا غایتِ لطافت سے دکھلائی نہیں دے سکتی تو روح بھی اپنی لطافتِ بے غایت سے آج تک نادیدہ ہے۔ اور جیسے ہوا کا رنگ و بو غیر محسوس چیز یا ہے ہی نہیں ایسے ہی روح بھی ان خواص سے بَری ہے۔

غرض عناصر میں لطافت کے جو جو کمالات اور لطافت کے جس قدر مراتب درجات تھے وہ سب روح میں موجود ہیں اس لئے اگر عناصر کو حق تعالےٰ سے جزدی مناسبتیں تھیں اور اس بنا پر وہ قوی تھے تو روح کو بحیثیت مجموعی اس سے یہ ساری مناسبتیں قائم ہیں۔ اس سے وہ عناصر سے زیادہ قوی ہونی چاہیئے اور جو کام عناصر کر سکتے ہیں وہ سب اس سے بے تکلّف سرزد ہو جانے چاہئیں۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ عناصر کو تو اُن کی طاقتوں کی بنا پر درجہ بدرجہ اشدّ کہا جائے اور روح کو اشدّ ترین نہ کہا جائے اس لئے عنصری اور مادی طاقتوں پر روحانی طاقتوں کے فوقیت لے جانے کی ایک وجہ یہی کافی ہو سکتی ہے کہ عناصر جزدی لطافتیں رکھتے ہیں اور روح ان کی ساری لطافتوں کے جامع ہے اور انہیں ذاتِ بابرکات سے جزدی مناسبتیں ہیں تو روح کو کلی مناسبت ہے۔

رُوحِ انسانی کی معنوی لطافت و طاقت

لیکن اگر مزید غور کرو تو روح کو حق تعالےٰ سے محض عناصر ہی کی سی مناسبت نہیں۔ یا بالفاظِ دیگر محض مناسبت ہی نہیں بلکہ ایک جہت سے ایسی مماثلت بھی حاصل ہے کہ وہ اس کے مخصوص اوصاف و کمالات کے لئے بطورِ مثال پیش کی جاسکتی ہے اور عناصر اس کے لگ بھگ بھی نہیں رہ سکتے کہ وہ سرے ہی سے ان کمالات سے عاری اور کورے ہیں۔ مثلاً حق تعالےٰ اگر غیر مرئی طریق پر تمام عالم کا قیوم اور مدبر ہے تو اسی طرز پر روح کائناتِ بدن کی قیوم اور مربی ہے۔ وہ ذرا اپنی توجہ ہٹالے تو کائناتِ بدن درہم برہم ہوجائے جیسا کہ موت کے وقت ہوجاتا ہے۔

پھر جس طرح حق تعالےٰ کے انوار ساری کائنات کے ذرہ ذرہ میں جلوہ افروز ہیں اور ہر ہر خط اور اس کے ہر ہر جُزو سے اُس کے مناسب کام لے رہے ہیں۔ اور باوجود اس ظہورِ تام کے پھر بھی آج تک کسی آنکھ نے اسے نہیں دیکھا اسی طرح روح کے انوار بدنی کائنات میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ہر ہر عضو سے اُس کے مناسب کام لے رہے ہیں اور باوجودیکہ بدن کی رگ رگ میں روح کا ظہور ہے۔ آنکھ کی چمک میں، رُخسار کی سُرخی میں، بالوں کی سیاہی میں، دانتوں کی سفیدی میں، بدن کی تازگی میں اُسی کا جلوہ ہے۔ وہ نہ ہو تو یہ سارے جلوے ایک آن میں ختم ہوجائیں۔ مگر باوجود اس ظہورِ تام کے پھر بھی آج تک ایسی نادیدہ ہے کہ خود اپنا نفس بھی اس کے دیدار سے محروم ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار اس پہ گھونگٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

پس جیسے وہ ظاہر بھی ہے اور باطن میں بھی، ایسے ہی روح ظاہر بھی ہے اور باطن میں بھی۔

پھر جس طرح اس ساری کائنات کی زندگی اور زندگی کی ہر نقل و حرکت سے ذاتِ حق اول اور اقدام ہے کہ وہی تو معطیٔ وجود ہے اور وجود سے پہلے کوئی بھی اقدام ممکن نہیں۔ آپ عالم کا کوئی اقدام ایسا نہیں پیش کرسکتے کہ وہ ہوجائے اور ذاتِ حق تعالےٰ

اس کے بعد آئے۔ اس کے بغیر تو کائنات کی زندگی ہی نہیں اور بلا زندگی اس کی کوئی نقل و حرکت ہی ممکن نہیں۔ تو مخلوق خالق سے پہلے کیسے ہوسکتی ہے؟ ضرور ہے کہ ہر مخلوق اور مخلوق کے ہر فعل سے خالق کی ذات مقدم ہو۔ پھر اسی طرح کائنات کی ہر نقل و حرکت کا منتہیٰ بھی اس کی ذات ہے۔ آپ عالم کا کوئی اقدام بھی ایسا پیش نہیں کرسکتے کہ وہ ذاتِ حق سے گزرتا ہوا آئے، پہنچ جائے اور ذاتِ حق کو اُدھر ہی چھوڑ آئے۔ کیونکہ جب ذاتِ حق ہی سے اس کائنات کی زندگی قائم ہے تو یہ دعویٰ ایسا ہوگا کہ کائنات اپنے افعال کرتی ہوئی زندگی کی حد سے گزر جائے اور پھر بھی اُس کے افعال جاری رہیں جو عقلاً ناممکن ہے۔

پس عالم کے ہر حرکت و سکون کا منتہیٰ بھی اُس کی ذات نکلتی ہے۔ اس کے آگے اور بعد کچھ نہیں۔ وہی ہر چیز کا اول بھی ہے اور وہی آخر بھی۔ جیسے کہ وہی ظاہر تھا اور وہی باطن بھی۔ ٹھیک اسی طرح بدنی کائنات کی ہر نقل و حرکت بلکہ اس کی نفسِ ہستی ہی سے روح اول بھی ہے اور آخر بھی۔ کیونکہ جب روح ہی بدن کے لئے باعثِ ہستی و حیات ہے تو کسی زندہ کا کوئی اقدام زندگی سے قبل کیسے ہوگا۔ پس ہر کام بلکہ بدن کے ہر کام کے اوّل روح آتی ہے اور اسی طرح جبکہ روح ہی بدن کے لئے باعثِ حیات ہے تو کائناتِ بدن کا کوئی اقدام بھی حیات سے مؤخر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آخر اور منتہا رِ حیات بھی ہی رہے گی۔ پس روح ہی اس بدن عالم کے لئے اوّل بھی ہوئی اور آخر بھی جیسا کہ وہی ظاہر تھی اور وہی باطن بھی۔ پھر جیسا کہ ذاتِ حق عالم سے متصل تو اتنی ہی ہے کہ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ اور پھر منفصل بھی اتنی کہ ورار الورار ثم ورار الورار مخلوق ظلمت محض اور وہ نور مطلق ع

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

ٹھیک اسی طرح روح بھی بدن سے متصل تو اتنی ہے کہ زندہ بدن کی کسی رگ کا کروڑواں حصّہ بھی اس سے الگ نہیں ورنہ زندہ نہ رہے۔ لیکن دور بھی اتنی ہے کہ اس کی پاکیزگیاں بدن سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رکھتیں۔ لطیف و کثیف میں کیا تناسب اور کیا رشتہ؟

کجا یہ مُشتِ خاک اور کجا وہ جوہر پاک
چراغِ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

صفاتِ روح سے الٰہیات پر استدلال

ان مماثلوں کے سبب جس طرح ہم تشبیہ کے سلسلہ میں اُدھر سے اِدھر آئے۔ اِدھر سے اُدھر بھی جاسکتے ہیں۔ یعنی اپنی ہی روحانی کائنات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی یکتائی اور بے چونی پر استدلال بھی کرسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح یہ ہماری بدنی کائنات بلا اس غیر مرئی مدبّر یعنی روح کے موجود اور باقی نہیں رہ سکتی اسی طرح یہ ساری کائناتِ عالم بھی بلا کسی مدبّرِ حکیم کے موجود اور بقاء پذیر نہیں ہوسکتی۔ پس روح کی بدولت وجودِ صانع پر ہمارے ہی اندر سے دلیل نکل آئی۔

پھر جس طرح بدن میں ایک ہی روح تدبیرِ بدن کرسکتی ہے اگر دو ہوں تو کائناتِ بدن فاسد ہو جائے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک اچکن میں دو انسان نہیں سما سکتے۔ اسی طرح کائناتِ عالم میں ایک ہی واحد قیوم اور مدبّر حکیم کی تدبیر کارگر ہوسکتی ہے ورنہ لوکان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا کا ظہور ہو جائے گا۔ پس روح کے طفیل ہمارے ہی نفوس میں سے توحیدِ صانع کی دلیل بھی پیدا ہوگئی۔

پھر جس طرح بدن کے قعر تک میں گھس جانے سے روح کا کوئی کم وکیف کوئی لون و رنگ اور کوئی سمت وجہت نہیں دکھائی دے سکتی اسی طرح وہ ذاتِ بابرکات بھی بے چون و بے چگون اور سمت وسمات سے مبّرا اور رنگ ولون سے منزّا ہے کہ رنگ برنگ کے جلوے تو اس سے ہیں۔ مگر وہ ہر رنگ سے بری وبالا ہے۔ پس روح کی بدولت اس کی شانِ تنزیہہ وتقدیس بھی ہمارے ہی اندر سے ہویدا ہوگئی۔

پھر جس طرح روح بدن کے ذرہ ذرہ میں موجود اور بدن کی رگ رگ سے اس کا تعلق وابستہ ہے مگر تعلقات کی شدت وضعف کا یہ تفاوت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ جو تعلق قلب سے ہے وہ دماغ سے نہیں۔ جو دماغ سے ہے وہ کبد و معدہ سے نہیں اور جو اُن سے ہے وہ عام جوارح بدن سے نہیں۔ اسی لئے قلب و دماغ کی ادنیٰ ایذاء یا توہین سے روح میں غصہ وجوش پیدا ہو جاتا ہے اور ان اعضاءِ رئیسہ پر ادنیٰ سی ضرب بھی پڑ جانے سے روح اپنی حیات کو سمیٹ لے جاتی ہے۔ بخلاف عام اعضاء کے کہ اگر ہاتھ پیر بھی کاٹ لئے جائیں تو کمالِ زندگی خواہ چھن جائے مگر نفسِ زندگی مسلوب نہیں ہوتی۔ اسی طرح

ذاتِ بابرکات کا جلوہ جہانوں کی رگ رگ میں سمایا ہُوا ہے۔ مگر مواضع کے تفاوت سے تعلق کی شدت وضعف میں بھی تفاوت ہے کہ جو تعلق اس کی ذات کو عرشِ عظیم سے ہے وہ اور مقامات سے نہیں کہ وہ مرکزِ استوار ہے پھر جو تعلق بیت المعمور سے ہے اور سماوی مواضع سے نہیں کہ وہ قبلۂ ملائکہ ہے۔ پھر جو تعلق بیت اللہ اور مسجدِ اقصٰی یا حرمِ نبوی سے ہے وہ اور جگہوں سے نہیں ہے۔ پھر جو تعلق عام مساجد و معابد سے ہے وہ اور مقامات سے نہیں ہے۔ اس لئے اگر ان پر کوئی توہینی کار یا جارحانہ اقدام ہو تو روحِ اعظم کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ عالم میں ہیجان شروع ہو جاتا ہے اور دنیا کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے حتیٰ کہ بیت اللہ کی اینٹیں اُکھڑ جانے پر بھی اس عالم سے زندگی کھینچ لی جائے گی۔ پس روح کی بدولت ہم پر اللہ کے تعلقات کی نوعیت بھی منکشف ہوگئی۔

پھر جس طرح ہر شخص اپنی روح کی پکار اور حقانی دعوت کو دل کے کانوں سے بے تکلف سُنتا ہے اور اُس کی نصیحتوں کو قلب کے واسطہ سے ادراک کرتا ہے لیکن پھر بھی اس کے کلام میں نہ لفظ ہیں نہ آواز۔ یہی شان حق تعالےٰ کے کلام کی ہے کہ کلام بھی ہے اس میں حقائق بھی ہیں، اس میں سماع بھی اور اسماع بھی ہے۔ اور مخصوص افرادِ بنی آدم (انبیاء علیہم السلام) جو بنی نوعِ انسان میں مثل قلب کے ہیں۔ اسے سُنتے بھی ہیں پر نہ وہاں الفاظ کی حدبندیاں ہیں نہ الفاظ و تلفظ کی قیود۔ گو ظہور کے بعد مخلوق میں پہنچتے پہنچتے یہ ساری تحدیدات نمایاں ہو جائیں۔ پس روح کی بدولت ہمیں ذات کے کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی کا بھی فی الجملہ ادراک ہُوا۔

پھر اگر تم آنکھ بند کر لو تو روح کا دیکھنا بند نہیں ہوتا اور کان بند کر لو تو اس کے سُننے میں فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ آنکھ کان بند کر کے تصور کے لامحدود عالم میں یہی روح دیکھنے کی چیزوں کو اور زیادہ بے تکلفی کے ساتھ دیکھتی ہے اور سُننے کی چیزوں کو اور زیادہ بے غائلہ سنتی ہے۔ حالانکہ نہ آواز روح سے ٹکراتی ہے اور نہ کسی صورت کا رنگ و روغن اور جسم اس کے آس پاس پھٹک سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ ذات بے چون و چگون ہر چیز کو سنتی اور دیکھتی ہے۔ مگر نہ وہاں رنگ و روپ اور مادیت کو قرب نصیب ہوتا ہے اور نہ آوازوں کے نغمے ہی اس کی سمع سے ٹکر کھاتے ہیں۔ پس اپنی ہی روح کی بدولت ہمیں اللہ کی سمع و بصر کی بے کیفی اور بے چونی کا بھی ایک گونہ اندازہ ہُوا۔

اسی طرح جب ہم اس پر نظر کریں کہ بدن کی حیات تو روح کی زندگی سے قائم ہے۔ مگر روح کے لئے کسی اور روح کی حاجت نہیں۔ وہ خود اپنے ہی معدنِ حیات کی ایک موج ہے تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ عالموں کی زندگی تو ذاتِ بابرکات کی حیات سے قائم ہے اور خود اس کی حیات کے لئے کسی اور ذات کی حاجت نہیں بلکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے حیٔ ہے جس میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور اس طرح ہم پر اللہ کی صفتِ حیات کے ذاتی اور خانہ زاد ہونے کا اندازہ بھی اپنے ہی اندر سے ہو گیا۔

بہرحال روح کو ذاتِ بابرکات سے مناسبتیں ہی نہیں بلکہ فی الجملہ مماثلتیں حاصل ہیں جس سے حق تعالےٰ کے لامحدود کمالات کی مثالیں ہمارے نفوس میں پہنچ گئی ہیں اور ہم اپنے اندر ہی سب کچھ عیاناً دیکھنے پر قادر ہو گئے۔ اس لئے روح کی اس سے زیادہ جامع تعریف اور کچھ نہیں ہوسکتی جو قرآن کریم نے فرمایا :۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔

غرض روح اس ساری سے ایک لطیفۂ ربانی ثابت ہو جاتی ہے اور جسم محض ایک کثیفۂ ظلماتی۔ لیکن جب کہ یہ بدنی عناصر جو عالمِ خلق کی چیزیں ہیں اس روح سے تھوڑی سی مناسبت اور واجبی سا لگاؤ پیدا کر کے ایسے قوی ہو سکتے ہیں کہ ساری دنیا ان کی طاقت پر ناچنے لگتی ہے تو خود روح جو عالمِ امر کی چیز ہے اور اس کی مناسبت مع اللہ بلکہ مماثلت کی گہرائیوں کی کوئی حد نہیں۔ اللہ سے اس قوی مناسبت و مماثلت کی بدولت کیا کچھ قوی اور غالب و متسلط نہ ہوگی۔ اگر ڈھنگ سے اس کی قوتوں کو استعمال کیا جائے تو کیا پھر کائنات اس کا تحمّل کر سکے گی؟'

پس بچۂ شیر کے قول کے مطابق انسان اگر پانی اور مٹی سے کہیں زیادہ قوی ہے تو وہ بدن کی بدولت نہیں کہ بدن تو وہی آگ پانی کا ایک مختصر مجموعہ ہے یہ بے چارہ قلیل وحقیر بدن اپنے عظیم وکثیر مخزن پر کیا غالب آسکتا ہے۔ بلکہ انسان کی یہ غیر معمولی قوت اور قوت کی یہ غیر معمولی کرشمہ آرائیاں درحقیقت اس کی روح کی بدولت نمایاں ہو رہی ہیں کہ روح کی لطافتوں کی کوئی حد نہیں اور وہ مجموعۂ لطافتِ سفلی وعلوی ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ روح تمام مادیات اور تمام عناصر سے اقویٰ واشدّ ہے۔ پس جہاں ذاتِ بابرکاتِ حق نے عالمِ آفاق میں اپنی مثالیں رکھی تھیں تاکہ اس کے کمالاتِ ظاہرہ

در آیاتِ بیّنہ کا کسی حد تک ادراک و احساس ہو سکے۔ اسی طرح بلکہ ان سے بدرجہا زائد جو مخصوص مثالیں ہمارے انفس میں رکھ دیں تاکہ ان شئون باطنیہ اور کمالِ بطون در بطون تک ہم بقدرِ استعداد اور کچھ رسائی پا سکیں۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۔

"ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ حق ہے۔ کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔"

غرض مادی سائنس کی یہ کرشمہ سازیاں جن کی طرف تمہید میں میں اشارہ کر چکا ہوں، دیکھنے میں تو بدن اور بدنی عناصر سے نمایاں ہو رہی ہیں مگر بلحاظِ حقیقت یہ سب کچھ روح کا طفیل ہے جس کی مخفی طاقتیں اس چونگ مادہ کو سنجاتی رہتی ہیں اور مزدور کی طرح چین سے نہیں بیٹھنے دیتیں۔

روح کی طاقتوں کا غلط استعمال

لیکن سوال یہ ہے کہ روح نے اپنے یہ باطنی کمالات صرف کرنے میں جس قدر بھی جد و جہد کی اور ترکیب و تحلیل کے ذریعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے جس قدر بھی عجائبات موالید ثلاثہ میں نمایاں کئے۔ اس سے خود روح کو کیا نفع پہنچا اور روح کو بحیثیت روح اس جد و جہد سے کیا شرف حاصل ہوا۔

ظاہر ہے کہ اول تو ان تمام سائنسی ایجادات کا نفع روح کو کچھ بھی نہیں۔ صرف بدن ہی کو پہنچا۔ بدن کی راحت اور جسمانی عیش ہی میں اضافہ ہوا۔ سردی میں آگ کی حرارت گرمی میں پانی کی تبرید۔ برسات میں ہوا تفریح بدن ہی کے لئے ہے۔ روح تو نہ گرمی کی محتاج نہ سردی کی کہ حرارت و برودت روح کے اوصاف ہی نہیں۔ اسی طرح ہوائی جہاز نے اگر فضا میں اڑایا تو بدن کو ورنہ روح جیسی لطیف چیز کو اڑانے کے لئے اس وزنی اور کثیف اور طیارہ کی حاجت ہی نہ تھی۔ مرنے کے بعد وہ نہ معلوم کہاں کہاں اڑتی ہے؟ تو کون سے ہوائی جہاز اس کے لئے جاتے ہیں۔ پھر سوچو کہ خود ہوا کے اڑنے کے لئے کس ہوائی جہاز کی ضرورت ہے؟ ہوا تو خود ہی جہاز کو

کو اڑاتی ہے تو جو رُوح ہَوا سے بھی لطیف تر ہے اور جس نے خود ہَوا ہی کو مسخر اور قید کر رکھا ہے، بلکہ ہَوا کے خلافِ طبع اسے جگہ جگہ اڑا رکھا ہے وہ اپنے اُڑنے میں اس کی کیا محتاج ہوتی؟ اور جب اُس کی محتاج نہیں تو اُس کے بھی محتاجوں یعنی طیاروں کی محتاج کیسے ہوسکتی ہے؟

اسی طرح ریلوں اور موٹروں سے روح کو کیا فائدہ؟ ریل اور موٹر اپنے وجود و ظہور میں خود ہی روح کے محتاج ہیں تو روح کو ان کی احتیاج کیا ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان تمام مادّی کرشمہ آرائیوں اور سائنسی ایجادات کا نفع اگر ہوسکتا ہے تو صرف بدن ہی کے لئے نہ کہ رُوح کے لئے۔ ریل اور موٹر میلوں منتقل کر سکتے ہیں تو بدن کو برق اور گیس اگر ضیا پاشی کر سکتے ہیں تو اجسام پر نہ کہ ارواح پر، جن کے نور سے خود ہی وہ ظہور میں آئے۔ گراموفون ٹیلیفون ٹیلیگراف اور لاسکی وغیرہ اگر منقطع کر سکتے ہیں تو اجسام کو، ورنہ روح اپنی حقیقی قوتوں کے لحاظ سے ان اپنے پروردوں کی کیا محتاج ہوسکتی ہے۔

پس ان تمام اسبابِ راحت کی راحت رسانی بدن تک محدود نکلی اور بدن کیا ہے؟ وہی عناصرِ اربعہ کا مجموعہ اور آگ، پانی، ہَوا، مٹی کا گھروندہ۔ تو یوں کہو کہ آپ نے ان آگ پانی کی ایجادات کے ذریعہ آگ پانی ہی کو نفع پہنچا دیا۔ بالفاظِ دیگر آپ نے باہر کا آگ پانی لیا اور اندر کے آگ پانی تک پہنچا دیا اور اب روح کا کام یہ رہ گیا کہ وہ اپنے علم و ادراک کا سرمایہ آفاقی آگ پانی پر خرچ کرتی رہے اور یہ بیرونی آگ پانی بدن کے آگ پانی کو دیتی رہے۔ یعنی جسم کی خدمت گزاری میں ہمہ وقت مصروف رہے۔ اس کے صاف معنی یہ نکلتے ہیں کہ آپ نے روح کو جو ان عناصر سے لطیف تر اور بالاتر تھی اور جو ان پر حکمرانی کر رہی تھی۔ آپ نے دھوکہ دے کر اسے جسم جیسی کثیف چیز یا بعنوانِ دیگر عناصر کا غلام بنا دیا۔ ایک لطیف چیز کو کثیف کے تابع کر دیا اور بہ تعبیرِ دیگر آپ نے لطیف روح کو خود اُسی کی لطافت مٹانے میں استعمال کیا جو قلب موضوع ہے۔ پس اب اس مسکین روح کی مثال ایسی ہوگئی جیسے ایک عالم و فاضل بادشاہ جس سے ملک و قوم کو بڑے بڑے منافع کی توقع ہو اور جس کے حسنِ سیاست اور کمالِ تدبر سے ملک کے رفاع و بہبود کی ہزارہا امیدیں وابستہ ہوں، باوجود اس علم و فضل کے اس کے مزاج میں کوئی چالاک اور کمینہ غلام دخیل ہوکر رُسوخ پالے اور اپنی ذاتی اغراض و منافع میں بادشاہ کو استعمال کرنے لگے اور ملک کا پیٹ کٹوا کر صرف اپنا تنورِ شکم بھرنے کی

فکر میں لگا رہے۔ ادھر بادشاہ غلام کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اسی کا کہا کرنے لگے۔ وزراء لاکھ سمجھائیں نصائح کریں اور منت وسماجت سے بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں لیکن یہ کمینہ غلام کسی کی نہ چلنے دے بلکہ اور اُلٹا وزراء سے بدظن کر دے اور بادشاہ کے وسیلے اور ذرائع معلومات کو چہار طرف سے مسدود کر کے صرف اپنے ہی ڈھنگوں پر لگا لے، گویا زمامِ سلطنت بظاہر تو بادشاہ کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن حقیقتاً بادشاہ کے پردہ میں یہ کمینہ غلام حکومت کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں حکومت کا قضیہ برعکس ہو جاتا ہے جو حاکم تھا وہ محکوم ہو گیا اور جو محکوم تھا وہ حاکم ہو گیا۔

سب جانتے ہیں کہ ایسی مملکت جس میں کمینے برسرِ اقتدار آجائیں اور اشراف دھکے کھاتے پھریں دیر پا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے ملک کی تباہی کے آثار ہی جلد سامنے آنے لگیں گے اور نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ بادشاہ معزول کر دیا جائے گا۔ اس کی عمارت وسلطنت چھین جائے گی۔ ادھر آپ خود سمجھ لیں کہ انقلابِ سلطنت کے بعد اس کمینہ غلام کا کیا حشر ہو گا؟ وہی اس کے وسائلِ عمل اور اعضاء کار جو اُن خود غرضیوں میں اس کے ہم نوا اور مددگار تھے خود اسی کے خلاف گواہی دیں گے اور اپنے کو تباہ ہوتے دیکھ کر پہلے خود اسی کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے جس سے ہر صورت میں سب سے زیادہ یہی کمینہ گردن زدنی قرار پائے گا اور اس کے لئے ملک کے کسی گوشہ میں پناہ نہ ہو گی۔

ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ روح ایک عالمِ فاضل فرمانروا ہے جس میں محسوسات، معقولات اور وجدانیات کے پاکیزہ ملکات ودیعت ہیں جو کائناتِ بدن ہی میں نہیں بلکہ اس کے واسطہ سے کائناتِ عالم پر حکمرانی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عقل اس کا وزیرِ اعظم ہے اور نقل اس کا قانون ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کا ایک کمینہ اور بدذات خادم بھی ہے جس کے واسطہ سے ملک میں شاہی احکام جاری ہوتے ہیں تاکہ وزراء وعمائدان کا نفاذ کریں۔ وہ کمینہ خادم یہ بدن ہے جو عناصرِ اربعہ کا مجموعہ ہے۔ کمینہ اس لئے ہے کہ جس قدر بھی اس کے اجزاء ترکیبی ہیں سب بے شعور، لایعقل جاہل اور بے تمیز ہیں جن میں اچھے بُرے کا کوئی امتیاز نہیں۔ کمینگی کی یہ حالت کہ جو اُن سے زیادہ محنت کر کے ان کا قرب حاصل کرے اسی کے سبب سے زیادہ دشمن اور قاتل بن جاتے ہیں۔

ایک انسان مٹی کی مورتوں اور پتھر کے وزنی پتھروں کے سامنے کتنے ہی طویل زمانے

تک سجدے کئے جائیں۔ لیکن اگر وزنی مورت اوپر سے آگرے تو پہلے اپنے اس مقرب پجاری کا سر پھوڑے گی۔ اسے قطعاً خیال نہ ہو گا کہ یہ میرا محب اور عبادت گزار بندہ ہے مجھے اس کا سر نہ کچلنا چاہیئے، بلکہ میرا یہ معاملہ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیئے جو مجھ سے بعید تر ہیں اور معبودانہ عظمت کو تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک شخص اگر سینکڑوں برس بھی کسی دریا کے پانی کے سامنے ڈنڈوت کرے ناک رگڑے اور عابدانہ التجائیں کرے۔ لیکن جب بھی سیلاب کی رو آئے گی تو پہلے اسی کو غرق کرے گی جو اس سے زیادہ قرب حاصل کئے ہوئے ہو گا۔ اسے قطعاً یگانے اور بیگانے کی تمیز نہ ہو گی۔ ایک مجوسی برس ہا برس بھی اگر آتش کدہ میں سر بسجود رہے لیکن آگ اُس کی اعانت نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کی پہلی لپیٹ اپنے اسی مقرب کو پہلے پھونکے گی۔ ہوا پرست ہزار ہوائی باتوں میں رہیں لیکن ہوا نفس کے جھکولے پہلے صاحب ہوا ہی کو غارت کریں گے۔ دوسروں تک نوبت کہیں بعد میں آوے گی۔

آپ تمدن کے سلسلہ میں ہی دیکھ لیں کہ جو زیادہ سے زیادہ مادیات کے عاشق ہیں وہی مادیات کے ہاتھوں زیادہ تباہ و برباد بھی ہیں۔ مشینوں کی لپیٹ میں وہی زیادہ آتے ہیں جو مشینری میں رات دن مبتلاء عمل ہیں۔ ہوائی جہازوں سے زیادہ وہی تباہ ہوتے ہیں جو اُن سے زیادہ مزاولت اور مقاربت رکھتے ہیں۔

ڈرینڈناٹ اور وزنی آلاتِ جنگ سے وہی لوگ زیادہ ختم ہو رہے ہیں جو ان آلات کے سامنے سر بسجود ہیں۔ گیس اور زہریلے ٹینک رائفلیں اور ریوالور کارتوس اور بارود سے انہی کا خاتمہ زیادہ ہو رہا ہے جو اِن کے عشق میں جان باختہ ہیں اور کبھی بھی مادیات کے ان روشن آثار کو ادھر التفات نہیں ہوتا کہ جو ہمارے موجد اور غلام بے درہم ہیں اور جنہوں نے اپنی جانوں ہی کو نہیں بلکہ ایمانوں کو بھی ہم پر نثار کر دیا ہے کم از کم ہم انہیں تو اپنا نشانہ نہ بنائیں انہی کو جا کر تباہ کریں جو بے لگا ذرہ کر ہم سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔

پس اس سے زیادہ مادیات کی کمینگی اور سفلہ پن اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہیں نہ صرف دوست دشمن ہی کا کوئی امتیاز نہیں بلکہ جو اُن کا زیادہ دوست ہے اس کے زیادہ دشمن ہیں۔ پھر سفلہ پن کی اسی پر حد نہیں بلکہ مزید برآں یہ بھی ہے کہ جو اُن کا دشمن ہے اُلٹے اس کے قدموں میں پڑ کے دعویٰ دوستی کرتے ہیں۔ پس ان کی اطاعت شعاری علم و شعور سے

نہیں، فاضلانہ اخلاق سے نہیں بلکہ جوتے کے زور سے۔ یہ واضح رہے کہ اخلاق کے جہان میں دباؤ کی اطاعت کو اطاعت نہیں کہا جاتا۔ پس جن عناصر کے سفلہ پن کی یہ حالت ہو ان سے مرکب شدہ بدن سے کب کسی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور ایسے بدن کے لئے اگر کمینہ کا لقب اختیار کیا جائے تو کیا حرج ہے؟

قوائے رُوح کے غلط استعمال کا نتیجہ حرمان وخسران ہے

بہرحال اس نالائق اور کمینہ غلام (بدن) نے اپنے ذاتی تعیش کی خاطر روح کو اپنے ہی ڈھب پر لگالیا۔ عقل دور اندیش سے برسرِ پیکار کر دیا۔ قانونِ نقل کو طاقِ نسیان پر پھینکوا دیا۔ حظوظِ نفس کی تحصیل اور عاجل منافع کی تکمیل کے سبز باغ دکھلا کر روح کو اس کے حقیقی حظوظ اور پائدار منافع سے لاپرواہ بنا دیا اور اس غفلت زدہ روح نے اپنے تمام کمالاتی قوتوں سے وہ حظوظ حاصل کرنے شروع کر دیئے جن کا نفع فقط اس چور نگ مادہ یا کمینہ غلام ہی کو پہنچ سکتا تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بدن کو تو کچھ مل گیا مگر روح خالی ہاتھ رہ گئی۔ بلکہ جو کچھ بھی اس نے حاصل کرنے کا عزم باندھ رکھا تھا اس میں بھی خود اس غلام ہی کی محتاج ہو گئی۔ وہ روح جو کہ کمالاتِ ربانی کا نمونہ ہونے کے سبب استغنا کی اعلیٰ شان رکھتی تھی اور کسی کی محتاج نہ تھی وہ اپنے اس لایعقل بدن کی محتاج ہو گئی، جو ہر جہت سے خود اس کا محتاج تھا۔ وہ غنی روح جس سے ان تمام وسائلِ کار کا وجود تھا وہ اپنے ہر عمل میں خود ان وسائل کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی اور وہ روح جو کبھی مسجود ملائک بنی تھی آج عبد الاسباب بن کر اپنے ہی غلاموں باندی کو سجدے کرنے لگی اور اس درجہ عناصر کی غلام بن گئی کہ اگر مادی وسائل اس کے ہاتھ میں نہ ہوں تو وہ بے کار اور اپاہج ہے۔

اندریں حالات اس روح نے اپنی علمی طاقتوں سے مادی منافع کا ایک تمدن تو قائم کیا مگر اپنے ان جوہری کمالات کو کھو کر جو اس کے جزو نفس ہوتے اور ہر موقعہ پر اُس کے ساتھ رہتے۔ وہ شہر میں ہوتی یا جنگل میں، اسباب کے ہجوم میں ہوتی یا بے وسیلہ ہر جگہ اپنا جوہر نمایاں کر سکتی۔ لیکن یہ غلام اور غلامی پسند روح محتاجگی کے اس درجے پر آگئی کہ اگر شہر میں ہے اور شہر بھی وہ جہاں بجلی سسٹم اور اسٹیم کی طاقت مہیا ہو تو با کمال ہے۔

ریڈیو سے خبر بھی دے سکتی ہے، ٹیلیفون کر سکتی ہے۔ ٹیلیگراف سے آواز بھی پہنچا سکتی ہے کیمرہ ہو تو فوٹو بھی اتار سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ دیہات میں ہو جہاں ان مادّی وسائل کا وجود نہ ہو یا شہر ہی میں ہو مگر بجلی فیل ہو جائے یا دشمن بڑھ کر برقی تاروں کو کاٹ دے تو یہ پھر رُوح اپاہج اور نکمّی ہے۔ اس کا حاصل بجز اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ یہ روح اپنے اصلی اور جوہری کمالات لوہے پیتل کے حوالہ کر کے خود کوری ہو بیٹھی جو محتاجگی اور غلامی کی بدترین مثال ہے۔ حالانکہ روح تو وہ تھی جو شئونِ ربّانیہ کی جامع تھی، وہ علم اور معرفت کا ایک حظِ وافر لے کر آئی تھی وہ لطافتوں اور طاقتوں کا خزانہ تھی۔ اُس کا استغنار اور کمالِ غیرت تو یہ ہونا چاہئیے تھا کہ وہ اپنے کسی فعل میں بھی اپنے باندی غلاموں اور ان بے شعور اور اپاہج مادّوں کی محتاج نہ ہوتی۔ وہ اگر دیہات میں بیٹھ کر جہاں نہ بجلی کا فون ہوتا نہ گیس کا خزانہ، اگر آواز نکالتی تو وہ آواز مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتی۔ وہ اگر ایسی جگہ نقل و حرکت پر آتی جہاں نہ ریل ہوتی نہ موٹر اور طیارہ تو سیکنڈوں میں ہزارہا میل کا سفر طے کر لیتی۔ وہ اگر دیکھنے پر آتی تو ایک تنگ و تاریک کونہ میں بیٹھ کر ساری دنیا ہی کی نہیں عرشِ عظیم تک کی کائنات کا معائنہ کر لیتی۔ زمین اس کے لئے سمٹ جاتی، ہوائیں اس کے لئے مسخر ہوتیں اور زمانہ اس کے لئے سمٹ جاتا۔ وہ سیرابی و تری میں دریاؤں کے رحم و کرم کی محتاج نہ ہوتی بلکہ دریا خود ہی اپنی روانی اور طغیانی میں اس کے اشاروں کو دیکھتے۔ وہ جنگ و قتال میں لوہے اور ہتھیاروں کی محتاج نہ ہوتی، بلکہ جس چیز پر ہاتھ ڈالتی وہی اس کے لئے ہتھیار ہو جاتی۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا کہ یہ مادّی اور عنصری آلات جبکہ اس عنصری لطافت پر ایسی طاقتوں کے کام کر سکتے تھے تو روح نہ صرف ان سب لطافتوں کی جامع تھی بلکہ ان سے ہزارہا گنا بڑھ چڑھ کر لطافتوں کا ایک عمیق خزانہ تھی اور انہی لطافتوں کے سبب اس مالک الملک کی ذات پاک سے مناسبت تامہ رکھتی تھی جو اپنے کسی کام میں وسائل کا محتاج نہیں بلکہ وسائل ہی اپنے وجود میں اس کے محتاج ہیں۔ تو ضرور تھا کہ روح ربّانی کی شان بھی ایسی ہی ہوتی کہ وہ اپنے کاروبار میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان مادی وسائل کی محتاج نہ ہو۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بجلی تو پل بھر میں آسمانوں پر چڑھ جائے اور جو روح بجلی کو مسخر کرنے کی طاقت رکھے وہ زمین سے ایک انچ بھی بجلی کی مدد کے بغیر اوپر کو نہ اٹھ سکے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک انجن تو اپنی آگ پانی کی اندرونی طاقت سے مشرق و مغرب کو ایک

کر ڈالے اور جو انسان خود انجنوں میں یہ طاقت مہیا کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ ایسی سربجانہ حرکتوں میں ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تار اور ٹیلیفون کی برقی رَو تو ہزار ہا میل کی خبر بن منٹوں میں لے آئے اور وہ انسان جو مشینریوں میں خود بجلی کی روح پھونکتا ہے ایک میل بھی از خود اپنی آواز نہ پہنچا سکے۔

بہرحال اگر مادیات سے ایسے عجائبات کا ظہور ہو سکتا ہے اور وہ بھی بہ طفیل روح، تو خود روح اور روحانیت سے تو ایسے ہی نہیں بلکہ اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کے عجائبات کا کارخانہ کھل جانا چاہیئے تھا تاکہ اس غیر محتاج روح کے استغناء وغیرت کا پورا پورا ظہور ہو سکتا ورنہ یہ کیسی الٹی بات ہے کہ مستعیر تو طاقت ور اور مالک کا کلیۃً ضعیف و لاچار غلام تو حکمران اور بادشاہ مجبور و بے بس۔

روحانی طاقتوں کے محیّر العقول کارنامے

آپ اسے کوئی خیالی بات یا محض کوئی علمی نظریہ نہ سمجھیں بلکہ حقیقتاً روح جب بھی اپنی اصلی فطرت پر چلی ہے تو اس سے بلا واسطہ اسباب ایسے ہی عجائبات کا ظہور ہوا ہے اور اس نے مادّوں سے اپنی غلامی کرا کر انہیں اپنی روحانیت کے بل بوتہ پر خوب نچایا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ممبر نبوی پر خطبہ پڑھتے ہوئے اچانک "یاساریۃ الجبل" کی صدا مدینہ سے نہاوند کی پہاڑیوں تک عراق میں پہنچادی۔ حالانکہ اس وقت تک لاسلکی کا خواب بھی کسی کو نہ آیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلانِ حج کی ندا دی تو وہ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہی نہیں بلکہ ماؤں کے رحموں میں چھپے بچوں کو بھی کانوں میں گونج گئی، حالانکہ وہ کسی مکبر الصوت آلہ کے ذریعہ نہیں دی گئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے ایک نئے دروازہ کے کھلنے کا تڑاکہ زمین پر بیٹھے بیٹھے سُن لیا جو یقیناً کسی برقی آلہ کے ذریعہ نہیں سنا گیا تھا۔

آپ نے جہنم کے قعر میں ایک پتھر کے گرنے کا دھماکہ دنیا ہی میں سن لیا جو یقیناً برس میں اس کی تہہ تک پہنچا تھا۔ حالانکہ یہاں بھی کوئی حِسّی اور آلۂ صوت استعمال ہیں

نہیں لایا گیا۔

حضورؐ نے حارث ابن ابی ضرار کے فدیہ کے اونٹ اور لونڈیاں مع تعداد اس کے بتلانے سے پیشتر ہی بتلادیں۔ حالانکہ وائرلیس کے ذریعہ بعید کی خبریں دینے کی کوئی بھی ایجاد اس وقت تک نہ ہوئی تھی۔

آپؐ نے وحی الٰہی سے پتہ دیا کہ کسی بشر کی زبان سے کوئی حکم نہیں نکلتا کہ وہ محفوظ نہ کر لیا جاتا ہو مایلفظ من قول الّا لدیہ رقیب عتید۔ حالانکہ اس وقت ریڈیو کی برقی لہروں کی ذریعہ جَو کی آوازیں جذب کرنے والوں اور ان کے نظریوں کا کوئی نشان بھی نہ تھا۔

حضورؐ نے غزوۂ موتہ کے پورے نقشۂ جنگ کو مسجد نبوی کے ممبر ہی پر سے معائنہ فرما کر حاضرین کو پتہ دیدیا۔ حالانکہ وہاں آج کے آلاتِ خبر رسانی کی بود و نمود نہ تھے۔

حضورؐ نے مکّہ کے حرم میں بیٹھے ہوئے مسجدِ اقصیٰ کی محرابیں اور طاق تک دیکھ کر گن دیئے حالانکہ اس وقت تک دوربین کی کوئی ایجاد کسی کے حاشیۂ خیال میں نہ تھی۔

اُس سے آگے بڑھ کر صلوٰۃِ خوف میں ان ہی عرب کی وادیوں میں آپؐ نے جنت و نار کا مشاہدہ فرمالیا۔

عرفات کے میدان میں شیطان کو دیل و ثبور کرتے ہوئے دیکھ لیا۔

یوم بدر میں ملائکہ مسومین کی فوجوں کے پرے مشاہدہ فرمالئے اور ایک شب تار میں غیبی حقائق یعنی فتن و آلام کے نزول کا معائنہ فرمالیا۔ درحالیکہ وہاں مادی شیشوں کی کوئی دوربین درمیان میں نہ تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے تختِ سلیمانی پر فضا میں پروازیں کیں اور ہوائیں ان کے اشاروں پر چلیں۔ حالانکہ آج کے ہوائی جہازوں کی ساخت کی طرف اس وقت کوئی ادنیٰ التفات بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف فضاء آسمانی بلکہ سارے ہی آسمانوں کا سفر لمحوں میں طے فرمالیا۔ حالانکہ وہاں کسی پٹرولی طیارہ کا واسطہ اس سیر میں نہ تھا کہ طیاروں کا تخیل بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا اور طیارے ہوتے بھی تو انہیں آسمانی سیر سے کیا علاقہ ہوتا۔

اس طرح کے ہزار ہا واقعات بطونِ تاریخ میں منضبط ہیں جس سے یہ اندازہ

ہوتا ہے کہ روحانی قوتوں کے مالک مادّوں کے غلام کبھی نہیں ہوئے بلکہ مادیات ہی نے ان کے اشارۂ ابرو پر ہمیشہ کام کیا اور ان کی غلامی کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح کے اصلی شان استغنا رہے کہ وہ اپنے منبعٔ وجود ذات حق سے وابستہ رہ کر اور اسی کے ساتھ اپنی مناسبتوں اور مماثلتوں کو بحال رکھ کر اپنے کسی فعل میں ان مادّیات کی جواس سے بدرجہا کمتر ہیں محتاج نہ ہو۔ جیسا کہ اُس کی فطری لطافتوں کا تقاضا ہے اور جس کی متعدد مثالیں انبیاء علیہم السّلام کے معجزات اور اولیاءاللہ کی کرامات و خوارق سے پیش کی گئیں جن میں ایک لمحہ کے لئے بھی مادیات سے کوئی مدد نہیں لی گئی، بلکہ وہ محض روحانی آثار کے مظاہرے ہیں جن میں مادیات کو روحانیت کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

مادی تصرّف کوئی حقیقی کمال نہیں

بہرحال روحانی اقتدار کے ان ثابت شدہ نمونوں اور خوارق کی ان سچّی مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک باکمال روح کا اصلی کمال درحقیقت مادیات سے مستغنی ہونے اور مادّی وسائل کی گرفت سے آزاد ہو جانے میں پنہاں ہے ورنہ کسی روح کا مادّیات میں مادی وسائل کے ذریعہ تصرّفات کر لینا خود روح کا کوئی مخصوص کمال اور ممتاز کارنامہ نہیں ہے۔ یوں تو ایک مادہ بھی مادّہ میں بلا واسطۂ روح تصرف کر لیتا ہے۔

کہیں مٹی اور غبار اُڑ اُڑ کر بھی چند صدیوں میں دریا کو خشکی بنا دیتا ہے۔ رواں پانی نشیب میں نئے نئے نکاس نکال کر بَر کو بحر اور بحر کو بَر بنا دیتا ہے۔ کوہ آتش فشاں پھٹ کر خنک فضا کو کرۂ نار بنا دیتا ہے۔ ہوائیں چل چل کر تالابوں اور جھیلوں کو خشک کر دیتی ہیں۔ پس مادّہ میں تصرّفات کر لینا اگر کوئی کمال ہے تو یہ کمال تو ... دی قوتیں بھی کر دکھاتی ہیں جہاں روحانیت کا کوئی توسط نہیں ہوتا۔ پس اگر انسان کی انسانیت ان عناصر سے بدرجہا افضل ہے اور ضرور ہے اور اگر وہ عناصر کے تینوں موالید میں اعلیٰ و اشرف ترین نوع ہے اور بلاشبہ ہے تو اس کا مابہ الفخر یا مابہ الامتیاز کمال وہ نہیں ہو سکتا جو اس سے ارذل ترین اشیاء سے بھی سرزد ہو سکتا ہو خصوصاً جبکہ روح کے یہ تصرّفات بھی ان مادّیات ہی کے واسطے سے ہوں۔ گویا روح ان کی وساطت کے بغیر اس تصرّف پر بھی قادر نہ ہو تو پھر

روح کے لئے یہ بے کمالی ہی نہیں بلکہ ایک کُھلا ہوا عیب ہوگا کہ اپنے سے ارذل ترین اشیاء کی محتاج بن جائے اور اپنا کمال ان سے ڈھونڈنے لگے۔ کیونکہ کسی کامل کے لئے عیب کی جڑ استکمال بالغیر ہے۔ جبکہ وہ غیر اپنے سے ارذل اور کمتر ہو۔ ہاں اپنے سے برتر سے استکمال کرنا عیب کی بجائے ایک بہترین ہنر ہے۔ کیونکہ بلا استکمال بالغیر اپنی ذات سے خود بخود باکمال ہونا صرف ایک ذاتِ بابرکاتِ حق کی ہی شان ہو سکتی ہے جو ہر عیب سے منزہ اور ہر کمال کا منبع و مخزن ہے۔ مخلوق کسی حال میں بھی بے عیب محض نہیں ہو سکتی اور کچھ نہیں تو مخلوقیت کا عیب تو اس سے ہٹ ہی نہیں سکتا جس کی حقیقت عدمِ اصلی نکلتا ہے اور جب کہ مخلوق ذات کے درجہ میں معدوم نکلی تو ناگزیر ہے کہ درجۂ ذات میں کمالات سے عاری بھی ہو کہ عدم ہی تمام نقائص و عیوب کا منبع ہے اور ظاہر ہے کہ پھر اس عیب دار کے باکمال بننے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ وہ اسی منبعِ وجود ذات (یعنی حق جل مجدہٗ) کی طرف رجوع کر کے استکمال کرے جو کمالات کا مخزن اور عیوب سے مبرا ہے۔ نہ یہ کہ حصولِ کمال کے لئے اپنے سے ارذل ترین چیز (مادہ) کی طرف جھکنے لگے کہ مادیت انسان کے لئے نہ مابہ الشرف ہے نہ مابہ الفخر، کیونکہ مادیت تو اس کی بھی وہی ہے جو گدھے اور بیل کی ہے۔ اس لئے واضح ہے کہ اگر وہ حصولِ کمال کے لئے اپنے بدن یا مادیت کی طرف جو مجموعۂ عناصر ہے رجوع کرے، گویا آگ، پانی، ہوا، مٹی سے کمال کا جویا ہو تو وہ استکمال نہیں بلکہ ازالۂ کمال اور استحصالِ نقص ہے کہ اپنے سے ارذل کی احتیاج و غلامی ہے اور گویا سلاطین کا غلاموں کی بندگی کرنا ہے جو بذاتِ خود ایک بدترین اور شرمناک عیب ہے۔

پس اگر سائنس کی حقیقت یہی ہے کہ انسان مادہ کے ذریعے مادوں میں سے تصرفات کرنے پر قادر ہو جائے تو اس صورت میں انسان آگ پانی کے گھروندہ سے باہر ہی نہیں نکلتا کہ اسے حقیقی انسانیت کا حامل کہا جائے بلکہ ایک ناقص اور عیب دار انسان ثابت ہوتا ہے جس کا عیب بھی حد سے گزر کر شرمناک ہو۔ ورنہ کم سے کم کوئی ایسا ہُنر تو کسی سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جس سے انسانیت کی کوئی امتیازی شان ہویدا ہوتی ہو۔

∴

انسان میں محتاجگی کی اصل مادہ ہے

ہاں اگر مادہ میں کچھ بھی استغناء کی شان ہوتی تب بھی ممکن تھا کہ اُس کی غلامی سے تھوڑا بہت استغناء ہی ہاتھ لگ جاتا لیکن جب کہ خود اُس کی اصل اور ذاتی صفت ہی محتاجگی اور پابستگی ہے اور گویا مجبوریت ہی اس کی شانِ امتیاز ہے تو اس کی غلامی سے کیا استغناء تو کیا حاصل ہوتا، حاصل شُدہ استغناء بھی فناء ہو جائے گا اور مجبوری در مجبوری پیدا ہو جائے گی جو تمام ذلتوں کی جڑ ہے۔ پس روح جیسے مستغنی جوہر کا مادہ جیسے مجبور و محتاج عنصر کی دہلیز پر جُھکنا حقیقتاً اپنی امتیازی شان کا فنا کر دینا ہے۔

عناصر اربعہ کے اخلاق اور ان کی محتاجانہ خاصیّتیں

ہاں اب یہ معمہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس چو رنگ مادہ میں یہ ذاتی محتاجگی کیوں ہے؟ اور کہاں سے آئی ہے؟ سو ظاہر ہے کہ ہر چیز کی خیر و شر اس کی طبعی اخلاق سے پھوٹتی ہے۔ اس چو رنگ مادہ کے جبلّی اور طبعی اخلاق ہی سرتا پا احتیاج و غلامی ہیں! اس لئے انسانی نفس جس حد تک بھی مادہ اور مادّیات کا شغل قائم رکھے گا اسی حد تک محتاجگی اور غلامی کا اکتساب کرتا رہے گا۔ چونکہ انسان کے نفسِ امّارہ کا نشو و نما اور امتزاج انہی عناصرِ اربعہ سے ہے اس لئے وہ انسان کو پستی و دنائیت اور محتاجگی کی طرف لے چلتا ہے جو درحقیقت عناصر کی طبعی اور خاموش رہنمائی ہوتی ہے۔ اگر اس انسانیت پر روحانیت کا نور فائز نہ کیا جائے یا وہ اپنی روحانیت کی پناہ میں نہ آئے تو یہ چو رنگ مادّہ اور اس کے جبلی اخلاق ایک لمحہ کے لئے بھی اسے محتاجگی اور بے بسی کی دَلدل سے نہیں نکلنے دیتے کہ مادہ کی خلقت و جبلت ہی بے بسی اور محتاجی ہے۔

مٹی اور اس کے جبلی اخلاق

چنانچہ اوّلاً مٹی ہی کو لے لیجئے اور غور کیجئے کہ اس کی جبلّی اور بنیادی خاصیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کی حِسّی خاصیت تو پستی اور تسفّل ہے اور معنوی یا اخلاقی خاصیت قبض اور بخل ہے۔ چنانچہ جو چیز بھی زمین میں رکھ دی جائے اُسے دبا لے گی اور

جب تک آپ اُس کا جگر چاک کر کے خود ہی نہ نکالیں، نہ دے گی۔ آدم کی اولاد کے نامعلوم کس قدر خزانے اور کتنے دفینے اس نے اپنے بطنِ حرص و آز میں چُھپا رکھے ہیں اور اُس کا پیٹ چاک کر کے نکال لو تو فبہا ورنہ از خود اطلاع نہ دے گی نہ چیز دے گی۔ آپ زمینی کشتِ زار کو دیکھ کر خیال نہ کریں کہ زمین تو بڑی فیاض ہے جو ایک کے سَو کر دیتی ہے اور کھیتوں کے ذریعہ اس کے جود و سخا کی داستان سنانے لگیں۔ کیونکہ دانہ خود آپ کا ہے جس میں زمین کا دخل نہیں اور اگر وہ زمین سے حاصل شدہ بھی ہے تو وہ بھی کسی ڈالے ہوئے دانہ کا طفیل ہے نہ کہ خود زمین نے دانے اور بیج کی بھی ایجاد کی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ سب سے پہلی اور ابتدائی کھیتی کا بیج یقیناً باہر سے زمین میں ڈالا گیا ہے نہ کہ زمین نے ابتدار کی ہے۔ پس دانہ یقیناً آپ کا ہے نہ زمین کا۔ اس لئے داد و دہش کی ابتدار زمین سے نہیں ہوئی بلکہ انسان سے۔ پھر دانہ ڈال کر اس کو محفوظ رکھنے، بڑھانے اور پھر نکالنے کے سامان بھی آپ ہی کی طرف سے ہیں۔ اگر پانی نہ دیا جائے تو زمین اصل بیج کو بھی سوخت کر دیتی ہے، چہ جائیکہ اُسے باقی رکھ کر بڑھائے۔ پس پانی دینا درحقیقت بیج کو باقی رکھنا، بڑھانا اور بڑھا کر اس میں سے دوسرا دانہ کھینچ لینا ہے۔ گویا پانی اس دانہ کو بڑا بنا کر کھینچ لینے کا ایک آلہ ہے۔ اس لئے زمین نے نہ محض خود بیج کو بڑھانہ دیا بلکہ پانی کا لشکر بھیج کر آپ نے جبراً اس سے راس المال مع سود کے منگوا لیا۔ اس لئے زمین کا ذاتی حصّہ قبض و بخل بحالہ ثابت شدہ رہا۔ اب جبکہ یہی قابض اور بخیل مادّہ انسان کا جزوِ اعظم ہے اور وہ مشتِ خاکی کہلایا۔ تو جبلی طور پر اس کے نفس میں پہلا خلق یہی قبض اور بخل کا سرایت کرتا ہے۔ چنانچہ پیدا شدہ بچہ کو ذرا بھی ہوش آتا ہے تو وہ قبض اور بخل یعنی لینے اور ہضم کرنے کے لئے چیختا ہے نہ کہ دینے اور ترک کرنے کے لئے۔ آپ جو چیز بھی بچہ کے سامنے ڈال دیں گے اُسے اٹھائے گا اور طبعی تقاضا سے منہ کی طرف لے جائے گا تاکہ اسے قبض کر کے ہضم کر جائے۔ اسے دیتے رہو گے تو وہ خوش رہے گا اگر چھیننے لگو تو چلائے گا۔

پس جبلی طور پر اس کی طبیعت سخا اور ایثار کی طرف نہیں جاتی بلکہ قبض اور بخل کی طرف کہ اس کے عنصر خاکی کا غالب خلق یہی قبض و بخل ہے اور ظاہر ہے کہ

قبض و بخل جس کا منشاء حرص و طمع ہے، محتاجگی اور غلامی پیدا کرتے ہیں۔ غناء و استغناء سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ بخیل اوّل تو خود اس شے کا محتاج ہوا جس میں بخل ظاہر ہُوا۔ پھر اس شخص کا محتاج ہُوا جس کی شے ہے۔ پھر اس کی عطاء کا محتاج جس کی بدولت یہ شے اس کے پاس آئے گی۔ پھر اگر معطی اور عطا اور عطیہ نہ ہو تو یہ بخیل اس درجہ محتاج ہے کہ اپنے بخل کا بھی پوری طرح اظہار نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایک بخیل کسی چیز کے لینے سے پیشتر تو معطی کا محتاج ہے اور لینے کے بعد اس عطیہ کا محتاج ہو جاتا ہے کہ اپنے قلب و قالب کو اس سے جُدا کر لینے کی قدرت نہیں رکھتا اس لئے بخیل کے اوّل و آخر محتاجی اور غلامی ہی نکلتی ہے اور زمین میں چونکہ یہی وصف ایک امتیازی وصف ہے اس لئے اس کی محتاجگی و ذلّت بھی سارے ہی عناصر سے زائد ہے۔ اس لئے یہ خاکی انسان خاکی رہتے ہوئے جبلّی طور پر بخل کے رذیلہ میں گرفتار رہتا ہے جو سراپا احتیاج (نمایاں ہو) ذلّت ہے۔

اور قبض و بخل کے بجائے سخا و ایثار پیشہ بن جائے تو اس کا ثمرہ استغناء ہے جو سراپا عزّت و محبوبیّت ہے اور اس میں کسی غیر کی احتیاج و غلامی نہیں بلکہ غیر ہی سے اپنی غلامی کراتا ہے۔

آگ اور اُس کے جبلّی اخلاق

اسی طرح آگ کو لو تو اس کی طبعی خاصیت اور جبلّت ترفّع ہے کہ سر نیچا ہی نہیں کرتی۔ کسی واجبی مصلحت سے بھی دباؤ تو نہیں دیتی۔ گویا آگ خاک کی ضد ہے کہ وہ ہمہ تن پستی ہے اور یہ سر تا پا تعلّی ناری۔ شیطان نے یہی کہہ کر آدمؑ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ ظاہر ہے کہ انسان میں آگ کا بھی ایک کافی حصّہ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی بدنی حرارت اور بعض اوقات بخار کا ہیجان اس کی کافی دلیل ہے۔ اس لئے ہوش سنبھالتے ہی اس میں جبلّی طور پر وہی ترفع و تعلّی شیخی اور انانیت کا جذبہ اُبھرتا ہے جو حقیقت پر ناری اثر ہے۔ چنانچہ تعلّی اور شیخی سے مغلوب ہو کر جب انسان میں جوش غضب اور غصّہ کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور چہرہ پر آگ کی سُرخی آجاتی ہے تو عرف میں

بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص آگ بگولا ہو گیا۔ فلاں میں غصّہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں میں غصّہ کا پانی بہہ گیا۔ یا غصّہ کی مٹی بکھیرنے لگا۔ بلکہ مٹی ہو جانا اُس کے ٹھنڈے ہو جانے کی علامت شمار ہوتی ہے کہ مٹی درحقیقت آگ کی ضد ہے۔

بہرحال انسان کا یہ ترفع وتعلّی اور انانیّت درحقیقت وہی ناری خلق ہے۔ اب اس خلق پر غور کرو تو یہ بھی سراپا احتیاج وذلّت نظر آئے گا۔ کیونکہ تعلّی اور ترفع کا حاصل دوسروں پر بڑا بننے اور اپنے آپ کو ان کی نظروں میں بڑا دکھانے یا ان کے خیال پر نکلا، جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اگر دوسرے ہی نہ ہوں یا ان کا خیال اس کی بڑائی کی طرف نہ آئے یا اگر ہٹ جائے تو اس کی بڑائی کی عمارت منہدم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ محتاجگی اور کیا ہو گی کہ عزّت ہماری ہو اور قابو میں دوسرے کی ہو۔ رفعت ہماری ہو اور دوسرے کے خیالات کی بہنے والی رَو میں بہتی جارہی ہو کہ دوسرے پاس بھی اسے تمکن اور استقرار نصیب نہیں۔

اسی بنا پر تعلّی وتفاخر کے لئے مداراۃ ناس اور تملق بھی لازمی ہے تاکہ ان کا خیال بدلنے نہ پائے اور یہ ترفع کا بھوکا ان کی نظروں میں سُبک نہ ہونے پائے۔

پس جو خلق ایک انسان کو ہزارہا انسانوں کا محتاج بناتا ہو اس سے زیادہ ذلّت آمیز اور احتیاج خیز خلق اور کون سا ہو گا؟ ہاں اس کے بالمقابل تواضع کا خلق ہے جس کی حقیقت بلا مجبوری و پابندی محض اپنے قصد وارادہ سے کسی کے سامنے جُھکنا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کے اس خیال کے محتاج نہیں کہ آپ ہمیں کیا سمجھتے ہیں؟ آپ جو کچھ بھی ہمیں سمجھیں وہ سمجھیں، مگر ہم تو اپنی اصلیت پر ہیں، جو آپ کے سمجھنے نہ سمجھنے سے کسی حال میں بھی تبدیل نہیں ہو سکتی۔

پس تواضع کا حاصل استغناء اور ترفع کا حاصل محتاجگی اور غلامی نکل آیا۔ نیز تواضع کے سلسلہ میں بلند اور رفیع ہوتے ہوئے قصد وارادہ سے جھکنا اعتماد علی النفس کی دلیل ہے کہ اس پر قابو کو قابو ہے کہ وہ اپنی ناریّت سے مرتفع ہونا چاہتا تھا اور ہم اُسے حاکمیت سے جُھکا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نفس پر قدرت اور قابو مالکیت کی دلیل ہے جو محتاجگی کے منافی ہے۔ کیونکہ محتاجگی ہمیشہ مملوکیّت میں ہوتی ہے نہ کہ مالکیت میں، جس شیخی میں انسان کو اپنے اوپر قدرت نہیں رہتی جو مجبوری اور

محتاجگی ہے۔ پس تواضع سے استغنار، اور ترفع و نخوت سے احتیاج و غلامی پیدا ہونا اس جہت سے بھی تواضع ہے۔

غرض جب تک انسان اس ناریت کے جال سے رہا نہ ہو، یہ ناری خلق اُسے محتاج اور ذلیل ہی بنائے رکھتی ہے کہ احتیاج کی خاصیت ہی ذلت و مسکنت ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ آگ بھی اپنی جبلت سے محتاجگی کا ثمرہ پیدا کرتی ہے نہ کہ غنار کا۔

ہَوا اور اُس کے جبّلی اخلاق

اسی طرح ہَوا کو لیجئے کہ اس میں انتشار اور پھیلاؤ کی خاصیت ہے کہ وہ ہر جگہ موجود رہے۔ ہر جگہ گھُسی رہے، ہر جگہ بھری رہے، ذرّہ ذرّہ اس سے وابستہ رہے۔ گویا اسے پہچانتا رہے۔ انسان میں ہوائی جُزو بھی ہے جیسے ریاح اور سانس وغیرہ سے نمایاں ہے۔ تو وہ بھی چاہتا ہے کہ میں ہر جگہ موجود رہوں، ہر جگہ گھُسا رہوں، ہر زمان اور ہر مکان میں میرا وجود رہے۔ مگر چونکہ اس کا مادّی نفس اتنا پھیلاؤ نہیں رکھتا کہ وہ خود ہر جگہ رہے۔ اس لئے وہ انتشاریّت، شہرت اور ہَوابندی چاہتا ہے کہ لوگ جگہ جگہ میرا چرچا کریں، میرا ذکر پھیلائیں اور اپنے ذکر و تذکرہ کے ذریعہ میں ہر جگہ موجود رہوں۔ پس ہوائے شہرت انسان میں اسی ہوائی جُزو کا اثر ہے۔

غور کرو تو اس شہرت پسندی کے خلق کا حاصل بھی وہی محتاجگی ہے۔ کیونکہ انسان کی یہ خواہش بھی اس کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی کہ پہلے دوسرے ہوں پھر وہ اُسے پہچانیں اور اس کے بعد اس کی ہَوابندی بھی کریں۔ اس کا پروپیگنڈہ اور چرچا بھی کریں۔ اور اُسے اُڑاتے بھی رہیں۔ پس اس خلق کا حاصل بھی وہی غیروں کی احتیاج نکل آئی۔ اس لئے شہرت پسندی بھی کوئی عزت آفرین خلق نہیں بلکہ ایک ذلت افزا ملکہ ہے جو اپنے مقاصد کو دوسروں پر معلق کر دیتا ہے۔ برخلاف شہرت پسندی کی ضد کے جسے اخفار و تستّر کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت میں خود بخود مگن رہنا اور دوسروں سے ہمہ تن مستغنی اور بے پرواہ ہوجانا ہے۔ درآں حالیکہ اس غنار پر جو قدرتی شہرت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ اس مصنوعی اور جعلی شہرت سے بدرجہا پائدار ہوتا ہے۔ بہرحال ہَوا کے خلق کا حاصل بھی وہی محتاجگی اور جگہ جگہ مارے مارے پھرنا نکل آیا۔

پانی اور اُس کے جبلّی اخلاق

اسی طرح پانی کو لو تو اس کا طبعی فعل ہے، عدم الکف اور عدم الضبط۔ یعنی پانی میں اعتماد علی النفس کا نشان نہیں۔ وہ اپنے نفس کو خود نہیں روک سکتا۔ ہر طرف سے آپ روک لگائیں رک جائے گا اور جہاں بند ٹوٹا یا برتن پھوٹا، وہیں پانی بکھرا اور سیدھا چل رہا ہے اور جہاں ذرا نشیب آیا وہیں بہہ گیا۔ ذرا کسی نے زمین کھود ڈالی اور وہ اپنا مُستقر چھوڑ کر وہیں آ رہا۔ انسان میں بھی چونکہ پانی کا جزو موجود ہے جیسا کہ تھوک، رینٹ، بلغم، پیشاب وغیرہ سے واضح ہے اس لئے اُس میں بھی ضبطِ نفس کا پیدائشی طور پر نشان نہیں ہوتا۔ ذرا کسی کی اچھی چیز دیکھی، بکھر پڑے۔ کسی عورت پر نظر پڑ گئی تو گھورنے لگے۔ کوئی قبول صورت چیز نظر آ گئی تو وہیں اس کے پیچھے ہو لئے۔ کوئی عمارت اچھی دیکھ لی تو وہیں للچاتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگے کہ کاش یہ بلڈنگ ہماری ہوتی۔

غرض ذرا سا نشیب سامنے آنے سے بکھر پڑنے کا مادہ انسان میں آبی جُزو سے آیا ہے۔ مگر اُس کا حاصل بھی وہی احتیاج اور بے بسی ہے۔ کیونکہ غیر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہنا اور اپنے نفس کو سنبھال نہ سکنا، عدم قدرت اور عجز کی دلیل ہے اور عجز جڑ ہے محتاجگی کی۔ ہاں ضبطِ نفس اور اچھی سے اچھی چیز دیکھ کر بھی اس سے بے نیاز رہنا خود کو قابو میں رکھنا اور گرنے سے بچا لینا قدرت کی دلیل ہے جس کا حاصل بھی وہی استغنا نکلتا ہے اس لئے پانی کی طبعی خاصیت بھی وہی احتیاج اور غلامی نکل آئی۔

رزائل نفس کے چار اصول

پس اس طرح ان مادی اخلاق یا رزائلِ نفس کے چار اصول نکل آتے ہیں قبض و بخل، تعلّی و ترفع، شہرت پسندی و انتشاریت، عدم ضبطِ نفس، یعنی حرص و ہوا جو آدمی کو سراپا احتیاج و غلامی بنا دیتے ہیں۔

فضائل نفس کے چار اصول

ہاں پھر یہیں سے استغنار و خودداری کے اصول پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ وہ ان

اخلاقِ چارگانہ کی ضد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قبض و بخل کی ضد سخا و ایثار ہے۔ کبر و نخوت کی ضد تواضع و فروتنی ہے۔ شہرت پسندی اور نام آوری کی ضد اخفار و تستّر ہے حرص و ہَوا اور بکھر پڑنے کی ضد ضبطِ نفس اور قناعت ہے۔ اور جبکہ یہ چارگانہ اصل مادہ کے چارگانہ اخلاق کی ضدیں ہیں تو یقیناً انہیں مادی اخلاق بھی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس رُوح کے روحانی اخلاق شمار کئے جائیں گے جو مادّہ کی ضد ہے اور اس طرح اگر مادہ کے جوہر میں سے رذائلِ نفس کے چار اصول نکلے تھے تو رُوح کے جوہر میں سے فضائلِ نفس کے بھی چار ہی اصول نکل آئے۔ ایثار، تواضع، اخفار، قناعت ∴

اخلاق کا ظہور اعمال کے بغیر ممکن نہیں

لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اخلاق کے جبلی آثار افعال ہی کے ذریعہ ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر ان اخلاق کے مناسب افعال سرزد نہ ہوں تو اخلاق کے طبعی آثار ظہور پذیر ہی نہیں ہو سکتے، جیسے مثلاً خلقِ شجاعت کی تاثیرات بغیر فعلِ مقاتلہ و مقابلہ کے کبھی نہیں کھل سکتیں۔ خلقِ سخاوت کی تاثیرات بغیر فعلِ داد و دہش کے کبھی نمایاں نہیں ہو سکتیں۔ خلقِ تواضع کی کیفیات بغیر انکساری کے جھکاؤ کے سامنے نہیں آ سکتیں۔ یہی حال اور تمام اخلاق کا بھی ہے۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ ان مادی اخلاق کے اثراتِ محتاجگی اور روحانی اخلاق کے آثار کو ظاہر کرنے والے افعال کون سے ہیں؟

مادی اخلاق کا مظہر فعلِ امساک ہے

سو مادی اخلاق کے آثار پر جہاں تک غور کیا، اُن کا حاصل بجز خود غرضی اور خود طلبی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ بخل ہو یا حرص، شہرت پسندی ہو یا تعلّی، سب کی بنیاد نفس کی اس خواہش پر ہے کہ مال وجاہ سب کا سب ساری دنیا سے کٹ کر تنہا اسی کے دامنِ ہوس میں سمٹ آئے۔ گویا ہر چیز کا اوروں سے روک کر اپنے لئے مختص کر لینا ان نفسانی اخلاق کا مقتضیٰ ہے۔ چنانچہ قبض اور بخل میں اپنی مقبوضہ چیز اوروں سے روکی جاتی ہے۔ حرص و ہوس میں دوسروں کی مقبوضہ چیز ان سے روک کر اپنے لئے پسند کی جاتی ہے۔ تعلّی و ترفّع میں ہر درجۂ کمال کو دوسروں سے منفی کر کے اپنے سے مختص ظاہر کیا جاتا ہے۔

شہرت پسندی اور نام آوری میں اوروں کی نمود روک کر صرف اپنا نام چاہا جاتا ہے۔
پس ان سب اخلاق میں کسی نہ کسی جہت سے اوروں سے رکاوٹ اور اپنا اختصاص کارفرما رہتا ہے۔

اس لئے واضح ہو جاتا ہے کہ اخلاق کے طبعی آثار کو جو فعل بطور قدر مشترک کے کھولتا ہے وہ اِمساک ہے۔ بخل و حرص میں یہ اِمساک مالی ہوتا ہے اور تعلّی و نام آوری میں امساک جاہی۔ مگر حُبِ جاہ ہو یا حُبِ مال، دونوں کا مظاہرہ اس فعلِ امساک ہی سے ہوتا ہے۔ گویا ان اخلاق کے طبعی آثار خود غرضی و محتاجگی بغیر فعل امساک کے نمایاں نہیں ہو سکتے۔

روحانی اخلاق کا مظہر فعلِ نفاق ہے

ادھر روحانی اخلاق چونکہ ہر ہیئت سے مادی اخلاق کی ضد ہیں۔ اس لئے اُن کے طبعی اثرات اور ان اثرات کا ظاہر کرنے والے افعال بھی مذکورہ افعال کی ضد ہی ہو سکتے ہیں۔
چنانچہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جیسے مادی اخلاق کا اثر خود غرضی تھا، روحانی اخلاق کا اثر بے غرضی ہے۔ چنانچہ ایثار و تواضع ہو یا اخفار و قناعت، ان میں سے کسی ایک خلق کی بنیاد بھی نفس کی اس خود غرضانہ خواہش پر نہیں ہے کہ سب کچھ تنہا اسی کو مل جائے۔ بلکہ اس پر ہے کہ اپنا واجبی حق بھی دوسروں کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ سخاوت میں اپنی چیز دوسروں کو دی جاتی ہے۔ قناعت میں دوسروں کی چیز انہی کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے۔ تواضع میں اپنی عزت دوسروں پر نثار کی جاتی ہے اور اخفار میں دوسروں کی عزت کے لئے پورا میدان دے دیا جاتا ہے۔

غرض ان تمام اخلاق کی بنیاد دوسروں سے روکنے یا چھیننے پر نہیں بلکہ دوسروں کو دینے اور عطاء و نوال پر ہے، اس لئے واضح ہوتا ہے کہ جو فعل ان روحانی اخلاق کے طبعی آثار کو کھولتا ہے، وہ فعلِ امساک نہیں بلکہ اس کی ضد انفاق ہو سکتا ہے سخاوت و قناعت میں یہ انفاق مالی ہوتا ہے اور تواضع و اخفار میں انفاق جاہی، مگر استغنار مالی ہو یا استغنار جاہی، بغیر فعلِ انفاق کے کھل نہیں سکتا اور یہ ایک مشاہدہ ہے کہ جاہ و مال سے یہ بے نیازی ایک طرف تو غیروں سے غنی بنا دیتا ہے اور دوسری طرف

اپنے میں بے غرضی مستحکم کر دیتی ہے، جس سے وسعتِ صدر اور فراخدلی کا پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر ہے اس لئے ان روحانی اخلاق کا اثر وسعتِ حوصلہ، استغناء، وقار، خودداری و بے نیازی اور بے احتیاجی نکلتا ہے جس کے ظہور کا ذریعہ انفاق ثابت ہوتا ہے۔
شریعت کی اصطلاح میں اس نفاق ہی کا نام صدقہ ہے۔ جس کے معنی جان و مال آبرو اور قول و عمل کو مالک الملک کے لئے دینے اور خرچ کرنے کے ہیں۔ پھر صدقہ کرنے میں چونکہ محبوباتِ نفس اور لذائذِ طبع کو ترک کرنا پڑتا ہے جو نفس پر بالطبع شاق ہے۔ اس لئے اس کا دوسرا نام مجاہدہ بھی ہے۔ اس لئے خاصہ یہ نکلا کہ طبعی امساک کے ذریعہ انسان میں جو محتاجگی اور تنگی قائم ہوتی ہے۔ اس کے مٹانے اور اس کی جگہ استغناء و خودداری کی دولت جاگزین کرنے کا ذریعہ صرف صدقہ و مجاہدہ اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔
گویا انفاق کا جو درجہ بھی امساک کے مقابلہ پر آتا رہے گا اُسی درجہ نفس انسانی میں محتاجگی و غلامی مٹ کر استغناء کے مراتب قائم ہوتے رہیں گے۔ کیونکہ صدقہ سے وہ مادی اخلاق مضمحل اور کمزور ہوتے جائیں گے۔ جن کی بدولت امساک کے افعال نمایاں ہوتے تھے۔

صدقہ سے غنا کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

چنانچہ ایک صدقہ دینے والا جب اپنے محبوب مال و متاع کو اپنے سے کھو دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس نے قبض و بخل کی تو جڑ کاٹ دی، جو راضی خلق تھا، ورنہ غلبۂ بخل کے ہوتے ہوئے یہ متاع جدا ہی کب کی جا سکتی تھی، اور ظاہر ہے کہ جس حد تک بھی قبض و بخل کا ذریعہ سست پڑے گا جو محتاجگی کی جڑ تھا، اُسی حد تک سخا و ایثار کا ملہ راسخ ہو گا جو ذریعہ استغناء ہے اور اس طرح استغناء کے ایک بڑے درجہ پر فتح ہو جائے گا۔
پھر جب کہ ایک صدقہ دہندہ کو عطاء و نوال میں لطف محسوس ہونے لگا تو ظاہر ہے کہ اب وہ دوسروں کی چیز پر نہ نگاہِ حرص ڈال سکے گا نہ کسی کی چیز دیکھ کر بکھر سکے گا، بلکہ اس کے عطاء و تصدق کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ کم سے کم پر اپنے نفس کو تھامے رکھنے کا خواہشمند ہے جسے قناعت کہتے ہیں۔ پس اسی صدقہ و انفاق کے ذریعہ حرص کا بھی خاتمہ ہو گیا

جو آبی خلق تھا اور اس طرح استغنار کا ایک دوسرا مقام طے ہو گیا۔

فرق اگر ہے تو یہ کہ پہلے مقام پر پہنچ کر اپنی چیز کی محبت قطع ہوئی تھی جس سے بخل قائم تھا اور دوسرے مقام پر پہنچ کر غیر کی چیز سے محبت جاتی رہی جس سے حرص قائم تھی اور اس طرح ایک انسان مالی سلسلہ میں نہ اپنا غلام رہا نہ دوسروں کا، پھر جب کہ یہ صدقہ اخفار کے ساتھ کیا گیا جس میں نام و نمود کی کوئی خواہش نہیں ہو سکتی ورنہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی تو اس سے شہرت پسندی اور نام آوری کی جڑ کٹ گئی جو ہوائی خلق تھا۔ اس عظیم محتاجگی کی جڑ کٹ جانے سے جس کی تفصیلات آچکی ہیں استغنار کا ایک اور مقام میتسر آگیا۔

پھر ظاہر ہے کہ یہ صدقہ دہندہ اپنے اس عمل کو چھپانے کی سعی جب ہی کر سکتا ہے جب کہ اُسے اپنا یہ عمل دوسروں کے عمل سے کم نظر آئے اور وہ اپنے عمل کی دوسروں کے عمل کے مقابلہ میں کوئی برتری اور بڑائی اپنی نگاہوں میں محسوس نہ کرے ورنہ وہ اس عمل کو مخفی رکھنے کے بجائے دوسروں کے عمل سے برتر اور فائق تر ظاہر کرنا اور جا بجا اس کا چرچا کرنا پسند کرتا۔ لیکن جبکہ وہ اپنے صدقہ کو دوسروں کے صدقات سے نسبت تک دینے سے، رُک رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے عمل کے تفوق و برتری کے خیال سے بھی جدا ہو چکا ہے اور اس طرح دوسروں کی نسبت خود اپنی ذات کی برتری اور تعلّی سے بھی بے زار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اخفار صدقہ سے تعلّی اور ترفع کی جڑ بھی کٹ گئی جو آتشی خلق تھا اور اس طرح استغنار کا ایک چوتھا مقام میتسر آگیا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اپنی نیکی کے اخفار میں مبالغہ اور وہ بھی اس حد تک کہ اپنے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور کس کو دیا۔ گویا خود اپنے نفس کو بھی خبر نہ ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نیکی پر خود اپنے ضمیر میں بھی اسے کوئی فخر و ناز محسوس نہ ہو، وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اس نیکی کی بمقابلہ غیر ہی نہیں بلکہ بحیثیت اپنے فعل ہونے کے بھی ذرّہ برابر وقعت و عظمت نہ ہو، بلکہ وہ اسے محض ادائے فرض کہہ کر کرے نہ کہ ادائے حق جان کر۔ ظاہر ہے کہ صدقہ کے اس اخفار تام سے خود پسندی اور عجب کی جڑ کٹ جاتی ہے جس سے استغنار کا ایک بہت ہی دقیق اور اہم مقام میتسر آجاتا ہے۔

استغنار کے یہ آخری تین مقامات جاہ کے سلسلے میں محتاجگی سے آزادی دلاتے ہیں۔ جیسا کہ اوّل کے دو مقاماتِ مال کے سلسلہ میں محتاجگی سے بچاتے تھے۔ ان تین مقامات میں

باہمی فرق و تفاوت ہے تو یہ کہ پہلے مقام پر پہنچ کر صدقہ دہندہ دوسروں سے طالبِ جاہ نہیں رہتا۔ دوسرے مقام پر اپنے عمل سے کاسبِ جاہ نہیں رہتا اور تیسرے مقام پر خود اپنے نفس سے بھی تخیلِ جاہ قائم کرنے کا روادار نہیں رہتا۔ اور اس طرح ان پانچوں مقامات کے ذریعہ مال و جاہ دونوں کے سلسلہ میں اس محتاجگی اور پابستگی سے آزاد ہو کر جس نے اُسے ذلت و پستی کے حضیض میں گرا رکھا تھا، غیر سے بھی غنی ہو جاتا ہے اور خود اپنے سے بھی مستغنی۔

مادیات سے استغناء ہی تعلق مع اللہ کی بنیاد ہے

الحاصل اس مادہ پرست اور مادی نفس کے دو رذیلے بخل اور حرص تو نفسِ صدقہ ہی سے ختم ہو گئے اور تین رذیلے تعلق نام آوری اور خود بینی اخفاءِ صدقہ کی قید سے ختم ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جب ایک شخص بخیل نہ رہا، سخی ہو گیا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اسے اپنی دولت کی بھی پرواہ نہ رہی، حریص نہ رہا بلکہ قانع ہو گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ اسے غیروں کی دولت کی بھی پرواہ نہ رہی، شہرت پسند نہ رہا بلکہ عزلت پسند ہو گیا جس کی یہ معنی ہیں کہ اسے لوگوں کی مدح و ذم کی بھی پرواہ نہ رہی۔ شیخی پسند اور خود بین نہ رہا بلکہ تود گزار ہو گیا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اسے اپنے نفس کی بھی پرواہ نہ رہی، تو اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان روحانی اخلاق کی بدولت جو اس نے صدقہ سے حاصل کئے ہوئے عالم میں کسی کا غلام نہ رہا اور اُسے ہر چیز سے کامل آزادی اور حریت میسر آگئی اور یہ سب جانتے ہیں کہ ساری کائنات سے بے پرواہ ہو کر اب اگر اس کا رشتۂ نیاز کسی سے جڑ سکتا ہے تو صرف اُسی خالقِ کائنات سے جس کی خاطر اُس نے یہ اپنا مال اپنی آبرو اور اپنا نفس سب کچھ تج دیا تھا اور جس کے اخلاق سے اُس نے یہ تخلق کیا۔ اندریں حالات اُسے مناسبت پیدا ہوئی تو اس غنی عن العالمین سے اور لگاؤ پیدا ہوا تو صرف اُسی ذاتِ بے نیاز سے جو اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہیں بلکہ ہر چیز اپنے وجود ظہور میں اسی کی دستِ نگر ہے۔

تعلق مع اللہ کی قوت سے ہی روحانی عجائبات اور خوارق کا ظہور ہوتا ہے

اس صورت میں ضروری ہے کہ اس مردِ متصدق اور بندۂ مجاہد یا تارک ماسوی اللہ سے بھی جس نے اس غنی مطلق سے نسبت قائم کر لی ہے۔ غنائے کامل کا ظہور ہو اور وہ بھی اپنے کسی کام میں ان مخلوقاتی وسائل یعنی مادی ذرائع کا محتاج نہ رہے بلکہ خود یہ وسائل ہی اس کی چشم و ابرو کو دیکھنے لگیں۔ اس کے تصرف بلا وسائل زمین تک ہی نہیں آسمانوں تک بھی پہنچنے لگیں۔ وہ اوپر جائے تو طیاروں کا محتاج نہ ہو اور زمینی مسافت طے کرے تو ریلوں اور موٹروں کا پابند نہ ہو۔ وہ عالم میں اپنی صدا پہنچائے تو ہوا و برق کا دستِ نگر نہ ہو اور عالم کی صدائیں سُننا چاہے تو ریڈیو اور ٹیلیفون کا محتاج نہ ہو۔

غرض اس کے ہاتھوں پر وہ سب کچھ ظاہر ہو جسے دُنیا کے سارے فلسفی اور سائنسدان مل کر بھی ظاہر نہ کر سکیں ورنہ کم سے کم غناء کا یہ درجہ تو اُسے ضرور حاصل ہو جائے کہ علم و اعتقاد کے درجہ میں تو ان وسائل کا موثر حقیقی نہ سمجھے اور عمل کے درجہ میں اُسے ان اسباب و وسائل سے کوئی شغف باقی نہ رہے۔ بلکہ عادت کے طور پر محض حیلہ کے درجہ میں اور وہ بھی امرِ خداوندی سمجھ کر انہیں استعمال میں لاتا رہے۔ پس پہلا درجہ توکل و غناء کا اعلیٰ مقام ہے جس میں ترکِ اسباب پر پوری قدرت محسوس ہونے لگے اور دوسرا درجہ ثانوی ہے جس میں گو یہ قدرت نہ ہو، مگر معرفت صحیح ہو جائے اور اختیار اسباب میں غلو اور انہماک باقی نہ رہے۔

بہرحال اب پوری طرح کھل گیا کہ مادہ میں بجز محتاجگی اور ذلتِ نفس پیدا کر دینے کے کوئی جوہر نہیں کہ اس کے اخلاق کی خاصیت ہی احتیاج و غلامی ہے جس کا ظہور فعلِ امساک سے ہوتا ہے اور رُوح میں بجز عزتِ نفس پیدا کرنے کے دوسرا کوئی جذبہ موجود نہیں کہ اس کے فطری اخلاق کی طبیعت ہی استغناء و غناء ہے، منشاء عزت و عظمت ہے جس کا ظہور فعلِ انفاق سے ہوتا ہے جسے صدقہ کہتے ہیں۔

اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مادی اور روحانی اخلاق ان کی زینتوں اور اُن کے خواص و آثار میں تضاد کی نسبت ہے کہ خود روح و مادہ ہی میں تضاد کی نسبت ہے۔

روح ایک لطیفۂ ربانی ہے اور جسم ایک کثیفۂ ظلمانی۔ وہ مائل بہ علو ہے، یہ مائل بہ سفل۔ وہ انسان کو عرشی بناتی ہے یہ فرشی، وہ اُسے سربلند کرتی ہے یہ سرنگوں۔ گویا ان دونوں کی مثال ترازو کے دو پلوں کی سی ہے کہ جتنا ایک کو جھکا دیا جائے دوسرا اُسی قدر اُٹھ جائے گا۔ اس لئے آپ ان مادی تصرّفات کے ذریعہ مادّی اخلاق کو جس قدر بھی قوت اور رسوخ دیں گے۔ روحانی اخلاق اسی قدر مضمحل ہوتے رہیں گے اور اسی حد تک استغناءِ نفس مٹ کر احتیاج و ذلّتِ نفس کی زنجیریں مضبوط ہوتی رہیں گی جس کو دوسری تعبیر سے یوں سمجھ لیجئے کہ روح جیسا فاضل بادشاہ جس حد تک جسم جیسے کمینہ اور بے شعور غلام کے زیرِ اثر بسر کرتا رہے گا۔ اسی حد تک اپنی ساری فرمانروائی کی عزت و شوکت برباد رہے گی اور نتیجتہً انجام کی تباہی و بربادی دونوں ہی کو گھیرتی رہے گی۔

لیکن اگر صدقہ و مجاہدہ یعنی مادیات اور مادی لذات سے بے نیازی کے ذریعہ ان روحانی اخلاق کو قوۃ و رسوخ کا موقعہ دیتے رہیں گے تو احتیاج و غلامی مٹ کر اسی حد تک استغناء و کمال کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں گی، جس سے کائناتِ بدن میں روح کی حکمرانی قائم ہو جائے گی اور بدن کا غلام ہر آن اس کے سامنے دست بستہ رہ کر محض بجا آوریِ احکام کے لئے رہ جائیگا جس سے دونوں اپنے اپنے منصبی کاموں میں بھی لگے رہیں گے۔ دونوں کی عزت بھی بقدرِ مرتبہ قائم ہوگی اور اقلیم جان بھی عدل بھی استوار رہے گا۔

سائنس محض کبھی یہ غناء پیدا نہیں کر سکتی

اور جب کہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ یہی مادی تصرّفات جن سے احتیاج اور ذلّتِ نفس کا ثمرہ پیدا ہوتا ہے۔ سائنس کا موضوع عمل ہیں اور یہی روحانی تصرّفات یعنی صدقہ و مجاہدہ جن سے استغناء و عزتِ نفس کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اسلام کا موضوع عمل ہیں تو یہ نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ سائنس تو انجام کار انسان کو ذلّتِ نفس اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور اسلام انجامِ کار اُسے عزت و فلاحِ دارین کی طرف بڑھاتا ہے۔

پہلی صورت یعنی مادّیات کا غلو اور سائنس کا بحران روح کی پامالی اور مادّہ کے غلبہ کی ہے، جس سے عزیز تو ذلیل اور ذلیل عزیز ہو جاتا ہے جو قلبِ موضوع اور دونوں کے لئے موجب ہلاکت ہے۔

دوسری صورت یعنی روحانیت کا شغل اور اسلام کا شغف روح کی سربلندی اور مادّہ کی محکومی کی ہے جس سے عزیز مسندِ عزّت پر اور ذلیل اپنی حدِ ذلّت و مقہوریّت پر باقی رہتا ہے جو عین عدل اور دونوں کے لئے دارین میں موجبِ فلاح و بہبود ہے۔ بس یہ ہے سائنس اور اسلام کی ماہیتوں کا اجمالی خاکہ جو اپنی بساطِ علم کی قدر میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے اور یہی اس تقریر کے تین مقاصد میں سے پہلا مقصد تھا جو الحمد للہ کہ اتمام کو پہنچ گیا۔

سائنس اور اسلام میں وسیلہ و مقصود کی نسبت ہے

اب اس پر غور کیجئے کہ یہ جو رنگ مادّہ ہے اور اس سے تیار شدہ بدن ایک ڈھانچہ ہے جس کی زندگی روح سے ہے اور روح اسے زندہ رکھ کر اپنے علوم و کمالات کو اسی کے ذریعہ عملاً نمایاں کرتی ہے۔ پس بدن کمالاتِ روح کے ظہور کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے۔ چنانچہ روح اپنے مقرّرہ عمل سے فارغ ہو کر جب اس مقامِ معلوم تک پہنچ جاتی ہے جو ازل سے اس کے لئے طے شدہ تھا جب ہی اس ڈھانچہ اور وسیلہ کو روح سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ پس جسم حقیقتاً فاعل نہیں بلکہ محض قابل ہے اور اصل نہیں بلکہ محض وسیلہ ہے۔ اگر اس جسم کو بالاستقلال مقصودیت کا درجہ دے دیا جائے تو یہ فی الحقیقت لاش کو مقصود بنا لیتا ہے جس کا انجام سڑنے گلنے اور دماغوں کو پراگندہ کرنے کے سوا کچھ نہیں اور جب کہ سائنس کا موضوع محض یہ جسمانیات اور مادّی چیزیں ہی ہیں اور مادّیات ڈھانچہ اور وسیلہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، تو خود بخود حل ہو گیا کہ سائنس کے تمام کرشمے بھی اصولاً وسائل سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھ سکتے اور جب کہ اسلام کا موضوع بالاصالۃ روحانیت اور روحانی افعال ہیں اور روح اصل ہے تو یہ بھی خود ہی واضح ہو گیا کہ اسلام کے تمام امور بھی مقصودیت کے درجہ سے کسی طرح نہیں گر سکتے۔
ان دونوں صورتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ صاف نکل آتا ہے کہ جیسے بدن روح کے لئے وسیلۂ عمل ہے ایسے ہی سائنس اصولی طور پر اسلامی کارناموں کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ اور محض ڈھانچہ ہو گی جس کی زندگی اور روح اسلامی اخلاق و افکار اور اسلامی اقوال و افعال ہوں گے۔ اگر یہ روح اس ڈھانچہ میں نہ ہو تو یہ پوری سائنس اور اس کی

تشکیلات ایک لاشہ ہوں گی جس کا انجام بجز پھولنے پھٹنے اور سڑ گل کر صحیح دماغوں اور سچے قلوب کو پراگندہ کرنے اور صاف فضاء کو خراب کر دینے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ایسی ہی سائنس جس کا حاصل تعیش محض اور عناصر اربعہ کے خزانوں کو بلا دینی روح کے استعمال میں لانا ہے اور جسے اصطلاح میں دُنیوی زندگی پکارا جاتا ہے۔ قرآن کی زبان میں لاشۂ بے جان اور چند دن اپنی سطحی چمک دمک اور زینت دکھا کر خاک کا ڈھیر ہو جانیوالا لاشہ ہے جس پر حقیقت سے بے بہرہ لوگ ہی ریجھ سکتے ہیں۔

ارشادِ حق تعالےٰ ہے:۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔

"تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو و لعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ تبلانا ہے جیسے مینہ کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تُو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے"۔

اس غیر ضروری تعیش یا تعیش محض اور جمع وسائل کا نام اسلام کی زبان میں دنیا ہے۔ جس کے دلدادہ کو احمق اور بے وقوف کہا جاتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:۔

اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ۔

"دُنیا گھر والے کا گھر ہے اور اس کی جمع پر وہی پڑے گا جس میں عقل کا نشان نہ ہو"۔

بہر حال حسّی، عقلی اور نقلی طور پر یہ واضح ہو گیا کہ جس طرح جسم اور مادہ روح کے لئے وسیلۂ عمل ہیں خود مقصود اصلی نہیں۔ اسی طرح مادی تصرّفات جن کا نام سائنس ہے، روحانی تصرّفات کے لئے جن کا نام اسلام ہے، اصولاً محض وسیلہ اور ذریعہ کا درجہ پیدا کر سکتے ہیں خود مقصودیت کی شان کبھی نہیں پیدا کر سکیں گے۔

اور ظاہر ہے کہ جب سائنس وسائل میں سے ہوئی تو پھر یہ ایک عقلی اصول ہے کہ وسیلۂ مقصود کی ضرورت سے اختیار کیا جاتا ہے اور اسی حد تک اختیار کیا جاتا ہے جس حد تک مقصود میں معین ہو یعنی بقدرِ ضرورت ورنہ بالاصالۃ اس میں انہماک رکھنا اس میں مقصودیت کی شان قائم کرنا ہے جو قلبِ موضوع اور خلافِ عقل ہے۔ اس لئے

عقلاً ہی یہ بھی واضح ہوا کہ مقصود اصلی یعنی دین سے جدا رہ کر سائنس محض میں انہماک پیدا کرنا کوئی عاقلانہ فعل قرار نہیں پا سکتا بلکہ اسے وسیلہ کی حد تک اور بمقدار ضرورت ہی اختیار کرنا دانائی ہو گی۔

اسی لئے دنیائے سائنس اور محفل چار عناصر کے تصرفات کو اسی حد تک حاصل کرنے کی اجازت زبانِ نبوی پر دی گئی ہے جس حد تک مذہبی مقاصد میں ان کی ضرورت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے :۔

اعمل للدنیا بمقدار بقائك فیھا واعمل للاٰخرۃ بمقدار بقائك فیھا۔ "دُنیا کے لئے اتنا کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا کرو، جتنا وہاں رہنا ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ سائنس کا درجہ وسیلہ کی حد سے آگے نہیں بڑھتا کہ اس کا معمول اصلی مادہ ہے اور مادہ روح کے لئے محض وسیلہ ہے اور اسلام کا درجۂ مقصودیت سے گر نہیں سکتا کہ اس کا معمول اصلی روح ہے اور روح مادہ کے لئے اصل مقصود ہے۔

اس تقریر سے الحمد للہ پوری طرح "سائنس اور اسلام" کی درمیانی نسبت بھی واضح ہوگئی اور کھل گیا کہ ان میں وسیلہ و مقصود کی نسبت ہے جو موضوعِ تقریر کا دوسرا مقصد تھا اور جس کا حاصل یہ ہے کہ سائنس کے کارنامے جب تک مذہب کے لئے بطورِ وسیلہ استعمال ہوں گے، خواہ وہ ترقی کی کسی حد پر ہی پہنچ جائیں ان کا انجام خوش کن ہو گا اور جب تک اس سے جدا ہو کر خود مقصودیت کی شان لے لیں گے، یعنی روحانیت ترک ہو کر مادیت محضہ مقصود کی جگہ لے لیگی، خواہ وہ کم سے کم بھی ہو، جب ہی انجام خطرناک اور ذلت آمیز نکلے گا۔

سائنس اور اسلام کی حقیقتوں کا تقاضہ ہم پر کیا ہے؟

اسی سے آپ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ آپ کی ترقی کا میلان کیا ہونا چاہیئے؟ جس کے شور سے آج فضاءِ دُنیا گونج رہی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی وہی عقل سلیم کر سکتی ہے جس نے ان میں سے ایک کو وسیلہ اور ایک کو مقصود باور کرایا ہے کہ آیا ترقی وسائل میں کی جاتی ہے یا مقصد میں؟ اور ترقی کی دوڑ راستہ کے لئے ہوتی ہے یا منزلِ مقصود کے لئے؟

پس اگر سائنس وسیلہ ہے اور بشہادۃ عقل و نقل ضرور ہے، جیسا کہ ثابت ہو گیا تو

پھر عقل ہی کی شہادت سے وہ کبھی مطلقاً میدانِ ترقی بھی قرار نہیں پا سکتی کہ وہ تو راہِ محض ہے، منزلِ مقصود نہیں۔ اور اگر اسلام مقصودِ اصلی ہے اور ضرور ہے جیسا کہ عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے تو اسی کو دوڑنے اور ترقی کرنے کا میدان بھی بنایا جا سکتا ہے کہ وہ راہ محض نہیں، شہر مطلوب ہے جس میں پہنچنے کے لئے ساری جد و جہد تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے ترقی کو روکا نہیں بلکہ انسان کو دنیا میں بھیجا ہی ترقی کرنے کے لئے ہے۔ ہاں وسائل میں ترقی کرنے کو اضاعتِ وقت کہا ہے اور مقاصد میں جس کا عنوان خیرات و مبرات رکھا ہے، ترقی کرنا نہ صرف روا ہی بتلایا ہے بلکہ ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔ ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے:-

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ؕ

"ہر قوم کیلئے ایک قبلہ مقصود ہے جسکی طرف وہ رُخ کرتی ہے سو تم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں سبقت کرو۔"

دوسری جگہ نعیم آخرت کا ذکر فرما کر جو تمام خیرات و مبرات کا مقصودِ اصلی ہے ارشاد فرمایا ہے:-

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۔

"اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہیئے۔"

پس ایک جگہ سبقتِ باہمی اور ایک جگہ حرصِ باہمی کے عنوان سے مسلمانوں کو ترقی کے لئے اُبھارا گیا اور مامور کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ترقی اسی میدان کی ہے جس کی فطرتاً ہونی چاہیئے یعنی مقاصد کی۔ کیونکہ وسائل میں ترقی، ترقی نہیں بلکہ بے عقلی ہے۔ اس اصولی حقیقت کے پیشِ نظر اب آپ اپنا جائزہ لیجئے کہ آپ نے کس طرح اس موضوع کو اُلٹ دیا ہے۔ مقصود کو وسیلہ اور وسیلہ کو مقصود، بادشاہ کو غلام اور غلام کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ اسلام کو تابع محض، اور رسمی و اسمی کر ڈالا ہے اور سائنس کو مقصودِ حقیقی اور مطلوبِ اصلی قرار دے لیا ہے۔ پھر ساتھ ہی اس کے انجامِ بد کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ان حالات میں یہ مادہ کا کمینہ غلام آپ کو حرمان و خسران کے کس گڑھے میں لے جا کر گرائے گا۔ جیسا کہ اب تک اقوام کو گراتا آیا ہے۔ اللہ کے نذیرِ مبین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خالص نمائشی کرّ و فر اور مادیات کی اسی چمک دمک پر جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں زینت اور زہرۃ ہے، خوف کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:-

وَاللّٰہِ مَا اَخشیٰ علیکم الفقر ولٰکن مما اخشیٰ علیکم من بعدی زھرۃ الدنیا تفتح علیکم فتھلککم کما اھلکتھم۔

"خدا کی قسم مجھے اپنے بعد تم پر فقر و فاقہ پڑ جانے سے کوئی خوف نہیں، خوف ہے تو اس کا کہ میرے بعد تم پر دنیا کی چمک دمک کھلے گی اور تمہیں اس طرح ہلاک کر ڈالیگی جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کیا ہے۔"

مادیاتِ محضہ کی مضرتیں

ہاں مادیات کی یہ ہلاکت آفرینیاں پہلے علم کے میدان میں قدم جماتی ہیں جس سے اعتقادات بگڑتے ہیں اور پھر عمل کے میدان میں چھا جاتی ہیں جس سے ہمتِ عمل ختم ہو جاتی ہے۔ علمی میدان میں اس طرح کہ مادیات خود بے شعور ہیں۔ چنانچہ آگ، پانی، ہوا، مٹی میں سے کوئی ایک مادہ بھی عقل و ہوش نہیں رکھتا ورنہ انسانوں کے ہاتھ میں اس طرح سے بے بس ہو کر مسخر نہ ہوتا اس لئے ان جہالت کے کھلونوں سے رات دن کھیلنا ظاہر ہے کہ جہل سے آگے نہیں بڑھا سکتا۔ نیز یہ مادیات چونکہ خود محسوسات کی انواع ہیں اس لئے ان کا دلدادہ انسان زیادہ سے زیادہ حس ہی کی گہرائیوں تک رسائی پا سکتا ہے اور حس کا تعلق حواسِ خمسہ آنکھ، ناک اور کان وغیرہ سے ہے۔ اس لئے ایک چشم و گوش کا بندہ مشاہدات چشم و گوش ہی میں گھرا رہتا ہے۔ علومِ قلب، علومِ ارواح اور علومِ حقائق تک اس کی رسائی ہونے ہی نہیں پاتی اور ظاہر ہے کہ حس علم کی راہ سے آدمی ناواقفِ محض ہو اور ناواقفی کے ساتھ اُدھر کا رُخ بھی کرے تو اس کا مبلغِ پرواز بجز اوہام و خیالات اور شکوک و شبہات کے علوم و معارف کب ہو سکتے ہیں۔

اس لئے مادی انسانوں کو روحانی میدان میں شکوک و شبہات ہی گھیرے رہتے ہیں، جو درحقیقت مادیات میں انہماک و شغف رکھنے کا ایک معمولی ثمرہ ہے۔ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ روحانیت کی طرف رجوع کر کے جو منشارِ علوم و ادراکات ہیں قلب میں علم کی شمع روشن کی جائے جس سے اوہام و وساوس کی یہ اندھیریاں رفع ہوں۔

طلبائے یونیورسٹی کو خطابِ موعظت

مگر مجھے معاف کیا جائے اگر میں نیاز مندان طریق پر یہ عرض کروں کہ آج مسلمانوں

ہیں اور آپ بُرا نہ مانیں تو آپ جیسے نئی ذہنیت کے افراد میں اس علمی اور عرفانی روشنی کا سرے سے ہی پتہ نہیں ملتا جو شکوک و شبہات کا تریاق اور وساوس و اوہام کا بدرقہ ہے بلکہ قلوب میں رَیب و ارتیاب اور تحیّر نے جگہ پکڑ کر اصل حقیقت ہی سے بیگانہ بنا دیا ہے اور جب کہ ایمان کی وہ شفاف روشنی جو ظلماتِ جہل اور جہل سے پیدا شدہ شبہات کو دفع کرتی ہے اور مشاہدۂ حق کی وہ تجلی ریزی جو ہر سوال کا جواب خود ہی بنتی ہے۔ قلوب میں یبوست ہی نہیں تو محض علمی تعبیرات سے آپ قلوب کو کب تک بہلاتے رہیں گے۔

یہ علمی عجائبات جو تقریروں کے ذریعہ آپ سننا چاہتے ہیں، اس وقت کا مشغلہ ہیں جب کہ اصلِ علم کا راس المال ہاتھ میں ہو، یہاں اپنے ایمان ہی کی خیر نظر نہیں آتی، تا بہ اسلام و عمل چہ رسد ؟

مادیات کی مضرتیں رفع کرنے کا طریقہ

اس لئے میری صلاح تو یہ ہے اور نہ میری صلاح بلکہ اسلام کی حقیقت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ میرے عزیز بھائی اوپر کی ٹیپ ٹاپ اور مرہم پٹی کو چھوڑ کر اُس مادۂ فاسد کا تنقیہ کریں جو مادّی سائنس کے غیر ضروری انہماک اور لغو نے پیدا کر دیا ہے اور فلسفیۃ کے علم نما جہل نے اس کی آبیاری کی ہے۔ ان حالات میں اُن کا فرض ہے کہ وہ جسم کے بجائے روح کو اُبھرنے کے قابل بنائیں کہ وہ ہی انسان میں علم کا منبع ہیں جس کی پہلی کڑی یہ ہے کہ ہوا ر نفسانی اور مادّی خواہشات کے بے شمار مقاصد سے ذرا ایک طرف ہو کر اس منبع جود و کمالِ ذاتِ حق کی طرف رجوع کریں جس سے علم و معرفت کی روشنی چلتی اور شبہاتِ وساوس کی دنیا کو تنگ بنا دیتی ہے۔

استحکامِ توحید

گویا دوسرے لفظوں میں تعدد مطالب یا شرک کو چھوڑ کر توحید پر استقامت اختیار کی جائے جو اسلام کی روح اور اصلِ اصول ہے۔ اس کی تدبیر بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ کلمۂ توحید کو بار بار اور بکرات و مرات دوہرایا جائے تاکہ قول کا اثر قلب پر پڑے اور توحید راسخ ہو۔ ارشادِ نبوی ؐ ہے :- جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ پھر اس

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں ایک توحیدِ ذات ہی کا تصور نہ کریں بلکہ توحیدِ صفات کا دھیان بھی اسی کلمہ سے کریں۔ یعنی اللہ کے سو ناموں یا سو صفات کی توحید بھی اسی کلمہ سے حاصل کریں۔ گویا اُلوہیت کا اثبات ونفی اس ترکیب سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسی ہی رحمانیت، نافعیت ضاریت وغیرہ کا اثبات ونفی بھی اس طرح کیا جائے۔ لا رحمٰن الا اللہ لا مالک الا اللہ لا نافع الا اللہ لا ملک الا اللہ۔ وغیرہ ظاہر ہے کہ اس طور پر جب قلب میں یہ ذہن نشین ہو جائے گا کہ مالک بھی ایک وہی ہے نافع بھی وہی اور ضار بھی وہی ہے عظمت و جبروت والا بھی وہی ہے اور ذوالجلال والاکرام بھی ایک وہی ہے تو اس کا قدرتی ثمرہ یہ ہوگا کہ قلب سے سب عظمتیں مِٹ کر صرف ایک ذاتِ واحد کی عظمت رہ جائے گی اور یہی کسوٹی اور یک رُخی قلب کی قوت ہے۔ ایک غلام دو آقاؤں کو بیکدم خوش نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہمیشہ متفکر متردد اور مذبذب رہے گا جس سے قلب میں کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ لیکن جو اس یقین پر ہے کہ میرا ایک ہی آقا ہے اور وہ بھی ایسا جو علی الاطلاق ہر چیز کا مالک ہے اور اس پر قابض و متصرف ہے تو وہ متردد رہنے کے بجائے متیقن اور مطمئن ہو جائے گا اور یقین و اطمینان ہی قوتِ قلب کی بنیاد ہے جس سے اس کی قوتِ فکری سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے اور پھر اُس سے عجائباتِ فکر اور غرائب علوم پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی بصیرت و معرفت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی قوتِ یقین کے ماتحت حضرات صحابہ اور سلف کے وہ محیّر العقول کارنامے ہیں جنہوں نے متمدن دُنیا کو آج تک حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

ان کی ترقیات اور طوفانی کارنامے روپیہ پیسہ اور دھن دولت کے رہینِ منّت نہ تھے بلکہ دولتیں خود ان کے کارناموں سے بنتی اور بگڑتی تھیں اس لئے سب سے پہلے اپنے توحیدی اعتقاد درست کیجئے کہ یہی ہر خیر و کمال کی بنیاد ہے۔

یادِ حق اور اُس کا ابتدائی آسان طریقہ

ہاں پھر اس توحیدی فکر کو پختہ اور راسخ کرنے کے لئے طمانیتِ قلب کی حاجت ہے۔ ورنہ وساوس وخطرات اور تشویشاتِ فکر اس صاف حقیقت پر قائم نہیں رہنے دیں گے۔ اس لئے قرآن کریم نے طمانیتِ قلب پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ فرمایا کہ :-

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ " یاد رکھو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں "
اس سے مقصود ذکرِ قلبی ہے۔ مگر ذکر قلب راسخ نہیں ہوتا جب تک کہ زبان سے اُس کا بار بار تکرار نہ کیا جائے۔ چنانچہ طالب علم اپنے سبق کو قلب میں محفوظ کرنے کے لئے زبان ہی سے اس کو بار بار دوہراتا ہے اور رٹتا ہے۔ اس لئے اوّلاً زبان کو ذاکر بنانا چاہیئے تاکہ قلب ذاکر بن جائے اور یہ ایمان و توحید دل میں اپنی جڑیں چھوڑ دے اور قلب اس پر قانع اور مطمئن ہو جائے۔ اسی لئے شریعت نے ذکرِ حق کی مختلف صورتیں تجویز کی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج اُن کا استعمال تو بجائے خود رہا اُن کا علم تک بھی مسلمانوں اور اس طبقہ کو نہیں ہے جو تعلیم یافتہ کہلاتا ہے۔

شریعت نے سب سے پہلے فرائض رکھے جو ذکر اللہ کا اعلیٰ منظر ہیں اور ہر چھوٹے بڑے پر لازم کئے۔ اس لئے فرائض علوم و صلوٰۃ وغیرہ کی پابندی کیجئے۔ پھر اوقاتِ مخصوصہ کی دعائیں یاد رکھیں تاکہ چلتے پھرتے بھی خدا کی تسبیح و تہلیل آدمی کی زبان پر جاری رہے اس لئے اس قسم کے اذکار کو یاد کرنے کی فکر کیجئے۔ پھر مختلف مواقع کلام کے محاورے اسلامی زبان نے ایسے رکھے ہیں کہ ان میں بلا ارادہ بھی ذکر اللہ زبان پر جاری رہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، جَزَاکَ اللّٰہُ، اِنَّا لِلّٰہِ، مَاشَاءَ اللّٰہُ، اِنْشَاءَ اللّٰہُ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اِلَّا اللّٰہ، سبحان اللّٰہ۔ وغیرہ۔ آپ کی زبان کے رات دن کے محاورے ہیں۔ اگر آپ استعمال کریں اور اغیار کی زبانوں سے شغف پیدا نہ کریں۔ آپ کی زندگی کا کوئی ایسا کام جس سے کلام کا تعلق ہو ایسا نہیں ہے جس کے متعلقہ کلام میں اللہ کا نام داخلِ محاورہ نہ ہو۔

گویا اسلامی معاشرت میں رہ کر کلام کرنے والا بے ارادہ بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے پر مجبور ہے۔ لیکن آج مسلمان اپنی دینی زبان سے جس کی بدولت وہ ارادہ و بے ارادہ ہر وقت خدا کا نام لینے کی توفیق پاتے تھے، نہ صرف بے پرواہ ہی ہیں بلکہ اس کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ اسلام نے عربیت اور عربی محاورے قائم رکھنے پر اسی لئے کافی زور دیا تھا کہ زبان کا اثر تہذیب، کلچر، تمدن اور عام احوالِ زندگی پر پڑتا ہے۔ چنانچہ انگریزی اقتدار کے وقت کے علمائے وقت اور خصوصًا اکابرِ دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کی فہمائش کی تھی کہ وہ اپنی عربیت کو تھامے ہوئے

غیر زبان کی ترویج و تقویت پر اس ذوق و شوق سے زور نہ دیں کہ وہی زبان ان کی بنیاد اور قبلۂ مقصود بن جائے مگر مسلمانوں نے ان مبصروں کا کہنا نہ مانا اور بالآخر آج وہ اس کے نتائج بد سے دوچار ہوئے کہ ان کی تمدنی صورت و سیرت ہی مسلمانوں جیسی نہ رہی، چہ جائیکہ ان کا علمی دین اصلی رنگ میں محفوظ رہتا۔

بہرحال رجوع کے لئے کسی وقت کی تخصیص نہیں۔ اگر آپ پوری تندہی سے آج ذکر اللہ کے پابند نہیں ہوسکتے تو کم از کم عربیت کو زبان ہی کی حیثیت سے باقی رکھنے کی سعی کیجئے اور اس کے دینی محاورات ہی کو زبانِ زد کرتے رہیئے تاکہ اسی بہانہ سے خدا کا نام زبانوں پر جاری رہے۔ نامِ حق کی یہ زبانی مشق اگرچہ بے ارادہ بھی ہو پھر بھی انشاء اللہ قلوب میں ایک حد تک ذکر اللہ کو قائم کرتی رہے گی۔

صحبتِ صُلحاء اور اہلِ اللہ سے رابطہ

مگر ان امور کی توفیق اس کے بغیر مشکل ہے کہ اسبابِ توفیق بھی اس کے ساتھ جمع کئے جائیں اور ان میں مؤثر ترین سبب سچوں کی صحبت و معیت ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کی معیت اختیار کرو۔"

چنانچہ صحبت یافتہ جاہل بعض اوقات غیر صحبت یافتہ عالم سے بدرجہا زائد مقاصدِ دین کو سمجھتا ہے اور دینی رنگ سے رنگین اور متمتع ہوجاتا ہے۔ اس لئے اہلِ علم اور اہلِ اللہ کے پاس آمد و رفت کو ایک مستقل مقصد کی حیثیت سے قائم رکھئے۔ بردِ یقین اور ثلجِ صدر استدلال سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اکبر نے خوب کہا ہے ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

آگے حصولِ یقین و دین کی تدبیر کے بارہ میں کہتا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے ڈر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس لئے میں نیازمندانہ التماس کروں گا کہ میرے عزیز بھائی اہلِ اللہ اور اہلِ دین سے بیگانے نہ رہیں، بلکہ اُن سے وابستگی پیدا کرنے کی صورتیں نکالیں تاکہ انہیں دولتِ دین و یقین حاصل ہو اور شکوک و شبہات یا تردّدات کا مادۂ فاسدہ ختم ہو جائے۔ ورنہ محض تقریروں اور وہ بھی ایسے کلّی مسائل کی تقریروں سے جو خالص علمی حقائق پر مشتمل ہوں، اصلاحِ نفوس کی راہیں استوار نہیں ہوتیں۔ یہ اس وقت کا مشغلہ ہے جب ذوقِ یقین سے قلب معمور ہو چکے ہوں دین کا رنگ قوتِ عمل اور صحبتِ صلحاء ہی سے قلوب پر چڑھ سکتا ہے۔ پس آپ حضرات کا فریضہ ہونا چاہیئے کہ مادیت کے اس ہجوم میں روحانیت کو فراموشِ محض نہ کر ڈالیں۔

خلاصۂ بحث

بہرحال اس تقریر سے اسلام کی حقیقت اور اس کی غرض و غایت بھی واضح ہو گئی کہ وہ انسان کو روحانی میدان میں دوڑا کر اُسے دائمی رفعت و عزت اور طمانیت و بشاشت کی منزل تک پہنچا دیتا ہے کہ دائمی رفعت و عزت روحانیت ہی میں ہے اور پھر ساتھ ہی سائنس کی حقیقت اور اس کی غرض و غایت بھی سامنے آ گئی کہ وہ انسان کو مادی میدانوں میں چھوڑ کر انجامِ کار اسے ذلت و خسروان کی طرف دھکیل دیتی ہے کہ محض مادّیات کا انجام فنا و ذلّت کے سوا کچھ نہیں اور آخر کار ایک سائنس زدہ نہ اپنے مادّی منافع ہی کو باقی رکھ سکتا ہے اور نہ اُسے روحانی منافع ہی نصیب ہوتے ہیں۔ نیز "سائنس اور اسلام" کی باہمی نسبت بھی واضح ہو گئی کہ ان میں وسیلہ و مقصود کی نسبت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک سائنس کے کارنامے مذہب کے لئے خادم اور ذریعۂ تحصیل نہ بنیں گے اُن کا انجام خوش کن نہ ہو گا اور اسی کے ساتھ بطورِ ثمرہ یہ مقصد بھی حل ہو گیا کہ جب اسلام مقصود ہے اور سائنس اُس کا وسیلہ تو اسلام کی مقصودیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ترقی کا میدان اسلام کو بنایا جائے نہ کہ سائنس کو کہ ترقی ہمیشہ مقاصد میں کی جاتی ہے نہ کہ ذرائع اور وسائل میں یعنی سائنس کے معمولات اسی حد تک اختیار کئے جائیں جس حد تک اسلام کو ان کی ضرورت ہے۔

مباحثِ تقریر کا ربط حدیث زیبِ عنوان سے

یہی وہ مقاصد سہ گانہ تھے جن کی تشریح کا حدیث زیبِ عنوان کے دائرے میں

رہتے ہوئے میں نے ابتدار تقریر میں وعدہ کیا تھا کہ الحمد للہ ان مقاصد کی ایک حد تک توضیح وتشریح ہو چکی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان مقاصد کی اس طولانی بحث کو سمیٹ کر اور حدیثِ عنوان پر منطبق کر کے یہ واضح کروں کہ تقریر کی یہ تمام تفصیلات جو عرض کی گئی ہیں اسی حدیث کے چند جامع اور بلیغ جملوں کی شرح ہیں اور صرف اسی کی تعبیرات سے مستنبط ہیں۔

سو یہ غور سنئے کہ اس حدیث کی ابتدار میں اوّلاً تو ملائکہ کے سوال پر عناصرِ اربعہ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جو عالم کا مادہ اور اس کے موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات، حیوانات) کی اصل ہے جن سے یہ دُنیا پیدا کی گئی ہے۔

پھر یہ تذکرۂ عناصر ایک ایسے بلیغ پیرایہ میں فرمایا گیا کہ ان کے شدّت وضُعف کے باہمی مراتب پر بھی ایک سیر حاصل روشنی پڑ گئی ہے کہ ان میں سے مثلاً مٹی سب سے زیادہ ضعیف ہے اس سے قوی لوہا ہے جو اجزارِ ارضیہ میں سے ہے اس سے اشدّ آگ ہے۔ اس سے اشدّ پانی ہے اور اس سے اشدّ ہوا ہے۔ یہ بیان قال نعم الرّیح تک چلا گیا ہے۔

پھر ان مادّی عنصروں سے منتقل ہو کر ان کے مرکب موالید کی طرف رُخ فرماتے ہوئے موالید کے اعلیٰ ترین جزو انسان کی طرف توجہ فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ ان سب سے زیادہ اقویٰ اور اشدّ انسان ہے جس کا ذکر قال نعم ابن آدم کے جملہ سے فرمایا گیا ہے جیسا کہ میں نے انسانی افعال دکھلا کر واضح کر دیا ہے کہ انسان ہی وہ نوع ہے جس کے اشاروں پر تمام مادیات اور سارے ہی موالید ناچ رہے ہیں۔

پھر ان مادّیات سے منتقل ہو کر روحانیت کی طرف حدیثِ مبارک کا رُخ ہُوا اور بتلایا گیا کہ ابنِ آدم علی الاطلاق اشدّ اور اقویٰ نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ روحانی بنے اور مادّی نہ رہے۔ یعنی مادّیات کو ترک کرتا ہو جس کا بیان تصدّق صدقۃً میں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ صدقہ ہی ترکِ ماسوا یا ترکِ مادّیات کا نام ہے۔

پھر روحانیت سے منتقل ہو کر روح کے بھی اعلیٰ مقامات تجردِ خالص اور غوائل نفسانیہ سے برأت اور کثافتِ اخلاق سے پاکی، پھر لطافتِ اخلاق سے آراستگی کی طرف حدیث کا رُخ ہُوا اور بتلایا گیا کہ انسان کا محض صدقہ دے دینا یا مادّیات سے انقطاع کر لینا بھی

کوئی چیز نہیں جب تک کہ اس میں خلوص اور قطعِ ریا، نہ ہو اور اسی کا نام اخفاءِ صدقہ ہے جس کا بیان یُخۡفِیۡہَا میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی محض صدقہ دہندہ سے وہ مخلص صدقہ دہندہ قوی اور شدید ہوتا ہے جس کے صدقہ میں ریا، و نمود کا دخل نہ ہو۔ گویا یہ صدقہ با ترکِ مادیات محض حسبۃً للہ ہو اور یہ مُتصدق بجائے مادّی ہونے کے روحانی بن کر صدقہ دے رہا ہو۔

پھر فرمایا گیا کہ مخلوق سے چُھپا کر صدقہ کرنا بھی قوت و شدّت کے لئے کافی نہیں جبکہ خود اپنے نفس سے بھی اس کو مخفی نہ رکھا جائے۔ یعنی اس میں خود بینی اور اعجاب و ناز بھی شامل نہ ہو اور خود اپنے نفس میں اس کو کوئی چیز بھی نہ سمجھ رہا ہو۔ گویا صدقہ دہندہ نفسانی ہونے کے بجائے خالص ربّانی بن کر صدقہ کرے تو وہ تمام عناصرِ اربعہ، تمام موالید، تمام انسانوں، تمام صدقہ دہندہ انسانوں، پھر تمام مخلص اور بے ریا، صدقہ دہندوں سے بھی اشدّ و اقویٰ ہو گا۔ اسی مقام کی طرف یُخۡفِیۡہَا عَنۡ شِمَالِہٖ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس درجہ مخفی صدقہ ہو کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور کیسے دیا ؟

پھر ظاہر ہے کہ استغنا، اور ترک کی یہ کامل شان کہ آدمی نے دُنیا ہی کو نہیں خود اپنے نفس کو بھی چھوڑ دیا ہو۔ جب کہ دُنیا اور اپنے نفس کے دکھاوے کے لئے نہیں، تو ظاہر ہے کہ بجُز خدا کے اور کس کے دکھلانے کے لئے ہو سکتی ہے اور جبکہ خدا کے لئے ہونے یعنی اس کامل للّٰہیت نے یا بالفاظِ دیگر صدقہ کی نسبت خدا کی طرف ہو جانے نے اس ضعیف البنیان صدقہ دہندہ میں وہ غیر معمولی طاقت پیدا کر دی کہ اس نے ساری مادّیات اور اس کے عناصر و موالید کو مسخر کر لیا۔ تو اس سے صاف واضح ہو گیا کہ حقیقتاً قوی مطلق اور شدید مطلق صرف خدا ہی کی ذات ہے اور یہ کہ اسی کی طرف دوڑنے یا اسی کی سی نسبت پیدا کرنے میں ساری قوتیں اور شدتیں پنہاں ہیں۔

اُدھر حدیث ہی کی ترتیب بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قوت و طاعت بقدر لطافت ہوتی ہے۔ تو یہ بھی حدیث ہی کی دلالت سے نکل آیا کہ جو خدا قوت و طاقت اور شدّت کا مخزن ہے وہی لامحدود لطافت کا بھی مخزن ہے۔ چنانچہ اس کی لامحدود لطافت کا یہ عالم ہے کہ اسے نگاہیں بھی نہیں پا سکتیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ "اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے"

اس لئے حدیث سے گویا یہ اصول بھی مستنبط ہو گیا کہ قوی و متین صرف اللہ کی ذات ہے، پھر جو اس سے مناسبت پیدا کرے وہ بقدرِ مناسبت قوی ہو جاتا ہے اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ مادیات سے ہٹ کر روحانیت کی طرف آنا ہے جس کا طریق صدقہ ہے۔ چونکہ مخلص متصدق ہو بلا اعجابِ نفس اور بلا ریاءِ خلق صدقہ دے رہا ہے اس سے کامل مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ اس لئے وہی کامل لطافت کا حامل اور سب سے بڑھ کر طاقت ور ہو جاتا ہے۔

مباحثِ حدیث کے لطیف نتائج

بہرحال حدیث کے اس مرتّب بیان سے کہ ہر کثیف کو پہلے بیان کیا اور ہر لطیف کو اس کے بعد اور پھر ہر پچھلے کو پہلے سے اشدّ اور اقویٰ فرمایا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ معیارِ شدّت و قوت یہ وصف لطافت ہی ہے اور اس کی ترتیب طبعی یہی ہو سکتی تھی کہ مٹی سے لطیف لوہا، لوہے سے لطیف آگ، آگ سے لطیف پانی، پانی سے لطیف ہَوا، ہَوا سے لطیف انسان۔ عام انسانوں سے لطیف تارک الدنیا اور عام تارکینِ دنیا سے لطیف وہ تارک مخلص اور زاہد بے ریا انسان ہے، جس کا قلب شواغلِ دنیا سے پاک، مادیات کی محبّت سے بالاتر، مادی کثافتوں سے نفور اور روحانی لطافتوں کا محور ہو۔ گویا وہ روحانی اور ربّانی انسان ہی کامل لطافت کے حامل بن سکتے ہیں۔ جو بدن کے پالنے میں منہمک نہ ہوں بلکہ روحوں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہوں اور مادّی تصرفات کے بجائے روحانی اعمال ان کا شعار بن گئے ہوں۔

لطافتِ رُوح مذہبی بننے میں مُضمر ہے

اور یہ سب جانتے ہیں کہ ربّانی بننے کے طریقے اور روحانی شعائر برپا کرنے کے ڈھنگ سکھلانا مذہب کا موضوع ہے نہ کہ سائنس کا۔ اس لئے اسی حقیقت کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ لطیف تر اور قوی تر انسان وہی ہو سکتا ہے جو مذہبی

ہو اور حس کا اوڑھنا اور بچھونا مذہب ہی مذہب ہو چکا ہو۔ اس لئے حدیث سے جہاں
قوت و شدت کا معیار مستفاد ہوا کہ وہ لطافت ہے۔ وہیں حصولِ لطافت کا طریقہ بھی
مستفاد ہوا کہ وہ مذہب ہے جو روحانیت کو مستحکم کر کے لطافت پیدا کر دیتا ہے اور اس
طرح رُوح بادشاہ ٹھہر جاتی ہے جو اس کا حقیقی منصب ہے۔ نفس اس مملکت کا خاکروب
ٹھہرتا ہے جو تقویٰ کے وسیلہ سے سیّئات کا کوڑا کرکٹ صاف کرے چوریاں اور ڈکیتیاں
کرتا نہ پھرے۔ عقل اس کا وزیر ٹھہر جاتی ہے جو مفید مشورے دے۔ وحیِ الٰہی اس کا حتمی
قانون ٹھہر جاتی ہے جس سے راہ ملے اور اس طرح روح کی منتظم حکمرانی سے روحانیت
کا عدل چار دانگ اقلیم بدن میں پھیل جاتا ہے۔ چور اور ڈاکو مقید ہو جاتے ہیں جن سے
بدامنی پھیلتی تھی، پھر ایسے مامون اور مضبوط ملک میں جس کا فرمانروا بیدار، وزیر دانشمند،
قانون روشن اور عدل و انصاف کے سبب پوری اقلیم منظم ہو، نہ تو بیرونی دشمن کو حملہ کی ہمت
ہوتی ہے کہ اس اقلیم میں گھس کر فتنہ و فساد مچائیں اور نہ اندرونی خائنوں اور چوروں کو جرأت ہوتی
ہے کہ بدنظمی پھیلائیں۔ بیرونی دشمن یعنی شیطان کے بارہ میں تو قرآن نے فرمایا کہ :۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

"یقیناً اس (شیطان) کا قابو اُن لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

اندرونی دشمن یعنی نفس امارہ کے بارہ میں فرمایا کہ وہ اپنی سرکشی چھوڑ کر خود ہی قانون کے
تابع ہو جاتا ہے اور اسی پر مطمئن اور راضی بن جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔

"اے اطمینان والی رُوح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اسطرح سے کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔"

اسلام کی بنیادی حقیقت

اب اس تمام مضمون کا حاصل یہ نکل آتا ہے کہ یہ سارا عالم دو حصوں میں تقسیم شدہ ہے۔
مادیت اور روحانیت یا "سائنس اور اسلام"، اسلام اور روحانیت کی بنیاد بفحوائے حدیث
دو اصولوں پر ہے۔ ایک ترک ماسوی اللہ جسے صدقہ سے تعبیر کیا گیا اور ایک اخلاص، جسے
اخفاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلے اصول کا حاصل یہ ہے کہ خدا کے سوا دنیا ہو یا اپنا نفس اور ہوائے
نفس سب کی وہ الفت قلب سے نکال پھینکنا جو الفتِ حق میں خلل انداز ہو اور دوسرے

اصول کا حاصل یہ ہے کہ اس ترک ماسویٰ میں خالص اُسی ایک محبوب حقیقی کے راضی کرنے کا جذبہ کام کر رہا ہو جو اس ارض وسماء کی محفل کا خالق ہے۔ اسی یادسے میں نہ خود بینی ہو نہ خود نمائی نہ خودی ہو نہ خود ستائی۔

سائنس کی جڑ بنیاد کیا ہے؟

اس کے بالمقابل سائنس کی بنیاد جو اسلام کے متقابل ہے خود بخود ان دو اصولوں کی ضدوں پر نکل آتی ہے۔ ترکِ ماسویٰ کی ضد حبِ ماسوا ہے اور اخلاق کی ضد نفاق ہے۔ حُبِ ماسویٰ کا حاصل یہ ہے کہ ہر غیر اللہ اور ہر باطل کی محبت ہو اور نہ ہو تو خدا اور حق کی محبت نہ ہو۔ چونکہ غیر اللہ کی محبت کے سلسلہ میں اپنا نفس سب سے مقدم ہے اس لئے گویا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محبت اپنے نفس سے ہو اور نفس کو چونکہ تمام مادی لذائذ سے محبت ہے اس لئے بواسطۂ نفس سارے مادی لذائذ سے محبت ہو جس کا نام دُنیا ہے۔ گویا حب ماسویٰ کا حاصل حُبِ دُنیا اور حُبِ نفس نکلا۔ دوسری اصل یعنی نفاق کا حاصل یہ ہے کہ نفسِ جاہل بوجہ حقیقت ناشناسی کے انہیں دی۔ لذائذ کو جن کی صورت آراستہ ہے اور انجام گندہ ہے اپنا منتہائے مقصود ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب کہ فی نفسہٖ یہ مادی لذائذ کسی برتری اور انجام کی خوبی نہ رکھنے کے سبب اہلِ بصیرت کی نگاہوں میں باوقعت نہیں بنتے اور وہ ایسے دنی مانوس کو قابلِ ملامت ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ نفوس اپنے خسیس مطلوبات پر اصول اور شائستگی کا پردہ ڈال کر انہیں معقول باور کرانے کی سعی کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے تمام نفسانی جذبات کو جن سے مذاقِ سلیم کتراتا ہے، کمالات کا لباس پہنا کر سامنے لاتے ہیں تاکہ اپنے ان خسیس مطلوبات کو عام نگاہوں میں کچھ باوقعت بنا سکیں۔

مثلاً عام لہو ولعب اور بازاری رقص وسرور کو فنونِ لطیفہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں منظم عیاشیوں اور بدکاریوں کو قانونی رنگ میں لے کر تہذیب وتمدن کا عنوان دیتے ہیں۔ استعمار اور جوع الارض کو خوش نما الفاظ میں پیش کر کے ترقی کا عنوان دیتے ہیں۔ جنگی آلات کی بے پناہ خوں ریزیوں اور تباہیٔ انسانیت کو جنگِ حق وصداقت اور قیامِ امن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

وسائل عیش و طرب کی فراہمی کو سوسائٹی کی بلندی اور برتری سے تعبیر کرتے ہیں۔ پرستش اپنے نفس اور ہوائے نفس کی کرتے ہیں اور الفاظ کے چکر سے اسی کو حق کی پرستش دکھلاتے ہیں۔ عقیدت و اطاعت اپنے جذبات کی ہوتی ہے اور نام سچائی کی عقیدت کا لیتے ہیں۔

غرض یہ مادّی نفوس اچھے عنوان سے فائدہ اٹھا کر اپنی ہوسناکیوں کو چھپانے اور انہیں خوب صورت الفاظ میں دکھلا کر باوقعت بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ درحالیکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاق کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ اندر کچھ ہو اور دکھلایا کچھ جائے۔ باطن گندہ ہو اور ظاہر کو آراستہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو دھوکہ اور فریب دیا جائے۔

مادّی تمدّن کی انہی خوشنمائیوں اور گندم نما جو فروشیوں کو قرآن کریم نے زینت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کی حقیقت یہی ہے کہ اندر کچھ نہ ہو مگر ٹیپ ٹاپ اور سطحی آرائش سے اس میں دلفریبی کافی پیدا کر دی جائے۔

ارشادِ حق تعالےٰ ہے :۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مِنَ الذَّهَبِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ؕ۔

"خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کی محبت، مرغوب چیزوں کی، عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے، مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی۔ یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

اس میں شہوت پرستیوں، مالی ہوسناکیوں، اسباب مفاخرت و ریاست، غرض مالی تکاثر اور جاہی تفاخر کو زینتِ دُنیا فرما کر تبلایا گیا ہے کہ ان تمام چیزوں زن، زر، زمین وغیرہ میں محض سطحی عاجل اور ناپائیدار لذّت ہے۔ ورنہ ان کی اندرونی حالت تیرہ و سیاہ ہے اور ان سب کی دابستگی کا انجام کدورت اور تلخی ہے۔ اگرچہ اُس پر کتنے ہی پردے خوشنما اور دلفریب عنوانات کے لباس پڑے ہوئے ہوں۔ جس کا حاصل ہے بے حقیقت دکھلاوا ہے جسے اصطلاحی لباس میں نفاق کہتے ہیں۔

اب اگر آپ غور کریں تو سائنس کے ان دونوں اصولوں، حُبِ ماسوئٰی اور نفاق کی

حقیقت باطل نکلتی ہے۔ نفاق کا باطل ہونا تو اس لئے ظاہر ہے کہ باطل کے معنی ہی یہ ہیں کہ دیکھنے میں بہت کچھ ہو اور حقیقت میں کچھ بھی نہ ہو۔ اوپر سے چمک رہا ہو اور اندر سے تاریک ہو۔ پس جبکہ نفاق کی بھی یہ ہی کیفیت ہے کہ اندر کچھ ہو اور اوپر کچھ ہو تو نفاق کا باطل ہونا واضح ہے۔

اُدھر ماسوی اللہ بھی باطل ہی کا ترجمہ ہے۔ کیونکہ ہر ماسوی اللہ کی ہستی ظاہر ہے کہ اللہ ہی کے وجود دیئے سے قائم ہوتی ہے۔ نہ وہ از خود قائم ہے اور نہ از خود موجود ہے۔ اس لئے حقیقتاً ماسویٰ اللہ کی ذات میں کوئی وجود یا کوئی کمال نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ذریعہ محض وجودِ حق اور کمالاتِ حق کا مظاہرہ ہوتا ہے اور جب کہ ماسویٰ اللہ کا خواہ وہ نفسِ انسانی ہو یا دوسرے موالید عناصرِ اربعہ ہوں یا دوسرے اجزائے کائنات، خود ہی کوئی وجود نہ نکلا، تو وہ بظاہر تو موجود ہیں، مگر کوئی ہستی ہی نہیں رکھتے۔ اس لئے کُل کا کُل ماسویٰ اللہ بھی اپنی ذات سے باطل ہی نکلا۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ

اور جب کہ سائنس کی بُنیاد انہی دو باطلوں پر تھی۔ ایک خدا سے قطع ہو کر ماسوای اللہ پر جو آفاقی باطل ہے۔ ایک نفاق پر جو انفسی باطل ہے تو پوری سائنس کی حقیقت بجز باطل ہونے اور باطل پسندی کے اور کچھ نہ ہوئی جس پر سائنسدانوں کا یہ ناز اور شور وشغب ہے کہ اس سے ساری زمین اور آسمانی فضا گونج رہی ہے۔

ہاں اس کے بالمقابل اگر ماسویٰ اللہ کو ترک کر کے اللہ کو اختیار کیا جائے تو وہ حق ہے اور نفاق کو ترک کر کے اخلاص کو اختیار کیا جائے تو وہ بھی حق ہے اور اللہ کے ساتھ اسی مخلصانہ تعلق قائم کرنے کا ہی نام اسلام ہے تو اسلام کی بنیاد ایسے حق پر نکلتی ہے جس میں باطل کا نشان نہیں۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سائنس تو ایک شورِ بے بنیاد اور باطل کا نام ہے اور اسلام ایک حقیقت ثابتہ اور حق کا نام ہے، جس کی جڑیں مستحکم اور دائمی ہیں، باطل کا کلمہ بے بنیاد، حق کا کلمہ اپنی بنیادوں پر ثابت و راسخ ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالے نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ٥ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ﹰ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ط

ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں وہ خدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتی ہوں اور اللہ تعالےٰ مثالیں لوگوں کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھیں اور گندہ کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کچھ ثبات نہ ہو۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مگر اس تقریر سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ میں نفس سائنس اور اس کی ایجادات کو روک رہا ہوں یا سائنس کی تعلیم پر حُرمت کا فتویٰ دے رہا ہوں یا اس میں اشتغال کلیتہً باطل ہے، بلکہ مقصد وہی ہے جو مختلف عنوانوں سے تقریر کے ذیل میں آچکا ہے کہ میں اسے قبلۂ مقصود اور کعبۂ مطلوب بنانے سے منع کر رہا ہوں۔ اگر یہ ساری جدوجہد جو آج سائنس کے سلسلہ میں کی جا رہی ہے کسی حقیقی مقصود کے لئے ہو وہ نہ صرف جائز ہی ہے بلکہ آج کے دور میں مطلوب ہے اور وہ مقصود نہ ساری دنیا ہے کہ وہ تو خود وسیلہ ہے۔ نہ مادی راحت و آرام ہے کہ وہ بھی وسیلہ ہے بلکہ ایک مسلمان کے لئے آخرت اور اس کی مذہبی دیانت ہی ہوسکتی ہے کہ وہی مقصود اصلی ہے اور اسی کے لئے انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔

پس سائنس مذہب سے بے تعلق رہ کر کلمہ خبیثہ ہے جس کے لئے کوئی ثبات و قرار نہیں اور مذہب کے ساتھ بحیثیت ایک خادم اور ذریعہ مطلوب کے وابستہ ہو کر وہ بلاشبہ نافع اور کار آمد ہوگی اور کلمہ طیّبہ ہی کے ذیل میں آجائے گی جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں۔

لیکن میں جہاں تک محسوس کرتا ہوں آج سائنسی جدوجہد ایک حقیقی مقصود کی سی نظر آ رہی ہے۔ لوگ اس پر اُسی کی خاطر جھک پڑے ہیں اور نہ صرف یہی کہ اس کے ردّ و قبول کا معیار مذہب کو نہیں بنایا گیا بلکہ بیشتر مواقع میں اُسے مذہب کے خلاف

استعمال کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ سائنس نے مذہب کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور گویا سائنس ایک ایسا مقصود ہے کہ مذہب اس کا وسیلہ تک بھی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ اُس کا قرار پائے۔

بہت ممکن ہے کہ دُنیا کے قدیم مذاہب کے لئے سائنس نے کوئی ایسا ہی تخریبی اقدام کیا ہو۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دُنیا کے جس مذہب کے ایک ایک جزو کے ساتھ سائنس ساتھ رہ کر چل سکتی ہے وہ نہ صرف مذہب فطرت یعنی مذہب اسلام ہے۔ اگر اس کی تفصیلات دیکھنی ہوں تو میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ "تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام" لکھا ہے جسے "ندوۃ المصنفین" دہلی نے شائع کیا ہے، جس میں واضح دلائل سے دکھلایا گیا ہے کہ سائنس کی تمام ایجادات درحقیقت اسلام کی معنویتوں کا مادّی رُخ ہیں اور اس دَور میں اسلام کی تفہیم اور اس کے اقرب الی الفہم کرنے کے لئے ہی تکوینی طور پر سائنسی ترقیات کا وجود عمل میں آیا ہے۔

پس جو شخص سائنس کو اسلام کا وسیلہ بنا کر استعمال کرے گا وہ اسلام کو قوت پہنچائے گا اور جو اسے مستقلاً مقصود بنا کر عمل میں لائے گا وہ اپنے نفس کو ضعف اور ضرر پہنچائے گا مگر اسلام کا اس سے کچھ نہیں بگڑ سکتا۔

طلبائے یونیورسٹی کیلئے مقامِ عبرت!

بہرحال جب کہ سائنس محض یعنی بلا توسط مذہب کلمہ خبیثہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں اور اسلام کلمۂ طیبہ ہے جس کی جڑیں مستحکم اور ہستی پائیدار ہے۔ تو نیک نہاد اسلام فرزندوں کے لئے اس میں سے عبرت و موعظت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوقات عزیز کو سائنس محض کے معمولات میں اس طرح نہ گنوائیں کہ وہ مقصودِ اصلی قرار پا جائے اور اس کی فانی لذات اصل ہو جائیں کہ یہ انجام کی ندامت کا سبب ہوگا۔ نیز وہ اُن اقوام کی ظاہری چمک دمک اور ٹیپ ٹاپ پر فریفتہ نہ ہوں جنہوں نے آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے گھروندہ میں سے کچھ چمکیلی چیزیں بنا کر دنیا کے لہو و لعب میں اضافہ کر دیا ہے کہ اس کی چمک دمک کی عمر بہت قلیل اور ہمیشہ قلیل ہی رہتی ہے۔

یہ سائنسی تمدن اور شہریت کی مکر چاندنی ایک متاع قلیل اور اس تمدن میں منہمک رہنے والی اقوام کی زندگی بہت محدود اور چند روزہ ہے وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے کہ چمکیلی تہذیب اپنے ہی تمدن سے ٹکرائے اور اپنے ہی متمدنوں کو اس اندرونی تصادم اور ٹکر سے ختم کر ڈالے:۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ط ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ط	"تم کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے چند روزہ بہار ہے۔ پھر اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بُری ہی آرام گاہ ہے"

دیکھنے میں عناصر اربعہ بھی نہایت نظر فریب ہیں۔ آگ نہایت چمکیلی باکر وفر اور حرارت کے دور رس اثرات کی مالک ہے۔ پانی دیکھنے میں چاندی کی طرح شفاف اور نمنا کی کے پھیلنے والے اثرات کا حامل ہے۔ ہوا بظاہر لطافت کے سبب نہایت رفیق الجسم اور ہر جگہ بہ ذاتِ خود منتشر اور موجود ہے۔ کرۂ زمین بحیثیت مجموعی نگاہوں میں نہایت باعظمت اور شکوہ اور تا حدِ نظر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مگر اپنے جبلی اخلاق و آثار کی بدولت یہ چاروں ہی عناصر محتاج، لپماندہ اور بے حد ذلیل

ثابت ہوئے اور ان کی یہ ظاہری چمک دمک اُن کی جوہری پستی کو نہ مٹا سکی۔ جیساکہ مفصل ثابت ہو چکا ہے۔

ٹھیک اسی طرح سمجھ لوکہ جس قوم یا سوسائٹی یا فرد پر ان مادّی اخلاق کا غلبہ ہوا در وہ رات دن مادّیات ہی کے جوڑ توڑ میں لگی رہے تو وہ قوم یا سوسائٹی گو بظاہر آگ کی سی چمک پانی کا ساگورا رنگ، ہَوا کی سی دور رسی اور پھیلاؤ اور زمین کی سی ٹھوس عظمت کی مالک نظر آرہی ہو۔ مگر اپنے ان مادّی اخلاق کے سبب جو اس میں مادّی اشغال کی بدولت رچ چکے ہوں اپنے کو انجام کی ذلّت وخواری سے کسی طرح نہیں بچا سکتی جو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اُس کے سامنے آکر رہے گی۔ کیونکہ جس مادّہ کی قیمت میں بدفطرت ہی سے کوئی عزت نہیں لکھی گئی۔ اُس کی بنائی ہوئی قومی عمارتیں جتنی بھی زیادہ سربفلک ہوں گی، اتنی ہی جلدی منہدم ہو جائیں گے۔

خاتمۂ کلام اور خلاصۂ نصیحت

پس اے عزیزانِ ملّت! آج کی نام نہاد متمدن اقوام کی ظاہری شوکت پر نہ جاؤ۔ ان کا ہلاکت آفریں انجام عنقریب ہی سامنے آنے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خدا نہ کردہ ان کی نقالی اور تقلید سے تم بھی اُس انجام کی لپیٹ میں آجاؤ۔ ان اقوام کی طاقت آپ کے ضعف میں مضمر ہے نہ کہ خود اُن کے کسی جوہر میں۔ روحانیوں نے میدان چھوڑ دیا تو مادّیوں نے اُسے آ دبایا۔ ورنہ جب دورِ اسلاف میں روحانیوں کی کثرت اور روحانی قومیت قائم تھی تو دُنیا جانتی ہے کہ اُنھوں نے مادّی عظمتوں کو کس کس طرح نیچا دکھایا اور مادّی رفعتوں کی کیا گت بنائی ہے۔ اگر آج بھی آپ اپنی حقیقت پہچان کر حقیقت پسند بن جائیں تو وہ سابقہ عظمت لوٹ سکتی ہے ورنہ یہ صورتوں کی یہ نمائشیں زیادہ دیر پا ثابت نہ ہو سکیں گی۔

بہرحال حدیث کی ایک حد تک شرح ہو چکی ہے اور اسلام کے موضوع کے عوارض یعنی دو تنوں کی حقیقت، دونوں کی غرض وغایت، دونوں میں مقصود و وسیلہ کی تعین، دونوں کے طبعی اخلاق وخواص دونوں کا انجام اور پھر دونوں کے مقتضا میں

نے اپنی بساط کے موافق اس حدیث سے استنباط کرکے آپ کے سامنے پیش کر دیا اور جس عنوان کا بیان آپ حضرات نے مجھ پر عائد فرمایا تھا، الحمد للہ کہ میں اُس سے ایک حد تک عُہدہ برآ ہو چکا ہوں۔ اس لئے دُعائے توفیق و استقامت پر اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ آخِراً ۔

احقر محمد طیّب غفرلہٗ وَلِوَالِدَیہ

مہتمم دارُالعُلوم دیوبند

(۷؍ اگست ۱۹۳۸ء مطابق ۸؍ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ یوم یکشنبہ)

وَقُل لِّعِبَادِی یَقُولُوا الَّتِی هِیَ اَحْسَنُ

مآثرِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

ترمیم واضافہ شدہ آخری ایڈیشن

حکیم الامت مجدد ملت حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز
کی سوانح حیات اور خانقاہِ اشرفیہ کا تفصیلی خاکہ، آپ کی خصوصیاتِ زندگانی تصوف و سلوک کے
ضوابطِ اجتہادی و تجدیدی انفرادیت انداز تعلیم و تربیت دیگر مفید مضامین و ملفوظات کا انتخاب
اور ان کی تشریحات کو خاص ترتیب کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے

ارشادات و افادات

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی قدس اللہ سرہ
خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز

مرتب: جناب مسعود حسن علوی مرحوم

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور ۲

۱۲ بارہ مہینوں کے فضائلِ و احکام

محرم الحرام
صفر المظفر
ربیع الاول
ربیع الثانی
جمادی الاولیٰ
جمادی الثانیہ
رجب المرجب
شعبان المعظم
رمضان المبارک
شوال المکرم
ذوالقعدہ
ذوالحجہ

ہجری اسلامی سال کے بارہ مہینوں سے متعلق اسلامی تعلیمات پر مشتمل مفید کتابوں کا بہترین مجموعہ جس میں اسلامی تہواروں اور وقتی دینی عبادات کے فضائل و مسائل قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو ان مواقع پر کیا کرنا چاہیئے اور وہ کون سے رسوم و رواج ہیں جن سے بچنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

— مجموعۂ رسائل —

(۱) حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مجازِ بیعت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
(۲) صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب
مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا